

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد مسعود

کی
علمی و دینی اور سیاسی خدمات

مفتی

پروفیسر

مولانا فضل الرحمن

وزیر اعلیٰ، پاکستان

PDFBOOKSFREE.PK

ڈاکٹر مولانا محمد مسعود

پروفیسر

مولانا محمد مسعود



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئین کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالب دُعا سعید خان



PAKISTAN VIRTUAUL LIBRARY

www.pdfbooksfree.pk

مفتی اعظم مولانا مفتی محمود

کی

علمی، دینی اور سیاسی خدمات

مقدمہ: قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمن (ایم۔ این۔ اے)
مرکزی امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان

تحقیق و تالیف

ڈاکٹر مولانا عبدالحکیم اکبری

خطیب جامع مسجد گول یونیورسٹی

شعبہ عربی، علوم اسلامیہ و تحقیق گول یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

مکتبۃ الحمید

بالمقابل گرڈ شیشن، شیخ یوسف روڈ، ڈیرہ اسماعیل خان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اُس وقت کے امام کو میرا سلام ہو

الحاج عبدالکریم صابر ڈیرہ۔ 1973ء

نباضِ صبح و شام کو میرا سلام ہو
شیخ الحدیث مفتی محمود شیخ وقت
جو ہر قدم پہ خضر حیاتِ عمل رہا
تاریخ جس کو یاد رکھے گی تمام عمر
گھبرایا جو نہ پیچ و خم راہ سے کبھی
جو محترم ہے سارے زمانے کی واسطے
وہ جس نے ہم کو دی ہے نوید سکون دل
جو چاہتا ہے ہر طرح اسلام کا نظام
آئین دین کے واسطے جو وقف ہو گیا
بطلِ جلیل مفتی اعظم امام وقت
ذی جاہ ذی وقار ہیں ذیشان و ذی شعور
ذی عز و ذی اکرام کو میرا سلام ہو

صابر بصد خلوص و عقیدت بطرزِ نو

اُس وقت کے امام کو میرا سلام ہو

نام کتاب مفتی اعظم مولانا مفتی محمود کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات
مؤلف ڈاکٹر مولانا عبدالحکیم اکبری
سن اشاعت 2010ء / 1431ھ
ناشر مکتبۃ الحمید، ڈیرہ اسماعیل خان
کمپوزنگ قاری حافظ محمد خالد۔ ڈیرہ اسماعیل خان
قیمت

ملنے کا پتہ

مکتبۃ الحمید

بالمقابل گرڈ سٹیشن، شیخ یوسف روڈ، ڈیرہ اسماعیل خان

فون نمبر: 0966-717806
03459822722
03229820151
03449352930

موبائل نمبر: 03449352930

بیاد حضرت مولینا مفتی محمودؒ

غفار بابر۔ ڈیرہ۔ 2002ء

وہ شب زدوں میں سحر کا دماغ رکھتا تھا
ہوا کے دوش پہ اپنا چراغ رکھتا تھا
جو کر رہا تھا رفو دوسروں کے زخموں کو
وہ شخص آپ دل داغ داغ رکھتا تھا
وہ دشت غم کا مسافر تھا ایک دیوانہ
وہ اپنے دل کو مگر باغ باغ رکھتا تھا

عجیب جاگتی آنکھوں میں خواب رکھتا تھا
وہ نوک خار پہ برگ گلاب رکھتا تھا
وہ جس کے عزم پہ قرباں جوانیوں کا غرور
وہ مرد پیر بھی کیسا شباب رکھتا تھا
خدا کی ذات پر اس کا یقین کامل تھا
وہ دل میں عشق رسالت مآبؐ رکھتا تھا
کرن کرن کو اجالوں کی بھیک دیتا تھا
نظر نظر میں وہ صد آفتاب رکھتا تھا

وہ اپنی زیست کے لمحوں کی لاج رکھتا تھا
وہ ”کل“ کو اپنے تصرف میں ”آج“ رکھتا تھا
وہ اک خطیب کہ شعلہ نوا بھی تھا لیکن
غضب کی دھوپ میں شبنم مزاج رکھتا تھا
وہ خار زار محبت پہ چل رہا تھا مگر
گلوں پہ قرض وہ اپنا خراج رکھتا تھا
وہ ایک مرد قلندر بھی کیا سکندر تھا

فہرست مضامین

75	(۷) مولانا سید محمد میاں صاحب
78	(۸) حضرت مولانا نضر الدین صاحب
80	(۹) حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن امر وہوی
81	(۱۰) حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب
82	بیعت و سلوک
85	تلاذہ
85	(۱) حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی
86	(۲) صاحبزادہ محمود صاحب
87	(۳) حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب
	(4,5,6) حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب
87	(۷) مولانا محمد رمضان صاحب میانوالی
88	(۸) مولانا محمد ضیاء القاسمی
88	(۹) مولانا نور محمد صاحب
89	(۱۰) خلیفہ محمد صاحب
89	(۱۱) مولانا محمد اکبر صاحب
89	(۱۲) مولانا قاری محمد حنیف صاحب
90	(۱۳) مولانا عبد القادر آزاد
90	(۱۴) مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب
91	(۱۵) مولانا عبد البر محمد قاسم صاحب
91	(۱۶) مولانا عبد المجید صاحب
91	(۱۷) مفتی محمد انور شاہ صاحب
92	(۱۹) مولانا غلام یسین صاحب شاکر

13	اظہار تشکر
16	پیش لفظ
24	مقدمہ
49	باب اول: حالات زندگی
50	حاندان و سلسلہ نسب
50	حانقاہ یسین زئی
54	والد ماجد خلیفہ محمد صدیق صاحب
55	مفتی محمود کی ولادت
56	مفتی صاحب کے بہن بھائی
59	ماحول
62	ابتدائی تعلیم
63	اعلیٰ تعلیم
65	مدرسہ اسلامیہ امر وہہ و اجازت سند حدیث
70	استاذ کرام
70	(۱) والد ماجد خلیفہ محمد صدیق
70	(۲) مولوی شیر محمد پنیالوی
71	(۳) مولوی شیر محمد قندھاری
71	(۴) حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحب
71	(۵) مولانا غلام رسول صاحب
72	(۵) حضرت مولانا عبد الغفور ترکئی غزنوی
74	(۶) مولانا عجب نور صاحب

170	باب دوم: علمی خدمات
171	آپ کا علمی مقام
182	تدریسی خدمات
190	حدیثی خدمات
192	فقہی خدمات
202	جدید فقہی مسائل کے حل میں آپ کی خدمات
205	مسئلہ رویت ہلال میں ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کے استعمال کا حکم
209	مشینی ذبیحہ کا مسئلہ
214	بندوق کی گولی سے شکار کا حکم
217	نوٹ کی شرعی حیثیت اور اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم
218	درہم و مثقال کے وزن میں اختلاف اور اس کا حل
218	مرزائیوں کی اولاد کے ارتداد کا مسئلہ
220	ایک خفی کے لئے کسی خاص مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ میں کسی دوسرے امام کی پیروی کا مسئلہ
221	حنلائی سائنسدانوں کی چاند تک رسائی کا مسئلہ
224	بینک کی طرف سے زکوٰۃ کی جبری وصولی کا مسئلہ اور مولانا مفتی محمود کا موقف
228	بحیثیت قاری و مقصری
231	تفسیری خدمات
235	بحیثیت ادیب و خطیب آپ کی صفات و خدمات
244	تالیفات و تصنیفات
264	خلاصہ بحث
266	حوالہ جات
276	باب سوم: دینی خدمات
277	دینی مقام

92	(۲۰) مولانا عبدالرحمن فخر صاحب
93	(۲۱) مولانا محمد جان صاحب کوئٹہ
93	(۲۲) مولانا در محمد صاحب
93	(۲۳) مولانا مفتی سعد الدین صاحب
94	(۲۴) مولانا محمد صاحب
94	(۲۵) مولانا فضل الرحمن
95	(۲۶) مولانا قاضی حبیب الرحمن صاحب
95	نکاح، اولاد و احفاد
97	عسائی و حنا گئی زندگی
101	عبدل خیل منتقلی و مستقل قیام
102	مدرسہ قاسم العلوم ملتان
104	بچپن اور جوانی کے پسندیدہ کھیل
106	قید و بند
108	مستانہ حملے
116	خواب میں حضور ﷺ کی زیارت
119	بیرون ملک سفر
124	لاحق بیماریاں اور علاج
130	حج کے لئے روانگی، کراچی آمد اور مصروفیات
133	وفات حسرت آیات
136	جنازہ و تدفین
139	ذاتی اوصاف و کمالات
157	خلاصہ بحث
158	حوالہ جات

367	تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں قائدانہ کردار
372	جہاد افغانستان میں کردار
377	خلاصہ بحث
380	حوالہ جات
392	باب چہارم: سیاسی خدمات
393	ملکی سیاست میں آپ کا مقام
404	سیاست میں آمد
410	آپ کے سیاسی معاصروں کا ادراک
418	طرز سیاست
436	سیاسی جماعتوں کے اتحاد میں آپ کا کلیدی کردار
441	علماء کی سیاسی بیداری میں آپ کا بنیادی کردار
449	مولانا مفتی محمود پارلیمنٹ میں
462	موقوفہ ڈھاکہ اور اس کے روکنے کے لئے مفتی محمود کی کوششیں
470	ملک کو درپیش مسائل کے حل کے بارے میں حکمت عملی
473	تعلیمی مسائل
481	معاشرتی مسائل
484	پاکستان کے معاشی مسائل
495	مسئلہ اشیاء اموات
500	مسئلہ مزارعت
504	انگریزوں کی عطا کردہ جاگیروں کو چھین کر بے زمینوں میں تقسیم کر دینا
505	دلیل نمبر ۱
506	دلیل نمبر ۲
506	دلیل نمبر ۳

281	تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں حصہ اور قید و بند کے مراحل
288	مسئلہ رویت ہلال کے حل میں کلیدی کردار
292	جمعیت علماء اسلام کے احیاء میں کردار
304	۱۹۵۶ء کا دستور - تنقیدات و ترمیمات
309	جہاد کا نفرنس کا انعقاد
310	”فیصلی لاز“ کو خلاف اسلام ثابت کرنے کی مساعی
314	مفتی محمود کا وفاق المدارس العربیہ کے قیام و تنظیم میں کلیدی کردار
325	مجمع البحوث الاسلامیہ جامعہ ازہر مصر کے اجلاسوں میں شرکت
329	ڈاکٹر فضل الرحمن کے گمراہ کن نظریات کی مخالفت میں قائدانہ کردار
335	جشن ملتان کے خلاف تحریک کی قیادت اور گرفتاری
337	مولانا مفتی محمود کا دینی و مذہبی جماعتوں کے اتحاد میں فعال کردار
347	دینی و تعلیمی اصلاحات و قوانین کا احیاء
351	شراب پر پابندی
352	بجئے پر پابندی
353	سود پر پابندی
354	جہیز ایکٹ
356	احترام رمضان آرڈیننس
357	پردہ نسواں
358	جمعہ کی تعطیل کی سفارش
359	اُردو کو سرکاری و دفتری زبان قرار دینا
359	سرکاری لباس
360	تعلیمی اصلاحات
361	آئین کی تشکیل اور اسلامی دفعات شامل کرانے میں کامیاب کردار

اظہارِ تشکر

حامدا و مصلّیا و مسلّما

اللہ وحدہ لا شریک لہ کے فضل و احسان، اساتذہ کرام کی شفقت و تعاون اور دوست احباب کی دُعا و حوصلہ افزائی سے میں اس قابل ہوا کہ اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان ”مولانا مفتی محمود کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات کا تحقیقی مطالعہ“ آپ کے مطالعہ کے لئے پیش کر سکوں۔ اگر ایک طرف میرے لئے خوشی اور مسرت کی انتہا ہے تو دوسری طرف رب کریم کے بے بہا انعامات و احسانات کے اظہارِ تشکر کے لئے سر تاپا اپنے آپ کو عاجز و درماندہ محسوس کرتا ہوں۔ اس کے سپاس تشکر کے لئے بھی، اسی کے فضل و احسان اور توفیق کے لئے دست بدعا ہوں۔

میرے اساتذہ کرام نے میرے دل کے اندر دین اسلام اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا جو جذبہ پیدا کیا۔ اور جس طرح مزید مطالعہ اور تحقیق کے لئے میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، میں خوشی کے اس موقع پر اُن کا از حد شکر گزار ہوں۔ خصوصاً میرے شکریہ کے مستحق میرے نگران مقالہ جناب ڈاکٹر محمد صدیق صاحب اسٹنٹ پروفیسر و چیئر مین شعبہ عربی، علوم اسلامیہ و تحقیق و ایڈیشنل کنٹرولر گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان و جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد اسلم خان صاحب ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ عربی، علوم اسلامیہ و تحقیق گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان ہیں جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ مجھے حوصلہ دیا۔ اور فن تحقیق کے لحاظ سے مجھے مفید مشوروں سے نوازا۔ میں ان کی بھرپور توجہات اور عنایتوں کے بدلے ان کی خدمت میں جتنا بھی سپاس امتنان پیش کروں کم ہے۔

508 حنا ربہ پالیسی
517 ملکی دمناع کے بارے میں حکمت عملی و تجاویز
519 قومی اور عوامی مسائل و مشکلات کے حل کرنے کے لئے آپ کی جدوجہد
530 خلاصہ بحث
532 حوالہ جات
544 باب پنجم: مولانا مفتی محمود کے سیاسی موقف پر اعتراضات اور ان کے جوابات
546 تحریک پاکستان کی مخالفت کا اعتراض
555 جمہوریت کی حمایت کا اعتراض اور اس کا جواب
559 ایوب خان کے دور میں آئینی ترمیم کی حمایت کا اعتراض اور اس کا جواب
565 سوشلزم کی حمایت کا الزام اور اس کا جواب
572 ضیاء الحق کے کابینہ میں شمولیت کا اعتراض اور اس کا جواب
581 جمعیت نیپ معاہدہ پر مولانا غلام غوث ہزاروی کے اعتراضات اور جمعیت علماء اسلام سے ان کی علیحدگی
603 مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ..... اور ان کے مخالفین
608 مولانا مفتی محمود کا وزارت علیا سے استعفیٰ کی وجوہات

میں ان علم دوست احباب و علم پرور حضرات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے مقالہ کے موضوع کی مناسبت سے مجھے کتب و حوالہ جات کی فراہمی میں کبھی کسی مشکل کا شکار نہ ہونے دیا۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب مہتمم جامعہ قادریہ و جامعہ دارالہدیٰ بھکر، مرکزی سرپرست جمعیت علماء اسلام پاکستان، جناب حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب مہتمم جامعۃ الباقیات الصالحات لکی مروت و سابق ناظم امتحانات وفاق المدارس العربیہ ملتان، پاکستان و سابق شیخ الحدیث و مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان۔ اور مولانا مفتی محمد انور شاہ کا اس لحاظ سے بھی کہ مقالہ ہذا کی اشاعت سے قبل انہوں نے اس کو زیر مطالعہ رکھا اور بعض مقامات کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ جناب خواجہ محمد زاہد صاحب (سابق مرکزی ناظم مالیات جمعیت علماء اسلام پاکستان) ڈیرہ اسماعیل خان کا (خواجہ محمد زاہد صاحب 2010-03-22 کو مولانا لطف الرحمن کے ضمنی الیکشن کے ذمہ داری کی حیثیت سے رات دس بجے اپنے دیگر جماعتی کارکنوں کے ساتھ الیکشن آفس میں موجود تھے کہ کسی سیاہ بخت نے ہینڈ گریڈ پھینکا جس سے خواجہ محمد زاہد صاحب کی شہادت واقع ہوئی۔ اُن کے ساتھ میرے قابل احترام دوست شیخ ایاز بھی شہید ہو گئے۔ جبکہ باقی ساتھی زخمی ہوئے) بہت ہی ممنون ہوں۔ اور ان کے لئے اللہ بزرگ و بالا کی طرف سے ان کے مدد و تعاون پر اجر کے لئے دست بدعا ہوں۔

میں اپنی اہلیہ محترمہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری کتابوں اور میرے اوراق کی حفاظت میں از حد دلچسپی لی۔ اور مجھے اس سلسلے میں ذہنی پریشانی سے کافی حد تک محفوظ رکھا۔ میرے تحقیقی مقالہ کے کمپوزر جناب حافظ محمد کامران صاحب اور جناب مولانا حافظ قاری محمد خالد بھی شکر یہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے بروقت میرے کام کی تکمیل میں میرے ساتھ تعاون کیا۔

میں اپنے تمام اساتذہ کرام، دوست و احباب اور یہی خواہوں کا بھی احسان مند ہوں خصوصاً درج بالا حضرات کا جن کے تعاون سے میں اس تحقیقی مقالہ کو ظاہری اور باطنی خوبصورتی کے ساتھ قاری حضرات کے سامنے لانے میں کامیاب ہوا۔ میں ان تمام اصحاب قلم کا شکر گزار ہوں جن کی بیش بہا تحریروں سے مجھے اس تحقیقی کام میں استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

بہت ناسپاسی ہوگی اگر میں شکر یہ ادا نہ کروں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کا۔ جنہوں نے میرے اس مقالہ کو اوّل تا آخر پڑھا۔ کئی دن تک زیر مطالعہ رکھا۔ اور بعض واقعات مقامات کے بارے میں مجھے اپنی حتمی آراء سے نوازا۔ اور پھر مفتی صاحب سے متعلق گومل یونیورسٹی میں منعقدہ سیمینار میں اپنی تقریر کو اس مقالہ کی اشاعت کی صورت میں اس کے ”مقدمہ“ کے طور پر شائع کرنے کی اجازت دے دی۔ جو کہ تحریر کی صورت میں لانے اور آپ کی نظر ثانی کے بعد اس کو اس کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

میرے شکر یہ کے مستحق مولانا عبد الحمید صاحب مہتمم جامعہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات، مدرّس جامعۃ المعارف الشرعیہ و مدیر مکتبۃ الحمید ڈیرہ اسماعیل خان بھی ہیں۔ جنہوں نے اپنے ادارے کی طرف سے اس کتاب کو شائع کرنے میں میرے ساتھ تعاون کیا۔

عزیزم ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب ایسوسی ایٹ پروفیسر گومل میڈیکل کالج و آر تھوپیدک سرجن نیچنگ ہسپتال ڈیرہ اسماعیل خان سے بھی اظہار تشکر کرتا ہوں جن کے مالی تعاون سے میں اس قابل ہوا کہ اس کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کر سکوں۔ اور قارئین و محققین کے استفادہ کے قابل بناسکوں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

ڈاکٹر عبد الحکیم اکبری

پیش لفظ

ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾ الرَّحْمَنِ
الرَّحِيمِ ﴿٣﴾ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٤﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾
أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٦﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ
الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٧﴾ آمِينَ

والصلوة والسلام على افضل الانبياء وسيد المرسلين وعلى اله واصحابه
ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين۔

زیر نظر تحقیقی مقالہ مولانا مفتی محمود کی خدمات کے حوالہ سے ہے جیسا کہ اس کے
عنوان سے واضح ہے۔ ان کی حیات و خدمات اور شخصیت و کردار، ان کے افکار و نظریات، ان کے
خطابات و تقاریر، مضامین و انٹرویوز، اب تک بیسیوں کتب و مقالات کا موضوع رہے ہیں۔
اور آئندہ بھی ان کی شخصی و اجتماعی زندگی اور ملی و قومی خدمات پر اہل فکر و شعور اور صاحبان قلم
و قسطاس خامہ فرسائی کرتے رہیں گے۔ ان کے لئے کافی وسیع میدان ہے۔ اور ابھی مفتی صاحب
کی زندگی و خدمات کے بہت سے وہ پہلو جو پردہ اخفاء میں ہیں ان کو تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے
حوالہ قلم و قسطاس کرنا ایک اجتماعی قرض ہے۔ جن کے لئے ایسے صاحبان علم و ضرور سامنے آئیں
گے۔ جو یہ قرض چکا سکیں گے۔

زیر مطالعہ تحقیقی مقالہ ایک طالب علمانہ کاوش ہے۔ جس میں اس اعتراف کے ساتھ
کہ میں اس کا کماحقہ حق ادا نہ کر سکا۔ صرف اب تک اس سلسلے میں ہونے والے تحقیقی کام کے
منتشر مضامین کو ایک مخصوص عنوان کے تحت یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔ جو کہ یقیناً سراہا جائے
گا۔ اور میرے جیسے بے بضاعت و بے بساط تحقیق کے راستہ کے آبلہ پار اہروں کی حوصلہ افزائی کی
جائے گی۔ تاکہ آئندہ تحقیق کرنے والوں کے لئے کارگر واقع ہو سکے۔

حضرت مفتی صاحب کی حیات و خدمات پر جناب محمد نعیم آسی صاحب نے مفتی صاحب
کی حیات میں جو کتاب مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات) کے عنوان سے لکھی ہے۔ ان کے وہ جملے
مجھے بہت پسند آئے اور میرے دل کی آواز محسوس ہوئے جو انہوں نے ابتداء میں لکھے ہیں۔ میں
یہاں بات کو آگے بڑھانے سے پہلے انہیں کا سہارا لیتا ہوں۔

”اس کتاب کا مرکزی کردار ایک مخلص اور سیدھا سادا انسان ہے۔ جس کی زندگی ایک
کھلی کتاب ہے۔ اور جسے ہر کوئی پڑھ سکتا ہے۔ سیاسی اعتبار سے اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں۔ نہ وہ
کسی کو دھوکا دیتا ہے اور نہ کسی سے دھوکا کھاتا ہے۔ نہ خود سپردگی کا قائل ہے، نہ خواہ مخواہ لڑائی
بھڑائی کا۔ یہ کتاب ایک باحمیت عالم دین، ایک زیرک سیاستدان اور ایک عالی دماغ مدبر و منتظم کی
کہانی ہے۔ آپ ان کے کسی خیال یا اقدام سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ مگر یہ امر واقعہ ہے۔ اور اس
سے انکار ممکن نہیں کہ مفتی صاحب کی تمام تر سعی و جہد اور تگ و تاز کا مرکزی نقطہ روز اول سے
اسلام.... اور صرف اسلام ہے۔ وہ اسلام کے نشاۃ ثانیہ اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے
سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے بے حد محبوب ہے۔“

یہی اس عظیم شخصیت کی خدمات و کردار کی کرشمہ سازی ہے کہ جیسے وہ محمد نعیم آسی
کے محبوب ہیں میرے بھی محبوب ہیں۔ اور مجھ جیسے لہکھوں انسانوں کے دلوں میں ان کی محبت
گھر کر چکی ہے۔ اور یہی وجہ ہے جس نے مجھے اس حوالہ سے تحقیق کے لئے میدان فراہم کیا۔

اور مجھ جیسے بے بضاعت و بے بساط ادنیٰ درجہ کے طالب علم سے یہ کام لیا۔ میں یقیناً مفتی صاحب کی ذات کی یہ کرامت سمجھتا ہوں کہ جس کام کو ابتداء میں سوچتے ہوئے، آغاز کرتے ہوئے خوف محسوس کر رہا تھا اور اپنے آپ کو ہرگز اس تحقیقی کام کا اہل نہیں پارہا تھا۔ یہ کام مختصر سے عرصہ میں تکمیل تک پہنچا۔ اس میں میری کوئی قابلیت و اہلیت نہیں تھی یہ سب کچھ اس عظیم شخصیت کی بدولت اور ان کی کرامت سے ممکن ہوا۔

زیر نظر مقالہ کا موضوع ایک عظیم شخصیت کی خدمات ہیں۔ جو ۱۹۲۳ء میں تحصیل علم سے فراغت سے لے کر ۱۹۸۰ء میں ان کی وفات تک ایک طویل مدت میں انجام دئے گئے ہیں جس میں وہ بڑے بڑے انقلابات آئے۔ متعدد تحریکیں چلیں۔ مختلف حیثیتوں سے آپ کی شخصیت کی صلاحیتیں نمودار ہوئیں۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ بعض حضرات کو ان کی کسی بات، عمل یا تحریک سے اختلاف رہا ہو۔ ان کو ایسے کرنے کا مکمل حق ہے۔ مگر یہاں یہ بات وہ اپنے مطالعہ میں پیش نظر رکھے کہ مقالہ نگار نے کہاں تک فن تحقیق کی باریکیوں اور لوازمات کا التزام کیا ہے۔ اور کہاں اس کا قلم راہ راست سے پھسلا ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ کسی بات کی چھان بین کے لئے ضروری شرائط کو مد نظر رکھا جائے۔ لیکن جہاں انسانی خطا سے شعوری طور پر بچنا ممکن نہیں لا شعوری طور پر تو غلطیوں کے صدور سے بالکل کوئی چارہ ہی نہیں۔

راقم الحروف نے اس کے باوجود کوشش یہ کی ہے کہ جو کچھ لکھے اپنی بساط بھر چھان بین، تحقیق اور مع حوالہ لکھے۔ اور جس حوالہ سے جو بات معلوم ہوئی ہے اس کا ماخذ ضرور لکھے۔ راقم الحروف کا مفتی صاحب سے تعلق ابتدائی یادداشت سے ہے۔ اس لئے متعین طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان سے پہلی ملاقات کب ہوئی تھی۔ کیونکہ ہمارا تعلق ایک ہی بستی عبدالخیل سے ہے۔ صرف اتنا یاد آتا ہے کہ وہ راقم الحروف کے والد بزرگوار کی محفل میں بعض دفعہ شریک ہوتے۔ کتابوں کا مطالعہ ہوتا۔ اور بحث مباحثہ ہوتے۔ جس میں دیگر علماء بھی

شریک ہوتے تھے۔ راقم الحروف کے حافظے میں یہ واقعہ اب بھی موجود ہے کہ راقم الحروف جن دنوں ان کے چھوٹے بھائی خلیفہ محمد مرحوم سے ”قاعدہ“ پڑھ رہا تھا۔ کہ ایک دن ان کی بیٹھک میں قاعدوں اور پاروں کے مخصوص جگہ سے اپنے قاعدہ اٹھانے کے لئے اندر داخل ہوا تو وہاں مفتی صاحب گاؤں کے دیگر رہنے والوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حسب روایت ان سے مصافحہ کیا۔ تو انہوں نے پڑھائی کے بارے میں پوچھا اور پھر امتحان لیا یہ تو معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا پوچھا اور یہ کہ راقم الحروف کا جواب صحیح بھی تھا یا غلط۔ لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ انہوں نے نقد انعام دے کر حوصلہ افزائی کی تھی۔ پھر تو مسلسل ایک نہ ٹوٹنے والا تعلق قائم رہا۔ جو حالات کے اتار چڑھاؤ سے بالاتر رہا۔ راقم الحروف نے دینی تعلیم کی ابتداء انہی کے زیر سایہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان سے کی۔ جہاں راقم الحروف کے بڑے بھائی مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدرس و معین مفتی تھے۔ تقریباً دو سال وہاں زیر تعلیم رہا۔ دوسرا تعلیمی سال تھا کہ مدرسہ کے تعلیمی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ اعلیٰ درجہ کے مدرسین ابتدائی کتب میں سے کوئی ایک کتاب ضرور زیر درس رکھیں گے۔ اس طرح علم نحو کی ابتدائی کتاب ”نحو میر“ کے ابتدائی اسباق حضرت مفتی صاحب سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسباق کے علاوہ فارغ اوقات میں ان کی محفل میں بیٹھنا۔ ان کے مہمان خانے میں مہمانوں کی خدمت کرنا گویا کہ ان کے قریب قریب رہنے کا خوب موقع ملا۔ تعطیلات میں گاؤں میں سارا سارا دن ان کی محفل میں بیٹھنے کا موقع ملتا اور پھر جب ان کے بڑے صاحبزادے مولانا فضل الرحمن صاحب نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک میں داخلہ لیا جہاں راقم پہلے سے وہاں زیر تعلیم تھا۔ پھر ایک ہی کمرہ میں چار سال تک رفاقت نے مفتی صاحب کے اور زیادہ قریب کیا۔ اسی دوران کئی اسفار میں معیت بھی حاصل رہی۔ ہر ہفتہ، ہفتہ وار تعطیل کے موقع پر پشاور میں جب وہ وزیر اعلیٰ رہے اور اسلام آباد کے پارلیمنٹ ہاسٹل میں جہاں وہ رہائش پذیر رہے، مولانا فضل الرحمن کے ہمراہ ان کے ہاں جانے کا بار بار موقع ملا۔ ۱۹۷۶ء راقم

الحروف کے دورہ حدیث کا سال تھا۔ اور اسی سال جمعیتہ طلباء اسلام میں اختلافات عروج پر پہنچ گئے تھے۔ آخر کار جمعیتہ علماء اسلام کے بزرگوں نے اس مسئلہ کے حل کے لئے غور و خوص شروع کیا۔ جس کے لئے انہوں نے موجودہ تنظیم کو توڑ کر ایک کنوینٹنگ باڈی تشکیل دی۔ جس کے کنوینٹر جناب محمد اسلوب قریشی اور سیکرٹری میاں عارف صاحب مقرر کئے گئے۔ جبکہ راقم الحروف کو صوبہ سرحد سے واحد نمائندہ مقرر کیا گیا۔ چونکہ اسلوب قریشی نے بعد میں اس فیصلے کے ماننے سے انکار کیا اس لئے اس سات رکنی کنوینٹنگ باڈی کا راقم الحروف کو کنوینٹر مقرر کیا گیا۔ اس کے لئے سات رکنی کمیٹی کی میٹنگ جمعیتہ علماء اسلام کے مرکزی دفتر رنگ محل لاہور میں طلب کی گئی۔ جب کمیٹی کے ارکان نے غیر متوقع طور پر مرکزی کنوینٹر کے لئے میر انام پیش کیا گیا تو میں نے معذرت کر دی۔ شدید اصرار کے باوجود میں نے آمادگی ظاہر نہ کی۔ تو ساتھیوں نے فون کے ذریعہ مفتی صاحب سے ملتان رابطہ قائم کیا اور ساری صورت حال ان کو بتادی۔ انہوں نے راقم الحروف کو فون پر یہ ذمہ داری لینے کی ہدایت فرمادی۔ جواب میں راقم الحروف نے دو شرطیں رکھ دیں۔ ایک یہ کہ آپ تنظیم کی سرپرستی فرمائیں گے اور دوسری یہ کہ آپ اپنے فرزند مولانا فضل الرحمن کو یہ اجازت دیں گے کہ اگر ہم نے مناسب سمجھا کہ صوبہ سرحد میں ان کو کوئی تنظیمی ذمہ داری دیں تو آپ کی طرف سے اجازت ہوگی۔ مفتی صاحب نے ان شرائط پر آمادگی ظاہر کر دی۔ اور اس طرح راقم الحروف نے اپنے ساتھیوں کے تعاون سے مقررہ مدت چھ ماہ سے مزید تین ماہ کے عرصہ میں ملکی سطح پر ابتدائی تنظیم سے مرکزی تنظیم تک تمام تنظیم قائم کر دیں۔ اور جماعت میں ایک نئی روح پھونک دی۔ یہاں یہ واقعہ بھی اہم ہے کہ جب 1976ء میں بھٹو حکومت نے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی مسجد ”مسجد نور“ کو ادقاف کی تحویل میں لیا۔ تو اس کے خلاف زبردست تحریک چلی۔ ان دنوں ایک طرف پنجاب میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ دوسری طرف گوجرانوالہ میں جیل بھرو تحریک شروع تھی۔ اس دوران دو دفعہ مفتی صاحب نے راقم الحروف کو

میاں محمد عارف کے ہمراہ شاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا عبد القادر آزاد کے پاس بھیجا (جو کہ مفتی صاحب کے شاگرد تھے) تاکہ اس کے اثر و رسوخ کو کام میں لے کر اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔ جس کا آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت نے مسجد و اگزار کر دی۔

1977ء کی تحریک میں راقم الحروف اور مولانا عبد المالک شاہ صاحب حال مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و سابق صوبائی ناظم جمعیتہ علماء اسلام صوبہ پنجاب نے ڈیرہ اسماعیل خان میں اکابرین قومی اتحاد کی گرفتاری کی وجہ سے تحریک کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اس لئے جب ضیاء الحق نے الیکشن کا اعلان کیا۔ تو مفتی صاحب نے مولانا سید عبد المالک شاہ اور راقم الحروف کو ایک مکتوب (جو کہ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے) میں ہدایت کی کہ وہ ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ کر الیکشن سے متعلق تمام ذمہ داریاں انجام دیں۔

انہی قریبی تعلقات اور اعتماد اکابر علیٰ اصاغر نے کچھ اپنی طبیعت میں بے ساختگی نے کچھ ان کی شفقت و نظر کرم نے اتنا جری کر دیا کہ مجھے کئی کئی دفعہ ان کی ابتدائی زندگی کے بارے میں سوالات کرنے کا موقع ملا۔ جس کا وہ تفصیلی جواب دیتے جبکہ عام لوگوں کے سامنے وہ ان حالات کو کبھی موضوع بحث نہ بناتے اور نہ اہمیت دیتے تھے۔ اس لحاظ سے میں نے آپ کے حالات زندگی سے متعلق جو کچھ لکھا ہے زیادہ تر ان کے اپنے بیان کردہ حالات پر مبنی ہیں۔ انکی علمی، دینی اور سیاسی خدمات کے حوالہ سے جو کچھ تحقیق کی ہے۔ وہ کتب و رسائل و اخبارات و جرائد سے لیا گیا ہے جواب تک مفتی صاحب کی سیاسی جدوجہد اور خدمات کے حوالہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ جن تک راقم الحروف کی رسائی ہو چکی ہے۔ صرف دو کتابیں (مطبوعہ) ایسی ہیں۔ جن کو باوجود تلاش کے میں حاصل نہ کر سکا۔ ایک جناب نور عالم قریشی ایڈوکیٹ کی ”میر کارواں“ اور دوسری جناب مولانا ضیاء الرحمن فاروقی صاحب کی جو انہوں نے مفتی صاحب کے بارے میں لکھی ہے۔ اور ایک غیر مطبوعہ مسودہ جو تلاش کے باوجود بھی میسر نہ آسکا۔ مفتی صاحب کے پاس ایک دفعہ ملتان سے

دونوں جوان جناب مجتبیٰ بھٹہ صاحب اور جناب حافظ نور احمد صاحب عبدال خیل آئے تھے۔ اور وہ کئی دن وہاں رہے۔ جہاں روزانہ مفتی صاحب کچھ وقت ان کو دیتے اور اسلام کے نظام معاشیات اور موجودہ معاشی نظریات کے بارے میں ان سے سوالات کرتے اور مفتی صاحب جوابات دیتے تھے۔ اور یوں انہوں نے ایک مسودہ تیار کیا۔ جس کی انہوں نے کتابت بھی کر رکھی تھی۔ لیکن وہ مسودہ ان سے ضائع ہو گیا تھا۔ راقم الحروف کے ذہن میں چونکہ سوالات و جوابات کا یہ پورا منظر سامنے تھا۔ اور اب جب تحقیقی مقالہ کے لئے اس کی ضرورت ہوئی تو جناب حافظ نور احمد سے ملتان جا کر ملاقات کر کے جب یہ معلوم ہوا تو بہت دکھ ہوا کہ وہ مسودہ کہیں ضائع ہو گیا ہے۔ اور باوجود تلاش کے اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔

زیر نظر مقالہ میں مفتی صاحب کی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی زندگی کے وہ پہلو بھی سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے جو عام لوگوں کی نظر سے گوشہ اخفا میں تھے۔ اور اس سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ جیسے زندگی میں عام بچوں کو بچپن، لڑکوں کو لڑکپن اور نوجوانوں کو جوانی کے مراحل سے گزر کر زندگی کے آخری مراحل تک جن حالات سے اور جن راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ آپ بھی انہیں حالات سے گزرے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اتنی عظیم عظیم خدمات کی انجام دہی کے اصل اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ یہی تو ہیں کہ یہ سب کچھ اپنے اسلاف، اکابر اور بزرگان دین کے دامن و خیالات سے وابستگی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اور اس وجہ سے کہ وہ سب کچھ دنیاوی لالچ سے بالاتر صرف اللہ کی رضامندی اور اسلام کی سربلندی کے لئے کرتے رہے۔ اس سبب سے کہ نہ خُب مال ان کا مطمع نظر رہا اور نہ ہی خُب جاہ کا شکار ہوئے۔ کیونکہ اس کے تمام امور باہمی مشاورت سے طے ہوتے تھے اور ایک جماعتی نظم کے تحت انجام دہی کی کوشش کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اس مقصد کے پیش نظر کیا گیا کہ آپ کے فکر و عمل کو اس طرح نمایاں کیا

جائے۔ کہ جس سے آپ کے نقش قدم پر چلنے والوں میں عزم، ہمت اور اشتیاق پیدا ہو اور ان کی زندگی نیک مقاصد کے حصول میں بسر ہو۔

H.E.C پاکستان کے طریقہ کار کے مطابق مقالہ نگار کے اس مقالہ کو جناب ڈاکٹر حافظ عبدالغفار صاحب ڈائریکٹر جیہ اسلامک سنٹر امریکہ، جناب پروفیسر انوار اللہ صاحب مشیر حکومت برونائی دارالسلام برائے مذہبی امور برونائی دارالسلام اور جناب پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف عربک، اسلامک سٹڈیز اینڈ سیرت شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی پشاور کے پاس (ایویلویشن) کے لئے بھیجا گیا تھا۔ تینوں سکالرز نے اس مقالہ کو Ph.D کی ڈگری کے اجراء کے لئے تحقیق کے مطلوبہ معیار کو پورا کرنے کی بنیاد پر اس کی سفارش کی تھی۔

Ph.D کے مقالہ کو کتابی صورت دینے کے لئے اس میں ”باب پنجم“ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ نیز ”ذاتی اوصاف و کمالات“ میں آپ کے بعض لطائف کو شامل کیا گیا ہے۔ پاکستان کے ”معاشی مسائل“ کے آخر میں ”مسئلہ احیاء اموات“، ”مسئلہ مزارعت“، ”انگریز کی عطا کردہ جاگیروں کو چھین کر بے زمینوں میں تقسیم کر دینے کا مسئلہ“ بھی اضافہ کئے ہیں۔

تحقیق کا کام ایسا ہے کہ نہ تو کوئی اس کو مکمل کر سکا ہے۔ اور نہ ہی اپنے اپنے موضوع زیر بحث کو کوئی تکمیل تک پہنچا سکا ہے۔ یہاں ”کو تاہ دستی“ کا اعتراف ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے قارئین کرام سے یہ التجاء ہے کہ مطالعہ کے وقت اگر ان کو کسی کوتاہی، غفلت اور سہو قلم کے بارے میں آگاہی ہو جائے تو مقالہ نگار کو ضرور مطلع کر دیں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی کوشش کی جاسکے۔ نیز اگر کسی کو حضرت مفتی صاحب کی حیات، خدمات کے سلسلے میں کوئی اہم واقعہ یاد ہو۔ تو ضرور مطلع کریں تاکہ دوسری اشاعت میں اس کو شامل کیا جاسکے۔

الہی عاقبت محمود گرداں

مقدمہ

مفتی اسلام، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی دینی، علمی، سیاسی خدمات پر مولانا عبدالحکیم اکبری کو شعبہ عربی، علوم اسلامیہ و تحقیق گول یونیورسٹی کے زیر اہتمام پی ایچ ڈی کی ڈگری کے اجراء کے لئے زبانی امتحان / پبلک ڈیفنس کے لئے سینٹ ہال گول یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان میں 28-10-2009 کو اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت وائس چانسلر جناب ڈاکٹر فرید خان نے کی جبکہ مہمان خصوصی قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمن تھے۔ جناب ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب چیئر مین / ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف عربی و علوم اسلامیہ و سیرت شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی، پشاور انٹر نل (داخلی) ممتحن تھے۔ کامیاب ڈیفنس کے بعد ”مفتی اسلام مولانا مفتی محمود“ علم و امن کا نقیب“ کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد ہوا۔ شیخ سیکرٹری کے فرائض مولانا عبدالحکیم اکبری نے ادا کئے۔ خطبہ استقبالیہ جناب ڈاکٹر محمد صدیق چیئر مین شعبہ عربی، علوم اسلامیہ و تحقیق گول یونیورسٹی نے پڑھا۔ سیمینار سے مولانا فضل الرحمن صاحب کا خطاب نذر قارئین ہے۔ مولانا صاحب کی ہدایت کے مطابق آپ کی اس تقریر کو تحریر کی شکل میں لا کر ان کی نظر ثانی کے بعد زیر نظر کتاب کا مقدمہ بنایا گیا ہے۔ اس تناظر میں مولانا کی اس تقریر کو پڑھنے سے عنوان سے مناسبت واضح ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَيَّ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمٍ عَظِيمٍ أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أُنْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ

الشَّاكِرِينَ ﴿٢١﴾

عزت مآب جناب پروفیسر ڈاکٹر فرید خان رئیس جامعہ، میرے نہایت قابل احترام پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب، برادر مکرم مولانا عبدالحکیم اکبری صاحب، تمام اساتذہ، گول یونیورسٹی کی تمام علمی شخصیات اور اس سیمینار میں شامل میرے تمام بزرگ، میرے دوست، میرے بھائی!

اکابر علماء کا سلسلہ الذہب جس کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں نسبت عطا کی ہے یقیناً ہم اس کا شکر بجالانے سے قاصر ہیں۔ کم من نعمۃ انعمت بھا علینا قل لك بھا شکرنا کے الفاظ کے ساتھ اپنے رب کے سامنے اس تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں لیکن جہاں آج دنیا میں ہمیں اس نسبت پر فخر ہے وہاں اخروی اعتبار سے وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا کی تعبیر بننے کی امید بھی اپنے رب سے وابستہ کیے ہوئے ہیں۔

ایسے اکابر کو زندہ جاوید بنانے کا سب سے مؤثر ذریعہ ان کی زندگی کو ضبط تحریر میں لانا ہے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے اکابرین کی زندگی کو سمجھ کر اسے مشعل راہ بنا سکیں۔

میرے قبلہ گاہ مفتی اسلام حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کی زندگی اور آپ کی خدمات پر مولانا عبدالحکیم اکبری صاحب نے جو مقالہ (Ph.D) کا لکھا ہے اور جسے آج کی خصوصی تقریب میں شرف قبولیت اور منظوری سے نوازا گیا ہے۔ میں سب سے پہلے اس پر مقالہ نگار (عبدالحکیم اکبری) کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

برادر مکرم کا قبلہ گاہ حضرت مفتی صاحب ”نور اللہ مرقدہ کی“ دینی، علمی اور سیاسی خدمات پر تحقیقی مقالہ ”زیر مطالعہ رہا جو حق حضرت والد صاحب کا ہم سب پر تھا وہ اکبری صاحب نے تنہا ادا کر دیا۔ اپنے اکابر کو زندہ جاوید بنانے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان کی زندگی کو ضبط تحریر میں لا کر شائع کر دیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے اکابرین کی زندگی کو سمجھ کر اسے مشعل

راہ بنا سکیں۔ میں دل کی گہرائیوں سے برادر مکرّم جناب عبدالحکیم اکبری صاحب کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

تمام نظام کا خالق اللہ ربّ العالمین ہے اور اس کے تکنیکی نظام میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کچھ تخلیقات اس کے خصوصی ذمہ داریوں کے ساتھ کرتا ہے عالم افلاک میں تمام ستارے اور سیارے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں لیکن ان میں سورج کی اپنی خصوصیت ہے چاند کی اپنی خصوصیت ہے اور پھر ہم مختلف ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اسی طرح سفلیات میں بھی اور پھر انسانی جامعہ میں بھی، اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو بعض ایسی خصوصیتوں کے ساتھ نوازتا ہے۔ جو اپنے ماحول میں اسے ممتاز بنادیتا ہے۔ میں نے اس حوالہ سے یہاں بڑی علمی باتیں سنی ہیں۔ اس تقریب میں شرکت کو صرف اپنے لئے اعزاز ہی نہیں سمجھتا بلکہ مجھے اہل علم کی علمی خیالات سے استفادہ کرنے کا بھی موقع مل رہا ہے۔ ایک طالب علم کی حیثیت سے میں بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔ جس پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آج کے اس ماحول میں بھی کام کے لوگ موجود ہیں جو روشنی پھیلا سکتے ہیں جو رہنمائی کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے دو ضرورتوں کو بہت ہی اہم قرار دیا ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے آسمانی صحائف اور کتابیں بھیجیں جس کا معنی یہ ہے انسان کو پیدا کر کے اسے اندھیروں کی طرف نہیں دھکیلا بلکہ اس کی رہنمائی کی اس کو روشنی عطا کی۔ اور مقصد زندگی عطا کیا۔ دنیا میں آپ آئے کیوں؟ دنیا میں آپ رہے کیوں؟ لیکن اس ایک ضرورت پر اکتفا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی سوسائٹی میں اور انسانی اس جامعہ میں ایسی شخصیات بھی انسانیت کو عطا کیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں کے اندر موجود تمام مضامین کے وہ مرادات و مفہیم انسانیت تک پہنچائیں جو اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اگر یہ شخصیات نہ ہوں تو ہر انسان اس کتاب اور صحیفے کو خود پڑھے، اس کا مطالعہ کرے اور پھر جو کسی انسان کے دماغ میں اس کا مفہوم و مراد

آیا اسی کو وہ مقصد زندگی ٹھہرائے تو پھر وہ اس شخص کی ذاتی مفہوم و مراد ہو سکتی ہے ضروری نہیں کہ وہ مراد اللہ کی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھی بھیجیں اور صحائف بھی بھیجے اور انبیاء کرام کی صورت میں وہ شخصیات بھی بھیجیں وہ نفوس قدسیہ وہ اہل صفا جو کہ اللہ تعالیٰ کی مرادات کو اور اس کی مفہیم کو انسانیت تک پہنچائے۔ اور ہمارے پاس وہ سلسلہ موجود ہے۔ مجھے ایک ہندو نے کہا ایک سفر میں ہم جا رہے تھے کہ مولوی صاحب اسلام کیوں سچا ہے؟ اور ہندومت کیوں جھوٹا ہے؟ ایسا کیوں نہیں کہ ہندومت سچا ہے اور اسلام جھوٹا ہے (اس پر دو جملوں میں بات کروں گا) تو میں نے کہا آپ کو بھی اور مجھے بھی ایک چیز پر اتفاق ہے مجھے بھی سچ چاہیے اور آپ کو بھی سچ چاہیے۔ سچ کے طلب گار آپ بھی ہیں اور سچ کا طلب گار میں بھی ہوں آپ کے دل کا اندر بھی جھوٹ کو قبول نہیں کرتا اور میرے دل کا اندر بھی جھوٹ کو قبول نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ ہاں اس پر اتفاق ہے اب سچ تک رسائی کیسے کریں؟ سچ وہ ہے جو اللہ کی ذات ہے اس کے وجود میں کوئی شک نہیں نہ تو آپ اس کا انکار کرتے ہیں اور نہ میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ تو میں نے کہا کہ جو اللہ کہے گا وہی سچ ہو گا۔ اس نے کہا کہ وہی سچ ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ تک سچ کی رسائی کا میرے پاس راستہ ہے۔ اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں پوری سند کے ساتھ ثابت کروں گا۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے آپ کے پاس کون سا نظام ہے جس کی بنیاد پر آپ یہ دعویٰ کر سکیں کہ جو میں کہہ رہا ہوں اللہ کی طرف سے ہے۔ چپ سادہ کر گیا اور کہا کہ مولانا صاحب بات تو Debatable ہے۔

اور یاد رکھیں دین اسلام کی ایک خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت کسی اور مذہب کو حاصل نہیں سوائے اسلام کے کہ ہم جس عقیدے اور دین و فکر کی بات کرتے ہیں اس کی ہمارے پاس سند موجود ہے۔

پورا سلسلہ الذہب ہے۔ کتاب اللہ ہے تو رسول اللہ بھی ہے۔ منزل من اللہ ہے تو مبعوث من اللہ بھی ہے۔ جب یہ سلسلہ مکمل ہو تو پھر آگے اب سلسلہ چلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آخری کتاب بھیجی کامل مکمل اور آخری شخصیت کامل مکمل اور حضور ﷺ سے بہتر کون قرآن کریم کے مفہوم و مراد کو انسانیت تک منتقل کر سکتا ہے؟ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتھارٹی بنا کر پیش کیا گیا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿١٠١﴾

اپنی خواہش سے وہ بولتے نہیں۔ ان کا ہر بول اللہ کی وحی ہے۔ لہذا قرآن کریم کی کسی بھی لفظ، کسی بھی جملے، کسی بھی آیت کی وہ تشریح و توضیح کریں وہی اللہ کی مراد ہوگی وہی اللہ کا مقصود ہوگا۔

پھر حفاظت کی اللہ نے اس کی۔

لَا تَحْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَتَّعَجَلَ بِهِ ۚ ﴿١٠٢﴾

ہم شاگرد، استاد سے پڑھتے ہیں تو زبان سے یاد کرتے ہیں۔ بار بار تکرار کرتے ہیں اس کے۔ پھر بھول چوک ہو جاتی ہے۔ پھر استاد ہمیں اس کی اصلاح کرتا ہے پھر ضروری نہیں کہ سارے کا سارا اسی طرح یاد کر کے جائیں کہ جس طرح استاد پڑھا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنی زبان کو حرکت مت دینا۔ زبان بقاضائے بشریت کسی لغزش کا شکار ہو سکے گی۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْءَانَهُ ﴿١٠٣﴾

آپ کے سینے میں اس کو جمع کرنا اور پھر اس کی تلاوت زبان پر کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٠٤﴾

جب آپ ان کی توضیح و تشریح کریں۔ اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ایک تحفظ عطا کیا۔ حضور ﷺ کو وہ جماعت ملی جس نے آپ کے ایک ایک لفظ کو اُمت تک منتقل کیا۔ و سیکون بعدی خلفاء فیکثرون۔

میرے نائبین آتے رہیں گے موقعہ بموقعہ۔ بڑی تعداد میں آتے رہیں گے۔ اس اُمت میں ہر زمانے میں ایسی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں کہ جنہوں نے ان حالات کے اندر دین اسلام کو سہارا دیا ہے، اُمت کو سہارا دیا ہے۔ اس فکر و نظر کو سہارا دیا ہے۔ اس سچ کو سہارا دیا ہے۔ اس حق کو سہارا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کا انتظام کیا ہے۔ بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ جو قدرت کی تلوین کا مظہر ہوا کرتی ہیں۔ اس حوالہ سے جب میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے تھوڑا سا اس کے پس منظر میں جانا ہوتا ہے۔

ہمارا جو قبیلہ ہے صحرائی قسم کا ہے۔ کوئی تعلیم نہیں اور کوئی تربیت کا نظام نہیں۔ افغانستان میں سردی کا موسم آتا ہے، ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ تو دامانی علاقے میں اتر آتے ہیں۔ گرمی کا موسم آتا ہے تو پھر واپس چلے جاتے ہیں۔ اور یہ ان کی زندگی ہے۔ رِحْلَةُ الشِّتَاءِ وَ الصَّيْفِ آنا جانا۔ موسم کے مطابق زندگی گزارنے کا۔ ان کا کوئی گھر نہیں ہے کوئی جائیداد اور جاگیر نہیں ہے مال مویشی ان کی جاگیر ہے۔ اسی کے ساتھ آرہے ہیں اور جارہے ہیں۔ چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں۔ تجارت کرتے ہیں۔ ہماری جو خانقاہ اور اس کے جو جد امجد ہیں حضرت سید احمد گل رحمہ اللہ جن کا خاندان آرہا ہے اور جارہا ہے۔ ہمارے اسی دامانی علاقے (ڈیرہ اسماعیل خان کے ضلع کا صحرائی علاقہ) سے گزرتا ہے، پنیالہ سے گزرتا ہے۔ پھر میانوالی کے ضلع عیسیٰ خیل کے پاس طرنا کے ایک گاؤں میں بسیرا کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد دوبارہ ایک دو مہینے سفر میں گزرتے ہیں۔ دو چار مہینے نہیں گزرتے ہیں کہ پھر واپس آتے ہیں۔ ایسی مؤثر شخصیت کہ جہاں سے گزرے عقیدت مندوں کا ایک جم گٹھا ہو گیا۔ مؤثر شخصیت تھی۔ اور پنیالہ کے رئیس تھے، رئیس

شہاب الدین خان، موجودہ خوانین کے جد امجد، ان کے مرید ہو گئے۔ اب ماحول بن رہا ہے کہ ایسی شخصیات کی شخصیت کی جو تعمیر ہوتی ہے۔ اور ان کا جو فکری پروان ہوتا ہے، کون سا ماحول ہے جو اس کا مددگار ثابت ہوا۔ اور جب وقت گزر جاتا ہے اور تاریخ کا حصہ بن جاتا ہے۔ تو سوچتا ہے آدمی۔ کہ قدرت کی تکوین کے تحت کچھ ہو رہا تھا۔ اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک ماحول بنا رہا تھا۔ رئیس شہاب الدین بہت بڑے زمیندار تھے۔ مرید ہونے کے بعد ان سے درخواست کرتے ہیں کہ لوگ آپ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، فیض یاب ہوتے ہیں، آپ یہیں پر مقیم ہو جائیے۔ اور ان کی درخواست پر وہاں مقیم ہو جاتے ہیں۔ ان کو جاگیر عطا کرتے ہیں۔ پنیالہ کی وہ زمین جہاں خانقاہ (یسین زئی) آباد ہے وہ خوانین کی دی ہوئی ہے۔ حضرت یہاں آباد ہو جاتے ہیں۔ عطیہ کی ہوئی زمین ابھی شاید اس نسل کے نوجوانوں نے اس کے انتقال کئے ہوں گے۔

میرے دادا (خلیفہ محمد صدیق) جو ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے وہ اپنے قبیلے کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کہ میں تو حضرت کے قدموں میں رہوں گا۔ اور میں نے قبیلے کے ساتھ نہیں جانا۔ لا تعلق ہو جاتے ہیں پورے قبیلے کے ساتھ۔ اور تنہا اس عمر میں کہ ابھی جوانی کے حدود میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ اور زندگی ان کے حوالے کر جاتے ہیں۔ اور پھر تمام نان نفقہ، ان کی تربیت ان کی تعلیم یہاں تک کہ ان کی شادیاں کراتے ہیں۔

(دو شادیاں ان کی ہوئی تھیں جس طرح کہ مقالہ نگار نے ان کا ذکر کیا ہے) ان سمیت وہیں پر رہے۔ انہی کی تعلیم میں رہے۔ صاحبزادہ محمود صاحب فرمایا کرتے تھے کہ شاید آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تمہارا باپ (مولانا مفتی محمود) بہت بڑا عالم ہے اور تمہیں کچھ پتہ نہیں کہ تمہارے دادا (خلیفہ محمد صدیق صاحب) کیا تھے؟ میں نے کہا نہیں انہوں نے کہا کہ تمہارے دادا اس سے بڑھ کر عالم تھے۔ لیکن صرف اتنی بات تھی کہ وہ شہرت نہیں پاسکے۔ وہ یہیں پر رہ پائے اور مفتی

صاحب درس و تدریس کے لئے باہر چلے گئے۔ اللہ نے ان کو مواقع دیئے، آگے بڑھے وہ۔ اور دنیا نے ان کو پہچانا۔

اس ماحول میں حضرت مفتی صاحب کی ولادت ہوئی اور جو مفتی صاحب کے ہم عمر تھے کہتے تھے کہ مفتی صاحب پڑھتے تو نہیں تھے کھیل کود میں زیادہ مصروف ہوتے تھے۔ لیکن جب بڑے ان کو ڈانٹتے تھے کہ پڑھتے کیوں نہ ہو؟ تو کہتے کہ مجھے سن لو نا۔ مجھے یاد ہے ایسا بابا کا حافظہ اللہ نے ان کو عطا کیا تھا کہ استاد کی بات سنی اور پھر اس کے بعد بھولی نہیں۔ ایک دفعہ میں نے ان سے (کبھی کبھی ماحول بن جاتا تھا تو ہم بھی جرأت کر لیتے تھے کوئی بات پوچھنے کی) تو فرماتے تھے کہ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے دو کام بڑے اہتمام کے ساتھ کئے ہیں ایک یہ کہ میں نے سبق کی غیر حاضری نہیں کی۔ دوسرا یہ کہ میں نے پورے سبق کو پورے غور سے سنا اور وہیں بیٹھ کر سمجھا ہے بعد میں نہیں پوچھتا رہا ہوں کسی سے کہ فلاں جگہ کیسے ہے؟ مجھے سمجھ نہیں آئی۔

ایک دفعہ فرمانے لگے کہ میں اگلے دن کے سبق کے لئے زیادہ مطالعہ نہیں کرتا تھا۔ تو میں نے کہا کہ کیوں آپ مطالعہ نہیں کرتے تھے لوگ بھی کہتے ہیں کہ آپ زیادہ پڑھتے نہیں تھے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ تھی کہ جس دن میں مطالعہ کر کے کلاس میں جاتا تھا تو جو استاد کی بحث ہوتی تھی وہ میرے مطالعہ سے کم ہوتی تھی اور میں یوں سوچتا تھا کہ میں زیادہ جانتا ہوں استاد کی نسبت۔ تو میں نے سوچا کہ اگر کلاس میں میرا تصور یہ ہو کہ میں استاد سے بہتر جانتا ہوں تو یہ میری تباہی کا باعث بن جائے گا۔ اس لئے میں مطالعہ نہیں کرتا تھا۔ کہ کلاس میں استاد کا علم مجھ سے فائق مجھے نظر آئے اور میں سمجھوں کہ میں نے جو سمجھا ہے استاد سے سمجھا ہے یہ کیفیت ہوتی تھی۔

مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب اپنی باتیں نہیں کرتے تھے لیکن چونکہ ہم اس ماحول میں پلے بڑھے ہیں بعض دفعہ ماحول بن جاتا تھا۔ جہاں وہ بہت عجیب عجیب باتیں کرتے تھے۔ فرمانے لگے کہ (عربی) ادب کی کتاب (دیوان) متنہی بہت مشکل کتاب ہے کہ وہ میں نے

روٹی کے لئے لی تھی کہ مدرسہ میں کھانا ملتا تھا چار کتابوں سے اور میرا مقصود تھا تین کتابیں پڑھنا۔ تو ایک کتاب میں نے متنبی کی اس لئے لی کہ کم از کم روٹی تو ملتی رہے۔ پڑھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس کو۔ اب امتحان کا دن آگیا۔ جب امتحان قریب آگیا تو میں نے سوچا کہ تین میں تو میرے نمبر بہت اچھے ہوں گے اس میں (دیوان متنبی) تو میں فیل ہو جاؤں گا۔ ایک ہفتہ باقی تھا اس میں۔ میں نے کچھ شروعات ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور میں بیٹھا اول سے لے کر جہاں تک میں نے پڑھا تھا ہفتہ کے اندر میں نے حل کر دیا سارا۔ اور پھر جب اس کا امتحان میں نے دیا تو فرماتے ہیں کہ کل نمبر تو پچاس ہوتے تھے اور مجھے ممتحن نے باون نمبر دیئے کہ حد سے زیادہ بہتر آپ نے حل کر دیا ہے۔ پھر فرمایا کہ منطق کی کتاب ہے حمد اللہ۔ ملا حمد اللہ کی منطق کی کتاب ہے۔ امتحان گاہ میں جب بیٹھا تو تین سوالات ہوتے تھے۔ سوالات میں نے پڑھے اور میں کھڑا ہو گیا۔ ممتحن سے میں نے گزارش کی کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ سے۔ آئے اور اس نے کہا کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ یہ تینوں سوال جو آپ کے آئے ہیں اس کا متن بھی اس کی شرح بھی، اس کا حاشیہ بھی مجھے لفظ بہ لفظ یاد ہے۔ تو آپ کو گواہ بنانا چاہتا ہوں کہ میں نقل نہیں مار رہا ہوں۔ یہ مجھے یاد ہیں۔ تو فرمایا کہ نہیں اپنی عبارت میں رد و بدل کے ساتھ حل کرو۔ فرمایا کہ میں نے عربی میں لکھا اور اپنی عبارت میں لکھا، کل نمبر 50 ہوتے تھے، مجھے اس کے 55 نمبر دیئے گئے۔ اس پر اعتراض ہوا کہ اضافی نمبر اتنے زیادہ کیوں دیئے گئے۔ اساتذہ کی مجلس علمی بلائی گئی۔ وہ میرا پرچہ نگا لگیا۔ میرے استاد ممتحن جو تھے اس نے کہا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ میں اس کو ڈبل نمبر دوں 100۔ لیکن آپ لوگ قبول نہ کرتے۔ جو تین سوالات ہیں ملا حمد اللہ نے ان تین سوالوں کو اپنی کتاب میں اس طرح حل نہیں کیا ہے۔ جس طرح کہ اس طالب علم نے کیا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس کی عبارت اس سے بہتر ہے، یہ منطق میں اس کی حالت تھی۔

فقہ کی بات کی گئی تھی۔ مفتی انور شاہ صاحب بتا رہے تھے۔ کہ فتویٰ آیا بڑا اہم فتویٰ تھا۔ کراچی سے لے کر لاہور پشاور تک جید علماء کرام کے اس پر دستخط تھے۔ پڑھا اور اس کو رکھ دیا۔ دستخط نہیں کئے۔ میں نے کہا جی اس پر دستخط کر لیں۔ دستخط کی روایت یہ ہوتی ہے کہ ”الجواب صحیح“ لکھ کر دستخط کئے جاتے ہیں۔ میں نے کہا اس پر اتنے بڑے لوگوں کے دستخط ہیں۔ حوالہ جات اس میں دیئے گئے ہیں تو مفتی صاحب نے خاموشی سے رکھ دیا دستخط نہیں کئے۔ میں نے پھر گزارش کی کہ اس پر دستخط کر لیں۔ خاموش ہو گئے۔ تیسری دفعہ پھر میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت کیا کرنا ہے اس کا۔ فرمایا یہ صحیح نہیں ہے۔ بڑی بات تھی اتنے بڑے علماء، تمام جامعات کے اکابرین کے دستخط ہیں۔ ملک کی نامور شخصیات تھیں اس میں۔ اتنے بڑے علماء نے اس کی تائید کی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ نہیں مسئلہ اس طرح نہیں۔

پھر کیسے کہتے ہیں آپ کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا جو جواب دیا وہ بڑا عجیب ہے۔ فرمایا کہ میری طبیعت سلیم ہے۔ اور یہ شریعت ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ شریعت ہو اور طبیعت سلیم قبول نہ کرے اس کو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ مجھے اپنی طبیعت پر پوری آگاہی ہے۔ میری طبیعت سلیم ہے اور طبیعت سلیم شریعت کو قبول کرتی ہے۔ اس کا ابا نہیں کرتی۔ اس لئے مجھے تردد ہے اور میری یہ رائے ہے اور اس پر آپ حوالہ جات ڈھونڈیں۔ کہا کہ امتحان میں مبتلا کر دیا ہمیں۔ اب ہم دارالمطالعہ میں گئے۔ کتابیں لے رہے ہیں کہاں سے نکال رہے ہیں، کہاں سے نکال رہے ہیں۔ آدھی رات کو جا کر ہم نے مفتی صاحب کی تائید میں حوالے تلاش کر لئے۔ اور صبح ہم نے پیش کر دیئے۔ اور انہوں نے کہا کہ میں نہیں کہہ رہا تھا کہ اس طرح نہیں۔ پھر کیوں لکھا انہوں نے۔ کہا کہ اکابر ہیں ایک دوسرے پر اعتماد کی حد تک۔ ایک نے تحقیق کی دوسرے نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ کی بات۔ یعنی جو آپ نے لکھا تو اس میں کیا کلام کر سکتا ہوں۔ لیکن مجھے تردد ہوا اس میں۔

(مقالہ نگار (عبدالحکیم اکبری) نے مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب سے پوچھا کہ وہ فتویٰ

کس صورت میں طلب کیا گیا تھا تو مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ رہن کے مسئلہ میں ”تقادم بالزمان“ سے متعلق تھا۔ دیگر مفتیوں نے مطلق جواب دیا تھا۔ جبکہ مفتی صاحب کا جواب قاضی کی قضا کے ساتھ مشروط تھا)

حدیث کی بات آئی میں نے ایک دفعہ ان سے عرض کیا کہ جی! آپ کی جو ترمذی شریف کی تقریر ہے دورہ حدیث میں ہمارے زیر مطالعہ رہی ہے۔ ایک اور شیخ الحدیث کی ترمذی کی تقریر ہے وہ اردو میں ہے وہ بھی ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ آپ دونوں کی جو ترتیب ہے مباحث کی، وہ یکساں ہے تو اتنے دور دور مختلف جامعات کے دو شیخ الحدیث۔ ان کے مباحث کی ترتیب ایک جیسے کیسی ہو گئی۔ فرمایا انہوں نے مجھ سے کاپیاں مانگی تھیں اور میری تقریرات وہ لے گئے تھے اور میری تقریرات سے انہوں نے ترمذی کا درس شروع کیا۔ اس لئے اس کی اور میری تقریر آپ کو برابر لگ رہی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ مباحث حدیث کی جو میری قائم کی گئیں ترتیبات ہیں میں چیلنج کرتا ہوں۔ کسی استاد حدیث نے اس ترتیب کے ساتھ جو ترتیب بحث میں نے تیار کی ہے شاید اس کا ابھی تک مجھے کوئی بدل نہیں ملا ہے۔

یہاں میں آپ کو ایک عجیب بات بتاؤں۔ افواہ اڑ گئی ہندوستان میں وہابی فرقے کی۔ اور فتویٰ بازیاں شروع ہو گئیں اس کے اوپر۔ ہماری خانقاہ تک بھی یہ باتیں آئیں اور یہ غوغا پہنچا۔ ہمارے حضرات نے مشورہ طے کیا کہ جتید علماء کرام کو بھیجیں دیوبند میں۔ اور وہاں جا کر وہ وہاں پر دیکھیں ساری صورت حال کو اور پھر وہ آئیں ہمیں رپورٹ کریں اور بیان کریں کہ کیا صورت حال ہے؟ اس طرح اندھیر پن میں کس طرح ہم فتویٰ جاری کریں۔ ان جتید علماء میں مولانا غلام رسول صاحب (حضرت مفتی صاحب کے استاد) بھی تھے۔ کہ جتید علماء کرام دو تین حضرات گئے، دو تین مہینے وہاں گزار آئے۔ اُن علماء کرام کے دروس میں انہوں نے شرکت کی۔ واپس آئے تو فرمایا کہ

ان سے بڑھ کر علماء پورے ہندوستان میں نہیں۔ ان سے بڑھ کر متبعین سنت پورے ہندوستان میں نہیں۔ جب یہ رپورٹ آئی، علماء کرام کی رپورٹ، جنہوں نے وہاں پر دو تین مہینے گزارے تو پھر فیصلہ ہوا کہ پھر تعلیم کے لئے اپنے بچوں کو وہاں بھیجا جائے۔ حضرت مفتی صاحب اور ہمارے صاحبزادگان حضرات جتنے بھی تھے۔ ان کو دیوبند، مراد آباد اور پھر ہمارے حضرات منطق و فلسفہ کے بڑے شوقین تھے۔ اور مدرسہ شاہی مراد آباد میں ذرا منطق کی کتابیں اور فنون بہت اچھی طرح پڑھائے جاتے تھے۔ مولانا عجب نور صاحب اور مولانا عبدالغفور جیسے اساتذہ کرام یہیں موجود تھے۔ تو یہ حضرات مراد آباد چلے گئے۔ اب یہاں پر ایک عجیب صورت ہے وہ خانقاہ جو پنیالہ کے خوانین کی اعانت و رغبت سے وجود میں آیا، جنہوں نے رشتہ بھی دیا۔ اس سے رشتہ بھی ہو گیا۔ پیر مرید بھی تھے۔ اور پیر کے گھرانے میں سوچ کی تبدیلی کو دیکھیں کہ اُن کا رُخ کدھر ہوتا ہے اور انہی دنوں میں رئیس شہاب الدین خان کے صاحبزادے تھے مہربان خان پنیالہ کے رئیس تھے ان کو انگریز کی طرف سے خان بہادر کا خطاب ملا۔ اب دھارے تبدیل ہو گئے۔ پنیالہ کے خوانین کو انگریز نے خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔ اور یہ خاندان اور اس کی نئی نسل جو ہے یہ تعلیم و تربیت کے لئے دوسری رُخ پہ چلے گئے۔ اور پھر اُس ماحول کے اندر جب مفتی صاحب واپس آئے تو انہوں نے انگریز کے خلاف تحریک میں حصہ لیا۔ طالب علمی کے زمانے میں بھی لیا۔ اور وہاں ہندوستان میں بھی لیا۔ جب میں مراد آباد گیا تو ایئر پورٹ پر بڑا استقبال ہوا، اس میں ایک ہندو تھا۔ اب وہ ہندو مجھے کہتا ہے کہ میرے بیٹے! میرے بیٹے! میں حیران ہوا کہ ہندو مجھے بیٹا کہہ رہا ہے خیر ہے۔ اس نے کہا میں آپ کے ابا کے ساتھ جیل میں تھا۔ ہم اکٹھے جیل میں تھے تحریک آزادی میں۔ ظاہر ہے مفتی صاحب اور وہ برابر ہو گئے ہوں گے۔ مراد آباد کے لوگ تھے۔ اور اس ہندو نے کہا کہ میں نے جیل میں حسین احمد مدنی سے قرآن پڑھا ہے۔ تو اس سوچ کا آدمی تھا وہ۔ اور اسی عقیدت سے مجھ

سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ اس کی ایک تاریخ تھی۔ یہ نظریاتی اور فکری رویے تبدیل ہو گئے۔ ایک خاندان ایک سمت چلا گیا دوسرا خاندان دوسری سمت چلا گیا۔

اب خانقاہی نظام ہے سادات یسین زئی ہیں ان کا ماحول ہے اس ماحول کے اندر ایک نوجوان محمد صدیق اپنے قبیلے کو چھوڑ کر آ جاتا ہے۔ اپنی زندگی کو ان بزرگوں کے حوالہ کرتا ہے۔ وہ یہیں پر تعلیم بھی حاصل کرتا ہے اور یہیں پر شادی بھی کرتا ہے۔ یہیں پر اس کی اولاد بھی ہوتی اور اس کے اندر ایک محمود نامی مفتی محمود بن کر ایک فکری جدوجہد میں آگے بڑھتا ہے۔ کہ انگریز کے خلاف جدوجہد اور پاکستان بننے کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کی تشکیل نو اور اس رخ پر اپنی ایک جدوجہد کو تسلسل و دوام دیتا ہے۔ تو یہ جو ماحول بنا ہے۔ اس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ قدرت اور اس کی تکوین نے ایک شخص کو اس مٹی سے اٹھایا اور اس کے لئے پیشگی ایک ماحول تیار کیا گیا۔ اور پھر وہ ستارہ پوری دنیا میں چمکا۔ اس نے ایک رول ادا کیا۔ اور آج آپ جو ایک فکری اور نظریاتی پلیٹ فارم جمعیۃ علماء کا دیکھ رہے ہیں یا دینی مدارس کے نظم کے حوالہ آپ دیکھ رہے ہیں اس میں ایک شخص کو ایک کلیدی مقام حاصل ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا مخالفین بھی فراخ دلی سے اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جو فکری انقلاب آیا ہے یہ وہ ایک فکری فلسفہ تھا اور آج بھی استعمار مخالفت ہمارے لئے زینت ہے۔ اور وہ فکری جہت تبدیل نہیں ہوئی۔ لیکن جیسا کہ مقالہ نگار (عبد الحکیم اکبری) نے بھی اپنے مقالہ میں اس جہت کا تعین کیا ہے اور اس سیمینار کا عنوان بھی آپ لوگوں نے بنایا ہے۔ علم اور امن، لیکن علم اور امن سے پہلے دو چیزوں کا ایک اور التزام۔ کہ اگر ایک ہے اور دوسرا نہیں تو نامکمل ہے۔ وہ ہے علم اور تربیت۔ رسول اللہ ﷺ کبھی فرماتے ہیں ﴿إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا﴾ اور کبھی فرماتے ہیں ﴿بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ﴾ اخلاق کیا ہے؟ اس کی ہم کیا تعریف کریں۔ اخلاق کس کو کہتے ہیں؟ علم تو یہی ہے جو ہمیں کتابوں میں ملتا ہے جو قرآن کریم کی صورت میں ہمارے پاس ہے یا جو احادیث رسول اللہ کی صورت میں

ہمارے پاس ہے۔ علماء کی کتابوں میں ہمیں ملتا ہے اس کو تو ہم علم کہتے ہیں لیکن اخلاق کیا چیز ہے؟ علماء کرام نے اخلاق کی اور خلق کی جو تعریف کی ہے کہ انسان کے اندر کی وہ قوت جو کہ آپ کو برا بھیختہ کرے۔ علم پر عمل کے لئے اگر آپ میں وہ قوت ہے یعنی علم کے ساتھ تربیت بھی ہے، اخلاق بھی ہیں آپ کو پتہ ہے نماز فرض ہے۔ اذان ہو گئی آپ میں وہ قوت متحرک نہیں ہو رہی کہ آپ اٹھیں اور غسل خانہ میں جائیں وضو کریں اور مسجد میں چلیں اور نماز پڑھیں۔ رمضان کا مہینہ آیا آپ کو علم ہے کہ روزہ فرض ہے۔ آپ کا ایمان ہے اس بات پر کہ روزہ فرض ہے لیکن سحری ہے افطار ہے صبح ہے شام ہے گزرتی ہے اور اندر وہ قوت بیدار نہیں ہوتی جو آپ کو مجبور کرے کہ سحری سے لے کر مغرب تک کوئی کھانا پینا نہیں۔ تو اس کا معنی علم ہے۔ اخلاق (تربیت) نہیں۔

اب وہ چیز ہم نے اپنی تعلیمی اداروں میں دیکھنی ہے ہم بڑے بڑے جامعات بنا رہے ہیں۔ بڑے بڑے ادارے قائم کر رہے ہیں علمی لحاظ سے۔ اور ہمیں یہاں اس بات کو دیکھنا چاہیے، ہم جو دینی مدرسوں میں پڑھتے ہیں ہمارے دینی مدارس میں جب لفظ ”علم“ سامنے آئے گا تو ”علم“ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ہو گا اور اس کے علاوہ جتنے علوم ہیں ان کو فن سے تعبیر کرتے ہیں۔ علم و فن سائنس اینڈ ٹیکنالوجی۔ تو جو علم ہے وہ مخدوم ہے۔ جو فن ہے وہ خادم ہے اب دنیا کہاں چلی گئی یعنی جو علم ہے اس کا کوئی کردار نہیں جو فن ہے اور خادم ہے اس نے سب کچھ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب علماء ہوں گے اور علماء کے لئے ایک تربیت گاہ نہیں ہوگی کہ جہاں وہ اس علم کا عملی مظاہر کر سکیں تو پھر یہی آپ کہیں گے کہ یہ مولویوں کا طبقہ دقیانوسی طبقہ۔ پتہ نہیں کتنے سالوں کا پرانا طبقہ۔ بابا آپ نے ان کے لئے کام کرنے اور تربیت کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ آپ کی مملکتی نظام میں ان کے رول کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے تو پھر ان کا کردار صرف سوسائٹی کی تربیت اور محدود پیمانے پر کوئی کردار ادا کرنے کا رہ جاتا ہے آپ نے ان کو غار

کہف کی طرف دھکیل دیا ہے۔ مدرسوں کے احاطوں میں بند ہو گئے۔ ان کی صلاحیتیں وہاں بند ہو گئیں۔ اس علم کو اگر ہم مملکتی نظام میں تحفظ فراہم کریں اور اس علم کے حاملین کو ہم وہ تربیت دیں کہ جس سے وہ مملکت کی خدمت کر سکیں۔ اگر اس مدرسہ (کالج، یونیورسٹیز) کا پڑھا اگر ملک کے مختلف شعبوں میں جانے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس مدرسہ (دینی مدرسہ) کا طالب علم وہاں جانے کی صلاحیت کیوں نہیں رکھتا ہم نے وہ مواقع ختم کر دیئے ہیں۔ اور جدید اور قدیم علوم، عصری اور قدیم علوم کا امتیاز دنیا کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ یہ بات سامنے رکھنی چاہیے کہ دنیا میں جتنے علوم ہیں چاہے آپ یورپ میں چلے جائیں جہاں بھی چلے جائیں جدیدیت کا کوئی انکار نہیں۔ جدید تحقیق، جدید انکشاف، جدید ٹیکنالوجی یہ تو وقت کے کارنامے ہیں اور آج کا انسان، آج کا سائنس فخر کرتا ہے۔ لیکن کبھی وہ قدیم علوم کو نہ فرسودہ کہتا ہے اور نہ اس کو ناقابل اعتناء سمجھتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہاں سے اصول لیتا ہے۔ اور اس اصول کو لے کر پھر نئی تحقیق کی طرف آگے بڑھتا ہے جن کے پاس کوئی سند نہیں وہ لوگ قدیم علوم سے بے نیاز نہیں رہ سکتے اور جدید اور جدیدیت کے لئے بھی ان کو وہاں سے رہنمائی لینی پڑتی ہے لیکن ہم مسلمان ہیں قرآن و حدیث کے حوالہ سے یہی بات کرتے ہیں کہ ہم چودہ سو سال پیچھے چلیں جائیں۔ چودہ سو سال پیچھے نہیں جانا ہے چودہ سو سال پہلے کی کتاب آپ کو آگے بڑھنے کے لئے کہہ رہی ہے۔

دیکھو! ایک اصول سمجھیں ذرا۔ اسلام میں ارتداد قابل قبول نہیں۔ ناقابل معافی ہے ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اب ارتداد کس چیز کا نام ہے؟ ارتداد، ردّ الی الخلف کا نام ہے۔ کافر ہونے کا نام نہیں۔ خالی ردّ الی الخلف۔ پیچھے کی طرف جانا۔ جس کو آج کے زمانے میں ہم رجعت پسندی کہتے ہیں۔ پیچھے کی طرف جانا آپ اسلام تک پہنچے اور پھر پیچھے کی طرف گئے۔ اس فلسفہ کو آپ سمجھیں کہ اسلام اس کی انتہائی سزا دے رہا ہے۔ ناقابل قبول ہے کہ اس ریاست کو آپ تسلیم کریں اور پھر اس کی بغاوت کر دیں۔ تو ترقی کی اتنی بڑی قدر و منزلت ہے اسلام میں۔

کہ اس ترقی یافتہ اور آخری دین کو قبول کرنے کے بعد پھر پیچھے کی طرف مڑنے کی اجازت نہیں دے رہا۔ اس فلسفہ کو سمجھا جائے۔ اس اصول کو سمجھا جائے۔ پھر ہر حوالہ سے اس سے رہنمائی لی جائے۔ اصولوں سے رہنمائی لی جاتی ہے جزئیات کی جانب۔ اس حوالہ سے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کیا ہے؟ ظاہرات ہے کہ پوری انسانیت کا کمال اعتدال میں ہے۔ انسانیت کا کمال یعنی اس کی مکمل شکل وہ اعتدال میں ہے۔ اعتدال نیچے کی طرف ہو تو بھی مکمل نہیں انسان۔ اعتدال سے تجاوز ہو جائے تو بھی مکمل نہیں انسان۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ اس جامعہ انسانی میں اعتدال کی کسوٹی پر اترنے والے شاید اس کے مقابلہ کا کوئی انسان ہو۔ بشریت کے مقام اعتدال پر سب سے بلند مقام یہی ہے جو اعتدال کا ہے۔ محبت میں، غضب میں، دوستی میں، دشمنی میں، پیسے کمانے میں، پیسہ خرچ کرنے میں۔ ہر لحاظ سے عبادات میں اعتدال۔

ایک صحابی تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنا ہے آپ روزانہ روزہ رکھتے ہیں؟ کہتا ہے کہ ہاں۔ کہا کہ نہ کرو۔ مہینے میں تین روزے رکھو۔ اس نے کہا کہ میں رکھ سکتا ہوں۔ چلو اس طرح کرو کہ ایک دن رکھو اور ایک دن مت رکھو۔ صوم داؤدی رکھو۔ بالآخر مان تو گئے لیکن انہوں نے کہا کہ میں کر سکتا ہوں۔ جب بڑھاپے میں پہنچے تو کہنے لگے کاش کہ میں حضور ﷺ کی بات مان لیتا۔ اتنی نقاہت اور بڑھاپے کا غلبہ نہ ہوتا آج۔ اگر میں اس وقت ان کی بات مان لیتا۔ عبادات کے میدان میں آئے۔ نماز کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں۔ ﴿وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ زیادہ اونچا بھی نہیں زیادہ آہستہ بھی نہیں درمیان میں۔

معیشت کے حوالہ سے ﴿مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ﴾ جس نے آمد و خرچ میں اعتدال و توازن برقرار رکھا اس کا کبھی دیوالیہ نہیں ہوا۔ اعتدال سے باہر نکلتی ہے بات تو۔ آپ گھر بیٹھے

رہیں اور کہیں کہ متوکل آدمی ہوں۔ اللہ تعالیٰ خود روزی دے گا۔ وہ خوار ہو جاتا ہے۔ آپ محنت کرتے ہیں اور ناجائز ذرائع سے کماتے ہیں وہ بھی خوار اور برباد ہو جاتا ہے۔ جائز حدود کے اندر، کسب کے ساتھ محنت کرنا اور اعتدال کے ساتھ پوری زندگی گزارنا یہ کمال انسانیت ہے۔ اس سے انسانیت مکمل ہو جاتی ہے۔ اور جب اس سے ہٹتا ہے تو یہ انسان کی نامکمل ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ کہ ہم نے تمہیں ایک میانہ رو امت پیدا کیا ہے۔ اور امت ظاہر ہے کہ زندگی کے روش، طور طریقوں اور تہذیب و تمدن کے حوالہ سے معتدل کہلائے گی۔ لیکن یہ اعتدال کس نے پیدا کیا اس کے اندر۔ اس علم نے جو اس کو حوالہ کیا گیا۔ کیونکہ تربیت ہمیشہ علم کی روشنی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس دین کو قبول کر کے جو اس کا علم حاصل کرے تو اس کے مطابق زندگی گزارنے میں اعتدال آئے گا۔

حضرت مفتی صاحب نے اسلام کی اس طبیعت، اس مزاج اور اس جبلت کو سمجھا بالکل اسی طرح جس طرح ان کے اکابر نے سمجھا بالکل اسی طرح جس طرح اس کے اعتدال کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے سمجھا۔ اس کی پیروی کرتے ہوئے چلے۔ اس چیز کو اگر ہم سمجھیں تو پھر ہم اسلام کی اس مزاج اور اس جبلت کو اپنا سکتے ہیں جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دین لے کر آئے۔ یہ وہ چیز تھی کہ جس کی طرف ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں جانا چاہیے۔

آپ نے وزیرستان کی بات کی قبائلی لوگوں کی بات۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں حضرت مفتی صاحب بھی سہالہ میں تھے نظر بند تھے۔ میرے پاس ایک وفد آیا وزیرستان سے کہ مفتی صاحب ہم قبائل کو تحریک میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دے رہے تو آپ جائیں ان کو ہمارے بارے میں پیغام پہنچائیں کہ ہم تیار ہیں تحریک میں شامل ہونے کے لئے آپ ہمیں اجازت دیں۔

جب میں نے مفتی صاحب سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ قبائلی علاقہ ہے ان کے ہاتھ میں بندوق ہے اگر میں ان کو تحریک میں آنے کے لئے کہوں گا تو پھر وہ بندوق استعمال کریں گے۔ اور بندوق تحریک میں شدت پیدا کرتی ہے ان کو مت آنے دیں۔ یہ ان کا فلسفہ تھا۔ مفتی صاحب ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۹ء یا ۱۹۷۰ء کے عرصہ میں وزیرستان گئے۔ یہ وزیرستان پہلے بھی مسلح علاقہ تھا یہاں جہادی لوگ تھے، فقیر اپنی کا گھرانہ بھی جہادی لوگ، خیسور کے حضرات بھی جہادی اور مسلح لوگ تھے۔ مفتی صاحب کے بار بار رابطے سے وہاں جانے کے بعد یہ لوگ جمعیۃ علماء کی طرف آئے اور پھر مسلح جدوجہد سے مفتی صاحب نے ان کو سیاسی عمل کی طرف ان کا رخ موڑ دیا۔ کیا وجہ ہے دس سال ہو گئے میرے اوپر پابندی ہے کہ کہ آپ قبائلی علاقہ میں نہ جائیں تاکہ قبائل دنیا کے سیاسی عمل سے وابستگی کی بجائے ان کے جو مذہبی رجحانات ہیں ان میں تشدد پر وان چڑھے اور پھر اس سے دنیا مقاصد حاصل کرے۔ اس چیز کو بھی سمجھنا چاہیے۔ جب سیاسی جدوجہد وہاں نہیں ہوئی۔ زرداری صاحب نے اعلان بھی کر دیا کہ ہم، جو پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ہے اس کو Extant کریں گے۔ قبائلی علاقہ جات تک، نہیں کر سکے۔ نہیں کر پار ہے ابھی تک۔ کچھ قوتیں ہیں جو رکاوٹ ہیں۔ کوئی سیاسی پارٹی مخالف نہیں۔ اگر میں قبائلی علاقہ جات میں سیاست کر سکتا ہوں تو دوسری پارٹیوں پر میں کیوں قد غن لگاؤں اور قوم کی اپنی مذہبی رجحانات ہیں، اپنی مذہبی رجحانات کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو کون روک سکتا ہے؟

ایک دفعہ ہمارے سیاسی بزرگوں، رہنماؤں کا ایک اجلاس تھا، ہر قسم کے فکر کے لوگ اس میں بیٹھے ہیں ہمارے ایک قوم پرست، سیکولر مزاج کے ہمارے دوست، ہمارے محترم کہنے لگے کہ سٹیٹ میں مذہب کا رول نہیں ہونا چاہیے۔ یہ جو مذہب ہے اس نے سارا معاملہ خراب کیا ہوا ہے۔ شیعہ سنی، دیوبندی بریلوی، کافر کافر، ایک دوسرے پر فتویٰ۔ یہ سارے رجحانات مذہب کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ دنیا میں اختلاف ہوتے

ہیں۔ اختلاف تو ناگزیر چیز ہے انسانی معاشرہ میں ہوگی ہر قیمت پر ہوگی کسی بھی لحاظ سے ہو اختلاف تو ہو گا دنیا میں۔ لیکن اختلاف میں نفرت اور تعصب نہیں ہونا چاہیے تاکہ دعوت کا ماحول زندہ رہے۔ جب نفرت اور تعصب اختلاف میں حائل ہو جائے تو پھر آپ کے دعوت کے راستے رک جاتے ہیں۔ اسلام دعوت کے راستے کبھی نہیں روکتا اس لئے تعصبات نہیں ہونے چاہئیں۔ برداشت ہو، ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ ہو۔ دلائل کا تبادلہ ہو۔ اب اس حوالہ سے مذہبی اختلاف تو مٹ بھی سکتا ہے ایک آدمی کافر ہے مسلمان ہو گیا اختلاف مٹ گیا۔ شیعہ ہے سنی ہو گیا اختلاف مٹ گیا۔ سنی ہے شیعہ ہو گیا اختلاف مٹ گیا تو ختم بھی ہو سکتا ہے۔ نسلی اختلاف ختم بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی آدمی پشتون ہے تو وہ پشتون ہے اور ہر وقت پشتون ہے اگر وہ چاہے میں پنجابی ہو جاؤں تو خود بخود پنجابی نہیں ہوتا اور جو آدمی پنجابی ہے تو پنجابی ہی ہے پشتون نہیں ہو سکتا۔ عربی ہے تو وہ بس عربی ہے اب وہ پشتون نہیں ہو سکتا پشتون ہے تو وہ عربی نہیں ہو سکتا۔ نسلی اختلافات تو ختم بھی نہیں ہو سکتے لیکن پاکستان میں مذہب کے حوالہ سے قیادت بھی موجود ہے اور قومیتوں کے حوالہ سے بھی قیادت موجود ہے۔ مجھے مذہبی حوالہ سے ایک شخصیت بتادیں سیاسی قیادت کی جس نے فرقہ وارانہ تعصبات میں کردار ادا کیا ہو۔ تمام پارٹیاں آپ کے سامنے ہیں۔ یہ جمعیت علماء ہے جمعیت علماء پاکستان، جمعیت اہل حدیث ہے سب موجود ہیں۔ اور دستور ساز اسمبلی کی قرارداد مقاصد سے لے کر ۱۹۷۳ء کا آئین اور ایم۔ ایم۔ اے تک تمام مراحل مذہب کے حوالہ سے سیاسی قیادت کرنے والی مذہبی قائدین کا فرقہ وارانہ تعصبات اور نفرتوں میں کوئی رول نہیں۔ ہاں سوسائٹی میں یہ عناصر موجود ہیں کبھی اسٹبلشمنٹ فائدہ اٹھاتی ہے۔ کبھی کسی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے کہ آپس میں لڑ جائیں تو وہ قوتیں ایسے حالات پیدا کرتی ہیں۔ لیکن اس کی اپنی جو باقاعدہ قیادت ہے جس کا مسلسل ایک کردار ہے۔ اس نے کبھی بھی فرقہ وارانہ تعصبات کو ہوا نہیں دی اور آپ حضرات کی قیادت، قومیتوں کے نعروں کی علمبردار سیاسی قیادت ہیں ملک کے

اندر قومیتوں کے اندر نفرت آپ پیدا نہیں کرتے آپ کی سیاست اسی سے نہیں چمکتی۔ آپ کا سیاسی مہم بھی نہیں اس کے علاوہ کچھ ہے آپ کے پاس۔ پشتون کے حق پر قربانی دیں گے اور پنجابوں کو کہیں گے کہ وہ ظالم ہیں پشتون مظلوم ہیں، مظلوم قومیتیں، محروم قومیتیں۔ یہ اصطلاحات میری ہیں یا آپ کی ہیں۔ کہنے لگے کہ مولانا صاحب بہت زیادتی کی آپ نے، ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ تو یہ چیزیں مد نظر رہنی چاہئیں کہ پاکستان کی مذہبی سیاسی قیادت نے فرقہ واریت کو ہوا دینے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ سیاسی اختلاف ہوتے ہیں۔ سیاسی پارٹیاں، حالات ہوتے ہیں اکٹھے ہوتی ہیں کبھی نہیں ہوتیں۔ وہ ضرورتوں کے مطابق ہوتی ہیں۔ ہر پارٹی کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ ان ترجیحات پر وہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اختلاف رائے ہوتا ہے، تنقید و جرح بھی ہوتی رہتی ہے لیکن اس میں فرقہ وارانہ تعصب کا کوئی کردار نہیں ہوتا اور میں اگر ایک حنفی ہوں تو میں حنفیت کو فرقہ تو نہیں کہتا۔ ﴿اِخْتِلَافٌ اُمَّتِی رَحْمَةٌ﴾ کے زمرہ میں لاتا ہوں اُسے۔ کہ سب کا احترام کرو اور تابعداری ابو حنیفہؒ کی کرو۔ حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں حنفی ہوں لیکن محض عقیدت کی بنیاد پر حنفی نہیں ہوں۔ میں قوت دلیل کی بنیاد پر حنفی ہوں اور جب حدیث کی درس میں جاتے تھے تو وہاں تقابل مذہب تو ہوتا ہے اور پھر وہاں جب اُن کی قوت نکھرتی تھی اس حوالہ سے۔ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے طلبہ بیٹھتے تو اپنے مسلک کے حوالہ سے تیاری کر کے آتے تھے۔ اور پھر وہ مفتی صاحب پر سوالات کرتے تھے اور طلبہ کہتے تھے کہ اب درس میں مزہ آرہا ہے کہ مفتی صاحب پر کوئی تنقید کرنے والا موجود ہو مفتی صاحب اتنے تحمل کے ساتھ دلائل پر دلائل دیتے ہیں تو اس کے دلائل سنتے ہیں اپنے دلائل دے رہے ہوتے ہیں اور ہمیں اس سے علمی فائدہ ہوتا ہے۔ اس اختلاف کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ علمی فائدہ ہوتا ہے۔ ہمارے جتنے ائمہ گزرے ہیں ان کے اختلافات آج ہمارے دارالمطالعوں اور ہماری علمی کتابوں کے ذخیرہ کا حصہ ہیں اور اُمت اس فائدہ اٹھاتی ہے۔ یہ علمی چیزیں یہ وہ چیز ہے

جس کو ان شخصیات نے قوم کی طرف منتقل کیا ہے۔ اور دنیا ہمیں اعتدال میں رہنے نہیں دیتی، طعنہ دیتی ہے کہ بھائی اس کو ہماری کمزوری سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم کوشش کر رہے ہیں کہ سیاست ہو، مذہب ہو، مسلکی ماحول ہو۔ مدارس کا ماحول ہو اس میں اعتدال کا ہونا ضروری ہے۔

اسلام پر جو سب سے بڑے اعتراضات ہیں کیا ہیں؟ اسلامی سزائیں، حدود۔ اب مفتی صاحب کو ہم نے سنا کہ جب ایک مقرر تقریر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اسلام آئے گا تو پھر دیکھیں گے آپ، چور کے ہاتھ کٹیں گے۔ زانی کو سنگسار کیا جائے گا۔ اور اس قسم کی باتیں۔ مفتی صاحب نے اس کو روکا کہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ یہ اسلام کی تصویر ہے جو آپ پیش کر رہے ہو۔ سزا جو ہیں یہ

مذہب نہیں ہوتا۔ جس طرح آپ سکول میں پڑھتے ہیں مدرسہ میں پڑھتے ہیں یا آپ یونیورسٹیوں میں پڑھا رہے ہیں۔ آپ نصاب بھی پڑھاتے ہیں لیکن طالب علم کی تعلیمی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنے کے لئے آپ نے کچھ سزائوں کا تعین بھی کیا ہے۔ کلاس میں نہیں آئے گا حاضری نہیں کرے گا۔ سبق یاد نہیں کرے گا۔ گھر کا کام نہیں کرے گا۔ سٹڈی نہیں کرے گا رات کو۔ تو آپ کبھی اس کو Fine (جرمانہ) کرتے ہیں۔ کبھی پھر اس کے داخلہ کو معطل کر دیتے ہیں۔ کلاس سے نکال دیتے ہیں۔ کسی زمانے میں تو ڈنڈے بھی لگایا کرتے تھے۔ ہمارے ہاتھوں نے بہت ڈنڈے کھائے ہیں۔ تو کیا ہم نے آج تک مدارس کے اندر طالب علم کی زندگی میں نظم پیدا کرنے کے لئے سزائوں کو نصاب تعلیم کا حصہ کہا ہے؟ کیا ہم نے کبھی اس کو نصاب تعلیم کہا ہے؟ جب ہمارے اداروں میں تعلیمی نصاب اور چیز کا نام ہے اور سزائیں اس سے بالکل مختلف چیز کا نام ہے تو پھر نظام اسلام میں ہم سزا کو نظام کا حصہ کیوں قرار دیں۔

ہاں نظام میں نظم پیدا کرنا اس کی تطبیق کی شکل پیدا کرنا اس کے لئے دو چار سزائیں اللہ تعالیٰ نے براہ راست بھیجی ہیں باقی آپ پر چھوڑی ہیں۔ کہ اس کے لئے اپنا کوئی نظام بنائیں اور جب اسلام سزا کی بات کرتا ہے تو کیا دنیا نہیں کرتی۔ کیا یورپ اور امریکہ میں سزائیں نہیں ہیں؟

لیکن سزائوں کے جو اثرات ہیں۔ یورپ میں جائیں جرائم کی شرح دیکھ لیں جہاں اسلامی دنیا میں سزائیں ہیں وہاں دیکھ لیں۔ ایک ڈاکٹر آئے تھے، ڈاکٹر دو ایسی غالباً انہوں نے مفتی صاحب سے کہا کہ مفتی صاحب سنگسار کرنا اس زمانے کے کام ہیں؟ وحشی قسم کی سزا ہے کوئی جدید دور کی سزا ہو۔ مفتی صاحب نے کہا کہ جدید دور کی سزائیں کیا ہو سکیں گی؟ یا پھر کیا امکانات ہیں اس کے۔ مطلب یہ ہے کہ قتل کرنا سزا ہے لیکن قتل سنگساری سے نہ کیا جائے تو پھر اور کیا صورتیں ہوں گی۔ تلوار سے، بندوق کی گولی سے مارنا، بجلی کا کرنٹ دے کر مار دو، تلوار سے اس کی گردن مار کر مار دو۔ بندوق کی گولی سے اس کو مار دو۔ اس نے کہا کہ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ تو مفتی صاحب نے کہ آپ کو پتہ ہے کہ اسلام اپنی سزائوں میں، سزائوں کو نافذ کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ سزائوں کو نافذ نہ کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اور پھر مفتی صاحب نے رجم کی سزا کے حوالہ وہ واقعہ بیان کیا۔ کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک شخص خود آیا۔ کہ یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ ظہر زنی مجھے پاک کرو۔ اب زنا کی سزا کا اس کو علم تھا۔ لیکن ”پاک کرو“ کا مطلب یہ کہ مجھے دنیا میں اس کی سزا چکا دو۔ آخرت میں میں یہ نہیں بھگت سکتا۔ اس کا ایسا ایمان تھا کہ جیسے آخرت اور دوزخ اس کے سامنے ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ آجاؤ ہاتھ لگ گئے۔ مزہ آجائے گا۔ آج ہم اسلام کی ایک سزا نافذ کریں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ایسے ہی عورت کو ہاتھ لگا دیا اور کہہ دیا کہ میں نے زنا کیا۔ صرف جسم اس کے ساتھ لگ گیا ہو گا۔ شاید بوسہ لے لیا ہو گا۔ لیکن اس نے کہا۔ کہ نہیں میں نے اس اجنبی عورت کے ساتھ وہ کام حرام طریقے سے کیا ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ حلال طریقے سے کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اُبک جنون؟ کیا تم پاگل ہو؟ عرض کیا نہیں میں ہوش میں بات کر رہا ہوں۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس کا منہ سو گٹھ لو کہیں شراب تو نہیں پیا ہوا ہے۔ اس کا منہ سو گٹھا گیا۔ عرض کیا شراب کی بو نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا بس پھر تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نافذ ہو گا۔ چنانچہ اسے سنگسار کیا گیا۔ لیکن دوران

سنگساری درد برداشت نہ کر سکا اور بھاگ گیا۔ اور لوگوں کے حلقہ سے نکل گیا۔ تو حلقہ سے باہر ایک شخص نے اونٹ کا پڑا ہوا جبر اٹھایا اور اُسے دے مارا۔ جس سے وہ ڈھیر ہو گیا۔ جب حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ جب وہ حلقہ توڑ کر بھاگ گیا۔ تو پھر اس کا اور اللہ کا معاملہ تھا، تم نے پیچھا کیوں کیا۔ اور آپ نے اس کی تعریف کی کہ ﴿إِنَّهُ تَابَ تَوْبَةً لَّوْ قُسِمَ عَلَىٰ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوْسَعَتْهَا﴾ علماء ناراضگی کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بھاگنا درحقیقت علامت تھا۔ اپنی گواہی سے رجوع کرنے کا۔ اور رجوع سے معاملہ مشکوک ہو جاتا ہے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔

دو الیسی صاحب سے مفتی صاحب نے رجم کی یہ حکمت بیان کی کہ اس صورت میں بچنے کا امکان ہے اور ”جدید طریقوں“ سے ان کے بچنے کا امکان نہیں۔

اور اس قسم کے، جو آپ نے عائلی قوانین کی بات کی ہے۔ (عبدالحکیم اکبری نے اس سے قبل اپنی تقریر میں حضرت مفتی صاحب کی عائلی قوانین کے خلاف ان کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب کا ۱۹۶۲ء کی قومی اسمبلی میں حضرت مفتی صاحب کا عائلی قوانین کی مخالفت میں فقہی دلائل کا ذکر کر کے مولانا فضل الرحمن صاحب سے استفسار کیا تھا۔ کہ کیا بات ہے کہ پاکستان کے ہر آئین میں عائلی قوانین کو تحفظ حاصل ہوتا ہے) اس میں شک نہیں کہ مفتی صاحب کی تقریر کا آج تک کوئی جواب نہ ہو سکا، جن دلائل کے ساتھ جس میں نقلی دلائل بھی ہیں اور عقلی دلائل بھی۔ قرآن سے بھی ہیں حدیث سے بھی ہیں اور پانچوں فقہوں سے اور پھر اس پر عقلی دلائل دیئے۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھیں کہ آپ کے ملک میں جو قانون سازی یا جن اداروں کی تشکیل یا جو تحریکات بین الاقوامی ایجنڈے کا حصہ ہوں۔ اس کا تسلسل کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ تحریک نسواں، تحریک حقوق نسواں۔ یہ چونکہ مغرب کا ایجنڈا ہے۔ لہذا اس کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اور آپ ہزار اپنے دلائل مارتے رہیں گے کہ یہ نہیں ہے شریعت کا فیصلہ، یہ اسلامی ملک ہے۔

لیکن آپ اس تحریک سے پیچھے نہیں آسکتے۔ ہسپتال میں آپ ایک شعبہ بند کر دیں اور ایک کھول دیں۔ لیکن ہسپتال سے باہر جو خاندانی منصوبہ بندی کا جو نظام ہے ذرا اس پر کنٹرول کر کے تو دکھاؤ۔ یہ بین الاقوامی ایجنڈا ہے۔ لہذا بعض چیزیں ہمارے ملک کے اندر بین الاقوامی ایجنڈے کے تحت چلتی ہیں اور ہر ملک اور اس دور کی اسٹبلشمنٹ اس کے تسلسل کو زندہ رکھتی ہے۔ دینی مدارس کا خاتمہ اب بین الاقوامی ایجنڈا بن گیا ہے کہ علوم دینیہ کے اس تصور سے نکلے۔ اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ کثیر المقاصد ہے۔ یہ صرف دہشت گردی کا خاتمہ نہیں ہے۔ دہشت گردی ایک لفظ ہے جس کو ہر ایک پر حاوی کر رہے ہیں۔ لہذا دہشت گردی، دہشت گرد بھی مجرم اور ایسے ادارے جہاں سے دہشت گرد نکل سکتے ہیں ان کے منابع بھی ان پر بند کر دو اور دینی مدارس کو ان کے منابع سمجھتے ہیں۔ اور پھر آپ کے ایٹمی پروگرام تک رسائی بھی۔ یہ دہشت گرد، مذہبی انتہا پسند پہنچ جائیں گے خدا نخواستہ۔ آپ ہزار کہیں کہ ہمارا ایٹمی پروگرام محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ کوئی مذہبی قوت وہاں پہنچنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس جنگ کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ اس وقت تک برقرار رکھے کہ جب آپ کہہ دیں کہ ہاں اب میرے بس میں نہیں ہے۔ یہ آپ اپنی کنٹرول میں لے لیں۔ تو یہ کثیر المقاصد جنگ ہے۔ خطہ کے مفادات پر قبضہ، مذہبی طرز معاشرت، مذہبی علم، اس علم کے ادارے، آپ کی دفاعی قوت اس پر اپنا کنٹرول۔ آپ کی اقتصادی معاشی قوت پر کنٹرول۔ یہ بین الاقوامی ایجنڈا ہے۔ آپ کا اقتصاد آئی ایم ایف سے وابستہ ہے آپ کا اقتصاد ورلڈ بینک سے وابستہ ہے آپ کا اقتصاد ایشین بینک سے وابستہ ہے اور یہ عالمی ادارے ہیں۔ اور ترقی پذیر اور پسماندہ ملکوں کو ان عالمی اداروں سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ جبری طور پر۔ ان کی خواہش ہو یا نہ ہو۔ بین الاقوامی معاہدات ہیں این پی ٹی، سی ٹی بی ٹی ہے اور پتہ نہیں کیا کیا معاہدات ہیں بین الاقوامی۔ اس میں جکڑ رکھا ہے آپ کو۔ امریکہ خود دستخط نہیں کرے گا آپ سے کہے گا کہ دستخط کرو۔ اس بین الاقوامی استعمار کے خلاف ہمارے اکابر نے تحریک چلائی

اور اس بین الاقوامی استعمار کو بالآخر ملک سے نکالا۔ لیکن صرف یہ کہنا کہ ہماری تحریکات کے نتیجے میں نکل گیا کچھ بین الاقوامی ماحول بھی بنانا پڑتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے اچھا یا برا اپنی جگہ۔ لیکن ہماری تحریکات اپنی جگہ پر ایک اس کا تسلسل ہے البتہ ہٹلر کے ضرب نے جب انگریز کی کمر توڑ دی تھی۔ اور اس کے بعد وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ اپنے انگلینڈ کو بچا سکے۔ ہٹلر لندن کے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔ وہ ماحول بھی بنا اس کے لئے۔

امریکہ نے جو آب پالیسی اختیار کی ہوئی ہے میں اس پر پریشان نہیں ہوں۔ کیوں؟ اس نے اپنی قوم اور حکومت کو اور اپنی افواج کو ایسی جگہ اتارا ہے کہ اب عراق میں ہاتھ اٹھا چکا ہے کہ میں جنگ ہار چکا ہوں۔ افغانستان میں کہہ چکا ہے کہ میں شکست کھا چکا ہوں۔ اور یہی صورت حال اس کو اقتصادی طور پر تباہ کر رہی ہے۔ پتہ نہیں کہ کتنے بینک ہیں امریکہ کے جو بند ہو گئے ہیں۔ اقتصادی انحطاط کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان شاء اللہ وہ ماحول آرہا ہے کہ جس ماحول میں اس کی کمر خود ٹوٹے گی۔ اور اس کی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں ٹوٹے گی۔

لیکن ہمیں اپنی اس جدوجہد، اپنے اسلاف کے اس سلسلے کو زندہ رکھنا ہے اور ایسی شخصیات کو نابغہ روزگار شخصیات کو زندہ جاوید بنانے کا احسن طریقہ یہی ہے کہ جیسا مولانا اکبری صاحب نے کتاب کی صورت میں اس کو منضبط کر دیا ہے اور اپنی نسلوں کے لئے اس کو محفوظ کر دیا ہے۔ اور اگلی نسل اس پر کام کرے گی۔ اور ان شاء اللہ اس پر مزید اضافے ہوں گے۔ اور جو کچھ لکھا گیا ہے میں سمجھتا ہوں بہت ہی اعلیٰ ترین محنت ہے لیکن کچھ حقے ایسے ہیں۔ میں نے اکبری صاحب سے کہا ہے کہ اس پر میرا اور آپ کا مذاکرہ ہوتا کہ اگر کوئی کمزوری کہیں پر ہے تو اس کا بھی ازالہ ہو سکے۔ اصلاح کی کوشش جو ہے یہ بھی ایک اچھی خصلت ہے اور یہ اچھائی اگر اس میں پائی جاتی ہے تو یہ اور زیادہ حقدار بناتا ہے ان کو۔ اجازت چاہوں گا آپ حضرات سے شکریہ کے ساتھ۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

باب اول حالات زندگی

خاندان و سلسلہ نسب

آپ کے خاندان کا تعلق افغانوں کے مشہور قبیلہ ناصر سے ہے۔ یہ قبیلہ خانہ بدوش تھا جو سردیوں کے آغاز میں سرحد و پنجاب کا رخ کرتا اور تقریباً چھ مہینے محنت مزدوری کرتا۔ اور گرمیوں کے آغاز پر افغانستان اور دیگر دوسرے مقامات پر چلا جاتا اور چار مہینے وہاں خیمہ زن رہتا۔ اور دو مہینے آمدورفت میں لگ جاتے۔ (۱) آج کل اس قبیلے کے اکثر خاندان بلوچستان کے ضلع لورالائی، ژوب وغیرہ میں مستقل آباد ہو چکے ہیں۔ اور بعض نے افغانستان کو اپنا مستقر بنا لیا ہے۔ بہت کم خاندان ایسے ہیں جو اب بھی خانہ بدوش کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔

اپنے خاندان کے بارے میں مفتی صاحب نے ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور کے ایڈیٹر مشہور احراری رہنما، نامور شاعر، آٹھ جلدوں پر مشتمل ”تاریخ احرار“ کتاب کے مصنف جو بعد میں جمعیت علماء اسلام کے مرکزی رہنماؤں میں شمار کئے جاتے تھے کے استفسار پر بتایا کہ ”میں افغان قوم کے قبیلہ ناصر کی مشہور شاخ یحییٰ خیل میں غلم خاندان سے متعلق ہوں۔“ (۲)

آپ چھٹی پشت میں غلم سے ملتے ہیں۔ شجرہ نسب یوں ہے۔

محمود بن محمد صدیق بن محمد دراز بن گلستان بن عمر بن محمد بن موسیٰ بن غلم۔

خانقاہ یسین زئی

افغانستان میں آباد سادات کا ایک خانہ بدوش قبیلہ ”یسین زئی“ کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ اسی خاندان کے دو افراد حضرت سید غلام حیدر صاحب اور سید مہتر موسیٰ صاحب (وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۶۹ء) سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ المشائخ دوست محمد قندھاری کے خلفاء میں سے تھے۔ یہ دونوں آپس میں ماموں بھانجے تھے۔ سید غلام حیدر

صاحب کا جلد انتقال ہو گیا تھا۔ جبکہ سید مہتر موسیٰ صاحب نے ذکر و اذکار اور لطائف کے اسباق کا سلسلہ چلایا ان کے مریدین و متوسلین کی کافی تعداد افغانستان و ہندوستان میں موجود تھی۔ سردیوں میں وہ عیسیٰ خیل ضلع میانوالی اور پنیالہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب خیمہ زن ہوتے اور گرمیوں میں افغانستان تشریف لے جاتے۔ ان کے انتقال کے بعد تصوف کا یہ سلسلہ ان کے صاحبزادے حضرت سید احمد گل صاحب (ولادت ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۵۳ء) نے آگے بڑھایا۔ وہ مرجع خلافت تھے۔ دور دور سے لوگ اصلاح کی نیت سے ان کی طرف رجوع کرتے۔ ان کی خانقاہ ہر وقت ذکر و مراقبات کے حلقوں سے آباد رہتی تھی۔ ان کے مریدین میں سے خلیفہ محمد صدیق بھی تھے۔ جو کہ علوم ظاہریہ و باطنیہ کے حصول کے لئے اپنے خاندان اور عزیز واقارب سے ترک تعلق کر کے حضرت سید احمد گل صاحب کے قافلے کا ایک مستقل فرد بن گئے تھے۔ (۳)

ایک مرتبہ سادات کے اس خاندان نے گرمیوں کے آغاز پر پنیالہ سے کوچ کرنے کی تیاری کا فیصلہ کیا تو حضرت سید احمد گل صاحب سخت علیل ہو گئے۔ مرض اور نقاہت میں دن بدن اضافہ ہوتا دیکھ کر پنیالہ کے ایک مشہور زمیندار شہاب الدین خان نے حضرت کو یہاں مستقل رہائش اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ اور اس کے لئے انہوں نے پنیالہ سے شمال میں تقریباً ۴ فرلانگ کے فاصلہ پر خانقاہ، مسجد اور مکانات کی تعمیر کے لئے زمین بھی وقف کر دی۔ (۴) حضرت نے یہ مشورہ مان لیا۔ اور یہیں مستقل رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد اسی بیماری میں حضرت سید احمد گل صاحب انتقال فرما گئے۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت کے کل آٹھ صاحبزادے تھے۔ (ان میں) چار بیٹوں حضرت عبدالحلیم صاحب، دین محمد، نور محمد اور شاہ عبدالعزیز نے والد صاحب کے ساتھ یہیں مستقل رہائش اختیار کی اور چار بیٹے افغانستان چلے گئے حسب معمول آتے جاتے رہے۔ بالآخر

انہوں نے قندھار میں (قندھار سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ”جوئے لاہور“) کو اپنا مستقل بنایا اور مستقل طور پر وہاں رہنے لگے۔ (۵)

حضرت سید عبدالحلیم شاہ صاحبؒ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ سے منسوب نقشبندیہ سلسلے کے دونوں شاخوں بنوریہ اور معصومیہ میں اپنے شیوخ سے مجاز تھے۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

حضرت عبدالحلیم صاحب سب سے بڑے تھے۔ عالم باعمل اور باصفا بزرگ تھے۔ نقشبندیہ سلسلہ کے بنوریہ شاخ کے اسبق کی تکمیل اپنے والد بزرگوار سے کر چکے تھے۔ ان کی وفات کے بعد رامپور تشریف لے گئے۔ حافظ عنایت اللہ رامپوریؒ سے بیعت ہوئے۔ سلسلہ معصومیہ کی تکمیل ان سے کی۔ اور انہوں نے عبدالحلیم صاحب کو مجاز فرمایا۔ (۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت سید عبدالحلیم شاہ صاحبؒ سے اصلاح خلق کا بہت کام لیا ہے لوگوں کے اصلاح عقائد اور تزکیہ نفوس کی وجہ سے آپ کے متوسلین کا حلقہ اور خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ آپ کے خلفاء میں حضرت خلیفہ سید علی شاہ صاحبؒ، کٹر خیل۔ حضرت فقیر احمد گل، پہاڑ پور۔ حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحبؒ (آپ کے چھوٹے بھائی) مفتی محمود کے والد بزرگوار خلیفہ محمد صدیق اور حضرت مولانا محمد یسین صاحبؒ (واں بھچراں ضلع میانوالی) ملا صاحب جان سلیمان خیل کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ حضرت سید عبدالحلیم صاحبؒ کا جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ (مطابق ستمبر ۱۹۳۵ء) میں انتقال ہو گیا۔

حضرت سید عبدالحلیم صاحب کے چار بیٹے حضرت سید احمد صاحب، سید محمد صاحب، سید حامد صاحب اور سید محمود صاحب ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت چونکہ چاروں بھائی کم سن تھے اس لئے ان سے اپنے والد سے فیض حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا بعد میں یہ چاروں اپنے چچا حضرت سید عبدالعزیز شاہ سے بیعت ہوئے اور مجاز ہوئے۔ مؤخر الذکر تینوں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ سلسلہ فیض سید احمد صاحبؒ سے زیادہ پھیلا۔ مولانا فضل

الرحمن انہی سے بیعت ہوئے تھے۔ سلسلہ بنوریہ کے اسباق کی تکمیل بھی ان سے کر چکے ہیں۔ چاروں بھائیوں کی اولاد علماء ہیں۔ اور اپنی بساط بھر دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ سید احمد صاحب کے اکلوتے صاحبزادے مولانا محمد محسن شاہ پاکستان بھر میں مشہور مدرسہ جامعہ حلیمیہ درہ پیزو کے مہتمم ہیں۔ جہاں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم رہتے ہیں۔

حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحبؒ نابینا ہونے کے باوجود حافظ القرآن اور بہت بڑے عالم دین تھے اور باقاعدہ طلباء کو پڑھاتے تھے۔ مفتی صاحب بھی ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ غالباً ۱۹۲۵ء میں خانقاہ یسین زئی سے آپ ابا خیل تحصیل لکی مروت ضلع بنوں منتقل ہو گئے تھے۔ ۱۹۶۷ء میں حضرت مفتی صاحبؒ کے گھر عبدل خیل میں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے ہوئے تھے کہ پیغام اجل آپہنچا۔ خانقاہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے رحمہ اللہ۔ (۷) آپ کی وفات کے وقت مفتی صاحب ملتان میں تھے۔ سید عبدالعزیز شاہ صاحبؒ کے تمام صاحبزادے بڑے بڑے علماء ہوئے۔ صاحبزادہ یار محمد صاحب مراد آباد میں اپنے بھائیوں اور مفتی صاحب کے ساتھ زیر تعلیم تھے۔ نوجوانی میں انتقال فرما گئے ہیں۔ صاحبزادہ جان محمد صاحب مراد آباد میں زیر تعلیم رہے۔ دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث کیا۔ متعدد مدارس میں مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ جنوری ۲۰۸۰ء میں انتقال فرما گئے ہیں۔ مقالہ نگار کے استاد مرشد تھے۔ صاحبزادہ عبد الرحیم صاحب بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت متوزع تھے۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ صاحبزادہ عبد الرحمن صاحب متعدد مدارس میں شیخ الحدیث رہے ہیں۔ ۲۷ رمضان المبارک بروز جمعہ ان کا انتقال ہوا۔ صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب عالم دین تھے۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا عبد الکریم شاہ صاحب آج کل دارالعلوم فیصل آباد میں شیخ الحدیث ہیں۔ ان حضرات کی اولاد بھی علماء ہیں اور درس و اصلاح کا سلسلہ جاری کئے ہوئے ہیں۔

والد ماجد خلیفہ محمد صدیق صاحب

اپنے والد بزرگوار کے بارے میں مفتی صاحب نے فرمایا ہے۔

میرے والد مرحوم کا اسم گرامی مولانا خلیفہ محمد صدیق ہے۔ آپ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت کے سلاسل اربعہ میں خلیفہ مجاز تھے۔ ذکر و تلقین بطریقہ نقشبندیہ مجددیہ فرمایا کرتے تھے۔ والد صاحب موصوف افغانستان سے یہاں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پنیالہ کے مقام پر آکر مستقل سکونت اختیار کر گئے تھے۔ (۸)

مفتی صاحب کے حالات میں مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

خلیفہ محمد صدیق نے شرح جامی، رسائل منطق، علم فقہ اور علم قراءت اپنے پیرو مرشد حضرت احمد گل سے پڑھے تھے۔ مجاہدہ و ریاضت اور ذکر و اذکار کی طرف بہت راغب رہتے تھے۔ حضرت کی طرف سے اجازت بھی ملی تھی۔ حضرت کی وفات کے بعد حضرت عبدالحلیم صاحب سے بھی بیعت ہوئے تھے۔ (۹) حضرت عبدالحلیم صاحب نے بھی مجاز فرمایا تھا۔

آپ کی ساری زندگی خانقاہ میں گزری کچھ عرصہ کے لئے پنیالہ میں مقیم ہو گئے تھے پھر بھی ہر وقت خانقاہ کے تمام معمولات میں برابر شریک ہوتے اور وہاں آنے والے مہمانوں کی خاطر تواضع اور خدمت میں پیش پیش رہتے تھے۔ خلیفہ محمد صدیق صاحب ۱۳ صفر ۱۳۷۱ھ (مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۵۱ء) کو انتقال فرما گئے۔ اور خانقاہ میں خانقاہ کے حضرات کے لئے مخصوص قبرستان کے حصہ میں دفن ہوئے۔ کہ جس نے ساری زندگی خانقاہ کے لئے وقف کر دی تھی اور خانقاہ کے حضرات اور متوسلین و مریدین کی خدمت کو مقصد زندگی بنایا تھا وہ اسی قابل ہیں کہ وہ موت کے بعد بھی ان حضرات سے جدا نہ رہے۔

حضرت مفتی صاحب ان کی وفات کے وقت ملتان میں تھے۔ جس کی وجہ سے اپنے والد بزرگوار کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

مفتی محمود کی ولادت

خلیفہ محمد صدیق کی پہلی شادی پنیالہ کے قریب (معظم نامی گاؤں میں) ہوئی تھی ان سے ایک لڑکا (احمد) اور ایک لڑکی ہوئی۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی پنیالہ کے ایک علمی خاندان میں ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب، خلیفہ محمد صاحب، حامد اور ایک لڑکی ان کے بطن سے تھے (آخر الذکر بھائی بہن بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے)۔ (۱۰)

اپنی تاریخ ولادت کے بارے میں مفتی صاحب نے خود بتایا ہے کہ ”میری پیدائش ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں ہوئی“۔ (۱۱)

اور یہی آپ کی تاریخ ولادت آپ کے والد ماجد کے حوالہ سے مقالہ نگار نے بھی لکھی ہے کہ ”مولانا مفتی محمود کی تاریخ پیدائش ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ مفتی صاحب کے والد بزرگوار نے بذات خود بطور یادداشت تحریر فرمائی ہے“۔ (۱۲)

اس کے مطابق سن عیسوی کے لحاظ سے آپ کی تاریخ پیدائش ۹ جنوری ۱۹۱۹ء ہے۔ اس پر مقالہ نگار نے ان کی تاریخ ولادت کی سن ہجری اور سن عیسوی کے اعتبار سے مطابقت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

سن عیسوی کے لحاظ سے راقم الحروف کے استفسار پر ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب نے اپنی تاریخ پیدائش جنوری ۱۹۱۹ء بتائی تھی اور ان کے مڈل سکول سرٹیفیکیٹ (جو کہ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے) پر ۳۱ مارچ ۱۹۳۳ء کو ان کی عمر ۱۴ سال ایک ماہ ۱۴ دن درج ہے یعنی سرٹیفیکیٹ کے مطابق ان کی پیدائش ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ) ہجری کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش بالکل صحیح ہے جبکہ عیسوی تاریخ ایک تخمینہ ہے۔ (۱۳)

پہلی بیوی کے انتقال کے بعد خلیفہ محمد صدیق صاحب کی دوسری شادی پنیالہ کے ایک علمی خاندان میں ہوئی تھی جو حضرت آدم بنوریؒ کے خلیفہ حاجی بہادر آف کوہاٹ کی نسل میں سے ہے اور پنیالہ میں اس خاندان کا یہی ایک گھر آباد ہے۔ (۲۰)

مفتی محمود صاحب، خلیفہ محمد، حامد اور ایک لڑکی اس دوسری اہلیہ سے ہوئے۔
مؤخر الذکر دونوں بہن بھائی بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔ خلیفہ محمد کی تاریخ پیدائش ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۴۲ (مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء) ہے۔ قرآن حکیم ناظرہ اپنے والد صاحب سے پڑھا فارسی وغیرہ کی کتابیں بھی انہیں سے پڑھیں۔ پانچ سال کی عمر میں گورنمنٹ مڈل سکول پنیالہ میں داخل کرائے گئے۔ انہوں نے وہاں ۱۹۳۸ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا اکثر کتابیں عیسائی خیل ابا خیل اور پھر عبدل خیل میں مفتی صاحب سے پڑھی تھی۔ لیکن باقاعدہ دورہ حدیث کی کتب نہیں پڑھ سکے تھے کیونکہ مفتی صاحب کی تدریسی مصروفیات کی وجہ سے گھر کی تمام تر ذمہ داریاں انہیں کے سپرد تھیں۔ محلہ کی مسجد کی امامت بھی وہ انجام دیتے تھے۔ آپ کی پہلی شادی اپنے بڑے بھائی کی بیوہ سے کر دی گئی تھی۔ لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی دوسری شادی اپنے ماموں ملا خان محمد کی بیٹی سے ہوئی تھی جس سے ان کے ۴ بیٹے اور ۴ بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں میں مولانا عنایت اللہ فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (حالا ڈسٹرکٹ خطیب اوقاف ڈیرہ اسماعیل خان) مولانا کفایت اللہ مرحوم، مولانا ہدایت اللہ اور مولانا حافظ سعادت اللہ ہیں۔

خلیفہ محمد صاحب ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۵ (مطابق ستمبر ۱۹۷۵ء) کو انتقال کر گئے تھے۔ عبدل خیل میں دفن ہیں۔ ان کے انتقال کے وقت مفتی صاحب سفر حج میں تھے۔ ان کی تیمارداری کے فرائض مولانا فضل الرحمن نے ادا کئے تھے۔ انہیں دنوں جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ سرحد کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ڈیرہ اسماعیل شہر میں ہو رہا تھا۔ جس میں مولانا فضل الرحمن باوجود صوبائی مجلس شوریٰ کے ممبر ہونے کے اپنے چچ کی مجلس کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے تھے۔ جب

خلیفہ صاحب کی وفات کی اطلاع آئی تو راقم الحروف صوبائی شوریٰ کے ارکان کے ہمراہ جنازہ میں شریک ہوا تھا۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

خلیفہ محمد صاحب مفتی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ گھر کے تمام امور کی نگرانی وہ فرمایا کرتے تھے۔ بہترین عالم دین اور نہایت متقی تھے۔ ذی الحجہ ۱۳۹۵ء جب ان کا انتقال ہوا تو مفتی صاحب سفر حج میں تھے۔ ان کی وفات سے مفتی صاحب کو بہت دھچکا لگا اور ملکی، جماعتی اور علاقائی مسائل کے علاوہ گھر کی نگرانی بھی مفتی صاحب کے سر آگئی۔ (21)

اس بات کا ذکر مولانا فضل الرحمن صاحب نے بھی ”خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے“ کے عنوان کے تحت ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) میں کیا ہے۔

میرے چچا خلیفہ محمد صاحب جب تک زندہ رہے تمام خاندان کی ذمہ داری ان کے سپرد رہی اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو اس انداز سے نبھاتے رہے کہ مفتی صاحب سے وقتاً فوقتاً مشوروں کے سوا مزید کسی قسم کی زحمت نہ دیتے۔ لیکن حضرت خلیفہ صاحب کی وفات کے بعد والد محترم نے خاندانی امور میں باقاعدہ دلچسپی لینی شروع کر دی۔ اور اپنے چھوٹے بھائی حضرت خلیفہ صاحب کے اہل خانہ کی نگرانی بھی خود فرماتے رہے وہ خاندان کے ایک کامیاب سربراہ ثابت ہوئے۔ اپنی بے پناہ سیاسی مصروفیات کے باوجود انہوں نے خاندان کے ہر فرد کا خیال رکھا اور ہر ایک سے اس کے مقام اور مرتبے کے مطابق برتاؤ کیا۔ (۲۲)

ماحول

کسی انسان کی شخصیت اور اس کی تعمیر و تشکیل میں اس کے ابتدائی ماحول کا بہت زیادہ کردار ہوتا ہے۔ اس کے خیالات اور احساسات اس کے ابتدائی ماحول سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابتداء میں وہ بالکل خالی الذہن ہوتا ہے اس کے ذہن کی سختی بالکل سادہ اور صاف ہوتی ہے۔ اور اس عمر میں انسانی ذہن میں جو بات بیٹھتی ہے وہ ”نقش کا لجر“ ہوتی

ہے۔ باقی عمر میں یہی خیالات و احساسات اس کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں کار فرما ہوتے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اس کو علم الحیات اور علم النفس کی ایک مسلمہ حقیقت بتاتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں۔

انسان کے مزاج و مذاق کی تشکیل، اس کے فطری جوہر چمکانے اور اکثر اوقات اس کے زندگی کا رخ متعین کرنے میں، اس کے خاندان اور اس کے قریبی اجداد کا اثر علم الحیات اور علم النفس کی ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی تصدیق گزشتہ تاریخ نیز پے در پے مشاہدات و تجربات سے ہوتی رہتی ہے۔ اور اس کا انکار ایک امر بدیہی کا انکار ہے۔ (۲۳)

اس کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ کسی انسانی ذہن پر یہ اثر دور استوں سے ہوتا ہے۔ ایک نسلی طور پر کہ یہ خصائص (کمالات اور کمزوریاں) باپ سے بیٹے کی طرف اور مورث سے والد کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ دوسرے ذہنی و فکری طور پر کہ خاندانی روایات اور آباء و اجداد کے قابل فخر کارناموں کا تذکرہ، ان کے اصول زندگی، عقائد و مسلمات اور ان معیار و اقدار کا چرچا جن کو وہ ہمیشہ سینہ سے لگائے رہے۔ اور جو ان کو جان سے زیادہ عزیز تھے۔ ان محبوب اور معیاری شخصیتوں کے نام جس کی عقیدت و عظمت ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں بیٹھ گئی تھی۔ اور ان مقاصد کا ذکر جن کے لئے انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ بچپن سے انسان کے کان میں پڑتا رہتا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ کی سادہ تختی پر ”نقش کا لجر“ ہو جاتا ہے اور وہ یہ چیزیں شعوری اور غیر شعوری طریقہ پر اس کی شخصیت و سیرت کی تعمیر اور اس کی صورت گری کرتی ہے۔ (۲۴)

محمود کو بھی جو ابتدائی ماحول ملا۔ اس کی ساری زندگی میں اس کی شخصیت و کردار پر اس کے اثرات محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ اسی ابتدائی ماحول کے اثرات تھے جس کی وجہ سے وہ دین کی خدمت کے جذبے سے سرشار رہے اور کلمہ حق کی سر بلندی کے لئے ہمیشہ سربکف رہے۔ دین

کی ضرورت ہو اور وہ غفلت، مصلحت یا کسی مداخلت سے کام لے ان سے بہت بعید تھا۔ حق گوئی کے معاملہ میں جرأت و بے باکی سے کام لیتے اور نتیجہ اللہ رب العزت کے حوالہ کرتے۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

محمود نے جب آنکھ کھولی اور اس میں کچھ شعور پیدا ہوا تو ہر طرف اصلاح ظاہر و باطن کی باتیں تھیں۔ علمی مباحث کا تذکرہ تھا۔ قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی صداہیں تھیں۔ طلباء کا جھگڑا تھا جس کا لازمی اثر اس معصوم بچے کے ذہن پر ہونا تھا۔ اور آخر تک اس ماحول کا اثر ان کے رہن سہن اور گفتار و کردار میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ (۲۵)

مفتی صاحب نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ علم شریعت و طریقت دونوں کا امتزاج لئے ہوئے تھا۔ اگر ایک طرف ذکر و اذکار اور مراقبہ و ختم خواجگان کے حلقے تھے۔ و لطائف و لطائف کے اشغال تھے۔ اور تصوف کے اسباق مکمل کرائے جاتے تھے تو دوسری طرف درس و تدریس اور خصوصاً علم فقہ و اصول فقہ کا ایک عام ماحول تھا۔ فقہی مسائل اکثر زیر بحث رہتے تھے۔ بعض شروح و فتاویٰ سبقتاً پڑھے پڑھائے جاتے تھے۔ وہاں ہر وقت علم فقہ کے ماہر علماء کا مجمع لگا رہتا تھا۔ جن میں مقالہ نگار کے تایا استاد مولوی عبد اللہ، ان کے بڑے بیٹے اخوندزادہ عبد الحکیم اور والد ماجد استاد مولوی کمال الدین اور مولوی عطاء محمد تترخیلوں بھی ہوتے تھے۔ مفتی صاحب اس ماحول میں پروان چڑھے۔ یہی وجہ تھی کہ شروع سے ان کا رجحان علم تصوف اور علم فقہ کی طرف زیادہ رہا۔

ایک دینی ماحول کے ساتھ ساتھ والد صاحب کی تربیت اور ہر وقت کی نگرانی ”سونے پر نہاگہ“ تھی۔ ان کے والد ہمیشہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی کڑی نگرانی فرماتے رہتے اور اس میں ذرا سی غفلت کے بھی روادار نہ ہوتے۔ مقالہ نگار نے ”سوانحی نقوش“ میں لکھا ہے ”مفتی

صاحب کے والد مرحوم ان کی ہر قدم پر نگرانی فرمایا کرتے اور اخلاق و عادات اور تعلیم کے بارے میں ذرا سستی اور غفلت برداشت نہیں کرتے تھے۔“ (۲۶)

اس مضمون میں آگے چل کر مقالہ نگار لکھتا ہے۔

خلیفہ محمد صدیق صاحب کی یہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لڑکوں کو عالم با عمل بنائے اور ان کو دین کے خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ ہر (فرض) نماز (کی جماعت) کے بعد مسجد میں (بلند آواز سے) حضرت مولانا سید عبدالحلیم صاحب سے بطور خاص اپنے لڑکوں کے لئے دعا کروایا کرتے تھے۔ (۲۷)

خانقاہی ماحول، والد کی کڑی نگرانی اور اولیاء اللہ کی دعاؤں ہی کے یہ اثرات تھے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف علماء میں ایک غالب شان عطاء فرمائی تھی۔ بلکہ اپنے عم عصر سیاستدانوں میں بھی ان کو ایک نہایت ممتاز مقام حاصل تھا۔

ابتدائی تعلیم

مفتی محمود نے قرآن حکیم ناظرہ اپنے والد صاحب سے پڑھا۔ فارسی اور فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب اور مولوی شیر محمد صاحب سے پڑھیں۔ چھ سال کی عمر میں مڈل سکول پنیالہ میں داخل کرائے گئے۔ سکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی کتب کی تعلیم جاری رکھی۔ اپنی خداداد صلاحیت و قابلیت کی بناء پر ہر کلاس میں اول آتے رہے۔ خود بتاتے ہیں ”میں ہر جماعت میں اول درجہ میں کامیابی حاصل کرتا رہا۔“ (۲۸)

۱۹۳۳ء میں آپ نے مڈل کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ اور ۲۷ جون ۱۹۳۳ء کو

آپ کو صوبہ سرحد کے محکمہ تعلیم کے Registrar of Departmental Examination کی طرف سے مڈل پاس سرٹیفیکیٹ جاری ہوا۔

سکول کی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کے والد صاحب نے آپ کو حضرت سید عبد العزیز شاہ صاحب کے پاس ابا خیل بھیجا۔ شاہ صاحب نے آپ کو صرف و نحو، فقہ و اصول فقہ اور علم منطق کے ابتدائی رسائل پڑھائے۔ شاہ صاحب کے دونوں بڑے صاحبزادے نادر محمد صاحب اور جان محمد صاحب آپ کے شریک درس تھے۔ آپ تین سال تک شاہ صاحب کے پاس ابا خیل میں زیر تعلیم رہے۔ اس کے بعد خانقاہ یسین زئی میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں آپ کو آپ کے والد صاحب، مولوی شیر محمد صاحب اور مولانا غلام رسول (فاضل دیوبند) نے پڑھایا۔ شرح جامی، سلم العلوم، ہدایہ اولین اور حسامی تک کتابیں آپ نے یہاں پڑھ لیں۔ خانقاہ میں صاحبزادہ محمد صاحب اور صاحبزادہ حمید صاحب آپ کے ہم جماعت تھے۔

اصلی تعلیم

خانقاہ کے حضرات، حضرت مولانا غلام رسول صاحب کے ذریعہ سے دارالعلوم دیوبند، وہاں کے علماء اور نصاب و نظام تعلیم سے آگاہ ہو چکے تھے۔ اور ایک غائبانہ تعارف ہو چکا تھا۔ اسی دوران حضرت عبدالحلیم صاحب کے مریدین و متوسلین میں حضرت مولانا عبد الغفور صاحب ترکی جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں مدرس کی حیثیت سے متعین ہو چکے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ بنوں کے رہنے والے حضرت مولانا عجب نور صاحب وہاں پہلے سے مدرس تھے۔ مولانا سید حامد میاں صاحب نے اس مدرسہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

جامعہ قاسمیہ وہ مدرسہ ہے جس کی سنگ بنیاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۲ صفر ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۸۷ء کو رکھی تھی۔ اور انہوں نے اس کا نام ”مدرسۃ الغرباء“ رکھا تھا جو وہاں کافی عرصہ تک سنگ افتتاح پر کندہ رہا۔ مگر مولانا محمد قاسم نانوتوی کی نسبت جامعہ قاسمیہ کہلایا۔ یہ ایک شاہی دور کی بنی ہوئی مسجد کے ارد گرد بنے ہوئے کمروں میں قائم کیا گیا تھا۔ اس لئے شاہی مسجد کی نسبت شاہی مدرسہ بھی کہلاتا تھا۔ یہ مدرسہ کتب

معقولات کی تدریس کی وجہ سے ہندوستان بھر میں شہرت رکھتا تھا۔ اور دور دور سے طلباء وہاں استفادہ کی غرض سے آتے تھے۔ (۲۹)

اس وقت حضرت سید فخر الدین صاحب، حضرت سید محمد میاں صاحب، مولانا عجب نور صاحب، مولانا عبدالغفور صاحب ترکئی، ان کے بھائی ملا خدائے داد صاحب، حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلی، مولانا محمد رضا اور قاری محمد عبداللہ صاحب اس میں مدرسین تھے۔ جن کی شہرت سارے ہندوستان میں قابل اساتذہ کی حیثیت سے تھی۔

انہی وجوہات کی بنا پر حضرت عبداللیم صاحب نے اپنے بچوں، بھتیجوں سمیت مفتی محمود کو وہاں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجے کا فیصلہ کیا۔

۱۹۳۶ء میں تعلیمی سال کے ابتداء میں اپنے بیٹوں صاحبزادہ محمد صاحب، صاحبزادہ حمید صاحب اور بھتیجوں صاحبزادہ یار محمد صاحب صاحبزادہ جان محمد صاحب اور مفتی محمود کو روانہ کیا۔ صاحبزادہ محمد، صاحبزادہ یار محمد اور صاحبزادہ جان محمد صاحب تو سیدھے مراد آباد پہنچے اور وہاں داخلہ کے امتحان کے پاس کرنے کے بعد داخل کر دیئے گئے جبکہ صاحبزادہ حمید نے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لینے کی غرض سے سہارنپور اور مفتی محمود نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینے کی غرض سے دیوبند کا رخ کر لیا۔ مقالہ نگار مفتی صاحب کے بارے میں ایک مضمون میں لکھتا ہے۔

اسباق ابھی شروع نہیں ہوئے تھے کہ ان کے والد کو علم ہوا کہ محمود نے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا ہے۔ اتفاقاً انہی دنوں صاحبزادہ احمد صاحب سرہند شریف جانے والے تھے۔ محمود کے والد خلیفہ محمد صدیق نے ان کو ہدایت کی کہ محمود دیوبند میں ہیں اس نے اپنے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دیا ہے آپ پہلے دیوبند جائیں وہاں سے ان کو لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس مراد آباد چھوڑ آئیں۔ صاحبزادہ احمد دیوبند پہنچے۔ محمود کو ساتھ لے کر سہارنپور گئے۔ اور وہاں سے اپنے

چھوٹے بھائی عبدالحمید کو لیا اور دونوں کو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخل کر لیا۔ (۳۰)

مقالہ نگار کے چچا زاد بھائی مولوی سعد اللہ جان بھی انہی حضرات کے ساتھ مدرسہ شاہی مراد آباد میں زیر تعلیم تھے۔ مفتی صاحب چھ سال تک وہاں زیر تعلیم رہے۔ آپ نے درس نظامی کے ساتھ قراءات سبعہ و عشرہ بھی پڑھیں۔

مدرسہ اسلامیہ امروہہ واجازت سند حدیث

مفتی صاحب اور ان کے ساتھی اپنے تعلیمی سلسلے کے آخری سال میں تھے۔ تقریباً پانچ مہینے نہایت اطمینان اور انہماک سے پڑھائی جاری تھی کہ مدرسہ کے طلباء نے مدرسہ کے ناظم کے رویہ کے خلاف تحریک چلائی اور اس کے اخراج کا مطالبہ کیا۔ مطالبہ منظور نہ ہونے کی صورت میں طلبہ نے درس گاہوں میں بیٹھنے سے انکار کر دیا اور ہنگامہ شدت اختیار کر گیا۔ مقالہ نگار نے عنوان بالا کے تحت ماہنامہ ”ترجمان اسلام“ لاہور میں مفتی صاحب کے حالات میں تحریر کیا ہے۔ (مقالہ نگار کو اس سلسلے میں کچھ تفصیلات مفتی صاحب نے خود، بعض تفصیلات صاحبزادہ حمید صاحب جو کہ اس وقت وہاں زیر تعلیم تھے اور پھر ابھی کچھ عرصہ پہلے صاحبزادہ جان محمد صاحب نے جو کہ اس وقت مفتی صاحب کے ساتھ شریک درس تھے بیان کی تھیں)۔

آخری سال دورہ حدیث شریف میں شریک تھے تقریباً پانچ مہینے اطمینان اور انہماک پڑھائی جاری تھی کہ طلبہ نے مدرسہ کے ایک ناظم کے رویہ سے تنگ آکر اس کے اخراج کا مطالبہ کیا۔ مطالبہ منظور نہ ہونے کی صورت میں طلبہ نے درس گاہوں میں بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ اور ہنگامہ شدت اختیار کر گیا۔ (۳۱)

اور یہی واقعہ مولانا حامد میاں نے بھی تحریر کیا ہے مگر وہ مختصر ہے۔ انہوں نے صرف اس واقعہ کی نشاندہی کی ہے اور اس سلسلے میں وہاں حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی تشریف آوری اور طلباء سے خطاب کرنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ جامعہ قاسمیہ کے نائب مہتمم صاحبؒ کے خلاف طلبہ ہو گئے۔ اور بات اتنی بڑھی کہ طلبہ نے پڑھائی چھوڑ دی اور کتابیں داخل کر دیں۔ اس وقت حضرت مولانا عجب نور کی تدابیر غالب آئیں طلبہ نے کتابیں واپس لے لیں اس موقع پر آئندہ کی اصلاح اور امور جامعہ پر غور کرنے کے لئے حضرت مدنیؒ کو بلایا گیا۔ آپ نے طلبہ کے سامنے خطاب فرمایا۔ طلبہ پر اس کا بہت اثر ہوا۔ (۳۲)

مقالہ نگار کو اس واقعہ کی جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔ اس کے مطابق یہ کہ یہ ہنگامہ حضرت مدنیؒ کی طلبہ کو سمجھانے بجھانے سے ختم ہوا تھا۔ اور یہ کہ اس کے بعد تمام طلباء نے فرداً فرداً ہر استاد سے معافی مانگ لی تھی اور جامعہ قاسمیہ میں پڑھائی دوبارہ شروع ہوئی تھی۔ مقالہ نگار لکھتا ہے۔

مدرسہ کے مہتمم مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو ہنگامہ ختم کرانے اور طلباء کو سمجھانے کی دعوت دی۔ وہ تشریف لائے اساتذہ کرام طلباء، اور انتظامیہ کا اجتماع ہوا۔ حضرت مدنیؒ نے خطاب فرمایا طلباء کو نصیحت فرمائی اساتذہ اور بزرگوں کے احترام کی طرف توجہ دلائی اور ہنگامہ ختم کر کے پڑھائی کی ہدایت فرمائی۔ طلباء نے ان کی ہدایت پر بڑا تال ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ہر طالب علم نے فرداً فرداً ہر استاد سے معافی مانگی۔ اور پھر اطمینان سے پڑھائی شروع ہوئی۔ (۳۳)

ان طلبہ میں چند ایسے تھے جن کا ایک استاد صاحب سے بہت قریبی تعلق تھا۔ اور قابلیت کی وجہ سے وہ استاد صاحب ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ ان طلباء کی اس ہنگامہ میں شرکت کی وجہ سے وہ استاد ان سے بہت کبیدہ خاطر رہے تھے۔ اور جب حالات صحیح نہج پر آ گئے

تھے۔ اور اساتذہ کرام نے پڑھانا اور تمام طلبہ نے پڑھائی شروع کی تھی۔ مگر وہ استاد اپنے ان خاص طلبہ سے کسی طرح راضی نہ ہوئے تھے بلکہ مزید یہ کہ ان کو اپنے اسباق میں درس گاہ میں بھی بیٹھنے نہ دیا تھا۔ طلبہ نے اپنی عمر اور اپنی سوچ و فکر کے مطابق ہر وہ حربہ استعمال کر لیا تھا۔ مگر وہ استاد ان سے کسی طرح راضی نہ ہوئے تھے تو ان طلباء نے مدرسہ قاسمیہ مراد آباد سے بستر اور سامان اٹھا کر قریب ہی امر وہہ کا قصد کیا تھا۔ اور وہاں مدرسہ اسلامیہ میں داخلہ لیا تھا۔ یہ مدرسہ بقول قاری محمد طیب صاحبؒ کے ”مولانا نوٹوی صاحبؒ نے قائم کیا تھا“۔ حضرت مولانا سید احمد حسن امر وہیؒ مولانا نوٹویؒ کے خاص تلامذہ میں تھے ایک عرصہ تک یہاں کے صدر المدرسین کے عہدے پر فائز رہے۔ اور آخری عمر تک درس حدیث میں منہمک رہے۔ (۳۴)

ان طلباء میں محمود بھی تھے۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

ایک استاد صاحب کا محمود اور اس کے ساتھیوں سے خاص تعلق تھا۔ اس ہنگامہ کی وجہ سے وہ استاد خاص کر اپنے متعلقین سے بہت زیادہ کبیدہ خاطر تھا۔ ان طلباء نے ان سے معافی مانگی۔ ان کی منت سماجت کی لیکن استاد صاحب کسی صورت بھی راضی ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے اور وہ رنجیدہ ہی رہے۔ (چند سال بعد وہ استاد صاحب راضی ہو گئے تھے) جب یہ طلبہ ہر طریقہ سے استاد صاحب کو راضی کرنے میں ناکام رہے تو انہوں نے مراد آباد سے جانے کا فیصلہ کیا۔ محمود، جان محمد، سعد اللہ جان (راقم الحروف کے عم زاد) اور ایک وزیر ستانی طالب علم وہاں سے امر وہہ گئے۔ اور مدرسہ اسلامیہ میں داخلہ لیا۔ (۳۵)

صاحبزادہ جان محمد صاحب نے مقالہ نگار کے استفسار پر بتایا کہ وہ استاد حضرت مولانا

عجب نور صاحب تھے۔ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے اپنے آبائی شہر بنوں میں مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی جس کا نام مدرسہ معراج العلوم ہے۔ ان کے بقول بعد میں انہوں نے ان طلباء کو معاف کر دیا تھا۔ اور ان کے بقول وہ ہر سال اپنے مدرسہ کے سالانہ جلسے کے موقع پر مجھے اور حضرت مفتی صاحب کو دعوت دیا کرتے تھے۔ اور ہم اس جلسہ میں بڑے اہتمام سے شریک ہوتے تھے

اور وہ ہمیشہ ہم پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ صاحبزادہ جان محمد صاحب جمعیت علماء اسلام ضلع بنوں کے عرصہ تک ضلعی امیر رہے ہیں۔

مفتی صاحب اور ان کے ہمراہی مدرسہ اسلامیہ امر وہہ میں زیر تعلیم رہے۔ ان میں مفتی صاحب اور سعد اللہ جان دورہ حدیث کے طلبہ تھے۔ جبکہ صاحبزادہ جان محمد صاحب اور وزیر ستانی طالب علم موقوف علیہ میں شریک تھے۔ چونکہ اس مدرسہ میں باقاعدہ سند حدیث کے اجراء اور اس کے اندراج کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس لئے مفتی صاحب اور سعد اللہ جان نے تعلیمی سال کے آخر میں سند حدیث کے اجراء کے لئے حضرت مولانا عبد الرحمن امر وہوی سے اس غرض کے لئے رجوع کیا۔ مولانا عبد الرحمن صاحب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد تھے۔ اور ان کو ان کی طرف سے سند حدیث کی روایت کی اجازت ملی تھی۔ اس کے علاوہ عالم عرب کے مشہور محدث حضرت حسین ابن حسن الخزر جی سے بھی سند حدیث کی اجازت ان کے پاس تھی۔ مولانا عبد الرحمن صاحب ساری زندگی درس حدیث میں مصروف رہے تھے اور اس وقت ضعف اور بیماری کی وجہ سے اپنے گھر پر آرام فرما تھے۔ مولانا عبد الرحمن صاحب نے مفتی صاحب اور سعد اللہ جان دونوں سے امتحان لیا اور اپنے دست مبارک سے سند حدیث تحریر کر کے عطاء فرمائی۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

محمود اور سعد اللہ جان دورہ حدیث کے شرکاء تھے۔ چونکہ اس مدرسہ میں باقاعدہ سند دینے اور اس کے اندراج کا انتظام نہیں تھا۔ اس لئے یہ دونوں ساتھی تعلیمی سال کے اختتام پر شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمن صاحب امر وہویؒ کے پاس تشریف لے گئے۔ (جو ضعیف العمری کی وجہ سے درس کا سلسلہ ترک کر چکے تھے) اور ان سے تحریری سند کی درخواست کی۔ مولانا نے ان کا امتحان لیا۔ اور اپنے دست مبارک سے درج ذیل تحریر فرما کر سند عطا فرمائی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى أما بعد فقد طلب مني اخونا في الله المولوى المحمود بن المولوى محمد صديق الساكن في بلدة بنياله من مضافات ديره اسمعيل خان ان يروى عنى الاحاديث فسمعت بعض مواضع البخارے فرأيتہ اهلاً لان يجاز فاجازہ بما اجازنی به مشايخنا الكريم حضرتنا مولانا الجنجوهي و حضرتنا القاسم النانوتوي و حضرتنا مولانا الحسين ابن الحسن الخزر جی۔ فله ان يروى عنى الاحاديث بشرائطه المعتبرة عند اهل و اوصيه بتقوى الله في السر و العلن و الاجتناب عن المعاصي ما ظهر منها و ما بطن و ان لا يغفل عن خدمة الدين و النصيح لله و لرسوله و للمؤمنين و ان لا ينساني من الدعاء في العسرة و الرخاء و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين۔

حرره ببناہ و اجازة بلسانه عبده و ابن عبده و ابن امته عبد الرحمن ابن الفاضل الامين مولانا عنايت الله رضى الله عنه و ارضاه سنة احدى و ستين بعد الف و ثلاثة مائة من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف صلوة و سلام و برکتہ و تحيته۔ (۳۶)

۱۹۶۲ء میں (قومی اسمبلی پاکستان کے ممبر منتخب ہونے کے بعد) دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی مراد آباد کے اساتذہ کی طرف سے بھی اجازت ملی تھی اور اعزازی اسناد عطا کئے گئے تھے۔ (۳۷) مگر مولانا عبد الرحمن کی سند سب سے علی سند حدیث ہے اس لئے کہ مولانا

عبدالرحمن براہ راست مولانا گنگوہیؒ اور مولانا نونو توئیؒ کے شاگرد ہیں۔ مزید یہ کہ مشہور عرب محدث حسین بن الحسن الخزر جی سے آپ کو سند حدیث کی اجازت ملی ہے۔ جبکہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے شیخ الحدیث مولانا فخر الدین، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری کے شاگرد اور وہ حضرت گنگوہیؒ اور مولانا نونو توئیؒ کے شاگرد ہیں۔ اس لئے حدیث کی یہ سند نسبت ان کے ایک واسطہ کی کمی کی وجہ سے اعلیٰ قرار پائی جاتی ہے۔

اساتذہ کرام

(۱) والد ماجد خلیفہ محمد صدیق

بہت اچھے عالم تھے۔ حضرت سید احمد گل صاحب اور دیگر اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا۔ سلاسل اربعہ میں مجاز تھے۔ مفتی صاحب نے قرآن حکیم ناظرہ اور ابتدائی فقہی کتب ان سے پڑھی تھیں۔ حضرت سید عبدالحلیم صاحب کے صاحبزادے بھی آپ کے شاگرد رہے ہیں صاحبزادہ محمود صاحب اپنی خود نوشت ڈائری (غیر مطبوعہ) میں تحریر فرما ہیں کہ ”و تجوید قرآن مجید و تصحیح حروف از خلیفہ محمد صدیق کردم“ یعنی میں نے قرآن مجید کی تجوید اور حروف کی تصحیح کی مشق خلیفہ محمد صدیق سے حاصل کی ہے۔

(۲) مولوی شیر محمد پٹیالوی

مولوی شیر محمد صاحب، ملا گل خان کے صاحبزادے اور مفتی صاحب کے ماموں ہیں۔ ابتدائی بعض فارسی کتابیں مفتی صاحب نے ان سے پڑھی ہیں۔

(۳) مولوی شیر محمد قندھاری

رشتے میں مفتی صاحب کے بہنوئی ہیں۔ خانقاہ میں رہائش پذیر تھے۔ بعض ابتدائی کتب مفتی صاحب نے ان سے پڑھی ہیں۔

(۴) حضرت سید عبد العزیز شاہ صاحب

حضرت سید عبد العزیز شاہ صاحب پیدا نشی نابینا تھے۔ علم و معرفت کے لحاظ سے نہایت بلند مقام پر فائز تھے اپنے بڑے بھائی سید عبد الحلیم شاہ صاحب سے بیعت تھے انہی کی طرف سے اجازت و خلافت عطا ہوئی تھی سکول کی تعلیم سے فراغت کے بعد والد ماجد نے مفتی صاحب کو ان کے پاس ابا خلیل ضلع بنوں بھیجا تھا۔ صرف و نحو کی ابتدائی کتب ان سے پڑھی تھی۔ علم نحو کی مشہور کتاب ”کافیہ“ شاہ صاحب کو زبانی یاد تھی۔ اور اپنے طلباء کو بھی یاد کراتے تھے مفتی صاحب نے کافیہ تک کتب ان سے پڑھی ہیں۔ شاہ صاحب کے دونوں بڑے صاحبزادے یار محمد اور جان محمد آپ کے ہم سبق تھے۔

(۵) مولانا غلام رسول صاحب

مولانا غلام رسول صاحب احقر خلیل ضلع بنوں کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی کتب اپنے علاقے میں متعدد علماء سے حاصل کرنے کے بعد انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا تھا۔ بعد میں جامعہ امینیہ دہلی میں بھی پڑھتے رہے۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے خصوصی شاگرد رہے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے خانقاہ کے حضرات دارالعلوم دیوبند اور ان کے علماء و مدرسین سے واقفیت حاصل کر چکے تھے۔ مفتی صاحب نے ابا خلیل سے واپسی کے بعد ان سے کچھ عرصہ خانقاہ یسین زئی میں اور گرمیوں کے دنوں میں شیخ بدین (پنیالہ) اور پیزو کے درمیان ایک سردائی

پہاڑی مقام ہے جہاں خانقاہ یسین زئی کے حضرات کے اپنے مکانات ہیں۔ وہ گرمیوں میں وہاں منتقل ہو جایا کرتے تھے) میں کتابیں پڑھی ہیں۔ جن میں شرح جامی، سلم العلوم، ہدایہ اولین، حسامی وغیرہ شامل ہیں۔

مقالہ نگار نے کئی دفعہ مفتی صاحب اور ان کی ملاقات کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مفتی صاحب ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

مولانا غلام رسول صاحب کے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر حمایت اللہ صاحب چیئر مین ڈیپارٹمنٹ آف ایگری انومی، فیکلٹی آف ایگریکلچر گول یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان نے اپنے والد بزرگوار کے بارے میں بتایا۔

میرے والد کا سال پیدائش ۱۹۰۱ء ہے۔ ۱۹۱۹ء میں وہ جامعہ امینیہ دہلی میں پڑھتے تھے۔ خلافت تحریک میں حصہ لیا۔ افغانستان کی طرف ہجرت کرنے والوں کے ساتھ تھے مگر سرحد سے واپس کر دیئے گئے تھے۔ فراغت کے بعد جامعہ امینیہ دہلی میں تقریباً ۴ سال مدرس رہے بعد میں ۱۰، ۹ سال دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے۔ اس کے بعد اپنے علاقے میں خانقاہ یسین زئی میں طلباء کو پڑھاتے رہے۔ اور خانقاہ میں امام مسجد رہے۔ ستمبر ۱۹۸۶ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

(۵) حضرت مولانا عبدالغفور ترکئی غزنوی

یہ غزنی کے رہنے والے تھے۔ پھر ان کا خاندان قندھار میں آباد ہوا۔ اس لئے قندھاری بھی کہلاتے ہیں۔ ان کا سارا خاندان خانقاہ یسین زئی کے متوسلین میں سے تھا۔ اس لئے انہوں نے کافی عرصہ اپنے بھائی سمیت خانقاہ میں گزارا ہے۔ متعدد علماء سے علم حاصل کیا تھا۔ معقولات میں بہت اونچے عالم و مدرس تھے۔ مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدرس ہوئے دیگر اساتذہ کرام کے ساتھ ساتھ آپ کی وہاں تدریس کی وجہ سے مدرسہ شاہی مراد آباد کو معقولات کے درس

میں ہندوستان بھر میں شہرت ملی۔ مزاج میں سختی تھی۔ طلبہ کی کڑی نگرانی فرماتے تھے۔ کبھی کبھی مار پیٹ سے بھی کام لیتے تھے اس لئے بعض دفعہ مفتی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے مولوی عبدالغفور صاحب کی تربیت نے ”مولوی“ بنایا ہے۔

مقالہ نگار نے ”مولانا مفتی محمود۔ سوانحی نقوش“ کے مضمون میں لکھا ہے۔

مولوی عبدالغفور صاحب مدظلہ قندھاری مفتی صاحب کے مراد آباد کے اساتذہ میں سے ہیں۔ جامع المنقول والمعقول قابل مدرس ہیں۔ مزاج میں سختی تھی۔ آج کل بلوچستان میں ہیں۔

حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے استاد محترم مولوی عبدالغفور کی تربیت نے ”مولوی“ بنادیا ہے۔ زندگی میں قدم قدم پر میں ان کی تعلیمات اور ہدایات سے مستفید رہا ہوں۔ (۳۸)

مدرسہ شاہی مراد آباد میں مفتی صاحب ان کی خدمت کرتے تھے۔ اس لئے ہر وقت ان سے واسطہ پڑتا تھا۔ مفتی صاحب ان کی سخت مزاجی کے بہت سے واقعات سنایا کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے وطن افغانستان منتقل ہو گئے تھے۔ برک کارمل کے دور میں ان کے مظالم سے تنگ آکر پاکستان ہجرت کی تھی۔ بلوچستان میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ ۱۹۸۲ء میں خانقاہ یسین زئی تشریف لائے تھے۔ مہینہ بھر یہاں رہے۔ مقالہ نگار بھی ان کی زیارت و ملاقات سے مشرف ہو چکا ہے۔ ان دنوں مولانا فضل الرحمن ڈیرہ اسماعیل خان جیل میں قید تھے۔ مولانا فضل الرحمن کی شدید خواہش پر جیل میں ان سے ملاقات کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ لیکن ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ غالباً ۱۹۸۴ء میں انتقال فرما چکے ہیں۔

ان کے بھائی خدائے داد بھی مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدرس تھے۔ مولانا صاحبزادہ محمود صاحب نے اپنی خودنوشت ڈائری (غیر مبلووعہ) میں لکھا ہے کہ میں نے قدوری اور کافیہ ملا خدائے داد سے پڑھی ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مفتی صاحب کے استاد رہے ہیں یا نہیں۔

غالب خیال یہ ہے کہ مفتی صاحب کے استاد نہیں رہے کیونکہ ابتدائی درجات کی کتب وہ اس سے پہلے خانقاہ میں پڑھ چکے تھے۔ جبکہ ملا خدائے داد ابتدائی کتب کے مدرس تھے۔

(۶) مولانا عجب نور صاحب

مولانا عجب نور صاحب کے متعلق مولانا سید حامد میاں صاحب (جو کہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے اعلیٰ درجہ کے مدرس اور شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں صاحب کے صاحبزادے ہیں اور اس وقت مدرسہ شاہی مراد آباد میں زیر تعلیم تھے) لکھتے ہیں۔

مولانا عجب نور صاحب بنوں کے رہنے والے تھے۔ علوم عقلیہ کی تحصیل ریاست بھوپال میں نہایت قابل اساتذہ سے کی تھی۔ فلکیات میں بہت مہارت تھی۔ خود بھی بہت مطالعہ کرتے تھے اور ایسے طلبہ سے بہت خوش رہتے تھے جو ان سے دوران سبق دقیق سوالات کرے گزشتہ پڑھی ہوئی کتابیں یاد ہوں اور مطالعہ کا عادی ہو۔ وہ سوالات کی کثرت سے خوش ہو ا کرتے تھے۔ وہ علم فلکیات کی کتاب تصریح پڑھاتے وقت مابین السطور بھی پڑھایا کرتے تھے۔ بہت جسیم اور جہیر الصوت تھے۔ ۱۹۴۴ء میں ان کے پاس حدیث کی کتاب مسلم شریف بھی آگئی تھی تقسیم کے بعد اپنے وطن بنوں تشریف لائے اور مدرسہ معراج العلوم کی بنیاد ڈالی۔

مدرسہ شاہی میں ۴۴ء میں انہیں حدیث کی بڑی کتاب مسلم شریف دی گئی۔ حدیث پاک ایسا مضمون ہے جس میں بے حد حلاوت اور وسعت ہے چنانچہ جب انہوں نے معراج العلوم کی بنیاد ڈالی تو وہاں بخاری شریف بھی خود پڑھاتے رہے اور سب علوم و فنون عقلیہ سے ان کی طبیعت کلیہً بہت گئی۔

مولانا عجب نور صاحب سے حضرت مفتی صاحب نے فلسفہ، منطق (معقولات) فلکیات کی کتابیں اور فقہ حنفی کی مہتمم بالشان کتاب ہدایہ آخرین پڑھی۔ (۳۹)

مولانا عجب نور صاحب کی علمی شان بہت بلند تھی۔ ان کی علمی عظمت کے بارے میں مولانا عبدالحق صاحب ”مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹنک، سابق ممبر قومی اسمبلی پاکستان و سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، اکثر دفعہ اپنی مجالس میں ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ ان کا ارشاد ہے۔

مولانا عجب نور صاحب بڑے متقی اور نیک انسان تھے۔ جید عالم اور قدیم و جدید علوم کے ماہر استاد تھے۔ ہمارے دیوبند کی طالب علمی کے زمانے میں ان کی علمی عظمتوں کا چرچا ہم سنا کرتے تھے۔ مرحوم کو مجھ سے خصوصی شفقت تھی اور دارالعلوم حقانیہ کی ترقی و بقاء اور استحکام کے لئے ہر وقت دعا گورہتے تھے۔ (۴۰)

مولانا عجب نور صاحب کے بارے میں راقم الحروف نے سنا ہے کہ وہ مفتی صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے اپنے اس شاگرد پر فخر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت اعلیٰ ذہانت سے نوازا ہے مگر اس کا حافظہ اس کی ذہانت سے بڑھ کر ہے۔ ایسے حافظہ کے شخص کو میں نے اس سے پہلے دیکھا نہیں اگرچہ سنا ضرور ہے۔

مولانا عجب نور صاحب غالباً ۱۹۶۵ء میں انتقال فرما گئے ہیں۔ بنوں میں دفن ہوئے ہیں۔ رحمہ اللہ۔

(۷) مولانا سید محمد میاں صاحب

مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدرس اور استاذ حدیث تھے۔ متعدد مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ”علماء ہند کا شاندار ماضی“ آپ کی شاہکار تصنیف ہے۔ جو کئی جلدوں میں ہے۔ بچوں کے لئے سوال و جواب کی صورت میں ”تاریخ اسلام“ کتاب مرتب کی ہے۔ جو طلباء کے لئے بہت مفید ہے۔ اور بعض مدارس میں شامل نصاب ہے۔ ”عہد زریں“ دو جلدوں میں ہے۔ شان صحابہ پر بہت لاجواب کتاب ہے۔ بقول ان کے صاحبزادے حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب بانی و

مہتمم جامعہ مدنیہ راوی روڈ کریم پارک لاہور ”والد محترم حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب سے انہوں (مفتی محمود) نے علم ادب (عربی) کی کتابیں پڑھیں اور حدیث کی اہم کتاب ترمذی شریف پڑھی۔“ (۴۱)

مولانا سید محمد میاں صاحب کے بارے میں قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ”تاریخ دارالعلوم دیوبند“ میں رقمطراز ہیں۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ہونہار فاضل اور حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے تلامذہ میں سے ہیں علوم درسیہ سے فراغت کے بعد مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدرس اور مفتی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ دار کارکنوں میں سے ہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے حکم پر جمعیۃ علماء ہند کے ناظم بنے۔ حضرت مولانا حافظ الرحمن صاحب کی وفات کے بعد ایک سال تک ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کے عہدہ پر فائز رہے۔ جمعیۃ اور کانگریس کے بڑے مخلص سپاہی اور صف اول کے لیڈروں میں سے ہیں۔ کئی بار جیل گئے۔ متعدد مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ”علماء ہند کا شاندار ماضی“ کئی جلدوں میں اور ”تاریخ اسلام“ آپ کی شاہکار تصانیف ہیں۔ بچوں کی اسلامی تعلیم سے بہت زیادہ شغف ہے۔ چنانچہ دینی تعلیم کے متعدد رسائل تصنیف فرمائے۔ جو بہت زیادہ مقبول ہوئے۔ تعلیم کے ہر شعبے میں اور ہر مضمون میں اسلامی رنگ دیکھنے کی ترپ ہے۔ اور اس ترپ کا مظاہرہ تصنیف کردہ کتابوں اور چارٹوں سے ہوتا ہے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے کار گزار ممبر ہیں۔ مجموعی حیثیت سے علم و عمل میں دستگاہ اور صلاح و تقویٰ حاصل ہے۔ (۴۲)

مفتی صاحب اپنے تمام اساتذہ کا نہایت ادب و احترام فرماتے تھے۔ اساتذہ کرام کی بھی آپ پر ہمیشہ نظر شفقت رہتی تھی۔ مدرسہ شاہی مراد آباد میں اپنے اساتذہ میں آپ مولانا سید محمد میاں صاحب سے بہت متاثر تھے۔ اور فارغ اوقات میں ان کی مجلس میں جاتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ چونکہ مولانا سید محمد میاں صاحب تدریس سے فارغ اوقات میں تصنیف و تالیف کے

کام میں مصروف رہتے تھے۔ کافی دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ استاد اپنے شاگرد رشید سے حوالہ جات کی تلاش اور بعض اوقات مسودہ کو صاف لکھنے میں ان کی مدد لیتے۔ مولانا سید صاحبزادہ محمود صاحب جو کہ اس وقت مدرسہ شاہی مراد آباد میں ابتدائی کتب کے درجہ کے طالب علم تھے، لکھتے ہیں ”مدرسہ شاہی مراد آباد میں تعلیم کے دوران مفتی صاحب، مولانا محمد میاں صاحب سے بہت متاثر تھے۔ فارغ اوقات میں ان کی مجلس میں بیٹھتے اور تحریری کام میں ان کی معاونت کرتے۔“ (۴۳)

اس سلسلے میں مولانا حامد میاں صاحب نے لکھا ہے۔ ”مفتی صاحب نے بتلایا کہ جس زمانے میں والد صاحب (مولانا سید محمد میاں صاحب) ”شاندار ماضی“ لکھ رہے تھے تو ایسا بھی ہوتا رہا کہ انہوں نے اس کے مسودہ کو صاف کر کے لکھا ہے۔ (۴۴)

اور یہی اپنے استاد کا اپنے ایک ہونہار طالب علم پر اظہار اعتماد اور اس کی قابلیت و صلاحیت کا اعتراف ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو تعلیم کے لئے اس کے حوالہ کرتا ہے۔ مولانا سید محمد میاں صاحب کے صاحبزادے مولانا سید حامد میاں نے لکھا ہے۔

۱۹۴۱ء تک مفتی صاحب جامعہ قاسمیہ میں رہے۔ ان دنوں میں قرآن پاک کی تعلیم سے فارغ ہوا تھا۔ فارسی قواعد کا مرحلہ رسالہ جس کا نام رسالہ نادر ہے (اور وہ مولانا محمد شفیع صاحب کے والد صاحب کی تصنیف ہے جو دارالعلوم دیوبند میں مدرس فارسی تھے) والد صاحب نے مجھے شروع کرایا۔ پھر مفتی محمود سے فرمایا کہ وہ مجھے رسالہ کا سبق دے دیا کریں۔ اندازاً مجموعی طور پر میں نے اس کتاب کے چھ سات سبق پڑھے تھے۔ پھر یا تو سالانہ چھٹیاں ہو گئیں یا باقاعدہ فارسی کی کلاس میں داخلہ ہو گیا۔ (۴۵)

یعنی مفتی صاحب ابھی خود طالب علم تھے کہ اس کے اپنے استاذ نے ان کو اپنے بیٹے کو پڑھانے کا حکم دیا۔ اور مفتی صاحب نے ان کو پڑھایا۔ ان کے علاوہ مفتی صاحب نے صاحبزادہ محمود کو بھی بعض اہم کتب پڑھائی ہیں۔ جبکہ وہ خود اس وقت زیر تعلیم تھے۔ صاحبزادہ سید محمود صاحب نے اپنی خود نوشت ڈائری میں اپنے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ”و از مفتی محمود

کہ انوں طالب علم بود شرح تہذیب، شرح جامی، اصول الشاشی (خواندم)۔

یعنی میں نے مفتی محمود سے کہ وہ اس وقت طالب علم تھے۔ شرح تہذیب، شرح جامی اور اصول الشاشی پڑھی ہیں۔

۱۹۷۲ء میں جب مفتی صاحب صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے تو مولانا سید محمد میاں صاحب نے آپ کو گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں مبارک بادی کے ساتھ ساتھ ان کو تقویٰ کی بھی تلقین کی گئی تھی۔ مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

۶۷ء میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (پاکستان لاہور) تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحب جامعہ (مدنیہ لاہور) میں تشریف لے آئے اور دو دن قیام فرمایا۔ ان کے ساتھ ۶۵ء کے محاذ لاہور کے نشانات اور شمالا مارو مقبرہ (جہانگیر) وغیرہ مقامات دیکھے۔ اس تعلق کی بناء پر جب مفتی صاحب وزیر اعلیٰ (صوبہ سرحد) ہوئے تو والد صاحب نے انہیں ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں مبارک باد کے ساتھ تقویٰ پر قائم رہنے کی تلقین تھی۔ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے رہبری ہوتی رہی گی کیونکہ ایک مقام تک پہنچ جانا آسان ہے اور قائم رہنا مشکل ہے۔ (۳۶)

مولانا سید محمد میاں صاحب ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو فوت ہوئے اور دہلی میں مدفون ہوئے۔ مولانا سید حامد میاں صاحب نے تحریر کیا ہے۔ ”۱۹۷۵ء حضرت والد محترم کی وفات کے بعد مفتی صاحب میرے پاس تعزیت کے لئے تشریف لائے تھے۔“

(۸) حضرت مولانا فخر الدین صاحب

مولانا سید حمد میاں صاحب نے لکھا ہے۔

مولانا فخر الدین صاحب باپو ز ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا نور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف وغیرہ پڑھی تھی۔ اس زمانے میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مالٹا میں اسیر تھے۔ مولانا فخر الدین صاحب نے مدرسہ شاہی مراد آباد میں پڑھانا شروع کیا تو معقولات و فلکیات کی مشکل کتابیں بھی پڑھاتے رہے۔ انہیں تمام علوم میں درجہ کمال حاصل تھا۔.....

..... غرض اس معاری درگاہ میں حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے طویل عرصہ تک پڑھایا۔ اور مراد آباد ہی ان کے لئے وطن بن گیا۔ ۴۳ء میں حضرت سید حسین احمد صاحب اور پھر ان کی وفات کے بعد سے لے کر خود اپنی وفات تک دارالعلوم کے شیخ الحدیث رہے۔ اور جمعیتہ علماء ہند کے صدر رہے۔ انہوں نے بخاری شریف مراد آباد اور دیوبند میں ملا کر تقریباً ساٹھ سال پڑھائی ہے۔ ۷۲ء میں علالت بڑھنے پر مراد آباد آگئے وہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ۔ (۳۷)

حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب کا تذکرہ مولانا قاری محمد طیب نے ”تاریخ دارالعلوم دیوبند“ میں ان الفاظ میں کے ساتھ کیا ہے۔

سابق صدر المدر سین مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد و موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔ آپ اونچے درجہ کے محدث ہیں۔ جمعیتہ العلماء ہند اور کانگریس کی تحریکوں میں برابر حصہ لیتے رہے اور کئی بار جیل گئے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کی وفات کے بعد آپ ہی کو جمعیتہ العلماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۷۷ء/۱۳۵۸ھ سے ۸۲ء/۱۳۶۳ھ تک دارالعلوم میں آپ سے ۱۱۶۱ طلبہ نے بخاری شریف پڑھی۔ (۳۸)

مولانا سید انظر شاہ کشمیری نے ”دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جو کہ ماہنامہ الرشید ساہیوال کے ”دارالعلوم دیوبند نمبر“ میں شائع ہوا ہے۔

اس میں وہ مولانا فخر الدین صاحب اور مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کے درس حدیث کی خصوصیات کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں۔

آپ (حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ) کے متصلاً بعد حضرت مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ کا مشترکہ دور ہے۔ اول الذکر منقولات کے ماہر اور ثانی الذکر معقولات میں تبحر تھے۔ دونوں حضرات دارالعلوم کی خصوصیات اور اس کے امتیاز کے حافظ و امین اور درس میں اسی اختصاصی پہلو کے ترجمان و داعی تھے جو روایت اپنے اکابر سے پہنچا تھا۔ مولانا فخر الدین صاحب حضرت شیخ الہند اور سیدنا الامام کشمیری کے براہ راست شاگرد تھے۔ اور جناب مولانا بلیاوی صاحب حضرت شیخ الہند کے حلقہ درس کے مستفید۔ مولانا مراد آبادی مرحوم کے درس میں بسط و تفصیل اور حاصل مطالعہ من و عن پیش کرنے کی عادت اور مولانا بلیاوی صاحب ایجاز و اختصار کے خوگر۔ افسوس کہ جب یہ دونوں حضرات اس کائنات علم و فن سے جدا ہوئے تو علم کا وقار، دین و دانش کی آبرو، وجاہت علمی اور فضل و کمال بھی ان کے جنازوں کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ (۴۹)

(۹) حضرت مولانا حافظ عبد الرحمن امر وہوی

حضرت مفتی صاحب کو آخری سال حدیث کی قلمی سند جاری کرنے والے حضرت مولانا عبد الرحمن امر وہویؒ ہیں۔ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور شیخ الحدیث تھے۔ آپ کے بارے میں مولانا قاری محمد طیب صاحب نے لکھا ہے۔

آپ حضرت احمد حسن صاحب امر وہویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے تفسیر کے بعض اسباق حضرت نانوتوی سے بھی پڑھے۔ ان دونوں بزرگوں کے فیوض سے آپ کے اوپر حدیث، فقہ اور تفسیر وغیرہ کے اسباق میں متکلمانہ رنگ غالب تھا۔ جگہ جگہ حضرت نانوتویؒ کے علوم کا حوالہ بھی دیتے تھے اور انہیں وضاحت کے ساتھ بیان بھی فرماتے

تھے۔ امر وہیہ میں ایک عرصہ تک درس دیا اور آخر میں کچھ عرصہ ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ گرفتار کر لئے گئے تو دیوبند میں بھی بے جہدہ صدر مدرس کے درس حدیث دیا ہے۔

جناب مولانا حکیم انیس احمد صدیقیؒ نے ”دارالعلوم کی تفسیری خدمات“ کے عنوان کے تحت اکابر علماء دیوبند کی تفسیر سے متعلق خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ جس کو ماہنامہ ”الرشید ساہیوال“ کے ”دارالعلوم دیوبند نمبر“ میں شائع کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں حکیم انیس احمد صدیقیؒ نے حافظ عبد الرحمن صاحب امر وہوی مرحوم کی تفسیری خدمات اور ان کے تفسیر کے درس کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

حضرت حافظ صاحب مرحوم حضرت مولانا نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت نانوتویؒ سے قرآن حکیم کا ترجمہ و تفسیر پڑھنے کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ حضرت امر وہویؒ کے درس کا طریقہ متاخرین کے درس سے بالکل مختلف تھا۔ متقدمین کے طرز پر جو طلباء مطالعہ کتب اور علم کے شائق رہتے تھے۔ اور مختصر بات کو خوب سمجھتے تھے خود کتاب کی عبارت سے نفس معانی آسانی سے حل کر لیتے تھے۔ استاد ان کو صرف اہم اور خاص چیزیں بتاتے تھے۔ یعنی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ طلباء کو نہیں پڑھایا جا رہا بلکہ اساتذہ اور علماء کو درس دیا جا رہا ہے۔ (۵۱)

(۱۰) حضرت مولانا قاری محمد عبد اللہ صاحب

حضرت مولانا قاری محمد عبد اللہ صاحب مدرسہ شاہی مراد آباد کے شعبہ تجوید و قراءت کے مدرس تھے۔ آپ تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔ علم قراءت میں کمال درجہ اور عبور حاصل تھا۔ مولانا حامد میاں صاحب نے لکھا ہے۔

جامعہ قاسمیہ میں حضرت مولانا قاری محمد عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس قراءت و تجوید تھے۔ ان سے حضرت مفتی صاحب نے قراءات سببہ و عشرہ پڑھیں۔ مولانا قاری

عبداللہ صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔ علم قراءت میں کمال کا درجہ حاصل تھا۔ خداوند کریم نے نہایت اعلیٰ سیاسی بصیرت بھی بخشی تھی۔ ایسی بصیرت کہ جس کی تعریف حضرت مفتی صاحبؒ آخر وقت تک کرتے رہے۔ انہوں نے انگریز کے دور میں تحریک آزادی میں قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں تھیں۔

حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب کا علم قراءت و تجوید میں کمال مہارت کے بارے میں مولانا حامد میاں صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی ان کی مہارت کے قائل تھے۔ وہ لکھتے ہیں ”حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے عرصہ سے مسئلہ ”ضاد“ میں اشکال تھا جو کسی سے حل نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ عزیزی قاری عبداللہ نے یہ اشکال رفع کر دیا۔“ (۵۲)

مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ ”حضرت تھانویؒ کے مجموعہ فتاویٰ کے پہلے نسخوں میں اس مضمون کا نوٹ تھا جو بعد کے نسخوں میں حذف کر دیا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس پر اظہارِ فسوس فرماتے تھے۔“ (۵۳)

بیعت و سلوک

عیسیٰ خیل کے مدرسہ میں تدریس کے دنوں میں آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز کے ہاتھ پر بیعت کی جو کہ آپ کے ابتدائی اساتذہ میں سے ہیں۔ اور آپ کے طالب علمی کے قیام مراد آباد کے دنوں میں آپ کے تمام اخراجات شاہ صاحب ہی ادا فرماتے تھے۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

خلیفہ محمد صدیق صاحب خانقاہ کے ایک صوفی اور خادم تھے۔ دنیا کی معاش سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ نہایت تنگی اور عُسرت سے بمشکل گزارا کرتے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کو جب اعلیٰ تعلیم کے لئے مراد آباد بھیجا گیا تو ان کے تمام اخراجات حضرت شاہ

صاحبؒ ادا فرمایا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ ہر مہینے کے لئے ایک مقررہ رقم اپنے لڑکوں (صاحبزادہ یار محمد و صاحبزادہ جان محمد) اور محمود کے لئے بذریعہ منی آرڈر بھجوایا کرتے تھے۔ (۵۴)

شاہ صاحب ہی کے مشورہ پر آپ نے عیسیٰ خیل کے مدرسہ میں تدریس کا آغاز کیا تھا۔ اور شاہ صاحب ہی کے حکم پر آپ وہاں سے ابا خیل منتقل ہو گئے تھے۔ اور یہاں پڑھانا شروع کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ ہی کے مشورہ پر آپ کی شادی کرادی گئی تھی اور شاہ صاحب ہی حکم پر آپ بحیثیت امام مسجد، عبدل خیل منتقل ہو گئے تھے۔

مفتی صاحب ہر دو مہینے بعد عیسیٰ خیل کے مدرسہ سے چھٹی لے کر ابا خیل آتے اور تین دن ابا خیل میں شاہ صاحب کے پاس ٹھہرتے تھے اور تصوف کے اسباق لیتے اور مراقبات و ختم خواجگان اور ذکر و اذکار کے حلقوں میں شریک ہوتے تھے۔ مقالہ نگار لکھتا ہے ”عیسیٰ خیل میں قیام کے دوران انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بیعت کی ہر دوسرے مہینے شاہ صاحب کے پاس جاتے تین دن قیام فرماتے۔ غالباً ۱۹۵۲ء میں شاہ صاحب نے ان کو سلاسل اربعہ میں مجاز فرمایا تھا۔“ (۵۵)

مفتی صاحب، شاہ صاحب کی طرف سے سلاسل اربعہ میں مجاز تھے۔ لیکن اپنی تدریسی اور سیاسی مصروفیات کی وجہ سے ادھر بہت کم توجہ دی ہے۔ صرف چند گئے چنے افراد ہیں جن کو حضرت مفتی صاحب سے بیعت ہونے کا شرف حاصل ہے وہ بھی بہت زیادہ اصرار کے بعد ان کو بیعت کرایا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صاحبزادہ محمود صاحب کو اپنے چچا اور مفتی صاحب کے استاد و پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے پوچھنا پڑا کہ آپ نے ان کو جو خلافت دی ہے۔ ان میں اس کی صلاحیت و استعداد بھی ہے؟

اس سلسلے میں صاحبزادہ محمود صاحب فرماتے ہیں۔

میرے چچا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جب حضرت مفتی صاحبؒ کو خلافت عطا کی تو میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے ایسے ہی خلافت دے دی۔ یا کچھ جواہر بھی اُن کے اندر ہیں۔ فرمانے لگے کہ علمی لیاقت کے ساتھ ان میں سلوک کی استعداد بھی پوری پوری ہے۔ اور تمہارا محور علوم ظاہری کی طرح علوم باطنی میں بھی بہت آگے ہے۔ اس کے بعد میرا شک رفع ہو گیا اور میری نظروں میں مفتی صاحبؒ کا احترام بڑھ گیا۔ (۵۶)

مفتی صاحبؒ نے سلوک کی منزلیں حضرت شاہ صاحبؒ کی نگرانی میں طے کئے۔ اور تمام لطائف کے اسباق کو مکمل کیا۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ مولانا سید حامد میاں صاحبؒ نے لکھا ہے جس سے مفتی صاحبؒ کے منازل سلوک طے کرنے کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

۱۹۷۵ء میں حضرت والد محترم (حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ) رحمہ اللہ کی وفات کے بعد مفتی صاحبؒ میرے پاس تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ اس دفعہ تصوف کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی میں نے دریافت کیا کہ جناب کو آخری مراقبہ کیا تعلیم فرمایا؟ کیا ہے فرمایا ”فَإِنَّهُ يَرَاكَ“ میں نے عرض کیا کہ حضرت مدنیؒ کے یہاں ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ“ آخری تعلیم تھی۔ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے یہاں اس سے پہلے سالک کو اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ یہی طریقہ حضرت مدنیؒ نے بھی اپنایا۔ (۵۷)

ایک ایسا شخص جو ہمہ وقتی مصروفیات رکھتا ہو۔ درس و تدریس، مدرسہ کے طلبہ کی رات دن نگرانی کرتا ہو، دارالافتاء میں جواب طلب خطوط کا تحقیق کے بعد جواب لکھتا ہو، عوامی مسائل میں دلچسپی رکھنے والا ہو، ملکی مسائل پر گہری نظر رکھ کر اس کے حل کے لئے عملی اقدامات کرنے والا ہو، مراقبات سے، تصوف و سلوک سے کیا دلچسپی رکھتا ہو گا۔ مگر اس سلسلے میں یہ واقعہ بھی پڑھے اور اس شخص کے کمالات کا اندازہ لگائیے۔ مولانا حامد میاں صاحبؒ رقمطراز ہیں۔

اس سال اجتماع رانیونڈ کے موقع پر حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب رانیونڈ گئے حضرت مفتی صاحبؒ، حضرت مولانا انعام صاحب امیر جماعت تبلیغ کے پاس تشریف لائے۔ تو دیر تک مجمع پر سکوت کا عالم رہا۔ اس مجلس میں موجود سب

حضرات اسی کیفیت مراقبہ میں رہے۔ بعض لوگ جو جماعت کا پروگرام بنا رہے تھے۔ اس کیفیت سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنا کام چھوڑ کر اسی مراقبہ میں شامل ہو گئے۔ یہ واقعہ مجھے خود حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحبؒ نے سنایا اور یہ کہ یہ اثرات حضرت مفتی صاحبؒ کی قلبی حالت کی وجہ سے تھے۔ (۵۸)

تلاذہ

مفتی صاحبؒ کے یوں تو ہزاروں شاگرد ہیں۔ جنہوں نے متعدد فنون و علوم میں آپ سے کب فیض کیا ہے۔ اور اس کو اپنے تلاذہ تک منتقل کیا ہے جو کہ مفتی صاحبؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ جو کہ پاکستان کے علاوہ افغانستان، ایران، بنگلہ دیش میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مگر ان میں چند ایک علم و عمل، درس و تصنیف اور تقریر و تبلیغ کے اعتبار سے بہت مشہور و معروف ہوئے۔

(۱) حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

مختلف فنون و علوم میں دو سو تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔ اکثر تصانیف عربی میں ہیں۔ اس لئے عربی ممالک میں زیادہ متعارف ہیں۔ فراغت کے بعد مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ میں مدرس رہے۔ بعد میں دارالعلوم رحیمیہ بورے والا میں چند سال پڑھاتے رہے۔ غالباً ۱۹۵۸ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس و شیخ الحدیث متعین ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں بحیثیت شیخ الحدیث تقرری ہوئی۔ ابتدائی کتب سے لے کر تمام کتب سوائے دو سال کے جب آپ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں زیر تعلیم رہے مفتی صاحبؒ سے پڑھی ہیں۔ اور آپ ہی مفتی صاحبؒ کے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں تعیناتی کا ذریعہ بنے تھے۔ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

اور مفتی صاحب کے باہمی استاد و شاگرد کے تعلق کے بارے میں یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ یہ واقعہ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی صاحب خود لکھتے ہیں۔

گزشتہ سال جب مفتی محمود عرب ریاستوں کے دورے پر گئے۔ تو ایک ریاست میں قاضی القضاۃ اور دیگر بڑے بڑے علماء جمع تھے۔ وہاں مفتی صاحب نے جو تقریر کی اسے سن کر قاضی القضاۃ کہنے لگے ”واقعی پاکستان میں بھی بڑے علماء بلکہ ہم سے بھی بڑے علماء موجود ہیں۔“ پھر انہوں نے کہا کہ میں نے پاکستانی علماء میں شیخ موسیٰ کی بہت سی کتب دیکھی ہیں ان جیسے علماء عرب میں بھی موجود نہیں۔ اس موقع پر مفتی صاحب کے ایک ساتھی مولوی محمد یسین سے رہنہ گیا اور وہ بول پڑے کہ شیخ! جس شیخ موسیٰ کو عربوں پر فوقیت دیتے ہیں جانتے بھی ہیں کہ وہ کون ہیں؟ وہ شیخ موسیٰ مفتی محمود کے تلمیذ ہیں۔ اور اس نے فنون کی تمام کتابیں مفتی محمود صاحب سے پڑھی ہیں۔ آپ کو شیخ موسیٰ کے علم سے مفتی محمود کے علم کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ قاضی القضاۃ نے مفتی صاحب سے پوچھا! آپ نے تصانیف کی طرف کیوں نہیں توجہ دی؟ مفتی صاحب نے فرمایا ”میری ایک تصنیف شیخ موسیٰ کو تو آپ نے پڑھ لیا ہے اگر اس قسم کی دو چار کتابیں اور پڑھ لیں۔ تو آپ کو یہ سوال مجھ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ (۵۹)

مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی کا انتقال ہو گیا۔ اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

(۲) صاحبزادہ محمود صاحب

خانقاہ یسین زئی کے حضرت سید عبدالحلیم صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ محمود صاحب نے مفتی محمود صاحب سے مراد آباد میں استفادہ کیا ہے۔ جب کہ اس وقت خود مفتی صاحب ابھی زیر تعلیم تھے۔ صاحبزادہ محمود صاحب نے اپنی ذاتی ڈائری میں اپنے اساتذہ کا ذکر کیا ہے جن سے انہوں نے کسب فیض کیا ہے۔ مفتی محمود صاحب کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے مفتی صاحب سے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

”وازمفتی محمود کہ اکنون طالب علم بود شرح تہذیب،
شرح حبابی اصول الشاشی (خواندم)“

ترجمہ: کہ میں نے مفتی محمود صاحب سے جبکہ وہ خود طالب علم تھے شرح تہذیب،
شرح حبابی اور اصول الشاشی پڑھی ہیں۔

صاحبزادہ محمود صاحب کا انتقال ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو ہوا اور خانقاہ میں دفن ہیں۔

(۳) حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب

آپ حضرت مفتی محمود کے مدرسہ شاہی مراد آباد کے استاد حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے اپنے گھر دیوبند میں قرآن پاک پڑھا اور اس کے بعد اپنے والد کے ہاں مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخلہ لیا۔ ان کے والد صاحب نے مفتی محمود صاحب کو حکم دیا کہ وہ سید حامد میاں صاحب کو فارسی پڑھائے۔ اسی طرح وہ مفتی صاحب کے طالب علمی کے دور کے شاگرد ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کی شہریت اختیار کی۔ لاہور میں ایک عظیم دینی مدرسہ جامعہ مدنیہ کے بانی و مہتمم اور شیخ الحدیث رہے ہیں۔ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے مرکزی خازن اور بعد میں مرکزی امیر رہے ہیں۔

(4،5،6) حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب، حضرت مولانا مفتی عبد الرحمن صاحب اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب

یہ تینوں حضرت شاہ عبد العزیز کے صاحبزادگان ہیں۔ تینوں بہت اچھے علماء تھے اول الذکر اور آخر الذکر دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ مولانا مفتی عبد الرحمن صاحب فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس و نائب مفتی کی حیثیت سے متعین ہوئے۔ بعد میں متعدد مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ آخر میں راولپنڈی کے مولانا

قاری محمد امین صاحب کے مدرسہ میں شیخ الحدیث تھے۔ ضعف اور علالت کی وجہ سے آج کل تدریس کو ترک کر کے اپنے گاؤں اباخیل میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ ۲۷/۲ رمضان ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۲۰۰۹ء آپ کی تاریخ وفات ہے۔

(۷) مولانا محمد رمضان صاحب میانوالی

مولانا محمد رمضان صاحب، مفتی صاحب کے شاگرد رہے ہیں۔ کافی عرصہ تک تدریس کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء اسلام ضلع میانوالی کے امیر رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی حیات میں جمعیت علماء اسلام سے علیحدہ ہوئے تھے۔ اب انتقال کر چکے ہیں۔

(۸) مولانا محمد ضیاء القاسمی

آپ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے فارغ التحصیل ہیں۔ جامعہ قاسمیہ فیصل آباد کے مہتمم ہیں۔ شعلہ بیان مقرر تھے۔ شروع میں تنظیم اہل سنت والجماعت کے مبلغ رہے۔ آپ پنجاب میں ہر دلعزیز رہے ہیں۔ کسی بھی جلسے، کانفرنس کے لئے آپ کا نام ہی اس کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں جمعیت علماء اسلام سے منسلک ہو گئے۔ جمعیت علماء اسلام کے صوبائی ناظم اعلیٰ رہے ہیں۔ پھر مفتی صاحب کی حیات ہی میں جمعیت علماء اسلام سے علیحدہ ہوئے۔ بعد میں سپاہ صحابہ پاکستان کے سرپرست اعلیٰ رہے۔ ۱۹۹۰ء کے دہائی میں انتقال فرما چکے ہیں۔

(۹) مولانا نور محمد صاحب

وانہ جنوبی وزیرستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مفتی صاحب سے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں کسب فیض کیا ہے۔ دارالعلوم وانہ جنوبی وزیرستان کے مہتمم و شیخ الحدیث ہیں۔ مدرسۃ البنات اور اس کے ساتھ سکول و کالج بھی چلا رہے ہیں۔ متعدد مفید علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔ قومی

اسمبلی پاکستان کے ممبر رہے ہیں۔ بہت ہی باوجاہت و باوقار شخصیت ہیں۔ طویل عرصہ کے لئے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر چکے ہیں۔ جیل ہی میں حفظ قرآن اور ایجوکیشن بورڈ یونیورسٹی سے متعدد امتحانات پاس کئے ہیں۔ درس حدیث و قرآن کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

(۱۰) خلیفہ محمد صاحب

مفتی صاحب کے چھوٹے بھائی جنہوں نے تمام درجوں کے کتب مفتی صاحب سے پڑھی ہیں۔

(۱۱) مولانا محمد اکبر صاحب

ضلع لکی مروت کے ایک گاؤں ”نوی کلی“ کے رہنے والے ہیں۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مفتی صاحب سے کسب فیض کیا ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کھروڑ پکا اور بستی مولویاں رحیم یار خان کے مدارس میں مدرس رہے اور بعد میں مفتی صاحب کی دعوت پر مدرسہ قاسم العلوم ملتان تشریف لائے۔ اُس وقت سے لے کر مدرسہ قاسم العلوم ملتان ہی میں درس و تدریس کی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ۱۹۶۴ء سے لیکر تاحال (۲۰۰۹ء) ۴۵ سال ہو گئے اب تک پڑھا رہے ہیں۔ مدرس، صدر المدرسین، شیخ الحدیث اور آج کل جامعہ قاسم العلوم ملتان کے نائب مہتمم ہیں۔ بہت سی صفات و کمالات کے مالک ہیں۔

(۱۲) مولانا قاری محمد حنیف صاحب

ملتان کے رہنے والے تھے۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں پڑھتے رہے ہیں۔ نابینا تھے۔ پاکستان بھر کے مشہور خوش الحان مقرر رہے ہیں۔ صحابہ کرام اور بزرگان دین، خصوصاً اکابرین

دیوبند کے واقعات نہایت دلنشین انداز میں بیان کرتے تھے۔ ان کی تقریریں لوگ آج بھی ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ سے بڑے ذوق و شوق سے سنتے ہیں۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں انتقال فرما چکے ہیں۔

(۱۳) مولانا عبدالقادر آزاد

آپ بہاولپور ڈسٹرکٹ کے باشندے ہیں۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں طالب علم رہے ہیں۔ دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے بہاولپور میں ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ مشہور مبلغ و مقرر تھے بعد میں محکمہ اوقاف میں خطیب مقرر ہوئے۔ آپ لاہور کے شاہی مسجد کے عرصہ دراز تک خطیب رہے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے پی ایچ ڈی کیا تھا۔ انتقال فرما چکے ہیں۔

(۱۴) مولانا مفتی عبداللطیف صاحب

آپ عبدال خیل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اپنی تعلیم کی ابتداء مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ سے کیا تھا۔ جہاں حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی مدرس تھے۔ بعد میں اپنے استاد کے ساتھ جامعہ رحیمیہ بورے والا میں داخل ہوئے۔ اور جب

مولانا محمد موسیٰ صاحب مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بحیثیت مدرس تشریف لے گئے۔ تو آپ نے بھی وہاں داخلہ لیا وہاں دیگر اساتذہ کے ساتھ مولانا مفتی صاحب سے بھی متعدد فنون کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم کراچی سے دورہ حدیث کیا تھا۔ اس کے بعد دارالعلوم کراچی ہی میں مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی کی زیر نگرانی ایک سال تک دارالافتاء میں کام کیا۔ دو سال تک مدرسہ جامع العلوم بھکر میں مدرس رہے۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کی دعوت پر مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس و نائب مفتی مقرر ہوئے۔ ”فتاویٰ مفتی محمود“ میں آپ کے تحقیقی و تفصیلی فتاویٰ موجود ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں ملتان میں ہیضہ کی وبا سے انتقال فرما گئے۔ اور

عبدال خیل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ مرحوم مقالہ نگار کے بڑے بھائی تھے۔

(۱۵) مولانا عبدالبر محمد قاسم صاحب

آپ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مہتمم مولانا مفتی محمد شفیع کے صاحبزادے ہیں سارے درجات کی کتابیں مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھی ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ مفتی صاحب جب مدرسہ کے مہتمم منتخب ہوئے تو آپ نائب مہتمم بنائے گئے۔ مفتی صاحب کی غیر موجودگی میں مدرسہ قاسم العلوم کی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔ مفتی صاحب کے انتقال کے بعد مستقل خطیب مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے لئے مدرسہ کے مہتمم بھی رہے ہیں۔

(۱۶) مولانا عبدالحمید صاحب

مفتی صاحب کے قابل اور خصوصی شاگردوں میں سے ہیں۔ طلباء میں آپ بہت مقبول استاد ہیں۔ کچھ عرصہ کے لئے دارالعلوم کبیر والا میں مدرس رہے ہیں۔ بعد میں کھروڑ پکا تشریف لے گئے۔ آپ کے پاس ہر وقت طلباء کا جمع غفیر زیر درس رہتا ہے۔ شیخ الحدیث ہیں۔

(۱۷) مفتی محمد انور شاہ صاحب

ضلع لکی مروت کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر کتابیں مفتی صاحب سے پڑھی ہیں۔ دورہ حدیث بھی مدرسہ قاسم العلوم ملتان سے کیا ہے۔ دورہ حدیث میں وفاق المدارس العربیہ کے تحت سالانہ امتحان میں پاکستان بھر میں اول پوزیشن سے کامیاب ہوئے تھے۔ فراغت کے بعد جامعۃ العلوم اسلامیہ کراچی میں تخصص فی علوم الحدیث کیا

مدرسہ جامع العلوم بھکر میں چند ماہ مدرس رہے تھے۔ مولانا مفتی عبداللطیف صاحب (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کی انتقال پر ۱۹۶۸ء میں مفتی صاحب کی دعوت پر مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس و نائب مفتی مقرر ہوئے۔ اور حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے انتقال کے بعد مفتی مقرر ہوئے اور ایک طویل عرصہ افتاء کے ساتھ ساتھ تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وفاق المدارس العربیہ کے نظم و نسق کو نہایت معیاری بنادیا تھا۔ تقریباً ۲۷ سال تک ملتان میں قیام کے بعد چند گھریلو مصروفیات کی وجہ سے ملتان سے لکی مروت منتقل ہو گئے۔ وہاں جامعۃ الباقیات الصالحات کے شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں جو علاقہ بھر میں بنات کی تعلیم کی معیاری درسگاہ ہے۔ اور آج کل اپنے قائم مدرسہ جامعۃ الباقیات الصالحات میں درس حدیث کے ساتھ ساتھ جامعہ مرکز اسلامی بنوں میں تخصص فی الافتاء کا کورس بھی پڑھاتے ہیں۔ وہ ہفتہ میں دو دن وہاں دیتے ہیں۔ اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔

(۱۹) مولانا غلام یسین صاحب شاکر

آپ کا تعلق تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان سے تھا۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں متعدد سال زیر تعلیم رہے تھے۔ دورہ حدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان سے کیا تھا۔ شروع میں مدرسہ تعلیم الابرار ملتان میں مدرس تھے۔ بعد میں دارالعلوم کبیر والا میں اعلیٰ درجے کے مدرس مقرر ہوئے تھے۔ طلباء میں بہت مقبول تھے۔ کئی بیماریاں لاحق تھیں۔ انتقال فرما چکے ہیں۔

(۲۰) مولانا عبدالرحمن فخر صاحب

صوبہ بلوچستان کے رہنے والے ہیں۔ آپ کا تعلق بلوچ قوم سے تھا۔ متعدد مدارس میں زیر تعلیم رہے ہیں۔ فنون کی اکثر کتابیں مفتی صاحب سے پڑھی ہیں۔ معقولات میں آپ کے درس

کی بڑی شہرت رہی ہے۔ بلوچستان کے کئی مدارس میں مدرس رہے ہیں۔ مولانا محمد موسیٰ صاحب کی لاہور تشریف لے جانے کے بعد مفتی صاحب نے آپ کو قاسم العلوم ملتان میں مدرس مقرر کیا۔ کئی سال تک مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھایا۔ اس کے بعد رحیم یار خان شہر کے کسی مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔ ابھی چند سال بیشتر جامعہ دارالعلوم نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان میں بھی ایک سال تک مدرس رہے ہیں۔

(۲۱) مولانا محمد جان صاحب کوئٹہ

آپ ضلع لکی مروت کے رہنے والے تھے۔ مگر ساری زندگی بلوچستان میں پڑھاتے رہے ہیں۔ بلوچستان میں آپ مشہور عالم دین اور شیخ الحدیث رہے ہیں۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے فارغ التحصیل ہیں۔ بلوچستان کے بہت سے علماء آپ کے شاگرد رہے ہیں۔ نہایت متقی اور قناعت پسند تھے۔ وفات پا گئے ہیں۔

(۲۲) مولانا ذر محمد صاحب

بلوچستان کے بہت سے طالب علم مفتی صاحب کے پاس داخل رہے ہیں۔ ان میں ایک بہت اہم نام مولانا ذر محمد کا ہے۔ آپ مدرس بھی رہے ہیں اور مشہور واعظ بھی۔

(۲۳) مولانا مفتی سعد الدین صاحب

مقالہ نگار کے بڑے بھائی ہیں۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مفتی صاحب سے پڑھتے رہے ہیں۔ دورہ حدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے کیا ہے۔ شروع میں بھکر، چوک سرور شہید اور کہروڑ پکا میں مدرس رہے ہیں۔ بعد میں جب مفتی صاحب کی زیر سرپرستی جامعہ حلیمیہ

دڑہ پیزو کا قیام عمل میں آیا۔ تو اس کے تیسرے سال ان کو وہاں مدرس و مفتی مقرر کیا گیا۔ بڑے قابل مدرس و مفتی ہیں۔

(۲۴) مولانا محمد صاحب

مولانا محمد صاحب عبدال خیل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے باشندے ہیں۔ اعلیٰ درجات کی تمام کتابیں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں پڑھی ہیں۔ وہیں سے فارغ التحصیل ہیں۔ شروع میں درجہ فارسی کے قاسم العلوم ملتان میں مدرس رہے اس کے ساتھ ساتھ دارالافتاء میں ناقل فتاویٰ تھے۔ ۱۹۹۰ء میں جامعۃ المعارف الشرعیہ ڈیرہ اسماعیل خان میں بحیثیت مدرس تقرری ہوئی۔

(۲۵) مولانا فضل الرحمن

مفتی صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ مفتی صاحب کی زیر نگرانی وزیر تربیت رہے ہیں۔ بول چال اور نشست و برخاست میں بہت زیادہ مفتی صاحب کے مماثل ہیں۔ دورہ حدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے ۱۹۷۹ء میں کیا ہے۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس و نائب مفتی رہے ہیں۔ چار مرتبہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ جمعیت علماء اسلام کے سیکریٹری جنرل اور آج کل امیر ہیں۔

۱۹۹۳ء کے الیکشن میں ممبر قومی اسمبلی منتخب ہونے کے بعد آپ کو قومی اسمبلی کے سینیڈنگ کمیٹی برائے امور خارجہ کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ امور خارجہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ نے اس دوران دنیا کے بیشتر ممالک کے سرکاری دورے کئے۔ اور اس وقت کے سیاسی حالات و واقعات اور مسائل پر ان ممالک کے حکمرانوں ملاقاتوں اور تبادلہ خیالات کا آپ کو موقع ملا۔ آپ نے اسی حیثیت سے اقوام متحدہ کے ”سلامتی کونسل“ کے اجلاس سے ”بارودی سرنگوں

کے استعمال کے مضرات اور اس کے سدباب“ پر تفصیلی تقریر کی۔ جس کو دنیا بھر کے ممالک کے نمائندوں نے سراہا۔ ۲۰۰۲ء کے الیکشن میں کامیابی کی صورت میں آپ نے قومی اسمبلی میں ”متحدہ اپوزیشن“ کے قائد کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ جبکہ فروری ۲۰۰۸ء کا الیکشن آپ نے جیتا۔ اور تاحال آپ ”قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی برائے امور کشمیر“ کے چیئرمین ہیں۔

(۲۶) مولانا قاضی حبیب الرحمن صاحب

آپ درابن کلاں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کہ ”قاضی صاحبان“ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ مفتی صاحب کے مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے ابتدائی دور کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آج کل کونینہ میں مقیم ہیں۔ اور وہاں تبلیغی مرکز کے بزرگوں میں سے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں بیرون ملک بہت سفر کئے ہیں۔ آپ کا بیان بہت ہی متاثر کن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں ان سے بہت کام لیا ہے اور یہی ان کی مقبولیت کی نشانی ہے۔

نکاح، اولاد و احفاد

۱۹۴۶ء میں آپ کا پہلا نکاح، پنیالہ سے سات میل کے فاصلہ پر واقع گاؤں عبدال خیل میں صوفی نیاز محمد کی بیٹی سے ہوا۔ اس میں بھی حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحب کی رائے و مشورہ شامل تھا۔ اس پہلی بیوی سے سوائے مولانا فضل الرحمن کے اس سے پہلے جو اولاد ہوئی یا بعد میں ہوئی بچپن ہی میں وفات پا جاتی تھی، اس لئے ۱۹۶۰ء میں واندہ معظمہ گاؤں کے صوفی عبدالستار صاحب کی بیٹی سے دوسرا نکاح ہوا۔

پہلی بیوی سے مولانا فضل الرحمن ہوئے جن کی تاریخ پیدائش ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ (مطابق ۲۱ اگست ۱۹۵۳ء) ہے۔ مولانا فضل الرحمن کی شادی مفتی صاحب نے ضلع لکی مروت کے حاجی فیض اللہ خان کی بیٹی سے کرائی تھی۔ مولانا فضل الرحمن صاحب کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ بڑا بیٹا محمد اسعد محمود جامعہ خیر المدارس ملتان میں درجہ عالیہ کے طالب علم ہیں۔ بی۔ اے (پرائیویٹ) کر چکے ہیں۔ بہت ہی ذی استعداد ہیں۔

دوسرے بیٹے محمد انس محمود، جامعۃ المعارف الشرعیہ ڈیرہ اسماعیل خان میں درجہ خامسہ میں پڑھتے ہیں۔ وہ بھی پرائیویٹ طور پر بی۔ اے پاس کر چکے ہیں۔

تیسرے بیٹے محمد اسجد محمود سکول کے طالب علم ہیں۔ ساتھ ساتھ حفظ بھی کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی دوسری بیوی سے جس دن پہلی اولاد (بیٹی) پیدا ہوئی۔ اسی دن پہلی بیوی سے مولانا عطاء الرحمن متولد ہوئے۔ تاریخ پیدائش ۲ جولائی ۱۹۶۲ء ہے۔ مولانا عطاء الرحمن صاحب مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے فارغ التحصیل ہیں۔ جامعۃ المعارف الشرعیہ ڈیرہ اسماعیل خان میں مدرس و نائب مہتمم ہیں۔ گول یونیورسٹی سے ایم۔ اے اسلامیات ہیں۔ دود فہ ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے ہیں۔ جناب سید یوسف رضا گیلانی صاحب کی وفاقی کابینہ میں محکمہ سیاحت کے وفاقی وزیر ہیں۔ مولانا عطاء الرحمن صاحب کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ جو کہ زیر تعلیم ہیں۔

مفتی صاحب کے تیسرے بیٹے مولانا لطف الرحمن صاحب ہیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۹ مارچ ۱۹۶۵ء ہے۔ آپ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے فارغ التحصیل ہیں۔ گول یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان سے ایم۔ اے اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ) ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں ڈسٹرکٹ پیپلز پروگرام کے چیئرمین رہے ہیں۔ صوبائی اسمبلی کے منتخب ممبر رہے ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے ضلعی امیر ہیں۔ اور جمعیۃ علماء اسلام کے صوبائی اور مرکزی کونسل کے رکن ہیں۔ فعال نوجوان ہیں۔ عوامی مسائل کے حل میں سرگرمی سے مصروف کار رہتے ہیں۔

مفتی صاحب کے چوتھے صاحبزادے جناب حافظ ضیاء الرحمن صاحب ہیں۔ بی ایس سی انجینئرنگ کی ہے۔ اور محکمہ پی ٹی سی ایل میں انجینئر ہیں۔ حافظ قرآن ہیں۔ تاریخ پیدائش ۱۳ نومبر ۱۹۷۵ء ہے۔

پانچویں اور سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا عبید الرحمن ہیں۔ مارچ ۱۹۸۰ء تاریخ پیدائش ہے۔ جامعہ دارالعلوم درویش مسجد پشاور صدر کے فارغ التحصیل ہیں۔ آج کل جامعۃ المعارف الشرعیہ کی نگرانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ بی۔ اے کر چکے ہیں۔ علاقائی سیاست میں فعال ہیں۔

مفتی صاحب کی تینوں صاحبزادیاں شادی شدہ ہیں۔ مفتی صاحب کی دونوں اہلیہ کا ۱۹۹۳ء میں کچھ مہینوں کے فرق سے انتقال ہو گیا ہے۔ پہلے پہلی اہلیہ (مولانا فضل الرحمن اور مولانا عطاء الرحمن کی والدہ ماجدہ) جبکہ دوسری اہلیہ کا انتقال اس کے کچھ مہینے بعد ہوا تھا۔

حاصلی و خانگی زندگی

مفتی صاحب کی شب و روز مصروفیتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال اور اپنی گھریلو زندگی کو نظر انداز کئے ہوئے ہوں گے۔ درس و تدریس، اہتمام، طلبہ کی نگرانی، سیاسی مشاغل، عوام سے ہر وقت رابطہ اور اس پر مستزاد یہ کہ اکثر سفر میں مصروفیت کی وجہ سے وقت ہی کتنا بچتا ہو گا۔ جس میں وہ اپنے اہل و عیال کی ضروریات کا خیال رکھ سکا ہو گا۔ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کر سکے گا۔ یہ تو پنبہ و آتش، جام و سندان، شیشہ و آہن سے بیک وقت کھیلنے کا حکم رکھتا ہے۔ مگر مفتی صاحب نے یہ کرد کھایا اور اس سلسلے میں اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

عائلی و خانگی زندگی کی اہمیت کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے والد صاحب مولانا حکیم عبدالحی صاحب کی سوانح حیات میں رقمطراز ہیں کہ

کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم و فاضل، مصنف و مفکر، سیاسی رہنما یا دین و ملت کا خادم ہو اسلامی نقطہ نظر سے اس کی عائلی و معاشرتی زندگی اس کے اپنے اہل و عیال اور گھر والوں کے ساتھ اخلاق و تعلقات، اس کے متعلق ان کا تاثر اور شہادت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اور خواہ کوئی شخص اپنے اجتماعی اور ملتی مقاصد کی تکمیل میں کتنا ہی انہماک اور تصنیف و مطالعہ میں کتنا ہی استغراق رکھتا ہو۔ اس کی ذاتی اور گھریلو زندگی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ بلکہ درحقیقت اس کے کامل انسان اور مثالی مسلمان ہونے کا یہی معیار اور میزان ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے ﴿خیرکم خیرکم لاهلہ و انا خیرکم لاهلی﴾ (ترمذی شریف) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو۔ اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔ (۶۰)

مفتی صاحب کے زندگی کے اس پہلو کے بارے میں مکمل شہادت ان کے اہل و عیال اور آپ کے خدام ہی کی رہی ہے۔ مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا فضل الرحمن صاحب نے لکھا ہے۔

مجموعی طور پر میں نے اپنے والد کو اپنی ۲۰ سالہ شعوری زندگی میں پانچ حیثیتوں سے دیکھا ہے۔ باپ، مربی، استاد، عالم، سیاستدان۔ بحیثیت باپ وہ قابل فخر تھے۔ وہ صرف ”حقوق والدین“ کے معلم ہی نہیں تھے۔ بلکہ حقوق اولاد بھی ان کے پیش نظر رہتے تھے۔ باپ کی حیثیت سے میں اولاد کے لئے جو شفقت ہر باپ کو قدرت نے دی ہے، وہ ان کو بھی دی تھی۔ لیکن میرے محسوسات یہ ہیں۔ کہ یہ نعمت ان کو قدرت نے کچھ زیادہ فراوانی سے عطا فرمائی تھی۔ وہ بچوں کے ساتھ گھر میں اس طرح گھل مل جاتے تھے کہ ہمیں حیرت ہوتی تھی۔ کوئی بڑا آدمی اپنی اولاد کو اتنا خوش نہیں رکھ سکتا۔ اتنا بہلا سکتا ہے۔ جتنا وہ خوش رکھتے یا بہلاتے تھے۔ گھر میں بیٹھ کر یہ احساس ہی نہیں ہوتا

تھا کہ یہ شخص اتنا بڑا رہنما ہے جو ہر وقت ملکی اور قومی مسائل میں الجھا رہتا ہے وہ چند لمحے جو بچوں کے ساتھ گزارتے تھے بڑے خوشگوار ہوتے تھے۔ (۶۱)

بحیثیت مربی اپنے بچوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ رہا؟ اور ان کی تربیت کا حق کس طرح ادا کیا؟ اس کے بارے میں مولانا فضل الرحمن رقمطراز ہیں۔

بحیثیت مربی انہوں نے اپنی اولاد کی پرورش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت، بود و باش، رہائش، خوراک اور جائز ضروریات کا انہوں نے ہمیشہ خیال رکھا اور ساتھ ہی یہ احساس بھی دلایا کہ جائز ضرورت وہی ہوتی ہے جو جائز طریقے سے حاصل کی جائے۔ جس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انسان کو ناجائز ذرائع اختیار کرنے پڑیں وہ جائز نہیں ہوتی..... بلکہ انہوں نے ہماری تربیت اس انداز میں کی کہ ہم نے تھوڑے کو ہمیشہ زیادہ سمجھا۔ اور جو میسر آیا اس پر قناعت کی۔ زیادہ کی حرص نہیں کی۔ (۶۲)

اس مضمون کے آخر میں مولانا فضل الرحمن صاحب اپنے والد ماجد کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد کو کس قسم کی نصیحت کرتے تھے وہ لکھتے ہیں۔

اسلامی نظام کا نفاذ ان کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ وہ ہمیں اکثر ہدایت کرتے رہتے تھے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اپنی زندگی وقف کئے رکھنا، ظلم کو ظلم کہنے سے کسی حال میں باز نہ رہنا، حق کی حمایت کرنا اور باطل کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنا، ہمارے لئے ان کی سب سے بڑی تعلیم اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ ہم اس تعلیم کو ہرگز نہیں بھول سکتے۔ ان کی میراث عدل و انصاف کا پیغام ہے۔ ہم اس پیغام کو تاحیات لوگوں تک پہنچاتے رہیں گے۔ ان کا مشن حق کی سرفرازی و سر بلندی تھا۔ ہم اس مشن کو جاری رکھیں گے۔ اس وقت تک جب تک ہماری رگوں میں خون چلتا اور پہلو میں دل دھڑکتا ہے۔ (ان شاء اللہ)۔ (۶۳)

ایک اور مضمون میں مولانا فضل الرحمن صاحب اپنے والد گرامی کی خانگی زندگی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔

والد محترم نے ہمارے خاندان کی جائز ضروریات کے بارے میں کبھی تسائل اور بغل سے کام نہیں لیا۔ ان کے افراد خانہ اور اہل خاندان نے بھی ان سے کبھی ایسی ضرورت و خواہش کا اظہار نہیں کیا جس سے مفتی صاحب کو تکدر ہو اور ان کی طبیعت پر گراں گزرے اس کی وجہ یہ تھی کہ والد صاحب نے اپنے خاندان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ ان کے مزاج اور ان کے معاشی پوزیشن کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی ضروریات کا اظہار کرتے۔

والد صاحب اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھتے وہ بار بار فرماتے کہ جب میں لوگوں کو دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتا ہوں تو سب سے پہلے مجھے اور میرے خاندان کو عمل کی میزان پر پورا اترنا ہو گا۔ وہ دینی تعلیم کو دنیاوی تعلیم پر ترجیح دیتے اور یہ بھی کوشش کرتے کہ ان کی اولاد دنیاوی علوم سے بھی بقدر ضرورت آراستہ ہوں۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ ان کے تمام لڑکے جید عالم بنیں اور اپنی زندگی خدمت دین میں صرف کریں۔ (۶۴)

مفتی صاحب کی اہلیہ نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ”بچوں کی دینی تعلیم کے بارے میں ضرور متفکر رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر ان کی کوئی خواہش تھی تو وہ یہ تھی کہ ان کا کوئی بچہ بڑا ہو کر دنیا کی مختلف زبانیں سیکھے۔ اکثر کہتے خدا کرے ایسا کوئی بچہ ہو جسے ساری زبانوں پر عبور حاصل ہو۔“ (۶۵)

ایک دفعہ مقالہ نگار کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب نے اپنے بیٹے مولانا فضل الرحمن کو نصیحت کی۔ اور وہ یہ تھی کہ ”طلب علم دین میں محنت کریں۔“

ایک دن حضرت مفتی صاحب نے بطور نصیحت اپنے صاحبزادے فضل الرحمن سے فرمایا کہ ”آج کل باوجود دنیا کی نعمتوں کی فراوانی کے طالب علم وہ محنت نہیں کرتے جو ہمارے زمانے کے طالب علم کیا کرتے تھے۔“ (۶۶)

عبدل خیل منتقل و مستقل قیام

چونکہ اس سے قبل مفتی صاحب کی شادی عبدل خیل میں ہو چکی تھی۔ اس لئے وہاں آنے جانے سے وہ ان سے اور عبدل خیل کے رہنے والے مفتی صاحب سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ اہل عبدل خیل بھی خانقاہ یسین زئی کے مریدین میں سے تھے۔ انہی دنوں اسی محلے کی مسجد کے پیش امام، جس محلے میں مفتی صاحب کے سسرال کا گھر تھا، جناب مولانا صالح محمد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ مولانا صالح محمد صاحب ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ جامعہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل تھے۔ فاضل نوجوان تھے۔ بہت کم دن بیمار رہے اور فوت ہو گئے۔ یہ ۱۹۳۵ء کا واقعہ تھا۔ گاؤں کے لوگ خانقاہ یسین زئی گئے۔ اور ان سے اپنی مسجد کے لئے مستقل امام کا مطالبہ کیا۔ حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحب کے مشورہ اور تجویز پر اس کے لئے مفتی محمود کا نام تجویز ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کا مشورہ مفتی صاحب کے لئے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ اس طرح آپ بمع اہل و عیال عبدل خیل منتقل ہو گئے۔ شروع میں گاؤں ہی کے ایک شخص حافظ علی محمد نامی کے گھر رہے۔ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں گاؤں والوں کے تعاون سے اپنا مکان تعمیر کرایا۔ آپ اس میں منتقل ہو گئے۔ آپ کے ساتھ طلباء کی ایک معقول تعداد بھی تھی۔ ان کی کفالت گاؤں والوں کے ذمہ تھی۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

اباخیل میں مدرسہ کے بند ہونے اور تدریس کے سلسلے کے انقطاع کے بعد آپ خانقاہ یسین زئی (پنیاں) اپنے گھر تشریف لائے۔ کہ انہی دنوں عبدل خیل کی مسجد کے امام

صاحب انتقال فرما گئے۔ گاؤں والوں کو امام کی ضرورت ہوئی۔ عبدالخیل کا ایک وفد شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس گیا اور ان سے مولوی محمود صاحب کو عبدالخیل میں امامت کے لئے جانے کا حکم دینے کا مطالبہ کیا۔ شاہ صاحب راضی ہو گئے۔ قیام پاکستان سے چند ماہ قبل ۱۹۴۷ء میں مولوی محمود صاحب اپنے پیرومرشد کے حکم پر عبدالخیل منتقل ہو گئے۔ امامت کرانے کے علاوہ گاؤں کے بچوں کو قرآن مجید (ناظرہ) اور ۱۵ مسافر طلباء کو مختلف فنون کی کتابیں پڑھاتے رہے ڈیڑھ سال عاریۃ ایک مکان میں رہے اس کے بعد زمین لی اور اپنا ذاتی مکان تعمیر کرایا۔ اور مستقل رہائش اختیار فرمائی۔ (۶۷)

مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مفتی صاحب کی مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بحیثیت مدرس و مفتی تشریف آوری ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ اس کے بارے میں مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

مدرسہ قاسم العلوم ملتان کو عرصہ سے ایک ماہر التدریس اور قابل مدرس و مفتی کی تلاش تھی۔ کسی ذریعہ سے مدرسہ کی انتظامیہ کو مولوی محمود صاحب کی قابلیت اور تدریس کے تجربہ کا علم ہوا۔ انہوں نے ان سے رابطہ قائم کیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب مشورہ کے بعد ملتان جانے پر رضامند ہوئے۔ اور ذی الحجہ ۱۳۷۰ء مطابق اگست ۱۹۵۰ء میں آپ قاسم العلوم ملتان تشریف لے گئے۔ اور مسند تدریس و افتاء کو رونق بخشی۔ اور ”مولوی محمود“ مفتی محمود کے نام سے مشہور و معروف ہو گئے۔ ۱۳۷۵ء مطابق ۱۹۵۵ء میں آپ شیخ الحدیث کے مقام پر فائز ہوئے اس کے بعد ۱۳۹۵ء مطابق ۱۹۷۵ء میں قاسم العلوم کے بانی و مہتمم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی علالت اور اہتمام کی معذوری کی بناء پر آپ کو مدرسہ کا مہتمم منتخب کیا گیا۔ (۶۸)

مفتی صاحب کا مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے انتظامیہ سے تعارف کیسے ہوا؟ ذریعہ کون بنے؟ مشاہرہ کیا طے ہوا؟ آپ سے رابطہ کیسے قائم کیا گیا؟ یہ تمام تفصیلات مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی صاحب نے لکھی ہیں۔

بعد میں میں نے ملتان کے قاسم العلوم میں داخلہ لے لیا۔ وہاں ایک مدرس کی شدید ضرورت تھی میں نے آپ کا نام منتظمین کو پیش کیا۔ انتظامیہ نے بے چون و چرا آپ کی تقرری کی منظوری دے دی۔ میں نے آپ کو خط بھیج کر بلوایا۔ یوں آپ ۱۳۷۱ء مطابق ۱۹۵۲ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بطور استاد تشریف لے آئے۔ اس زمانے میں آپ کی تنخواہ صرف ستر روپیہ مقرر ہوئی۔ کچھ مدت بعد مولانا عبدالحق نے حضرت مفتی صاحب کو فتویٰ کا کام بھی سونپ دیا۔ فتویٰ جاری کرنے کی ذمہ داری کے بعد آپ ”مولوی محمود“ اور ”مفتی محمود“ دونوں ناموں سے پکارے جانے لگے۔ (۶۹)

آپ کی ملتان تشریف آوری اور مدرسہ قاسم العلوم میں بحیثیت مدرس و مفتی تقرری کے بارے میں مولانا عبدالبر محمد قاسم صاحب نے ”تاریخ قاسم العلوم ملتان“ میں لکھا ہے کہ بعد ازیں پورے ملک سے استفتاء آنے پر ذی قعد ۱۳۷۰ھ میں شیخ الحدیث والفقہ حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ بحیثیت مفتی اعظم تشریف لائے۔ پھر ۱۳۷۵ھ میں شیخ الحدیث کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ پھر ۱۳۹۴ھ میں ادارہ ہذا کے مہتمم منتخب ہوئے۔ (۷۰)

درج بالا حوالہ جات میں مذکورہ تاریخوں میں مولانا عبدالبر محمد قاسم صاحب کی تاریخیں اس لحاظ سے زیادہ صحیح اور درست ہیں کہ انہوں نے مدرسہ قاسم العلوم کے ریکارڈ سے یہ اخذ کئے ہیں۔ ذی قعد ۱۳۷۰ھ، عیسوی سن کے اعتبار سے اگست ۱۹۵۱ء کے مطابق ہے۔

بچپن اور جوانی کے پسندیدہ کھیل

خانقاہی ماحول کے اعتبار سے اس وقت بچے جو کھیل کھیلتے تھے۔ مفتی صاحب ان میں حصہ لیتے تھے۔ آپ کے چہرے پر بائیں جانب انگریزی کا "L" یا اردو کا "ے" کی صورت میں جو نشان زخم تھا یہ بھی کھیل ہی کھیل میں گھومنے والی لکڑی سے بنے ہوئے ایک جھولے سے گرنے کی وجہ سے تھا۔ کھیل کے ساتھ گھر کا پانی بھرنا اور جنگل سے خشک لکڑیاں لانا بھی آپ کے روزمرہ ذمہ داریوں میں شامل تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ محمد صاحب نے مقالہ نگار کو بتایا کہ "گھر کا پانی بھرنا احمد اور محمود کے ذمہ ہوتا تھا اسی طرح کبھی کبھار والد صاحب جنگل سے لکڑی جمع کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔" (۷۱)

نوجوانی میں مفتی صاحب کے والی بال، اونٹ سواری اور نشانہ بازی خاص مشغلے تھے۔ جن میں انہیں خاص مہارت حاصل تھی۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

والی بال، اونٹ سواری اور شکار مفتی صاحب کے جوانی کے محبوب مشغلے تھے لیکن نشانہ بازی میں انہیں خاص مہارت حاصل تھی۔ اور انہیں دعویٰ بھی تھا کہ علاقہ بھر میں کوئی مجھ سے زیادہ اور صحیح نشانہ باز نہیں۔ عید کے دن علاقے کے نوجوانوں کا خاص کھیل چاند ماری ہوتی تھی۔ مفتی صاحب بھی اپنے شاگردوں اور متعلقین کے ہمراہ عید کے دن چاند ماری کیا کرتے تھے۔ ان کا نشانہ کبھی خطانہ ہوتا۔ (۷۲)

رانا مبارک علی، خانقاہ سر اجیہ کنڈیاں کے متوسلین میں سے تھے۔ اور اپنی بے تکلفی اور بے ساختگی کی وجہ سے جلد ہی بزرگوں کا اعتماد حاصل کر لیتے تھے۔ مفتی صاحب کے بہت قریب رہے ہیں۔ کئی اسفار میں ان کو مفتی صاحب کی معیت حاصل رہی ہے وہ اس سلسلے میں ایک واقعہ لکھتا ہے۔

بھٹو دور میں جب ان کی (مفتی صاحب) جان کو زیادہ خطرات لاحق ہو گئے تو دوستوں کے کافی اصرار پر ایک شین گن ساتھ رکھنا شروع کر دی۔ ایک بار وہ شین گن مجھے دی تو میں نے بعد احترام عرض کیا کہ یہ تو مجھے چلانا بھی نہیں آتی۔ اسے کیسے سنبھالوں گا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرا نشانہ اتنا اچھا ہے کہ ٹیڈی پیسہ کہیں پھینک دو میں اسے بھی نشانہ بنالوں گا۔ میں نے مذاقاً کہا کہ مجھے ایسے یقین نہیں آیا۔ مجھے نشانہ لگا کر دکھائیے۔ چنانچہ میں نے چند گز کے فاصلے پر ایک پیسہ رکھا اور مفتی صاحب نے اسے اڑا دیا۔ (۷۳)

مفتی صاحب عبدل خیل میں قیام کے دوران یا جب بھی ملتان سے دینی مدارس میں تعطیلات کے دوران عبدل خیل تشریف لاتے۔ تو قرب و جوار کے طلباء کا ہمیشہ آپ کے ہاں ہجوم رہتا مفتی صاحب ان سے خوش طبعی فرماتے۔ ان کی مہمان نوازی کرتے۔ اور کھیل کود کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ دوڑ اور چھلانگ لگانے کے مقابلے ہوتے تھے۔ دو گروپ بنائے جاتے تھے اور دو اطراف میں نشانہ کھڑا کیا جاتا تھا۔ اور پتھر پھینکے جاتے تھے۔ جس گروپ کا پتھر اس نشان کے قریب پڑتا ان کے نمبر شمار ہوتے تھے۔ اور یہ ایک دلچسپ کھیل ہوتا تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود مفتی صاحب نے ان کھیلوں کو کھیل برائے کھیل یا وقت گزاری کا بہانہ بنانے کی بجائے اس کو اصلاح خلق کے طور پر استعمال کیا۔ اور گاؤں کے کافی نوجوانوں کو ان کھیلوں کے ذریعہ اپنی طرف مائل کیا۔ اور نوجوانوں اور ایک زاہد خشک کے درمیان جو ایک خلیج ہوتا ہے۔ اور نوجوان ایک عالم دین کے پاس اٹھنے بیٹھنے میں ایک حجاب محسوس کرتے ہیں، ان کھیلوں کے ذریعہ مفتی صاحب اس خلیج کو پامٹتے تھے اور اس حجاب کو ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

لیکن ان تمام کھیلوں اور مشغلوں کو مفتی صاحب نے ایک اور اہم مقصد کے لئے استعمال فرمایا۔ ان کے ذریعہ سے گاؤں کے نوجوانوں سے ان کا تعلق پیدا ہوا۔ ان کی نشست و

برخاست اب مفتی صاحب کے پاس ہونے لگی۔ کافی نوجوانوں کے اخلاق سدھ گئے۔
اور بعض نے باقاعدہ مفتی صاحب کے حلقہ درس میں شمولیت اختیار کر لی۔ (۷۴)

قید و بند

مفتی صاحب کی پہلی گرفتاری تحریک آزادی ہند کے دوران ”تحریک سول نافرمانی“ میں ہوئی تھی جس کی صحیح تاریخ کا علم نہ ہو سکا۔ جبکہ دوسری گرفتاری ختم نبوت کے دوران ۱۹۵۳ء میں ہوئی تھی ایک سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ ایک انٹرویو میں خود بتاتے ہیں۔ ”۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کافی زور پکڑ چکی تھی۔ اس تحریک میں میں پیش پیش تھا۔ اس لئے مجھے کئی لوگوں اور لیڈروں کے ساتھ گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔“ (۷۵)

مفتی صاحب کو ملتان جیل میں رکھا گیا جن میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ وغیرہ علماء اور قائدین تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں گرفتار تھے۔ مفتی صاحب سات ماہ قید رہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ اور عید بھی جیل میں منائی۔

آپ کی تیسری گرفتاری ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں کہ ”۱۹۵۶ء میں آپ کو ون یونٹ کے منصوبے پر تنقید کے سلسلے میں پھر گرفتار کر لیا گیا تھا۔ لیکن طبقہ علماء میں ناراضگی کی لہر کو محسوس کر کے حکومت نے جلد ہی رہا کر دیا۔“ (۷۶)

آپ کی چوتھی بار گرفتاری ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ آپ کی یہ گرفتاری ملتان میں حکومتی تعاون سے منعقد ہونے والے ”جشن ملتان“ کے خلاف جلسہ و جلوس کی قیادت کرتے ہوئے عمل میں آئی تھی۔ کیونکہ ”جشن ملتان“ کے نام سے رقص و سرور اور ناچ گانے کا پروگرام بھی تھا۔ مولانا ضیاء الرحمن فاروقی لکھتا ہے۔

۱۹۶۷ء کو ملتان میں ”جشن ملتان“ کے نام سے رقص و سرور اور ناچ گانوں کے ایک حکومتی پروگرام کا اعلان ہوا۔ مفتی صاحب نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور پس دیوار زندان کر دیئے گئے۔ (۷۷)

عوامی احتجاج کی وجہ سے حکومت وقت کو اپنے پروگرام سے قبل ”جشن ملتان“ کو ختم کرنے کا اعلان کرنا پڑا۔ اور چند روز کی گرفتاری کے بعد مفتی صاحب اور ان کے دیگر رفقاء کو رہا کرنا پڑا۔

آپ کی پانچویں گرفتاری جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں ۱۸ مارچ ۱۹۷۷ء کو ہوئی۔ پروفیسر غفور احمد نے لکھا ہے ”۱۸ مارچ کو مولانا مفتی محمود کو پشاور سے گرفتار کیا گیا۔ لیکن چند گھنٹوں کے بعد رہا کر دیا گیا۔“ (۷۸)

مفتی صاحب کی چھٹی بار گرفتاری بھٹو صاحب ہی کی دور حکومت میں ۲۵ مارچ ۱۹۷۷ء کو عمل میں آئی تھی۔ آپ کو لاہور سے گرفتار کیا گیا تھا۔ پروفیسر غفور احمد لکھتا ہے۔ ”۲۵ مارچ کو قومی اتحاد کے صف اول کے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ لاہور سے مولانا مفتی محمود، میاں طفیل محمد، ملک قاسم اور مجھے (پروفیسر غفور احمد) گرفتار کر لیا گیا۔“ (۷۹)

۲۷ مارچ کو لاہور سے مفتی صاحب کو ہری پور جیل منتقل کر دیا گیا۔ اس دوران آپ کے فرزند ارجمند مولانا فضل الرحمن بھی دیگر علماء اور قومی اتحاد کے کارکنوں کے ہمراہ پشاور سے گرفتار کر کے ہری پور جیل لائے گئے تھے۔ اور جیل میں مفتی صاحب ان کو مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ آخرین پڑھاتے رہتے تھے۔ جس میں تمام گرفتار علماء اور قومی اتحاد کے گرفتار کارکن شریک ہوتے تھے۔

قاتلانہ حملے

۲۰ اپریل کو مفتی صاحب ہری پور جیل سے سہالہ ریست ہاؤس لے جائے گئے۔ وہاں سے آپ کو ۳۰ اپریل کو بیماری کے باعث ڈاکٹروں کے مشورہ پر کمپائنڈ ملٹری ہسپتال (C.M.H) راولپنڈی لے جایا گیا۔ اور داخل کر دیئے گئے۔ ۳ مئی کو وہاں سے پھر سہالہ ریست ہاؤس لائے گئے۔ ۲ جون کو مفتی صاحب اپنے دیگر رہنماؤں کے ساتھ وہاں سے رہا کر دیئے گئے تھے۔

”آپ کی آخری گرفتاری جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کی آمد پر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو عمل میں آئی تھی۔“ (۸۰)

مفتی صاحب کو قتل کرنے کی پہلی کوشش اس وقت کی گئی جب وہ اپنے دیگر اکابر علماء کے ساتھ تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں ۱۹۵۳ء میں ملتان جیل میں قید تھے۔ مفتی صاحب نے یہ واقعہ ہفت روزہ ”بیان“ کے نمائندہ جناب مسرور احمد مسرور کو ایک سوال کے جواب میں بیان کیا ہے۔ جس کو بیان کے شکریہ کے ساتھ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور نے نقل کیا ہے۔

میرے ساتھ اس (جیل کے) کمرے میں تین چار سیاسی قیدی تھے۔ جن میں حضرت احمد علی صاحب مرحوم اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی وغیرہ شامل تھے۔ ایک دن ہمیں جان سے مارنے کے لئے دودھ میں زہر ملا کر دے دیا گیا۔ لیکن ”جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے“۔ ہوا یوں کہ میں اور میرے دو ساتھیوں نے دودھ چائے بنانے کے لئے استعمال کیا۔ اور اس زہریلے دودھ کی چائے بنا کر پی گئے جس کی وجہ سے زہر کا اثر زائل ہو گیا۔ اور ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ جبکہ دوسرے دو ساتھیوں جن میں قاضی احسان شجاع آبادی اور مولانا احمد علی مرحوم شامل تھے انہوں نے وہ زہریلا دودھ اسی طرح پی لیا جس کی وجہ سے ان کی حالت خراب ہو گئی۔ التلیاں شروع ہو گئیں۔ ان دونوں کی حالت اس حد تک بگڑ چکی تھی کہ ہمیں یہ امید نہیں تھی کہ یہ بچ جائیں گے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے انہیں زندہ رکھنا تھا سو وہ بچ گئے۔ (۸۱)

اس واقعہ پر سخت احتجاج ہوا۔ جیل میں ہڑتال کر دی گئی۔ یہاں تک کہ اس وقت کے وزیر داخلہ کو جیل کا دورہ کرنا پڑا اس کی اس یقین دہانی پر کہ آئندہ ایسے واقعات نہیں ہوں گے۔ ہڑتال کے خاتمہ کا اعلان کرنا پڑا۔ مفتی صاحب بیان کرتے ہیں۔

اس واقعہ پر ہم نے سخت احتجاج کیا اور جیل میں ہڑتال کرادی جس کی وجہ سے اس وقت کے مرکزی وزیر داخلہ اکبر علی بھی جیل آئے۔ اور قیدیوں کو یقین دہانی کرائی کہ مستقبل میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آئے گا۔ مولانا احمد علی کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی اس لئے انہیں لاہور جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ (۸۲)

مفتی صاحب پر دوسرا قاتلانہ حملہ ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ کے لئے چنیوٹ پہنچنے کے موقع پر ہوا۔ مگر وہ بچ گئے۔ یہ واقعہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۷ء کا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات آل پاکستان مجلس ختم نبوت کے ناظم امور عامہ مولانا محمد شریف جالندھری نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بیان کیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

پھر (۲۷ دسمبر ۱۹۷۷ء) کی شام بعض مرزائیوں نے جان بوجھ کر جمعیت علماء اسلام کے جنرل سیکریٹری مولانا مفتی محمود کو ایک حادثہ میں ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے آج یہاں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ گزشتہ شام مفتی محمود صاحب ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لئے بذریعہ جیپ لاکپور سے چنیوٹ پہنچے تو سرگودھا روڈ پر عوام کے ایک بہت بڑے جھوم نے ان کا استقبال کیا۔ اسی اثناء میں ربوہ کی جانب سے آتی ہوئی ایک تیز رفتار کار عین اس جگہ استقبال کرنے والوں پر چڑھ گئی جہاں مفتی محمود کی جیپ کھڑی تھی۔ مگر جیپ کے ڈرائیور نے نہایت ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے جیپ کو کار کی زد سے بچالیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ اس کار میں بعض مرزائی سوار تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کار کی لپیٹ میں آکر متعدد افراد زخمی ہو گئے جنہیں طبی امداد کے لئے سول ہسپتال چنیوٹ پہنچا دیا گیا۔ (۸۳)

یوم پاکستان ۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء کو ”متحدہ جمہوری محاذ“ نے لیاقت باغ راولپنڈی میں جلسہ عام کا اعلان کیا تھا۔ بھٹو صاحب کی حکومت نے اس جلسہ کو ناکام بنانے کے لئے اپنے ”فورس“ کو استعمال کیا تھا۔ ”فورس“ نے خود کار ہتھیاروں کے اندھاؤ ہند استعمال سے مکمل غنڈہ گردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے متعدد کو ہلاک اور سینکڑوں کو زخمی کر دیا تھا۔ مفتی صاحب کے جلسہ گاہ میں پہنچنے سے قبل یہ فائرنگ شروع ہوئی تھی۔ آپ اس اندھاؤ ہند فائرنگ کے دوران سٹیج تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جناب محمد نعیم آسی نے لکھا ہے۔

آپ پر براہ راست فائرنگ کی گئی۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ اور آپ دیگر رہنماؤں پیر پکاڑا، خان عبدالولی خان، نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا شاہ احمد نورانی اور پروفیسر عبدالغفور احمد وغیرہ آتش و خون کے اس معرکہ میں آخر تک سٹیج پر ڈٹے رہے۔ جناب نعیم آسی نے لکھا ہے کہ ”جمہوری محاذ کے سیکرٹری جنرل پروفیسر عبدالغفور نے ہلاک شدگان کی تعداد ۱۸ بتائی ہے۔ اور روزنامہ ”شہباز“ پشاور نے ۵۰ اور روزنامہ ”جمہور“ لاہور کے مطابق اس ہنگامے میں کم از کم ۱۳۰ افراد ہلاک ہوئے۔ (۸۴)

لیاقت باغ کے اس سفاکانہ واقعہ کی خبر ”نوائے وقت“ لاہور نے یوں دی ہے۔

یوم پاکستان کے موقع پر لیاقت باغ میں اپوزیشن پارٹیوں کے متحدہ جمہوری محاذ کے زیر اہتمام ہونے والے جلسہ عام رانفلوں، شین گنوں اور دوسرے خود کار ہتھیاروں سے اندھاؤ ہند فائرنگ، دستی بموں، چاقوؤں اور لٹھیوں کے وحشیانہ استعمال کے نذر ہو گیا۔ تقریباً تین گھنٹہ تک لیاقت باغ اور آس پاس کا علاقہ مکمل طور پر غنڈہ گردی اور لاقانونیت کی لپیٹ میں رہا۔ اس منظم خونین ڈرامہ میں کم از کم نو قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں۔ اور پچھتر (۷۵) سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے تیرہ بسوں اور ایک کار کو نذر آتش کر دیا گیا۔ (۸۵)

متحدہ جمہوری محاذ نے ۳ جون ۱۹۷۳ء کو لاہور میں جلسہ کا اعلان کیا۔ حکومت نے اس کو بھی ناکام بنانے کی کوشش کی۔ لیکن متحدہ محاذ نے کامیاب جلسہ کرایا۔ متحدہ جمہوری محاذ کے رہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ محاذ کے رہنما ۶ جون ۱۹۷۳ء کو لاہور سے راولپنڈی بذریعہ ٹرین روانہ ہوں گے۔ ۶ جون ۱۹۷۳ء کو متحدہ جمہوری محاذ کے جناب پیر پکاڑا شریف، مولانا مفتی محمود، خان عبدالولی خان، نوابزادہ نصر اللہ خان، میاں طفیل محمد، مولانا شاہ احمد نورانی، محمد قاسم، چوہدری ظہور الہی اور سینکڑوں کارکن بذریعہ تیز گام لاہور سے راولپنڈی کے لئے روانہ ہوئے۔ ٹرین جب گوجرانوالہ ریلوے سٹیشن پہنچی۔ ہزاروں کارکن وہاں استقبال کے لئے موجود تھے۔ جب مولانا مفتی محمود تقریر کر رہے تھے تو باہر جنگلے کے پاس کھڑے چند افراد نے اندھاؤ ہند فائرنگ شروع کر دی۔ اس دوران محاذ کے رہنماؤں کو نشانہ بنایا گیا۔ ٹرین جب وزیر آباد پہنچی تو ٹرین کے نیچے دھماکہ ہوا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دو دھماکے اور ہو گئے جس سے ٹرین لرز گئی۔ کئی کارکن زخمی بھی ہوئے۔ روزنامہ ”نوائے وقت“ لاہور نے اس واقعہ کے بارے میں جو خبر ۶ جون ۱۹۷۳ء کو دی ہے وہ یوں ہے۔

ملتان اور لاہور میں متحدہ جمہوری محاذ کے جلسوں کو تشدد اور غنڈہ گردی کے ذریعہ ناکام بنانے کی کوششوں کے بعد آج ایک اور ہولناک ڈرامہ کھیلا گیا۔ جب گوجرانوالہ اور وزیر آباد میں تیز گام کے ان ڈبوں پر فائرنگ کی گئی اور بم پھینکے گئے۔ جن میں محاذ کے لیڈر پیر پکاڑا شریف، خان ولی خان، نصر اللہ خان، مولانا مفتی محمود، مولانا نورانی، ملک قاسم، چوہدری ظہور الہی، میاں طفیل محمد اور درجنوں کارکن لاہور سے پنڈی تک کا سفر کر رہے تھے۔ وزیر آباد میں بم دھماکہ اتنا شدید تھا کہ ٹرین لرز گئی۔ چوہدری ظہور الہی معمولی زخمی ہوئے جبکہ نصف درجن کے قریب کارکن سخت مجروح ہوئے تاہم باقی لیڈر معجزانہ طور پر بچ گئے۔

مخاز کے رہنما جب گوجرانوالہ پہنچے۔ تو عوام کا جم غفیر ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ یہاں مخاز کے رہنماؤں نے پر جوش خطاب کیا۔ جب مولانا مفتی محمود خطاب کر رہے تھے تو باہر جنگلے کے پاس کھڑے چند افراد نے اندھا دھند فائرنگ شروع کی۔ اس دوران مخاز کے لیڈروں کو نشانہ بنایا گیا۔

ایک بج کر ۱۵ منٹ پر گاڑی وزیر آباد پہنچی تو یہاں بھی مخاز کے رہنماؤں نے عوام سے خطاب کیا۔ ولی خان کی تقریر کے دوران ایک بم گاڑی کے نیچے آکر گرا اور وہاں پھٹ گیا۔ یہ بم ریلوے سٹیشن کی عمارت کے چھجے پر بیٹھے ہوئے چند افراد پھینک رہے تھے۔ دوسرا بم اس کے بعد پھٹا۔ تیسرا بم لاؤڈ سپیکر پر آکر گرا جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ بم کے ٹکڑے ظہور الہی اور دوسرے اشخاص کو لگے جو اس وقت دروازے پر کھڑے تھے۔ (۸۶)

مفتی صاحب پر یکے بعد دیگرے دو قاتلانہ حملے ۲۲ اور ۲۳ اپریل ۱۹۷۵ء کو صوبہ سندھ کے ضلع ٹھٹھہ کے علاقے سجاول کے قریب ہوئے۔ مگر دونوں حملوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور بال بال بچے۔ پہلے حملے کا تفصیلی واقعہ جناب محمد نعیم آسی صاحب نے لکھا ہے۔

اپریل کی ۲۲ تاریخ اور دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ جب مفتی صاحب کاسات گاڑیوں پر مشتمل قافلہ حیدرآباد سے ۸۰ میل دور ضلع ٹھٹھہ کے علاقے سجاول کے نزدیک پہنچا۔ قریب ہی آمر اگوٹھ واقع ہے۔ کچھ افراد جولاٹھیوں، کلہاڑیوں اور پستولوں سے مسلح تھے۔ اس مقام پر پہلے ہی ایک جیپ میں سوار ہو کر پہنچ چکے تھے۔ جیپ (ٹی۔ اے۔ ۴۸۱) سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ ایک کے سوا باقی افراد قریب کی جھاڑی کی آڑ میں چلے گئے۔ سڑک پر جیپ کے ساتھ موجود تنہا شخص نے مفتی صاحب کی گاڑی پہنچتے ہی انہیں ہاتھ دے کر روکا۔ تاثر یہ تھا کہ وہ بھی استقبال کرنے والوں میں سے ہے۔ اور یہی تاثر قبول بھی کیا گیا۔ لہذا قافلہ ٹھہرا دیا گیا۔ قافلے میں آگے ایک جیپ (کے اے کے۔ ۱۸۳۱) تھی جو نہی گاڑیاں ٹھہریں نقشہ بدل گیا۔ قریب کی جھاڑی سے مسلح حملہ آور نکل آئے۔ ان کی کلہاڑیوں، ڈنڈوں اور فائرنگ کا پہلا نشانہ

جیپ بنی اور پھر چشم زدن میں مفتی صاحب کی کار ان کی زد میں تھی۔ حسن اتفاق سے مفتی صاحب کی کار کا ڈرائیور حاضر دماغ اور غیر معمولی ہوشیار تھا۔ وہ کمال پھرتی سے کار کو حملہ آوروں کے نرغے سے نکال لے گیا۔ مفتی صاحب کے بچ نکلنے پر ملزمان فرار ہو گئے۔ مفتی صاحب کے ایک رفیق سفر محمد رحیم ڈنواس حملے میں گولی لگنے سے شدید زخمی ہوئے۔ مفتی صاحب کو قدرت نے بال بال بچالیا۔ (۸۷)

اسی رات سجاول میں مفتی صاحب نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس میں اپنے اوپر کئے جانے والے قاتلانہ حملے کی تفصیلات بتائیں۔ ان کی اس پریس کانفرنس کے ناطے سے ۲۳ اپریل کے اخبارات میں قاتلانہ حملے کی خبر چھپی۔ جسے بعد ازاں بی بی سی، آل انڈیا ریڈیو اور کابل ریڈیو نے نشر کیا۔

سجاول سے ٹھٹھہ جاتے ہوئے دوسرے دن یعنی ۲۳ اپریل کو آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ محمد نعیم آسی صاحب لکھتے ہیں۔

اسی دوران مفتی صاحب کو نقصان پہنچانے کی ایک اور کوشش جوئی ۲۳ اپریل کو مفتی صاحب کراچی جانے کے لئے سجاول سے ٹھٹھہ روانہ ہوئے جو نہی ان کا قافلہ روانہ ہوا۔ کچھ افراد کار میں تعاقب پر مامور ہوئے جب مفتی صاحب کا قافلہ سجاول پل کے نزدیک پہنچا۔ تو پیچھے سے آنے والی کاروں نے ”اور ٹیک“ کے بہانے مفتی صاحب کی کار کو ٹکر مارنے کی کوشش کی۔ جس سے وہ اٹلتے اٹلتے بچی۔ ایک ڈی ایس پی کی ہمراہی میں پولیس کادستہ بھی ساتھ چل رہا تھا۔ ڈی ایس پی جو کوئی شریف آدمی تھا اس نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے دو مرتبہ مفتی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی گاڑیوں کو روکا۔ تاکہ ملزمان آگے نکل جائیں۔ اور ”اور ٹیک“ کے بہانے ٹکر مارنے کی کوشش نہ کریں۔ (۸۸)

مفتی صاحب پر جو قاتلانہ حملہ صوبہ سندھ میں سجادول کے مقام پر ہوا۔ اس کی تفصیل مولانا سید محمد شاہ امر وٹی صوبائی امیر جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد نے ایک انٹرویو میں جناب شعیب الرحمن کو بیان کر کے دی ہے۔ وہ اس قاتلانہ حملے کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

۱۹۷۵ء کا زرد موسم تو آپ کو یاد ہو گا جب تحصیل سجادول (سندھ) جاتے ہوئے راستے میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ کالعدم جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ کے صدر ہونے کی حیثیت سے میں ان کے ساتھ ہی کار میں بیٹھا تھا۔ کہ ہم سے آگے جانے والی پائلٹ جیپ اچانک رُک گئی اور سڑک کے دونوں جانب کھڑے کئے گئے افراد نے فائرنگ شروع کر دی ایک گولی پائلٹ جیپ میں بیٹھے ہوئے مولانا عبد اللہ صاحب کے پاؤں میں لگی۔ دفعتاً ایک بڑی بڑی مونچھوں والا کلہاڑی بردار شخص ہماری طرف بڑھا اور کار کی ونڈ سکرین پر کلہاڑی سے وار کیا ونڈ سکرین ریزہ ریزہ ہو گئی پر خدا کے فضل سے مفتی صاحب کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ (۸۹)

آپ پر ایک اور قاتلانہ حملہ اس وقت ملتان ریلوے سٹیشن پر ہوا جب آپ متحدہ جمہوری محاذ کے دیگر مرکزی رہنماؤں کے ہمراہ بذریعہ خیبر میل کراچی جا رہے تھے۔ ملتان کے سٹیشن پر لاکھوں انسانوں کا جم غفیر اپنے رہنماؤں کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ اور وہاں رہنماؤں کے خطاب کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ اس کی تفصیل مولانا قاری نور الحق ایڈوکیٹ نے اپنے ایک مضمون میں بیان کی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

ہو ایوں کہ جب حملہ آور نے خنجر سے مفتی صاحب پر حملہ کیا تو مفتی صاحب جو گاڑی سے بمشکل (ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے) اسٹیشن پر اترے۔ دوبارہ تقریر کے لئے انہیں بلایا گیا۔ تو وہ جو نہی تقریر کے لئے ڈبے کے اندر چڑھنے لگے۔ تو حملہ آور نے خنجر سے حملہ کر دیا۔ مفتی صاحب حملہ کی زد سے بچ گئے۔ اس کا وار مولوی حفیظ جھنگوی (مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے اس وقت کے طالب علم) کے دائیں بازو پر پڑا۔ جس سے اس کا کرتہ پھٹ گیا اور وہ زخمی بھی ہو گیا۔ حملہ آور کو پکڑ کر پولیس کے حوالہ کیا گیا۔ جو نہی

محاذ کے کارکن پکڑنے کے لئے اس پر جھپٹے پولیس اسے بچا کر لے گئی اور اسے چھوڑ دیا گیا۔ (۹۰)

حضرت مفتی صاحب پر ایک اور قاتلانہ حملہ ضلع قصور کے کھڈیاں اڈہ پر ہوا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ جس کی تفصیلات جناب گل نایاب چترالی نے اس وقت کے روزانہ اخبارات کے حوالہ سے لکھیں ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

مارچ ۱۹۷۹ء کے آخر میں پیپلز پارٹی کے دو کرائے کے غنڈوں نے مولانا مفتی محمود پر قاتلانہ حملہ کیا۔ یہ حملہ اس وقت کیا گیا جب مولانا مفتی محمود قومی اتحاد کے رہنماؤں کے ساتھ کھڈیاں اڈہ (موضع قصور) پہنچے تو وہاں اتحاد کے رہنما ان کے استقبال کے لئے موجود تھے انہوں نے مولانا مفتی محمود اور دیگر رہنماؤں سے اصرار کیا کہ وہ ایک ہوٹل چلیں اور اپنے خیالات سے انہیں مستفید کریں۔ چنانچہ مولانا مفتی محمود اور دیگر رہنما مقامی ہوٹل میں گئے۔ وہاں مولانا نے قومی اتحاد کے رضاکاروں سے خطاب کیا۔ جب مولانا مفتی محمود اور دیگر رہنما لاری اڈہ کی طرف روانہ ہوئے تو دو جوان روشن دین تیلی اور احمد دین تیلی ہاتھوں میں چھریاں لہراتے ہوئے بھٹو زندہ باد اور ضیاء الحق مردہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے مولانا مفتی محمود کی طرف بڑھے پاکستان قومی اتحاد کے رضاکاروں نے روشن دین عرف روشی کو جو مفتی صاحب کے قریب پہنچ چکا تھا قابو کر لیا۔ اس افراتفری میں دوسرا حملہ آور احمد دین چھری سمیت غائب ہو گیا۔

رضاکاروں نے روشی کو بمعہ چھری پولیس تھانہ کھڈیاں کے حوالہ کر دیا۔ (۹۱)

مولانا سمیع الحق صاحب نے بھی اپنے ایک مضمون میں مفتی صاحب پر قصور میں قاتلانہ حملہ کا ذکر کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ”مفتی صاحب نے حملہ آور کو دیکھتے ہی معاف کر دیا۔ انہوں نے اُس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اسے کس نے بھیجا ہے۔“ (۹۲)

مفتی صاحب پر کل نو قاتلانہ حملے ہوئے ہیں۔ مگر ”جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے“ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام حملوں میں محفوظ رکھا۔ نہ تو دشمن ان کو کوئی گزند پہنچا سکا اور نہ وہ ان

کو کلمہ حق کہنے سے باز رکھ سکے۔ اور یہی ہمارے اکابرین و اسلاف کی پاکیزہ زندگیوں کا اور ان کے مقصد حیات کا مشن تھا۔ جن پر مفتی صاحب گامزن رہے اور اپنے اخلاف کے لئے عظیم مثالیں بطور نمونہ کے چھوڑیں۔

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت بہت بڑی سعادت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے۔ بعض بزرگ اس کے لئے وظائف کا سہارا لیتے ہیں۔ چلہ کشی کرتے ہیں۔ خاص تعداد میں دُرود شریف کا ورد کرتے ہیں۔ پھر بعض کے دل میں حسرت ہی رہ جاتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب سے متعلق ایسے دو واقعات تحریری صورت میں ملتے ہیں۔ جس میں آپ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی سعادت سے سرفرازی کا تذکرہ کرتے ہیں اور ایک واقعہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ کو مفتی صاحب کے لئے حضور ﷺ پیغام دیتے ہیں۔

حافظ بشیر احمد کمال صاحب (جو کہ آج کل دعوتِ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں) تحریر کرتے ہیں۔ کہ مفتی صاحب نے بتایا۔

ایک دفعہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور صحابہ کرام ایک جگہ پر تشریف فرما ہیں۔ اور اسی مجلس میں میں بھی نہایت شرمندگی اور ندامت کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ایک صحابی نے حضور ﷺ سے ایک مسئلہ پوچھا تو حضور ﷺ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ سامنے جو سو فی صاحب بیٹھے ہیں یہ مسئلہ ان سے پوچھئے تو آپ کو صحیح سمجھائے گا۔ (۹۳)

مفتی صاحب کا ایک دوسرا خواب جس میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ وہ مولانا فضل الرحمن کا بیان کردہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

ہم نے انہیں (مفتی صاحب کو) ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو کراچی کے لئے رخصت کیا جہاں سے وہ عازم جدہ ہونے والے تھے۔ اس سے قبل ملتان میں ہمیں بتایا کہ انہیں خواب میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ قبر مبارک میں لیٹے ہوئے ہیں۔ ہمارے درمیان کوئی چیز حائل نہیں اور حضور ﷺ مجھے بلارہے ہیں۔ (۹۴)

مولانا فضل الرحمن صاحب نے اس خواب کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مفتی نے بتایا کہ اس خواب میں حضور ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اپنوں کو تقلید سے بچاؤ“ مفتی صاحب نے بتایا کہ جب میں نے یہ سنا تو خواب ہی خواب میں میرا ذہن ”تقلید ائمہ“ کی طرف گیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”قیاسات ائمہ تو عین نصوص ہیں“ تو اس سے میرے خدشہ کا ازالہ ہو گیا۔ اور میں سمجھ گیا کہ یہاں تقلید سے مراد حضور ﷺ کا ”غیروں کی تقلید ہے“۔ کہ اس سے مسلمانوں کو بچاؤ۔ نہ کہ تقلید ائمہ۔

یہی خواب مفتی صاحب نے رانیونڈ کے اجتماع سے واپسی پر مولانا عبید اللہ انور صاحب کو بھی سنایا تھا۔ بقول مولانا عبید اللہ انور ”مفتی صاحب نے اس خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ آپ کا بلانا اس دنیا سے واپس ہونے کا اشارہ ہے“۔ (۹۵)

اور خواب کا وہ واقعہ جس میں ایک صاحب نسبت بزرگ کے ذریعہ حضور ﷺ، مفتی صاحب کو پیغام دیتے ہیں وہ مولانا قاری سعید الرحمن کا تحریر شدہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

آخر میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جس سے مفتی صاحب نے اپنی زندگی میں بیان کرنے سے منع فرمایا تھا۔ مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ کی طرف سے مفتی صاحب کو ان الفاظ میں پیغام بشارت دیا۔

قُلْ لَّهِ مِثْنُ السَّلَامِ يَتَّقُوهُ بِاللَّهِ وَلَا يَقُولُ إِلَّا الْحَقَّ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَيَهْدِي السَّبِيلَ۔

ترجمہ: میری طرف سے آپ کو سلام کہیں، ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے قوت و طاقت کے طلب گار ہو۔ ہمیشہ حق بات کہیں۔ اللہ تعالیٰ سچ اور حق کہتا ہے اور صحیح راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔

میں نے جب عرض کیا کہ حضرت سفر نامے میں اس کو شائع کیا جائے تو پہلے تو کچھ نہ کہا۔ جب ریاض جانے کے لئے مدینہ منورہ ایئرپورٹ کی طرف جا رہے تھے تو از خود فرمایا کہ اس خواب کو مت لکھو اس سے خود ستائی کا پہلو نہ نکل آئے۔ (۹۶)

حضرت مفتی صاحب کو خواب میں زیارت رسول ﷺ سے یقیناً کئی بار نوازا گیا ہے۔ کیونکہ اس ضمن میں آپ سے جب سوال کیا گیا۔ اور آپ نے اس کا جواب دیا۔ تو وہ منظر بڑا رقت آمیز تھا۔ آپ کے شاگرد رشید جناب محمد شریف عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

(دوران درس) ایک ساتھی نے سوال کر ڈالا۔ حضرت! کبھی زیارت رسول ﷺ بھی ہوئی ہے؟ بلا ریب اس عظیم انسان سے عظیم سوال تھا۔

سب کے دل دھڑکنے لگے۔ مشتاق نگاہوں نے توجہ کی۔ یوں گویا ہوئے۔ عزیز ساتھیو! ہمارے اکابر کا طریق رہا ہے کہ جس کے اظہار میں ریاکاری کی بو آئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ممکن ہے میرا کچھ کہنا ریاکاری پر محمول ہو۔ پھر کیا تھا کھرام مچ گیا۔ دل بے قرار ہو گئے۔ شیخ کے اس اشارے پر ترجمنا شیخ کی صدا میں بلند ہوئی۔ محدث کبیر نے نگاہ عاطفت جو گھمائی مرکز توجہ بن گئی۔ فرمانے لگے ”بھائی آخر ہم بھی تو امام بخاری رحمہ اللہ کے خوشہ چیں ہیں۔ بھلا وہ بھی کوئی محدث ہے جسے حدیث والے کی زیارت نصیب نہ ہو۔“ اس جملہ کا اظہار تھا کہ سب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ (۹۷)

بیرون ملک سفر

مفتی صاحب نے کتنے اور کن کن ممالک کے سفر کئے ہیں۔ پوری تفصیل تو معلوم نہ ہو سکی اور نہ ہی تاریخوں کے اعتبار سے ان کا تعین ممکن ہو سکا۔ مگر اس کے باوجود جو کچھ اس وقت کے رسائل و جرائد سے معلوم ہو سکا۔ ان کی مدد سے اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مفتی صاحب نے تعلیم سے فراغت کے بعد ایک سفر افغانستان کا کیا ہے۔ لیکن مہینہ اور سن معلوم نہ ہو سکا۔ وہ خود اس سفر کا تذکرہ بار بار فرمایا کرتے تھے۔

”آپ نے سب سے پہلا حج مئی ۱۹۶۰ء میں کیا ہے۔“ (۹۸)

روزنامہ ”ترجمان اسلام“ لاہور کے مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۶۰ء کو بحری جہاز کے ذریعہ کراچی سے آپ حج کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے۔ جبکہ ۱۵ جولائی ۱۹۶۰ء کو آپ کی حج مبارک سے واپسی ہوئی۔

مارچ ۱۹۶۳ء مطابق ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ آپ حکومت مصر کی دعوت پر مجمع

البحوث الاسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے مصر تشریف لے گئے تھے۔ جس کے اجلاس جامعہ ازہر میں منعقد ہوئے تھے۔ ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں۔

جنوری ۱۹۶۳ء میں جامعہ ازہر کے ریکٹر کی طرف سے، مولانا غلام غوث اور حضرت

مفتی محمود کو ازہر میں قائم ہونے والے ایک جدید اسلامی شعبہ کی تقریبات میں شرکت

کی دعوت موصول ہوئی۔ مارچ کے اوائل میں یہ دونوں حضرات اور ان کے ساتھ

مولانا محمد یوسف بنوری قاہرہ تشریف لے گئے۔ اس دورہ میں مشرقی پاکستان کے

مولانا تاج الاسلام صاحب بھی شریک تھے۔ (۹۹)

مصر سے واپسی پر آپ سعودی عرب بھی گئے تھے۔ اور دوسرا حج ادا فرمایا تھا۔

حکومت مصر کی دعوت پر آپ دوسری مرتبہ ۱۹۶۵ء (مطابق محرم ۱۳۸۴ھ) میں مجمع البحوث الاسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے مصر گئے تھے۔ اور واپسی پر حج کی ادائیگی کے لئے سعودی عرب گئے تھے۔ جون ۱۹۶۵ء میں واپسی ہوئی تھی۔ جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب رقمطراز ہیں۔

حکومت مصر کے زیر اہتمام جامعہ ازہر نے قاہرہ میں علماء اسلام کی بین الاقوامی کانفرنس بلائی جس کے انعقاد کی تاریخیں مئی ۱۹۶۵ء میں مقرر کی گئی تھیں۔ اس کانفرنس میں حصہ لینے کی دعوت حضرت مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی کو بھی موصول ہوئی۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اس دعوت پر قاہرہ تشریف لے گئے۔ جمعیت کے دونوں قائدین کانفرنس کی مصروفیتوں سے فارغ ہو کر دیار حبیب کی زیارت کے لئے گئے اور جون ۱۹۶۵ء میں یہ دونوں حضرات وطن واپس تشریف لے آئے۔ (۱۰۰)

۲۹ ستمبر ۱۹۶۶ء (مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ) میں آپ تیسری مرتبہ مصری حکومت کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر عمرہ کی سعادت حاصل کی تھی۔ ۱۲ جولائی ۱۹۷۱ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ) کو آپ نے ایک وفد کے ہمراہ مصر، لیبیا، سوڈان، شام، لبنان، کویت اور سعودی عرب کا دورہ کیا تھا۔ عہد ساز قیادت میں ہے کہ ”۱۹۷۱ء کا سال بہت زیادہ دوڑ دھوپ میں گزرا۔ حضرت مفتی صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سال کے وسط میں مصر، لیبیا اور سعودی عرب کے دورے پر گئے۔“ (۱۰۱)

۱۹۷۱ء ہی میں آپ کو روس کے مسلمان علماء کی طرف سے ایک اسلامی کانفرنس میں شرکت کی دعوت ملی۔ مگر بروقت پاسپورٹ کے نہ ملنے کی وجہ سے آپ نہ جاسکے۔ عہد ساز قیادت میں ہے۔

اسی سال روس سے بھی مفتی صاحب کو ایک اسلامی کانفرنس میں شرکت کی دعوت ملی لیکن یحییٰ حکومت کے لیت و لعل سے وقت پر پاسپورٹ تیار نہ ہو سکا اور مفتی صاحب کا تاشقند جانا نہیں ہوا۔ (۱۰۲)

جنوری ۱۹۷۲ء میں ایک سرکاری وفد میں مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حج کا سفر فرمایا۔ جہاں وفد نے پاکستانی زائرین کے لئے کئے جانے والے فلاح و بہبود کے انتظامات کا جائزہ لینا تھا۔

اگلے سال ۱۹۷۳ء میں جبکہ آپ ان دنوں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے ایک وفد کے ہمراہ آپ نے حج ادا فرمایا۔ اس وفد میں آپ کے ہمراہ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک اور مولانا عبدالحکیم ایم این اے بھی تھے۔

۱۵ جنوری ۱۹۷۳ء کو آپ بمع وفد حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء نافذ ہوا۔ اس نے ۹۰ دن کے اندر ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ ملک میں خوب گہما گہمی تھی۔ کہ اس نے اچانک ۱۵ اکتوبر کو اعلان کر کے انتخابات ملتوی کر دئے۔ اس سے دل برداشتہ ہو کر مفتی صاحب عرب ممالک کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ چھ ہفتوں پر محیط اس دورہ میں آپ نے حج کی سعادت حاصل کی اور ۲۹ نومبر ۱۹۷۷ء کو پاکستان واپس تشریف لائے۔ ”مولانا مفتی محمود کی سیاسی زندگی“ میں ہے ”ان دنوں مولانا مفتی محمود عرب ممالک کے دورہ پر تھے۔ چھ ہفتوں کے غیر ملکی دورے کے بعد ۲۹ نومبر کو واپس کراچی پہنچے۔“ (۱۰۳)

اکتوبر ۱۹۷۸ء میں آپ نے حضرت الامیر حافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخوasti کی معیت میں حج کی سعادت حاصل کی۔

جولائی ۱۹۷۹ء میں آپ سعودی عرب کی حکومت کی دعوت پر مقابلہ حسن قراءت میں حج کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ راقم الحروف نے لکھا ہے کہ ”۱۹۷۹ء میں سعودی عرب میں ”مقابلہ حسن قراءت کانفرنس“ میں وہاں کی حکومت کی دعوت پر شریک ہوئے اور منصف کے فرائض انجام دیئے۔“ (۱۰۴)

مئی ۱۹۷۹ء میں آپ نے وزارت الاوقاف حکومت کویت کی دعوت پر کویت کا دورہ کیا۔ اسی سفر میں آپ نے ساؤتھ افریقہ کا بھی دورہ کیا۔ (۱۰۵)

۱۹۸۰ء میں آپ نے حکومت ایران کی دعوت پر ایک وفد کے ہمراہ ایران کا دورہ کیا۔ اور مارچ ۱۹۸۰ء میں ”صد سالہ جشن دارالعلوم دیوبند“ میں شرکت کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ سینکڑوں علماء کے وفد کی آپ نے قیادت کی تھی۔

مفتی صاحب کو جب عظیم الشان تاریخی اجتماع میں دعوت خطاب دی گئی۔ تو آپ نے اپنے خطاب کے آخر میں اسی طرح کے اجتماع کے انعقاد کی پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش میں تجویز پیش کی۔ اور آپ نے اپنی طرف سے اور اپنی جماعت ”جمعیت علماء اسلام“ کی طرف سے اس اجتماع کی میزبانی کی پیشکش بھی کر دی۔ آپ نے فرمایا ”اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ بالکل اسی انداز میں جس طرح دارالعلوم دیوبند میں صد سالہ جشن کا انعقاد کیا گیا ہے اس طرح پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان میں بھی خدمات سو سالہ دارالعلوم دیوبند کے اجتماعات کا انعقاد کیا جائے۔ تاکہ ایک طرف پوری دنیا کے سامنے دیوبند کا صد سالہ تاریخی کردار سامنے آئے اور دیوبند سے وابستہ کروڑوں افراد اپنے اکابرین کے علوم سے استفادہ کریں اور ان کے دیدار سے سیراب ہوں۔

پاکستان کے سلسلے میں، میں پیشکش کرتا ہوں کہ میں اور میری جماعت جمعیت علماء اسلام تمام تر سیاسی وابستگیوں اور مفادات سے بالاتر ہو کر اپنی مادر علمی کی خدمت کے جذبے کے پیش نظر اس اجلاس کی میزبانی اور اکابرین کی خدمات کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر دارالعلوم دیوبند براہ راست خود

میزبانی کرے تو خدام کی حیثیت سے بھی کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ میری اس تجویز کو اخلاص پر محمول کرتے ہوئے اس کو شرف قبولیت بخشا جائے گا۔“

مفتی صاحب کی اس پیشکش اور تجویز سے حضرت قاری محمد طیب صاحب ”سمیت سب حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ ایک طرف قاری صاحب نے اس کو بہت سراہا۔ دوسری طرف جمعیت علماء ہند کے اکابرین نے بھی اس کو پذیرائی بخشی۔ لیکن مفتی صاحب کے ساتھ زندگی نے وفا نہیں کی۔ اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ قدرت نے یہ اعزاز مولانا فضل الرحمن صاحب اور جمعیت علماء اسلام کے دیگر اکابرین کے حصہ میں لکھ رکھا تھا۔ تاخیر تو اس میں واقعہ ہوئی مگر اس کی کچھ وجوہات بھی تھیں۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھی

اور ”صد سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند“ کے سلسلے میں جس اجتماع کی پیشکش مفتی صاحب نے کر دی تھی وہ قرعہ قال ان کے لائق فائق فرزند مولانا فضل الرحمن امیر جمعیت علماء اسلام کے نام نکلا۔ اور یہ اجتماع ڈیڑھ صد سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کے نام سے صوبہ سرحد کے صدر مقام پشاور میں ۹، ۱۰، ۱۱ اپریل ۲۰۰۰ء کو منعقد کیا گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس اجتماع میں ملک بھر سے ۲۲ لاکھ افراد نے شرکت کی۔ دارالعلوم دیوبند سے مہتمم و شیخ الحدیث مولانا مرغوب الرحمن صاحب مدظلہ کی قیادت میں ۲۰ علماء پر مشتمل وفد، جمعیت علماء ہند کا وفد مولانا محمد اسعد مدنی کی قیادت، اور ایک وفد چار علماء پر مشتمل مولانا شاہ عالم صاحب کی قیادت میں شریک ہوا۔ اس کے علاوہ یو کے، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، لیبیا، بنگلہ دیش، جنوبی افریقہ اور افغانستان و ایران کے وفود نے شرکت کی۔

جب افغانستان کے امیر المجاہدین ملا محمد عمر کا کیسٹ کے ذریعہ ریکارڈ پیغام سنایا گیا تو یہ بڑا جذباتی منظر تھا۔

اس موقع پر تمام بزرگ علماء نے مولانا فضل الرحمن کی دستار بندی کی۔

لاحق بیماریاں اور علاج

مفتی صاحب قابل رشک صحت کے مالک تھے۔ محنت و مشقت کے عادی ورزشی جسم پایا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھاری جسم کے مالک تھے۔ پچاس سال کے عمر کے بعد متعدد بیماریاں لاحق ہوئیں ٹیسٹ کرانے پر پتہ چلا کہ شوگر کا مرض ہے جس کا اثر یہ ظاہر ہوا جیسا محمد شریف کیانی معاون مدیر قومی ڈائجسٹ نے آپ کی تمام بیماریوں کی تفصیل بیان کی ہے۔

مفتی صاحب کو شوگر اور پیر میں تکلیف کے علاوہ بھی اور کئی طرح کے امراض نے گھیر رکھا تھا۔..... پہلی بار بائیں

پیر کی چنگلیاں میں تکلیف شروع ہوئی تھی۔ انگلیوں کے درمیان زخم ہو جاتا۔ چار پانچ ماہ کے علاج سے یہ زخم ٹھیک ہو گیا۔ دوسرے سال حج پر گئے تو انگلی ٹھیک تھی لیکن داہنے پیر کے انگوٹھے میں سامنے کے رخ ایسا لمبا زخم نمودار ہو چکا تھا۔.....

..... ایک بار وزن بڑھ گیا تو دل کی تکلیف

شروع ہو گئی۔ کئی دن تک ہسپتال میں رہنا پڑا۔.....

..... مفتی کے جسم میں شوگر کی مقدار بڑھنے لگی تھی۔ اور

معاملہ گولیوں سے کنٹرول نہیں ہو رہا تھا ڈاکٹروں نے ان کے لئے انسولین تجویز کئے تھے۔..... پھر آہستہ آہستہ انہیں مفتی صاحب کو اینٹی بائیوٹک بھی لگانی

پڑ گئیں کیونکہ ان کے پاؤں میں زخم بھی تھا۔ (۱۰۶)

انگوٹھے کے زخم نے جب شدت اختیار کر لی اور ڈاکٹروں نے اس کے لئے آپریشن

تجویز کیا۔ تو مفتی صاحب نے بجائے اس کے کہ کسی اعلیٰ ہسپتال میں کسی اچھے سرجن سے آپریشن کراتے ڈیرہ اسماعیل خان کے بگوانی شمالی نام کے گاؤں کے مشہور جراح سے اس کا علاج کرایا۔

شروع میں اس نے پٹی لگوانی شروع کی مگر جب اس سے افاقہ نہ ہوا تو اس نے بھی انگوٹھے کے جوڑ کی ہڈی نکالنے کی تجویز پیش کر دی۔ اور بھری بیٹھک میں بغیر کسی نشے یا دوائی کے زخم کو ”الماں“ لگائی اور زور سے اس کے جوڑ کو توڑا۔ اور ہڈی باہر نکالی۔ اور پٹی لگادی۔ راقم الحروف بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ مگر عین آپریشن کے وقت ناقابل برداشت منظر کی وجہ سے باہر نکل گیا۔ لیکن مفتی صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اور جب بعد میں ان سے تکلیف کے بارے میں پوچھا جاتا تو مذاق میں بات کو ٹال دیتے۔ لیکن اس کے باوجود انگوٹھے کا زخم صحیح نہ ہو سکا تو سرجن سے رجوع کیا۔ CMH راولپنڈی کے ڈاکٹر آف سرجری جناب لیفٹیننٹ جنرل (ر) ڈاکٹر شوکت حسن صاحب اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

مجھے صحیح تاریخ یاد نہیں شاید ۷۸ء کے دنوں کی بات ہے مفتی صاحب نے مجھ سے رابطہ

قائم کیا۔ وہ سرکاری حکومت کی وساطت سے مجھ تک نہیں پہنچے تھے بلکہ میری شہرت

سن کر از خود اپنے علاج کے لئے آئے تھے۔ میں ان دنوں CMH پنڈی میں ہوتا تھا۔

وہ تقریباً اتنی دن میرے زیر علاج رہے۔ ملک کی ایک اہم سیاسی شخصیت تھے۔ اس لئے

ہم نے VIP کی طرح ان کی دیکھ بھال کی اور علاج معالجہ پر جتنا خرچ بھی اٹھا وہ حکومت

نے برداشت کیا۔ مفتی صاحب کے ایک پاؤں کے انگوٹھے سے پیپ رستی رہتی تھی۔

CMH پنڈی آنے سے پہلے وہ کراچی میں علاج کراتے رہے تھے۔ ڈاکٹر بیرونی طور پر

دوا میں لگا کر اور مفتی صاحب کو اینٹی بائیوٹک استعمال کرا کر زخم کا علاج کرتے۔ اس سے

وقتی طور پر انہیں کچھ آرام آ جاتا۔ لیکن چونکہ تکلیف اور فساد کی اصل جڑ اپنی جگہ

بدستور موجود رہتی اس لئے کچھ عرصہ بعد ان کی تکلیف دوبارہ عود کر آتی۔ ہم نے

CMH میں مفتی صاحب کے ایکمرے لئے اور خون پیشاب کے ٹیسٹ لئے تو انکشاف

ہوا انہیں شوگر کے علاوہ بلڈ پریشر اور شریانوں میں کیلشیم کی تکلیف بھی ہے ایک چیز

ہوتی ہے کولیسٹرول۔ یہ خون کی نالیوں میں زیادہ عرصہ تک موجود رہے تو پھر کیلشیم آتی

ہے اور یہ تکلیف یا شکایت جسم کے مختلف حصوں میں ہو سکتی ہے مثلاً ناگوں میں یا دماغ میں۔ یہ ایک ایسا مرض ہے کہ ڈاکٹر اسے دواؤں کے ذریعے کنٹرول تو کر سکتے ہیں لیکن ایک بار اگر یہ صورت پیدا ہو جائے تو پھر اسے بدلا نہیں جاسکتا۔ اس کے برعکس اس کی زیادتی بڑھنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

جناب ڈاکٹر ملک شوکت حسن صاحب نے مفتی صاحب کے تمام امراض کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مفتی صاحب کے ان امراض کا علاج کیسے کیا۔ مزید بیان جاری رکھتے ہوئے وہ اس کی تفصیل بتاتے ہیں۔

میرا کام بحیثیت سرجن مفتی صاحب کے انگوٹھے کے زخم کا علاج کرنا تھا۔ باقی امراض اور تکالیف کی دیکھ بھال اور علاج فزیشن کی ذمہ داری تھی۔ لیکن ہم لوگ یعنی سرجن اور فزیشن دونوں مل کر سوچتے کیونکہ آپریشن بہر حال ٹوٹل علاج کا ایک جزو تھا۔ ایکسرے اور لیبارٹری رپورٹوں کی روشنی میں میں نے مفتی صاحب کے انگوٹھے کے آپریشن کا فیصلہ کیا۔ مجھے پیر کا بڑھا ہوا حصہ کاٹنا تھا۔ شوگر کے مرض کی ایک پیچیدہ صورت تھی اس مرض میں یوں ہوتا ہے کہ اگر تک کر باقاعدگی سے علاج نہ کرایا جائے اور مریض کو مناسب آرام و سکون میسر نہ ہو تو اعصاب اور ریشے سن ہو کر آہستہ آہستہ بالکل مردہ ہو جاتے ہیں اور متاثرہ حصے میں زندگی کا احساس ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ مفتی صاحب کے انگوٹھے کے زخم کی بھی یہی کیفیت تھی۔ شوگر کی وجہ سے ان کے انگوٹھے میں مردہ اعصاب اور ریشوں کا ایک گچھا سا بن گیا تھا اور اس سے پیپ بہتی رہتی تھی۔ طبی اصطلاح میں ہم اسے ”سلف“ کہتے ہیں۔ میں نے زخم کھول کر اس ”سلف“ کو کاٹ کر نکال دیا اور صحت مند ریشے اور اعصاب باقی رہنے دیئے۔

مفتی صاحب کے پیر کا آپریشن تھا اس لئے یہ کوئی خطرناک آپریشن نہیں تھا۔ آپریشن کو چھوٹا یا بڑا، کے خانوں میں تقسیم کرنا درست نہیں۔ آپریشن چھوٹا ہو یا بڑا سرجن کو بہر حال پوری توجہ اور دھیان سے کرنا پڑتا ہے مجھے مفتی صاحب کے انگوٹھے کے آپریشن میں تقریباً آدھ گھنٹہ لگا۔ آپریشن کامیاب رہا۔ زخم تیزی سے مندمل ہونے

لگا۔ اور ان کا پیر بڑی حد تک ٹھیک ہو گیا۔ اس دوران باقی امراض کا علاج بھی ہوتا رہا۔ کچھ دواؤں کچھ ڈائنٹ (خوراک) کنٹرول سے۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب ہسپتال سے رخصت ہوتے وقت مفتی صاحب کی صحت کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مفتی صاحب ہسپتال سے رخصت ہوئے تو ان کی صحت بدرجہا بہتر تھی بلڈ پریشر اور شوگر کنٹرول کر لیا گیا تھا انگوٹھے کا زخم بھی ٹھیک ہو چلا تھا۔ (۱۰۷)

ان دنوں مفتی صاحب کے ڈرائیور ظہور احمد آف لاہور تھے جو کہ مولانا عبید اللہ انور کے مرید تھے اور انہی کے حکم پر وہ ان دنوں مفتی صاحب کے ڈرائیور، خادم اور ڈسپنسر تھے۔ حالانکہ اپنا بہت اچھا کاروبار تھا۔ وہ CMH میں آپریشن کرانے کے بعد مفتی صاحب کی صحت کے بارے میں بتاتے ہیں۔

وہ سی ایم ایچ سے آپریشن کے بعد لاہور تشریف لائے تو میں ہی ان کا پرائیویٹ ڈسپنسر ہوتا۔ ان کے پاؤں کی پٹی کرتا۔ پیشاب ٹیسٹ کرواتا۔ انہوں نے پاؤں کا آپریشن بھی پاؤں سن کئے بغیر کروایا تھا۔ ایک دن پٹی کرتے ہوئے میں نے دیکھا چھ انچ لمبا زخم تھا۔ (۱۸۰)

اور یہی بات ایک مضمون میں مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی لکھی ہے۔ پچھلے دنوں جب میں اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن تھا تو کثرت سے اسلام آباد جانا ہوتا تھا۔ اسی زمانے میں مفتی

صاحب پاؤں کے انگوٹھے کے آپریشن کے سلسلے میں کافی مدت تک CMH میں مقیم رہے وہاں مفتی صاحب کی خدمت میں طویل طویل نشستیں رہیں۔

اسی دوران حضرت مفتی صاحب کا یہ حیرت انگیز کمال بھی علم میں آیا۔ کہ ان کے انگوٹھے کا کئی انچ گہرا آپریشن اس طرح ہوا کہ مفتی صاحب نے بے ہوش یا سن کرنے والی دوا استعمال کرنے سے انکار کر دیا

تھا۔ ڈاکٹروں نے اصرار بھی کیا کہ یہ خاصا طویل آپریشن ہے اور سن کئے بغیر سخت تکلیف ہوگی۔ لیکن مفتی صاحب نہ مانے اور بالآخر سن کئے بغیر یہ آپریشن کیا گیا۔ (۱۰۹)

لیکن بعد میں مفتی صاحب کو ایک اور تکلیف بھی ہو گئی تھی۔ وہ پھیپھڑوں میں پانی کا جمع ہونا ہے جس سے ان کو سانس میں تکلیف ہونے لگی اور لیٹتے وقت بوجھ محسوس کرتے جس سے آرام کرنا بڑا مشکل ہو جاتا۔ مفتی صاحب کی اہلیہ محترمہ نے ایک انٹرویو میں جب ان سے ان کی بیماری یا جسمانی تکلیف کے بارے میں پوچھا گیا، بتایا۔

اس رمضان میں (یعنی وفات سے ڈھائی ماہ پہلے) انہیں تکلیف ہو گئی تھی کہ وہ آرام سے لیٹ نہیں سکتے تھے۔ ہمارے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر کہتے ہیں پھیپھڑوں میں پانی بھر گیا ہے اور میرا بھی یہی خیال ہے کیونکہ جب میں لیٹتا ہوں تو تھوڑی دیر بعد بوجھ سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ لیکن جب اٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں تو آرام آ جاتا ہے۔ رات کو سوتے سوتے اچانک اٹھ کر بیٹھ جاتے ہم پوچھتے تو بتاتے کہ سینے پر بوجھ سا محسوس ہو رہا ہے تھوڑی دیر بعد ذرا افاقہ محسوس ہوتا تو دوبارہ لیٹ جاتے۔ (۱۱۰)

مولانا فضل الرحمن صاحب نے بتایا۔

جج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جس دن مفتی صاحب نے ملتان سے کراچی روانہ ہونا تھا اس سے قبل رات کو نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد ملتان کے مشہور معالج، حکیم حاذق حنیف اللہ خان صاحب نے مفتی صاحب کا طبی معائنہ کیا۔

حکیم صاحب نے مفتی صاحب کو سفر جج پر نہ جانے کا مشورہ دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آپ ۱۶ دن تک میرا علاج کرائیں۔ لیکن شرط یہ ہوگی کہ ان ۱۶ دنوں میں آپ کوئی عمل نہیں کریں گے۔ اور صرف میری ہی ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہوں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔ حکیم صاحب نے مفتی صاحب کو بتایا کہ آپ کا دل بہت کمزور ہے۔ اگر خدا نخواستہ ایک بھی دورہ آیا وہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ وہ اس کا آخری دورہ ہو گا۔ مفتی صاحب

نے جواباً فرمایا حکیم صاحب آپ مجھے بے عمل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر تو ایسی ”بے عملی“ کے لئے قبر ہی اچھی جگہ ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں میں عمل و حرکت نہیں چھوڑ سکتا۔ اور حکیم صاحب موت کا جو دن مقرر ہے اس کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ وہ اسی دن آکر رہے گی۔ پھر بے عمل ہو کر زندگی کے بقیہ دن کیوں گزاروں۔

مفتی صاحب کے معالج خصوصی ڈاکٹر محمد رحمن صاحب (جو کہ اس وقت جناح میڈیکل سنٹر کراچی سے منسلک تھے۔ ہارٹ سپیشلسٹ اور سرجن ہیں۔ اور آج کل رحمن میڈیکل سنٹر حیات آباد پشاور سے منسلک ہیں جو کہ انہیں کے نام پر اس سنٹر کا نام رکھا گیا ہے) وہ مفتی صاحب کے امراض کے بارے میں بتاتے ہیں۔

مفتی صاحب کو بنیادی طور پر دو بیماریاں تھیں۔ گردوں کی تکلیف اور شوگر کی تکلیف البتہ کبھی کبھی آپ کو دل میں ہلکا سا درد محسوس ہوتا تھا۔ جو اتنی خطرے والی بات نہیں تھی کیونکہ یہ کوئی باقاعدہ بیماری نہیں ہے۔ عموماً اس عمر میں استطاعت سے زیادہ محنت کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔

مفتی صاحب میرے پاس اڑھائی سال تک زیر علاج رہے۔ میں نے ان کے جتنے بھی میڈیکل ٹیسٹ لئے دل میں تکلیف نام کو بھی نہ تھی۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ آپ کا انتقال دل کے دورہ سے ہوا مفتی صاحب کے پھیپھڑوں میں پانی تھا۔ گردوں میں تکلیف کی وجہ سے بدن اکثر سوج جاتا تھا۔ پاؤں کے انگوٹھے میں سوجن بھی تھا۔ جو کہ شوگر کی بیماری میں عام طور پر ہو جاتا ہے پھر بخار اور گردوں پر بوجھ جسمانی طور پر بہت کمزور کر دیتے تھے۔

میں نے مفتی صاحب کو مختلف اوقات میں تین مرتبہ چیک کیا تینوں مرتبہ آپ کو شدید بخار تھا۔ اور پاؤں میں انفیکشن کی وجہ سے بدن سوجا ہوا تھا انفیکشن کے لئے علاج انہیں انسولین دی جاتی تھی وہ انسولین سے ٹھیک ہو جایا کرتے تھے۔

انتقال سے ایک روز پہلے انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا ”میں پرسوں حج پر جا رہا ہوں چلتے وقت طبی معائینہ ضروری ہے۔ اس وقت مفتی صاحب کی صحت بہت اچھی تھی۔ ڈاکٹر صد میرے ساتھ تھے۔ (۱۱۱)

اتنی بیماریوں اور جسمانی تکالیف کے باوجود مفتی صاحب کبھی شکایت زبان پر نہ لاتے۔ اور نہ ہی ان کا تذکرہ کرنا پسند کرتے بلکہ ان تکالیف کے باوجود خوش طبعی اور شگفتگی میں کبھی فرق نہ لاتے۔ اور ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے حسب روایت بے تکلف دوستوں اور شاگردوں کی محفل میں مزاح بھی کرتے جو شرعی حدود کے اندر ہوتی۔

حج کے لئے روانگی، کراچی آمد اور مصروفیات

مفتی صاحب نے اپنی حیات مستعار میں متعدد بار حج و عمرہ کی سعادت حاصل کی ہے۔ اپنی زندگی کے آخری حج کے بارے میں ایک دفعہ اپنے گھر عبدال خیل میں اپنی اہلیہ محترمہ کے سامنے حج کے ارادہ کا اظہار یوں فرمایا۔ وہ کہتی ہیں ”حج پر جانے سے ایک دن پہلے صحن میں پیڑھی پر بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ وضو سے فارغ ہو کر کہنے لگے۔ یہ تو اس صدی کا آخری حج ہے نہ معلوم ہم بھی ادا کر سکیں گے یا نہیں۔“ (۱۱۲)

۱۲ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو حضرت مفتی صاحب عبدال خیل سے ملتان پہنچے۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو وہاں سے کراچی کے لئے سفر حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ (۱۱۳)

کراچی آمد کے سلسلے میں آپ کی آمد اور قیام اور دیگر مصروفیات کے بارے میں مولانا محمد جمیل خان شہید صاحب لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب نے آخر ایک مرتبہ فرمایا کہ اس مرتبہ حج کرنے کو بہت زیادہ دل چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ حج اس صدی کا آخری حج ہے۔ اس دفعہ حج کی سعادت نصیب ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے پچھلی پوری صدی کے گناہ معاف فرمادیں۔

یہی جذبہ تھا کہ جس نے حضرت مفتی صاحب کو اس حج پر آمادہ کیا۔ اور آپ نے اس کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ اس طرح آپ کا حج پر جانا طے ہوا اس دفعہ خلاف توقع حضرت مفتی صاحب نے جمعہ کی نماز (۱۰ اکتوبر ۱۹۸۰ء) بہت اہتمام کے ساتھ قاسم العلوم (ملتان) کی مسجد میں پڑھائی۔ اور قاسم العلوم والوں نے بڑے اہتمام کو حضرت مفتی صاحب کو حج کے لئے روانہ کیا۔ ورنہ قاسم العلوم والے مفتی صاحب کا حج سے واپسی پر استقبال کرتے تھے۔ جبکہ آپ حج پر بہت چپکے سے تشریف لے جاتے۔ ۱۱ اکتوبر کو ابجے آپ ملتان سے کراچی کے لئے روانہ ہوئے اس بناء پر ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء سے ایک بجے حضرت مفتی صاحب کی فلائٹ کو ملتان سے کراچی پہنچنا تھا۔ احباب ایئر پورٹ پر استقبال کے لئے گئے۔ چونکہ مجھے دفتر جنگ میں کام کرنا تھا اس بناء پر میں ایئر پورٹ حاضر نہ ہو سکا۔ شیخ محمد حنیف صاحب جس کے یہاں بیماری کے بعد حضرت مفتی صاحب قیام فرماتے ہیں۔ انہوں نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ سید حامیرے گھر چلیں (کیونکہ حضرت مفتی صاحب ہمیشہ پہلے جامعہ بنوری ٹاؤن تشریف لے جاتے تھے پھر شام کو شیخ صاحب کے یہاں رات قیام کے لئے جاتے) حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ شیخ صاحب پہلے جامعہ بنوری ٹاؤن جاؤں گا اور اپنی ”برادری“ سے ملوں گا پھر شام کو آپ کے گھر چلوں گا۔ آخر کار آپ ایئر پورٹ سے سیدھے جامعہ بنوری ٹاؤن پہنچے۔

۱۵ اکتوبر کو حضرت مفتی صاحب کی فلائٹ میں شیخ محمد حنیف کے ساتھ سینیٹس بک تھیں۔ اگرچہ حج کی آخری فلائٹ تو تیرہ تاریخ کو گئی۔ مگر چونکہ حضرت مفتی صاحب کا ویزہ حج کا نہیں بلکہ خصوصی طور پر سعودی حکومت نے جاری کیا تھا۔ اس لئے آپ ۱۵ تاریخ کی حج فلائٹ سے روانہ ہونے کے لئے تیار ہوئے اس طرح تقریباً ۴ دن حضرت مفتی صاحب کو کراچی میں مل گئے۔ (۱۱۴)

یہ چاروں دن مفتی صاحب نے کراچی میں خوب مصروف گزارے انہی دنوں میں آپ کا روزانہ معمول رہا کہ آپ کچھ دیر کے لئے ضرور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن تشریف

لاتے۔ انہی دنوں میں آپ نے ڈاکٹر محمد رحمن اور ڈاکٹر صد سے طبی معائنہ بھی کرایا۔ ڈاکٹر محمد رحمن صاحب نے جناب زاہد بلند شہری معاون مدیر ”ترجمان اسلام“ لاہور کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں بتایا۔

انتقال سے ایک روز پہلے انہوں نے مجھے بلوایا اور فرمایا ”میں پرسوں حج پر جا رہا ہوں چلتے وقت طبی معائنہ ضروری ہے۔“ اس وقت مفتی صاحب کی صحت بہت اچھی تھی۔ ڈاکٹر صد میرے ساتھ تھے۔ میں نے مفتی صاحب سے ازراہ مزاح کہا۔ مفتی صاحب! آپ تو پھر سے جوان ہو گئے ہیں۔ مفتی صاحب فرمانے لگے اللہ کا کرم ہے اس نے صحت دی ہے۔ انہوں نے فوراً ای سی جی کرائی۔ اس موقع پر بھی دل میں کوئی خاص نقص نہیں تھا۔ پھیپھڑے بالکل صاف تھے اور بخار بھی نہیں تھا۔ مفتی صاحب کی اتنی اچھی صحت میں نے پچھلے اڑھائی سالوں میں نہیں دیکھی۔ انگوٹھے میں البتہ معمولی سازخم تھا۔ میں نے سپرٹ سے صاف کر کے مرہم لگا دیا اور عرض کیا ”ان شاء اللہ یہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں دے گا آپ راتے میں انگوٹھے کو سپرٹ سے صاف کر کے مرہم لگا دیا کریں۔ (۱۱۵)

۱۳ اکتوبر کو جناب پیر پگڑا سے ملاقات کے ان کے بنگلہ پر تشریف لے گئے تھے۔ شام کا کھانا بھی انہی کے ہمراہ کھایا تھا۔ (۱۱۶)

۱۴ اکتوبر کو صبح پروگرام کے مطابق آپ سے ملاقات کے لئے جناب خان عبدالولی خان صاحب، جناب شیر باز خان مزاری اور جناب عابد زبیری صاحب تشریف لائے۔ ان سے ملکر سیاسی حالات پر گفتگو کی۔ (۱۱۷)

اور پھر آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے چیدہ چیدہ علماء کرام و مفتیان عظام کو ملاقات کے لئے بلایا تھا۔ اور ان سے زکوٰۃ کے مسئلے پر بات چیت کرنی تھی۔ ۱۲:۵۰ بجے پر آپ نے ان سے ”زکوٰۃ کے مسئلہ“ پر گفتگو کا آغاز کیا۔ ابھی تقریباً پندرہ

منٹ ہی گزرے تھے کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔

جبکہ مولانا جمیل خان شہید نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب کے میزبان شیخ محمد حنیف کے بقول ڈاکٹر صد صاحب نے مفتی صاحب کی صحت کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ ان کو مکمل آرام کا مشورہ دیا۔ اور حج پر نہ جانے کا مشورہ دیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

کراچی میں آپ کے دو خصوصی معالج ڈاکٹر عبدالصمد صاحب اور سر جن محمد رحمن آپ کو روزانہ آکر چیک کرتے ان کو آپ کی صحت کی طرف سے بہت تشویش تھی وہ بار بار یہ کہتے رہے کہ حضرت مفتی صاحب آپ کو آرام کی شدید ضرورت ہے مگر آپ ہنس کر ٹال دیتے۔ مفتی صاحب کے میزبان شیخ محمد حنیف صاحب کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر عبدالصمد صاحب نے حج پر تشریف لے جانے سے قبل فرمایا کہ مفتی صاحب کی صحت بہت خراب ہے آپ اول تو یہ کوشش کریں کہ مفتی صاحب حج پر نہ تشریف لے جائیں۔ اگر وہ راضی نہ ہوں تو مفتی صاحب کے آرام کا بہت زیادہ خیال رکھیں۔ ڈاکٹر نقطہ نظر سے آپ کا یہ عمل آپ کی صحت کے لئے بہت مضر ہے۔ مگر مفتی صاحب ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ چند روزہ زندگی ہے۔ اچھا ہے کسی کام ہی آجائے۔ (۱۱۸)

وفات حرت آیات

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں اس اہم اجلاس میں شریک علماء حضرات میں سے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی جمیل خان شہید اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ نے آپ کی وفات کے واقعہ کو تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اور تقریباً سب نے ایک ہی قسم کے واقعات ذکر کئے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے۔

حضرت مفتی صاحب اپنے پہلے نکتے سے فارغ ہو چکے تھے اور دوسرے نکتے کو بیان کرنے سے پہلے بات کو سمیٹ رہے تھے کہ احقر نے، جو ان کے بالکل سامنے بیٹھا تھا، چہرے پر اچانک معمولی سی کمزوری اور سفیدی محسوس کی اور چند لمحوں کے لئے ہونٹوں میں ہلکی سی لرزش بھی پیدا ہوئی اسی حالت میں اچانک حضرت مفتی صاحب نے اپنا بایاں ہاتھ پیشانی اور سر پر رکھا اور کچھ کہے بغیر بائیں کروٹ پر گر گئے۔ یہ سب کچھ چند ثانیوں میں اس قدر آٹاناً ہو گیا کہ ہم سب حیران و پریشان رہ گئے۔ کسی نے منہ میں پانی ڈالا۔ کسی نے قلب کی مالش شروع کر دی۔ کوئی ڈاکٹر کی تلاش میں دوڑا۔ حواس مجتمع کرنے پر اندازہ یہ ہوا کہ دل کا دورہ پڑا ہے۔ اس کے باوجود کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ آپ کے صرف چند لمحوں کے سانس باقی رہ گئے ہیں۔ دل کے تکلیف کے وقت جو فوری دوا دی جاتی ہے وہ بھی زبان کے نیچے رکھ دی گئی تھی۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے نبض اور سانس دونوں غائب تھے۔ امراض قلب کے ہسپتال میں فون کیا گیا تو ڈاکٹر صاحبان نے صورت حال سننے کے بعد فوراً ہسپتال لانے کا مشورہ دیا۔ ہم انہیں ہسپتال لے گئے۔ وہاں ڈاکٹر صاحبان ہسپتال سے باہر پہلے سے منتظر تھے۔ اور انہوں نے گاڑی ہی میں اپنی کاروائی شروع کر دی۔ بعد میں ایمر جنسی وارڈ لے جا کر تقریباً نصف گھنٹہ تک ڈاکٹر صاحبان کوشش کرتے رہے یہ نصف گھنٹہ انتہائی امید و بیم کی حالت میں گزرا۔ لیکن پیغام اجل آپہنچا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر سید سلیم نے باہر نکل کر افسردہ لہجے میں بتایا کہ کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ حضرت مفتی صاحب کی روح ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی پرواز کر چکی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (۱۱۹)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی وفات کا واقعہ ذرا زیادہ تفصیلات کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

آج حضرت مفتی صاحب معمول سے زیادہ ہشاش بشاش نظر آئے۔ حضرت مفتی صاحب کے یاد فرمانے پر جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی اور جناب مولانا محمد تقی عثمانی قانون زکوٰۃ کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کرنے کے لئے تشریف

لائے۔ قریباً ساڑھے بارہ بجے رفیق محترم جناب مولانا محمد جمیل خان (شہید) صاحب راقم الحروف کو باصرار مفتی صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ اس ناکارہ کو ان حضرات کی تشریف آوری کا علم نہیں تھا۔ اور نہ ہی موضوع گفتگو کے بارے میں کچھ خبر تھی۔ اس وقت مجلس میں یہ حضرات موجود تھے۔ جناب مولانا طاسین صاحب مجلس علمی کراچی، مولانا مفتی احمد الرحمن، مولانا محمد رفیع عثمانی، مولانا محمد تقی عثمانی، صاحبزادہ مولوی محمد بنوری اور مولانا جمیل خان (شہید)۔ تھوڑی دیر میں جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر بھی تشریف لائے (بعد میں معلوم ہوا کہ ان کو بھی حضرت مفتی صاحب نے بطور خاص یاد فرمایا تھا) کوئی پندرہ بیس منٹ تک لطف و مزاح کی باتیں ہوتی رہیں۔

..... کہ فقرہ مکمل کر کے ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئے بایاں ہاتھ پیشانی پر رکھا اور یکایک بائیں پہلو کی طرف مائل پیچھے کو گر گئے۔ اس جانب جناب صاحبزادہ مولوی محمد بنوری بیٹھے تھے ان کی گود میں آرہے۔ آج تک کسی کو اتنی آسانی سے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے کسی کو وہم بھی نہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب زبان حال سے ”لَسْتُ عَلٰی صَحْبَتِکُمْ بِحَرِیص“ کہتے ہوئے ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکے ہیں۔ ہم سب یہی سمجھے کہ دل کے دورہ کی وجہ سے سکتہ کی سی بیہوشی ہو گئی ہے اس لئے مولانا طاسین نے منہ میں پانی ڈالا راقم الحروف نے زور سے مقام قلب کو مسنا شروع کیا۔ ڈاکٹر عبدالرزاق اور مفتی احمد الرحمن صاحب نے پاؤں کی مالش شروع کر دی۔ مولانا محمد رفیع صاحب نے زبان کے نیچے وہ دوائی رکھی جو شدید دورہ قلب میں دی جاتی ہے مولانا تقی عثمانی،

مولانا محمد بنوری اور مولانا محمد جمیل خان (شہید) ڈاکٹروں کی طرف دوڑے مگر وہاں کیا رکھا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے وقفہ وقفہ سے دو چار ہچکیاں لیں اور ابدی فیند سو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ راقم الحروف نے مصنوعی دانت اپنے ہاتھ سے نکالے اور آنکھ پر سے چشمہ اتار زندگی کی تمام علامتیں ختم ہو چکیں تھیں۔

اور یقین آچکا تھا کہ حضرت مفتی صاحب کی روح پرواز کر چکی ہے لیکن ان کے معالج ڈاکٹروں کا اصرار تھا کہ انہیں ہسپتال ضرور لایا جائے چنانچہ ہسپتال لے گئے۔ اور آدھ گھنٹے تک نظام تنفس جاری کرنے کی کوشش کی گئی بالآخر اشک بار آنکھوں سے جناب ڈاکٹر اسلم صاحب اور ان کے رفقاء نے موت کی تصدیق کر دی۔ (۱۲۰)

مولانا محمد جمیل خان شہید نے لکھا ہے کہ ”جس گاڑی میں مفتی صاحب کو ہسپتال لے جایا گیا وہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی مسجد کے باہر ایک ڈکاندار جاوید محمد کی ملکیت تھی اور وہ ”سوزو کی“ تھی۔“

جنازہ و تدفین

مولانا جمیل خان شہید لکھتے ہیں۔

(۱۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء مطابق ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۰۰ء بروز منگل) دو بجے (بعد از دوپہر) حضرت مفتی صاحب کی وفات کا اعلان کر دیا گیا۔ ساتھی تمام جمع ہوئے کہ آپ کی تدفین کہاں کی جائے۔ ملتان میں صاحبزادہ فضل الرحمن صاحب کو ٹیلیفون پر اطلاع دی گئی۔ اور ان کی رائے کے مطابق میت کو ڈیرہ اسماعیل خان لے جانے کی تیاری کی گئی۔ احباب جمع ہوئے کہ جہاز چارٹر کر لیا جائے اتنے میں گورنر صاحب کی طرف سے ٹیلی فون آیا کہ صدر صاحب کو اطلاع مل گئی ہے اور انہوں نے حضرت مفتی صاحب کی خدمات کو محسوس کرتے ہوئے ان کے لئے فضائیہ کا جہاز بھیجنے کی پیشکش کی ہے۔ اور وہ چھ بجے روانہ ہو گا۔ اس لئے نماز (جنازہ) کا اعلان عصر کے بعد کیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ایئر فورس کا طیارہ رات کو ملتان ایئر پورٹ پر نہیں اتر سکتا۔ اس لئے دوسرے دن صبح جہاز میں میت جائے گی۔ عشاء کی نماز کے بعد جنازہ کا اعلان کر دیا گیا۔ مدرسہ کے اسی مہمان خانہ میں غسل کا اہتمام کیا گیا جس میں آپ تشریف رکھتے تھے۔ قاری عبدالحق صاحب اور مولانا عبد القیوم نعمانی نے طلبہ کی امداد سے حضرت مفتی صاحب کو غسل

دیا۔ غسل کے بعد آپ کی میت کو جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں دیدار عام کے لئے رکھ دیا گیا۔ عشاء کی نماز تک ہزاروں افراد نے آپ کا دیدار کیا۔ عشاء کی نماز میں پوری مسجد اور مدرسہ لوگوں سے بھر گیا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد جنازہ نماز کے لئے رکھا گیا۔ گورنر سندھ، نواب صاحب (نوابزادہ نصر اللہ خان) ولی خان، پگڑا صاحب اور ملک کے دوسرے تمام بڑے بڑے رہنما آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ جنازہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ قبلہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے پڑھایا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کی نماز جنازہ میرے لئے باعث نجات ثابت ہو گا۔ جنازہ کے بعد نعش مبارک دارالحدیث میں دیدار کے لئے رکھ دی گئی۔ تمام رات ہزاروں افراد آپ کی زیارت کرتے رہے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن کے طلبہ تمام رات آپ کے سرہانے تلاوت کلام پاک میں مصروف رہے طلبہ نے جس لقمہ وضبط کا مظاہرہ کیا۔ وہ قابل ستائش ہے۔ صبح نماز فجر سے پہلے آپ کی میت ایسولینس میں رکھ دی گئی۔ ایئر پورٹ پر مفتی احمد الرحمن کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی گئی۔ نماز فجر کے بعد میت کو جہاز میں رکھا گیا۔ اس سے قبل ایئر فورس کی طرف سے میت کو سلامی پیش کی گئی۔ تقریباً سات بجے جہاز اڑا اور پورے آٹھ بجے جہاز ملتان ایئر پورٹ پر اترا۔ ملتان ایئر پورٹ پر ہزاروں افراد کا غمزدہ ہجوم موجود تھا۔ میت کو ایک ٹرک پر رکھ کر سپورٹس گراؤنڈ ملتان لے جایا گیا۔ نماز جنازہ حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی مدظلہ نے پڑھائی۔ ہجوم کا اصرار تھا کہ دیدار عام کرایا جائے مگر ڈیرہ اور عبدل خیل جانے کی وجہ سے ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ نو بجے ڈیرہ کی طرف جانا تھا مگر پتہ چلا کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب ڈیرہ میں مفتی صاحب کا خود استقبال فرمائیں گے۔ جہاز تین گھنٹے مؤخر کر دیا گیا۔ اتنے میں مولانا عبید اللہ انور اور میاں طفیل محمد صاحب وغیرہ ایئر پورٹ پہنچ گئے اس لئے ایئر پورٹ پر تیسری مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور یہ نماز مولانا عبید اللہ انور صاحب نے پڑھائی۔

ذاتی اوصاف و کمالات

مفتی صاحب کی ساری جدوجہد دین اسلام کی سر بلندی کے لئے تھی۔ اس لئے دینی معاملات میں کبھی غفلت و کوتاہی کو روانہ نہ رکھتے تھے۔ آپ روزانہ تہجد کا اہتمام کرتے اور اپنے معمولات کو ہر حال میں پورے کرتے۔ باجماعت نماز کا ہمیشہ التزام فرماتے۔ قاری سعید الرحمن جو کہ راولپنڈی میں آپ کے میزبان رہے ہیں اور غیر ملکی سفر میں شریک سفر۔ وہ لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب عام طور پر رات کو دیر سے سوتے تھے۔ کبھی کبھی دو اڑھائی بج جاتے لیکن صبح سویرے تہجد کے وقت ضرور اٹھتے۔ اور اپنی معمولات پوری کرتے۔ اور بعد نماز فجر تھوڑی دیر کے لئے آرام فرماتے جب بھی کسی تقریب یا دعوت میں جاتے تو وہاں سب سے پہلے نماز کا اہتمام فرماتے اور اس کے بعد پروگرام وغیرہ میں شرکت کرتے۔
مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

مفتی صاحب ایک عالم باعمل، عارف باللہ اور ہمارے بزرگوں کی اعلیٰ مجاہدانہ روایات کے محافظ و امین تھے قدرت نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تحمل و بردباری میں اپنی مثال آپ تھے جس قدر ان کا ظاہر خوبصورت تھا اس قدر ان کا باطن بھی خوبصورت تھا۔

مولانا مفتی محمود کی علمیت، ملکی حالات پر گہری نظر، خدا پرستی اور بے لوث دینی خدمت کے جذبے نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ ملک کا ہر شخص ان کی علمی قابلیت کا معترف تھا۔ اور علمی اور فقہی مسائل کے سلسلے میں ان کی رائے حتمی سمجھی جاتی تھی۔ علوم حدیث کے لئے طلبہ کا ان کی طرف بکثرت رجوع تھا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں سنا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی احکام کی پیروی انہوں نے سیاسی میدان میں کبھی ترک نہیں کی۔ مگر آنکھوں سے اس پر کسی کو عمل پیرا دیکھا تو وہ مفتی محمود تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی میں سیاسی اتار چڑھاؤ کے باوجود کبھی احکام

تقریباً بارہ بجے ملتان ایئر پورٹ سے جہاز روانہ ہوا اور پون گھنٹہ بعد ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ گیا۔ ڈیرہ میں گورنر سرحد، اعلیٰ سول اور فوجی حکام اور ہزاروں افراد موجود تھے ڈیرہ اسماعیل خان میں مکمل تعطیل تھی۔ اور ایئر پورٹ سے جنازہ گاہ تک دونوں طرف ہزاروں افراد کھڑے ہوئے تھے ڈیرہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ (ڈیرہ میں نماز جنازہ حضرت صاحبزادہ مولانا محمود صاحب خانقاہ یسین زئی کی امامت میں ادا کی گئی) وہاں سے مفتی صاحب کی میت کو ایک کھلی دینگن میں رکھ کر ہزاروں گاڑیوں کے جلوس میں عبدالخیل لے جایا گیا۔ عبدالخیل میں ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آرہے تھے پتہ چلا کہ صدر پاکستان کچھ دیر بعد پہنچنے والے ہیں۔ تین بجے کے قریب صدر صاحب (جنرل ضیاء الحق، چوہدری ظہور الہی، چوہدری صفدر، جنرل سوار خان اور کرنل سالک وغیرہ کے ہمراہ) پہنچے۔ اور نماز جنازہ کی تیاری ہوئی۔ نماز جنازہ سے قبل صاحبزادہ فضل الرحمن صاحب کی دستار بند کی گئی۔ (دستار بندی حضرت صاحبزادہ احمد صاحب خانقاہ یسین زئی کے دست مبارک سے ہوئی) صاحبزادہ فضل الرحمن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (وہ خود ملتان سے جہاز کے ذریعے کراچی پہنچے تھے اور میت کے ساتھ واپس آئے تھے، مگر اس سے قبل کسی جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تھے) نماز کے بعد حضرت مفتی صاحب کو ان کی آخری آرام گاہ کی طرف لے جایا گیا۔ صدر پاکستان نے جنازہ کو کندھا دیا۔ مفتی صاحب کو عبدالخیل کے عام قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ سنت کے مطابق کچی قبر بنائی گئی۔ (جو اب تک اسی حالت میں ہے) حضرت مفتی صاحب کے جنازہ کے ہمراہ کراچی سے پچیس افراد اور ملتان سے بیس افراد جہاز میں تشریف لے گئے تھے۔ مولانا عبید اللہ در خواستی ملتان سے عبدالخیل تک ساتھ رہے اور نوابزادہ نصر اللہ خان کراچی سے عبدالخیل تک جنازہ کے ہمراہ رہے۔ (۱۲۲)

خداوندی سے انحراف کیا اور نہ خدا کے علاوہ کسی اور سے خوف محسوس کیا۔ بڑے بڑے اجلاسوں کے دوران آپ نے نماز باجماعت کبھی ترک نہیں کی۔ اور اس کی تلقین وہ اپنے کارکنوں کو بھی کرتے رہے۔ انہیں نہ تو کبھی قتل کے دھمکیوں نے مرعوب کیا اور نہ جیلوں کے خوف سے وہ کلمہ حق سے باز رہے۔ فرماتے کہ جب تک خدا تعالیٰ نے میری زندگی کے دن رکھے ہیں کوئی مجھے مار نہیں سکتا۔ اور جب موت کا وقت آگیا تو کوئی بچا نہیں سکتا اس بناء پر میں دنیا والوں سے خوف کیوں کھاؤں۔ (۱۲۳)

کسی بھی قومی رہنما کے لئے شرافت، دیانت اور صداقت ضروری ہیں۔ دنیا میں کتنے رہنما ہیں جن کے تینوں اوصاف کی شہرت ہو؟ ایسا یقیناً ہوں گے لیکن بہت کم۔ مفتی محمود کے ان تینوں اوصاف کی ان کے مخالف بھی گواہی دیتے ہیں۔ وہ انہی اوصاف کی وجہ سے تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں اور کارکنوں میں قابل احترام سمجھے جاتے تھے۔ ان کے رفقاء، ہم عصر، ہم سفر اور ہم نشین ان کی فراست، تدبیر اور دوسرے اوصاف کے معترف اور قدردان تھے۔ یہی وہ اوصاف حمیدہ تھے جنہوں نے ملک کے چاروں صوبوں کے عوام میں انہیں ہر دلعزیز رہنما بنا دیا تھا۔ (۱۲۵)

”مفتی صاحب متواضع اور خلیق تھے۔ ان کا علم وسیع اور حلم وسیع تر۔“ (۱۲۶)

مفتی صاحب ایک انتھک انسان تھے۔ مسلسل بھاری بھر کم مجالس میں شرکت، سیاسی مباحث، احباب سے ملاقاتوں، پریس کانفرنسوں، عوامی اجتماعات اور جلسوں میں خطابات کے باوجود ان میں چڑچڑاہٹ، اضطراب، کمزوری کے آثار کبھی نہیں پائے جاتے تھے۔ وہ ہر آنے والے سے بڑے ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملتے۔ اجتماعی اور انفرادی مسائل کے حل اور اس سلسلے میں گفتگوئیں اور دور و نزدیک علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں سے شکایت سننا ان کے عمومی پروگرام ہوتے۔ آپ کے ہاں امیر و غریب کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ غریب بھی اسی عزت و قار کا اہل ہوتا جیسا کہ کوئی امیر آدمی۔ حتیٰ کہ غیر مسلم وفد بھی جب ملاقات کے لئے حاضر ہوتے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے جیسا کہ آپ نے نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ سلوک

کیا تھا۔ ان سے بہتر سے بہتر طور پر پیش آتے۔ ہر بات غور سے سنتے اور ان کے مسائل کے حل کے لئے جو کچھ ان سے ہو سکتا تھا کرتے۔ طلبہ دینی مدارس کے ہوں یا کالج کے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور راہنمائی حاصل کرتے۔ (۱۲۷)

(مفتی صاحب) اپنے آپ کو لوگوں کا خادم سمجھتے تھے ان کے دل میں خدا کا خوف تھا آخرت کا ڈر تھا۔ میں نے بڑے بڑے بردبار لوگوں کو دیکھا ہے لیکن اس قدر بردبار آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا جو با اختیار بھی ہو اور بردبار بھی..... ان کی سیاست سے ہمیں اختلاف تھا ان کی بعض باتیں ہمارے سیاسی نظریات کے سخت خلاف تھیں لیکن ان کا کردار ایک مؤمن کا کردار تھا۔ ان کا یہ کردار مثالی تھا۔ وہ اس کے آئینے میں کسی دوسری دنیا کی مخلوق نظر آتے تھے۔ (۱۲۸)

مفتی صاحب ایک روشن دماغ رہنما، روشن ضمیر سیاستدان، بالغ نظر عالم، تجربہ کار فقیہ، صاحب اجتہاد بزرگ، استقامت کے کوہ گراں، شجاعت کے سد آہنی، عابد شب زندہ دار اور عارف باللہ انسان تھے۔ ان کا وجود ایسا خضر راہ تھا۔ جو ہر نازک دور میں قوم کی رہنمائی کا پیغام دیتا تھا۔ ان کی ذات ایک ایسی قدیل جو تاریک ترلحات میں روشنی کا مینار ثابت ہوتی تھی۔ دینی طاقتوں کے لئے ان کی شخصیت مرکز ثقل کی حیثیت رکھتی تھی۔ جہاں تک ملکی قوتیں کھینچی چلی آتی تھیں ان کی دل آویز شخصیت دین و سیاست کا ایک حسین امتزاج تھی۔ جسے پاکستان کے تمام علاقوں میں قومی اتحاد و یکجہتی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ان کی ذات میں قدرت نے ایسی بے بہا صفات جمع کر دی تھیں جنہوں نے ان کو عہد حاضر کی تاریخ ساز شخصیت بنا دیا تھا۔

میرے نزدیک ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بے انتہا بہادر انسان تھے انتخابی معرکوں میں کم نظر و کم سواد مخالفین ہر قسم کے حملے کرنے سے دریغ نہیں کرتے میں نے انتہائی نازک مواقع پر بھی انہیں غصہ سے بے قابو ہوتے نہیں دیکھا وہ تحمل اور بردباری اور صبر و شکر کی ایک اعلیٰ روایت کے امین تھے۔ اپنے بڑے سے بڑے مخالف کا نام بھی ہمیشہ احترام سے لیتے تھے۔ مفتی صاحب کی

ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ عالم باعمل تھے ان کے کردار میں پختگی پر ان کے مخالف بھی یقین رکھتے تھے۔ میں نے سفر میں انہیں کبھی نماز قضا کرتے نہیں دیکھا۔ بلکہ ہری پور جیل میں ہم اکٹھے تھے تو ان دنوں مفتی صاحب کو دیکھا کہ رات کو تہجد کے علاوہ نوافل کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ ان کی عبادت کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ دن کو دوستوں سے محو گفتگو اور رات کو خدا سے راز و نیاز۔ وہ عالم ضرور تھے مگر عالم سے بڑھ کر عامل و عارف انسان تھے ایک اور بات جو صرف مفتی صاحب ہی کی ذات میں نظر آئی۔ وہ یہ کہ وہ اپنے ملنے والوں پر بہت مہربان تھے۔ بڑوں سے تو بہر حال ان کے مرتبے کے مطابق معاملہ کرتے تھے ہم نے چھوٹوں سے بھی ملتے ہوئے بھی انہیں بڑا متواضع پایا۔ چھوٹے سے چھوٹے کارکن پر بھی وہ اس قدر شفقت فرماتے تھے۔ کہ اس شفقت میں احترام کی جھلک نمایاں ہوتی تھی۔

مفتی صاحب ہمارے دور میں عہدہ رفتہ کے انسان تھے وہ چودھویں صدی میں قافلہ حریت کے آخری جرنیل تھے جسے شاہ ولی اللہ، اور سید احمد شہید نے ترتیب دیا۔ جس کو حافظ ضامن شہید، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی نے مضبوط و مستحکم کیا جس کے سالاروں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن، شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی شامل تھے اس جماعت حق کے تیار کردہ قافلہ تسلیم و رضا کے علم و عمل، ایثار و استقامت، اخلاص و قربانی اور جہاد و عزیمت کی امانتیں ان کے آخری جرنیل مفتی محمود نے چودھویں صدی کے اختتام پر پندرہویں صدی کی دہلیز تک پہنچا دیں۔ تاکہ نئی صدی میں اپنے قابل فخر اسلاف کے مشن پر چلنے والوں کے لئے یہ چیزیں متاع عمل اور سرمایہ نجات بنی رہیں۔ (۱۲۹)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی زندگی آئینے کی طرح صاف اور شفاف تھی ایک ایک گوشہ ایسا تھا جو کہ سب کو متاثر کر دیتا تھا ہم نے اپنی زندگی میں ایسا شخص نہیں دیکھا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں سنا تھا کہ آپ جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف سیاسی میدان کے شہسوار، دوسری طرف تدریس کے مایہ

ناز اور تیسری طرف طریقت کے بے مثل شیخ۔ یہی جامعیت ہم نے مولانا مفتی محمود مدظلہ میں دیکھی۔ مولانا حسین احمد مدنی کے زمانے میں تو سیاست اتنی گندی اور جھوٹی نہ تھی۔ جتنی کہ موجود دور میں ہو گئی ہے۔ اب عام طور پر یہ تاثر ہے کہ کوئی شخص سیاست میں رہ کر شریف، سچا اور دیانت دار نہیں رہ سکتا۔ مگر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے ایک ایسا نمونہ چھوڑ دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی امداد شامل حال ہو اور انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار بنالے تو اس راستے پر بھی وہ اپنا دامن بچا کر چل سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اس گندے ماحول میں اپنے آپ کو دین پر نہ صرف قائم رکھا بلکہ کسی بھی لمحہ تقویٰ اور پرہیز گاری کو نہیں چھوڑا۔

..... میں نے بارہا مفتی صاحب کی مجلسوں میں شرکت کی آپ کے ساتھ سفر کی معیت بھی حاصل رہی۔ مگر میں نے آپ کو زندگی میں کبھی خلاف سنت کام کرتے نہیں دیکھا۔ آپ ہمیشہ دین کا لحاظ فرماتے۔ باوجود شدید بیماری کے جماعت کی نماز ترک نہیں فرماتے تھے۔ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ خود جماعت قائم فرماتے۔ کوشش ہوتی کہ دینی معاملات میں رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کیا جائے۔ (۱۳۰)

خدا خونی کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ انسان، انسانوں کی طرف سے بے خوف ہو جاتا ہے مفتی صاحب کو قدرت نے ہر خوف سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ان کے نزدیک طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات تھی۔ اور وہ اس ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ (۱۳۱) حضرت مفتی صاحب دینی معاملات میں جس قدر حساس اور غیور تھے اور جس قدر جری اور بے باک تھے وہ تو آپ کے زندگی کے ماہ و سال سے عیاں ہے کہ آپ دین اسلام کی سربلندی کے لئے حکومت و وقت سے ٹکراتے رہتے تھے۔ آپ کی حیات مستعار کا ہر دن جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کی زندہ تفسیر تھی۔ (۱۳۲)

وہ علم کے پہاڑ تھے۔ اور علم ان کو مستحضر تھا۔ سیاست میں آنے کے بعد اپنا سابقہ طور طریقہ نہیں چھوڑا حکمرانوں کے اشاروں اور چالوں کو خوب سمجھتے تھے۔ اتباع شریعت

سیاسی بصیرت، انتھک محنت، سوچی سمجھی پالیسی پر استقلال اور استقامت اور بات کو سلیقے کے ساتھ پیش کرنا اور پھر تقریر میں ایک موضوع پر قائم رہنا ان کی خوبیاں تھیں۔ (۱۳۳)

دینی و اجتماعی مسائل میں اس بے مثال جرأت و جسارت کے باوجود ذاتی حقوق میں آپ بالکل کمزور تھے۔ آپ نے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں تقریباً تیس سال بسر کئے مدرس، صدر مدرس، مفتی، شیخ الحدیث اور مہتمم، ان تمام عہدوں پر فائز رہے لیکن کبھی بھی اپنے مشاہرہ میں اضافہ کا یا اپنے لئے مراعات کا بلکہ ضرورت تک کا مطالبہ نہیں کیا۔ اشارہ تک نہیں کیا۔

حلیم و کریم ذات نے بڑی فیاضی سے تحمل و بردباری کا دافر حصہ آپ کو عنایت فرمایا تھا۔ ان کمال کا مظاہرہ تو عموماً آپ کی عمومی و خصوصی مجالس میں ہوتا رہتا تھا سینکڑوں ہزاروں ساتھی اس کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ شدید ترین اختلافات میں آپ نرم سے نرم الفاظ اختیار کرتے۔ راہ اعتدال پر قائم رہنے کی پوری کوشش فرماتے ذاتیات میں بالکل نہیں پڑتے تھے سیاسی اختلافات کی بناء پر متعدد مرتبہ اپنوں اور بیگانوں نے آپ کو بے جا الزامات کا نشانہ بنایا لیکن آپ نے ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیا۔ یا زیادہ سے زیادہ اصولی جواب پر اکتفا کیا۔

..... آپ اپنی ذات کے سلسلے میں نہ کسی کی مدح و ثنا سے متاثر ہوتے تھے اور کسی کی جھوٹ و مذمت اور سب و شتم سے مشتعل ہوتے تھے۔ صرف اور صرف اپنے کام سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب فطرتاً اجتماعیت پسند تھے۔ عزلت اور گوشہ نشینی سے کوسوں دور رہتے۔ ملک اور قوم کے دینی و دنیاوی اور انفرادی و اجتماعی مسائل حل کرنے میں کوشاں رہتے۔ (۱۳۴)

مفتی صاحب میں معاملات کی فہم بھی تھی اور حرف ضبط بھی بلا کا تھا۔ مختلف اجلاسوں کے دوران میں نے دیکھا کہ جب ان پر تنقید کی جاتی تھی یا ان کے کسی رویہ پر اعتراض

کیا جاتا تھا تو وہ برافروختہ نہیں ہوتے تھے مشتعل نہیں ہوتے تھے۔ معترض کو ٹوکتے نہیں تھے۔ پورے سکون کے ساتھ بات سنتے اور پھر بڑے ٹھنڈے دل سے اس کا جواب دیتے تھے۔ اور اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

..... فروعی اور فقہی اختلافات کو حد سے بڑھانے کے سخت خلاف تھے۔

..... یادداشت پر بے حد زور ڈالنے کے باوجود میں کوئی چیز ان کے خلاف نہیں ڈھونڈ سکتا انہیں کبھی ایک جماعت کے لیڈر کے طور پر بات کرتے نہ سنا وہ ہمیشہ سب کے رہے، سب ہی کے نظر آئے۔ انہیں حلیف جماعتیں مشترکہ متاع سمجھتی تھیں اور لاریب وہ تھے بھی۔ مفتی صاحب نے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ انہوں نے جس معاملہ کو حق سمجھا اس کے لئے جان لڑادی۔

..... مفتی صاحب کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ سیاسی معاملات کو سیاسی معاملات کے طور پر دیکھتے اور پرکھتے تھے۔ نہ مذہبی تعصبات کو ان پر اثر انداز ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ اور نہ سیاسی اقدامات کی تائید پر آمادہ ہوتے تھے۔ (۱۳۵)

بحیثیت خطیب و مقرر ان کو اپنے تمام معاصرین میں اس لحاظ سے ایک فوقیت حاصل تھی ان کا لہجہ شستہ، زبان سٹھری، گفتگو بے لاگ اور مدلل ہوتی تھی۔ بات ہمیشہ سنجیدگی سے کرنے اور سننے کے عادی تھے۔ اپنے بدترین مخالفوں کا نام بھی احترام سے لیتے تھے اسی لئے ہر طبقے میں ان کا نام بھی احترام سے لیا جاتا تھا۔ اور ان کے کام کی تعریف ہوتی تھی۔ ہر دلعزیزی کا یہ مقام حاصل کرنے میں ان کے دیگر علمی اوصاف کا بھی یقیناً دخل ہو گا لیکن میرے خیال میں سب سے زیادہ جس چیز نے انہیں ہر دلعزیز بنایا وہ ان کی سلیبی ہوئی گفتگو، ہر ایک سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آنا، ہمیشہ سچ

کہناج کا ساتھ دینا اور حق کے لئے ڈٹ جانا تھا ان کے معاصرین انہیں ایک تبحر عالم دین اور مدبر سیاست دان سمجھتے تھے۔ (۱۳۶)

ان کے بارے میں میری رائے یہ تھی کہ وہ غیر معمولی انسان ہیں اور ان کی شخصیت ہمارے معروف علماء سے بالکل مختلف ہے۔ پروقار شخصیت، پر اعتماد گفتگو، علمی اور عقلی باتیں، سلجھا ہوا انداز، دو ٹوک اور کھری باتیں، ٹھہر ٹھہر کر بولنے کی عادت، ہنس مکھ چہرہ اور باغ و بہار شخصیت تمام ایسے اوصاف تھے جو دیکھنے والے کو بہر حال متاثر کرتے تھے۔ اور مفتی صاحب کے بارے میں میرا تاثر بھی بہت خوبصورت تھا۔ اُن سے مل کر ان کے پاس بیٹھ کر ان سے گفتگو کر کے میں نے پہلی ملاقات کے دوران تین باتیں محسوس کیں۔

(۱) مفتی صاحب ذہین بالطبع ہیں اور ان کے علم میں توسع ہے۔

(۲) مفتی صاحب وسیع المطالعہ اور استدلال میں ذکی ہیں۔

(۳) مخاطب کے استدلال کو سنتے، سمجھتے تھے اور قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے۔

..... اس تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ مفتی صاحب کو میں نے ہر حال اور ہر رنگ میں دیکھا۔ اور بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میں نے انہیں ہر موقع اور ہر مقام پر اسلام کا سچا نمائندہ مخلص جانثار اور نڈر سپاہی پایا ہے ان کی زندگی اسلام کے لئے وقف تھی اور وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی اعلیٰ روایات کے حامل اور امین تھے۔ (۱۳۷)

وہ فی الواقع علماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جس پر علماء کا لفظ سجتا اور صادق آتا تھا۔ آج جبکہ ”علماء“ بڑھ گئے ہیں علم گھٹ گیا ہے۔ لیکن مفتی صاحب سے تعلق رکھنے والا، ان کی صحبت میں بیٹھنے والا اور ان سے ملنے جلنے والا ہر شخص ان سے اختلاف رکھنے کے باوجود یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ علم دین میں کسی سے پیٹھے اور کمتر تھے۔ بلکہ بعض باتوں میں انہیں اپنے معاصرین پر فوقیت حاصل تھی۔ اور ان کی ”رسوخ العلم“ ہونے کی

ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں گزرا۔ سیاست میں بھرپور حصہ لینے کے باوجود انہوں نے علم کے کوچے سے مکمل طور پر قطع تعلق نہیں کیا بلکہ انہیں جب بھی موقع ملا وہ گاہے بگاہے علم کی بادمیائی کے لئے نکل ہی پڑتے۔ میرے دل میں مفتی صاحب کے احترام کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میں نے اپنی تمام تر کوتاہیوں، خامیوں، بے بضاعتوں، سیاست و خطابت کی معروفتوں اور مشغولیتوں کے باوجود مطالعہ علمی کے دور سے اپنا رشتہ نہیں توڑا اور بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا لکھنے پڑھنے کا سامان کئے رکھا۔ اپنی ان علمی معروفتوں اور مطالعہ کی روشنی میں بہت کم لوگ تھے جو دل کو بھائے۔ مفتی صاحب ان لوگوں میں سے تھے جنہیں علم و مطالعہ کے جس پہلو سے بھی دیکھا، جانچا، پرکھا کامل و مکمل پایا۔ (۱۳۸)

مجھے اس بالمشافہ گفتگو سے اندازہ ہو گیا کہ مفتی صاحب اپنے دل میں اتحاد بین المسلمین کے لئے بڑی تڑپ رکھتے ہیں۔ اور فرقہ واریت سے انہیں طبعی نفرت ہے چونکہ اس وقت وہ نوجوان تھے اس لئے ایک نوجوان عالم کی زبانی اتنی سنجیدہ اور فکر انگیز گفتگو میرے لئے خوشی کا باعث بنی نوجوان عموماً جذباتی ہوتے ہیں۔ ان کی سوچ بھی جذباتی ہوتی ہے ان کے فیصلے بھی جذباتی ہوتے ہیں۔ مجھے اطمینان ہوا کہ ہمارے ہم عمر علماء میں وہ ایک پختہ کار، صائب الرائے اور زیرک انسان ہیں۔ ان کی یہی صفت میرے دل کو زیادہ بھائی۔ (۱۳۹)

انہوں نے ایک دور میں ملک کے وسیع تر مفاد میں یہ فیصلہ کیا کہ طبقہ اعلیٰ سنت کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا دیا جائے۔ یہ مفتی صاحب کے وسیع النظر اور وسیع الظرف ہونے کی دلیل تھی۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں انہوں نے ایسے مذہبی اتحاد کے لئے اپنی جماعتی اور سیاسی پوزیشن کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے عقائد میں پختہ نہیں تھے۔ وہ اپنے عقائد میں بڑے سخت واقع ہوئے تھے البتہ وہ تنگ

دل یا تنگ نظر نہیں تھے۔ کیونکہ تنگ نظری جہالت کی پیداوار ہوتی ہے ان کی غیر اہل سنت کے بارے میں طبع کتب پر خاص وسیع نظر تھی۔ اہل حدیث علماء کے ساتھ وہ ہمیشہ محبت کا اظہار کرتے تھے۔ (۱۴۰)

مفتی محمود صاحب سے تحریک ختم نبوت کے دوران (تعلقات کا) آغاز ہوا "تعلقات" کا لفظ اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ ان کے ساتھ رسمی لگاؤ نہیں تھا دلی قرب تھا۔ ان کے ساتھ میری قربت کا سبب ان کی وسعت نظری اور وسعت قلبی تھی۔ وہ عقائد کے اختلافات کو عقائد کی حد تک رکھتے تھے ان اختلافات کو سیاسیات میں لانے کے قائل نہیں تھے۔ ان کا دل بہت بڑا تھا۔ اور اس دل میں اختلاف کے ساتھ رواداری بھی موجود تھی۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ مسلمانوں کے اختلافات کم ہوں اور ان کے درمیان زیادہ سے زیادہ محبت و رواداری کی فضا پیدا ہو۔ (۱۴۱)

"مفتی صاحب دل کے صاف ہیں کوئی ان کی عزت کرے نہ کرے وہ ہر ایک کی عزت کرتے ہیں اور کسی کے خلاف دل میں میل نہیں رکھتے۔" (۱۴۲)

"مفتی محمود کی عظمت کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ قدرت نے انہیں اپنے ان عظیم روحانی اجداد کا قابل فخر جانشین بنایا تھا۔ لیکن قدرت نے انہیں بہت سے ذاتی اوصاف سے بھی متصف فرمایا تھا۔" (۱۴۳)

لیکن ان تمام محبتوں، قربتوں، شفقتوں، رفاقتوں کے باوجود میرے اور ان کے تعلقات کے لئے "رفاقت" کا لفظ استعمال درست نہیں یہ لفظ میرے وجود سے بلند اور ان کے مقام سے فروتر ہے میں ان کا خادم تھا وہ میرے مخدوم تھے۔ میں رہی تھا وہ رہنما، میں سپاہی تھا وہ سپہ سالار، میں ماتحت تھا وہ افسر، میں چھوٹا تھا وہ بڑے۔ بہت بڑے۔ مجھ ہی سے نہیں اپنے تمام معاصرین سے بڑے۔ علم، عمل، اخلاق، اخلاص ہر چیز میں بڑے اور ہر مقام پر بڑے۔ (۱۴۴)

مفتی اعظم کی پوری زندگی باوقار اور بامثال تھی۔ آپ کی شخصیت نہ صرف انہوں بلکہ دوسروں کے لئے بھی قابل فخر تھی۔ آپ کے زندہ ضمیر اور اعلیٰ کردار کا مخالفین کو بھی اعتراف تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے انسان صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ اور زندہ رہنے کے واضح نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسی ہستیوں کا بدل ملنا مشکل ہوتا ہے۔ مگر ان کے کارنامے اور زندگی کے خطوط آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔ (۱۴۵)

وہ حفظ مراتب کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اپنے لیڈر ساتھیوں سے ان کے مرتبے کے مطابق سلوک کرتے اور علماء سے بھی اس طرح پیش آتے کہ جس طرح ان کے ساتھ ان کے مرتبے کے مطابق پیش آنا چاہیے۔ اور مجلس میں آنے والے نوجوانوں سے اسی شفقت و محبت سے پیش آتے جس کے وہ مستحق ہوتے۔ اس سلسلے میں میں نے بہت سے عملی مظاہرے دیکھے ہیں۔ انہیں اپنے دوستوں سے بھی ملتے دیکھا ہے۔ دشمنوں سے بھی ملتے دیکھا ہے۔ حریفوں سے بات کرتے ہوئے دیکھا اور حلیفوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی دیکھا وہ ملاقات میں کسی کے علمی یا معاشرتی مرتبے کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ (۱۴۶)

لیکن میں ان کی جس بات کا سب سے زیادہ معترف ہوں۔ وہ ان کی اپنے اسلاف و اکابر سے محبت تھی۔ دینی مدارس، ماحول اور جماعتوں میں سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اپنے بڑوں سے کتنا قریب ہے۔ اگر شاگرد استاد سے قریب نہ ہو، مرید غیر سے قریب نہ ہو۔ اخلاف اپنے اسلاف سے ذہنی اور فکری اعتبار سے قریب نہ ہوں تو ایسے افراد کو مذہبی حلقوں میں کبھی پذیرائی نہیں مل سکتی۔ جو لوگ اکابر سے کٹے ہوئے اور اسلاف سے بٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں دینی طبقوں میں عزت و عظمت کا ملنا محال ہوتا ہے خواہ وہ کتنے صاحب علم ہوں۔ دینی طبقے ان کے ظاہر پر تو کسی حد تک اعتماد کر لیتے ہیں ان کے باطن پر اعتماد نہیں کرتے۔ معاشرتی تعلقات کے باعث ان کا احترام کر سکتے ہیں لیکن دینی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی برتری تسلیم نہیں کرتے

.....
 پاکستان، حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر ہندوستان میں کلہ اسلام بلند کرنے والے
 ان لاکھوں مسلمانوں کی میراث ہے جسے ان کے خونِ شہادت کے نتیجے میں حاصل کیا
 گیا تھا۔ مفتی محمود نے ان لاکھوں شہیدوں، حضرت تھانوی و حضرت مدنی اور دوسرے
 علماء حقہ کی اس میراث کی حفاظت کے لئے اپنی عمر وقف کئے رکھی۔ میں مفتی صاحب
 کی زندگی کے اس پہلو سے زیادہ متاثر تھا کہ وہ اپنے اسلاف سے محبت کرتے تھے۔ اپنے
 اکابر سے وہ جس محبت و شیخی کا اظہار اکثر کرتے رہتے تھے۔.....

.....
 مفتی صاحب کو اپنے بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ اسی عقیدت نے انہیں مرجع
 عقیدت بنایا تھا۔ اسی طرح حضرت تھانوی سے بھی انہیں بڑی محبت تھی۔ ان کی باتیں
 سن کر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ مفتی صاحب کی جماعتی زندگی کی عظمت کا
 ایک راز یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے سچے پیروکار تھے اور ان کے کارکن انہیں ان
 بزرگوں کا نعم البدل سمجھتے تھے۔ وہ تو اپنے بڑوں کے جانشین بننے میں کامیاب ہو گئے۔
 لیکن اب ان کا نعم البدل مشکل ہی سے پیدا ہو گا۔ (۱۳۷)

حضرت مفتی صاحب کے مذکورہ بالا حالات پڑھ کر یہ تصور قائم ہو گا کہ وہ ایک مصروف
 مفکر اور علم و سیاست میں منہمک شخص ہوں گے۔ یا تنہائی ملتی ہوگی تو عبادت میں
 مشغول ہو جاتے ہوں گے۔ حالانکہ ان سب باتوں کے باوجود خوش طبع تھے۔ ظریف
 الطبع لوگ بھی ان کے پاس آتے اور خوش کن باتوں سے محفوظ ہوتے لیکن ظرافت
 میں بھی علیست ہوتی تھی۔ مفتی صاحب کو اپنے اکابر کے
 ایسے لطیفے بہت پسند تھے جن میں دقت نظر ہو۔ (۱۳۸)

مفتی صاحب مرحوم خوش طبع انسان تھے۔ ان کی خندہ روئی اور بذلہ سخی سے مجالس
 محفوظ ہوتی تھیں۔ اور زو کھاپن اور خشک مزاجی سے وہ ہمیشہ دور رہتے تھے ہر ایک سے
 خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے تھے۔.....

بسا اوقات تقاریر کے دوران اپنے مطلب کو نہایت عمدگی سے لطائف کے ذریعہ ادا
 کر جاتے تھے۔ (۱۳۹)

(۱) ویسے تو مفتی صاحب کے لطائف بے شمار ہیں لیکن ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔
 مولانا محمد ادریس نے روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر) میں مفتی صاحب کے
 درس قرآن کا واقعہ لکھا ہے۔

پھر ایک روز پڑھاتے ہوئے ایک آیت پر مفتی صاحب نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ وہ آیت
 یہ ہے ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ
 يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ (الانعام: 68)

ترجمہ: کہ جب اللہ کی آیتوں سے کفر اور استہزاء سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو
 یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں۔

اس کی تفسیر کے بعد مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہم اپوزیشن میں تھے اور اس دوران ہم
 نے ایک دفعہ اسمبلی سے واک آؤٹ کیا تو مولانا غلام غوث ہزاروی نے اٹھ کر کہا کہ
 آخر یہ اسلام میں کہاں جائز ہے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ میں نے اس آیت کا ٹکڑا پڑھ
 دیا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کا انکار اور ان سے استہزاء سنو تو ان لوگوں کے پاس مت
 بیٹھو۔ مولانا چپ ہو گئے۔ اب کچھ عرصہ کے بعد ہم دوبارہ شریک ہو گئے تو ہزاروی
 صاحب نے کہا کہ 2 پھر آگئے ہو۔ تو میں نے آیت پڑھی اور کہا کہ اللہ نے یہ بھی فرمایا
 ہے کہ یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں۔ اس پر ہزاروی صاحب نے
 کہا بس! بس! میں آپ سے بات نہیں کرتا۔

(۲) شیخ محمد حنیف (کراچی) نے ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمد نمبر) ص 251 پر لکھا ہے
 کہ

(مفتی صاحب نے) ایک بار 1977ء کے انتخابات کے بعد اپنی نظر بندی کا ایک واقعہ سنایا۔

میں ذیابیطس کا مریض ہوں اور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ذیابیطس کا مریض اکثر ذہنی پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ سہالہ میں نظر بندی کے دوران بھنومر حوم نے مجھ سے پوچھا کہ مفتی صاحب آپ بتائیے کہ آپ کو کوئی پریشانی ہے؟ اس کے جواب میں میں نے انہیں کہا کہ میری سب سے بڑی پریشانی آپ ہیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے اور کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟ مفتی صاحب کا یہ لطیفہ بہت مشہور ہے۔ جو آپ کی حاضر جوابی کی واضح مثال ہے۔ (۳)

بھنومر صاحب نے ایک دفعہ مفتی صاحب سے کہا کہ مفتی صاحب میں آئندہ عام انتخابات میں آپ کے مقابلہ میں بندر کھڑا کروں گا اور کامیاب کراؤں گا۔ مفتی صاحب نے فی الفور جواب دیا۔ بھنومر صاحب آپ سے بڑا بندر کوئی اور ہو گا؟ (اس جواب سے وہ لوگ صحیح لطف اٹھا سکتے ہیں جو بھنومر صاحب کے مزاج سے واقف ہیں)۔ یاد رہے کہ مفتی صاحب نے 1970ء کے عام انتخابات میں ڈیرہ اسماعیل خان کی قومی اسمبلی کی سیٹ پر بھنومر کو تیرہ ہزار ووٹوں سے شکست دی تھی۔

مفتی صاحب کی شگفتہ مزاجی کا ایک واقعہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ مولانا مفتی محمود بہت شگفتہ مزاج تھے اکثر آپ اپنے ہم مجلسوں کو لطائف سنایا کرتے تھے۔ اسمبلی کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے جس سے آپ کی ظرافت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اسمبلی میں ایک دفعہ نکاح بیوگان کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ اور مختلف طرف سے اس سلسلے میں تقاریر ہو رہی تھیں۔ اتنے میں ایک خاتون رکن (غالباً بیگم نون تھیں) نے کھڑے ہو کر کہا (جو خود بھی بیوہ تھیں) اب یہ مسئلہ ایسا نہیں رہا کہ اس پر بحث کی جائے۔ کیونکہ اب عورتوں کو خود اس بات کا احساس ہو گیا ہے اور وہ اب دوسری خواتین کو اس سلسلے میں ترغیب دیتی ہیں کہ وہ نکاح کریں۔ اس پر حضرت مفتی صاحب اٹھے اور فرمایا کہ صرف زبانی ترغیب اور تبلیغ سے کیا ہوتا ہے؟ کوئی عملی ثبوت بھی ہونا چاہیئے۔

(۵) شعیب الرحمن مرحوم نے روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 48 پر لکھا ہے کہ

1974ء کی بات ہے مفتی صاحب کراچی میں تھے۔ اتفاق سے میں بھی وہیں تھا۔ ایک نوجوان دوست جو آج کل روزنامہ ”جنگ“ کراچی میں کام کرتے ہیں، آئے اور مفتی صاحب سے کہنے لگے ”حضرت میرے والد بہت سخت ہیں اور مجھے اجتماعی سرگرمیوں میں حصے لینے سے منع کرتے ہیں“ حضرت مفتی صاحب نے ان کے والد گرامی کا نام دریافت کیا پھر پوچھا کہ کس کے مرید ہیں۔ نوجوان نے کہا ”حضرت تھانوی“ کے مفتی صاحب نے مسکراتے ہوئے ار تبالاً فرمایا۔

مرید تھانوی ہیں اس لئے ہمتانے سے ڈرتے ہیں

یہ واقعہ بھی جناب شعیب الرحمن نے لکھا ہے (حوالہ بالا)

ایک مرتبہ بھنومر حوم نے مفتی صاحب رحمہ اللہ سے استفسار کیا۔ کیا آپ نے ہٹلر اور موسولینی کی سوانح پڑھی ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا ”نہیں“۔ بھنومر نے کہا یہ دونوں میری پسندیدہ کتابیں ہیں اور میں نے انہیں متعدد بار پڑھا ہے اور یہ ہمیشہ میرے تکیے کے نیچے رہتی ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا ”تعب ہے کہ آپ نے اپنی پسندیدہ کتابوں کا آخری باب نہیں پڑھا“۔ ان کا اشارہ ہٹلر اور موسولینی کے انجام کی طرف تھا۔ بھنومر نے کھسیانے ہو کر موضوع بدل دیا۔

مولانا سید عبد المجید شاہ ندیم نے ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

ایوب خان اسمبلی میں جب عائلی قوانین کے مسئلہ پر حضرت مفتی صاحب سرکاری پالیسی پر شدید نکتہ چینی کر رہے تھے۔ تو ایک مرتبہ سرکاری ممبران نے مفتی صاحب مرحوم کے خلاف یہ منصوبہ تیار کیا کہ جب مفتی صاحب اسمبلی میں قدم رکھیں تو خواتین ممبران پردہ کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مفتی صاحب جو نہی اسمبلی میں داخل ہونے لگے۔ خواتین ممبران نے چادروں سے چہرے ڈھانپ لئے اور سرکاری بچوں سے آوازے کئے لگے اور قہقہے بلند ہوئے۔

بنگال کے مولوی فرید احمد مرحوم نے بتایا تھا کہ یہ صورت حال دیکھ کر مجھے بہت صدمہ ہوا کہ ایک مایہ ناز عالم دین اور جلیل القدر فقیہ کی اس بیہودہ انداز میں تفحیک بڑی دلخراش حرکت تھی۔

مگر مفتی صاحب بڑے وقار اور سنجیدگی سے اپنی نشست کی طرف بڑھتے رہے اور طوفان بد تمیزی سے بے نیاز ہو کر اپنی نشست پر پہنچتے ہی مائیک پر کھڑے ہو گئے اور بولے۔ مسٹر سپیکر اور معزز ارکان اسمبلی! آج میں آپ سب فرزند ان اسلام کو مبارک باد کہتا ہوں کہ مسلم خواتین کی نمائندگی کرنے والی ممبر عورتوں کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ اسلام نے غیر محرم سے پردہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ بالکل صحیح اور واجب التعمیل ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا آج انہوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے پردہ کر لیا ہے۔ اس پر آواز آئی کہ مفتی صاحب! صرف آپ سے کیوں؟ مفتی صاحب نے برجستہ جواب دیا ”شاید پوری اسمبلی میں انہیں میرے سوا کوئی مرد نظر نہیں آیا اور اس سے جو معزز ارکان کی توہین ہوئی اس پر مجھے بے حد افسوس ہے۔“

مفتی صاحب کے اس جواب نے سرکاری عناصر کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ اور عائلی قوانین کے خلاف اس مرد مجاہد کا جہاد جاری رہا۔

مفتی صاحب بڑے حاضر جواب تھے۔ بعض دفعہ بات سے بات ایسی نکالتے کہ مخاطب لاجواب ہو جاتا۔

مفتی صاحب کے ساتھ جیل میں دو فوجی افسر تھے جو بھٹو حکومت کے خلاف سرگرمیوں میں شرکت کے الزام میں سزایافتہ تھے۔ اور جس فوجی عدالت نے ان کو سزا دی تھی اس کے سربراہ جنرل ضیاء الحق تھے۔ انہوں نے مفتی صاحب سے درخواست کی کہ ہماری سفارش کیجئے تاکہ ہمیں رہائی ملے۔ کیونکہ بھٹو کے جتنے بھی مخالف تھے۔ وہ سب رہا ہو گئے ہم پر بھی یہی الزام تھا لہذا ہمیں رہا کیا جائے۔

حضرت مفتی صاحب نے جنرل ضیاء الحق سے جو بھٹو کے خلاف سازش کر کے صدر پاکستان بنے تھے بات کی۔ جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ حضرت مفتی صاحب! یہ فوجی ہیں اور ہم نے فوجی قانون کے تحت ان کے کیس کی سماعت کی اور جج میں خود تھا اور میں نے ان کو صفائی کے تمام مواقع دیئے۔ یہ صفائی پیش نہ کر سکے۔ حضرت مفتی صاحب نے جب ان کی بات سن لی۔ تو فرمایا۔ ان کا جرم کیا تھا؟ جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ ایک منتخب حکومت کے خلاف انہوں نے فوجی بغاوت کی سازش کی اور اس کی سزا جو ہم نے دی یہ کم ہے۔ میں نے بڑی رعایت کی ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا بھی جو جرم انہوں نے کیا وہی آپ نے کیا جو جرم انہوں نے سازش کی سازش آپ نے بھی کیا ان کی سازش پکڑی گئی وہ قیدی بن گئے۔ اور وہی سازش آپ نے بھی کی اور آپ صدر مملکت ہیں۔ قصور میں دونوں کا کوئی فرق نہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ آپ صدر ہیں اور وہ بے چارے عام فوجی۔ ضیاء الحق یہ جواب سن کر لاجواب ہو گئے۔

(۹)

حضرت مفتی صاحب نے صوبہ سرحد کی وزارت علیا کا منصب سنبھالا۔ تو سب سے پہلے آپ نے صوبہ میں شراب پر پابندی لگادی۔ بھٹو صاحب اس پر بہت سخ پا ہوئے۔ ایک دفعہ ملاقات میں بھٹو نے مفتی سے سوال کیا کہ شراب کو قرآن نے کہاں حرام کہا ہے؟ حضرت مفتی صاحب نے فوراً متعلقہ آیت تلاوت کی۔

يَتَأْتِيهِمُ الَّذِينَ ءَامَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَمُ

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَأَجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور تھان اور فال نکالنے کے پانے کے تیرے سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں۔ ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔

خلاصہ بحث

باب ہذا میں مفتی صاحب کے حالات زندگی سے بحث کر کے، آپ کی ولادت، خاندانی حالات، ماحول، بچپن کے حالات، ابتدائی و اعلیٰ تعلیم، تدریس، قید و بند کی صعوبتیں، قاتلانہ حملے، بیرونی اسفار، جسمانی عوارض وغیرہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان میں آپ کے خاندانی اور ابتدائی حالات میں سے بیشتر وہ ہیں جو مفتی صاحب نے خود راقم الحروف کو بتائے ہیں۔ جو علیحدہ علیحدہ مضامین میں ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور کے شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور ماہنامہ ”جہسرہ“ لاہور میں ایک انٹرویو کی صورت میں مفتی صاحب نے خود مدیر ”جہسرہ“ کے سوالات کے جوابات کی صورت میں بیان کئے ہیں، سے اخذ کئے گئے ہیں۔ جبکہ اس کے علاوہ آپ کے ذاتی حالات آپ سے متعلق لکھی گئی کتب و رسائل اور اخبارات سے تلاش کر کے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

باب ہذا میں کوشش کی گئی ہے کہ آپ کے ذاتی حالات کو زیادہ سے زیادہ سامنے لایا جائے تاکہ یہ، معلوم ہو سکے۔ کہ آپ کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات کی انجام دہی میں آپ کے ابتدائی ماحول، اور انداز تربیت کا کتنا بڑا کردار ہے۔ نیز یہ کہ آپ کے ابتدائی حالات عام انسانوں کی طرح ہیں۔ وہ کوئی ایسی بالائی مخلوق نہیں تھے کہ جن کی پیروی نہ کی جاسکے۔ بلکہ اگر اب بھی بچوں کو ایسا ایک صالح ماحول فراہم ہو سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم کے نونہال کل کے ذمہ دار شہری نہ بن سکیں۔

فرمانے لگے شراب کو قرآن حکیم نے پلید کہا ہے۔ بھٹو نے کہا کہ اس کو پلید کہا ہے۔ حرام کہاں کہاں؟ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا جو چیز حرام ہوتی ہے ضروری نہیں کہ وہ پلید بھی ہو لیکن جو چیز پلید ہوتی ہے وہ ضروری ہے کہ حرام بھی ہو۔ چوری کا نوٹ حرام ہے لیکن پلید نہیں۔ پیشاب پاخانہ پلید اور نجس ہے اور حرام بھی ہے۔ بھٹو حیران ہو گیا کہ کیسے عجیب دلائل ہیں۔

(10) ایک دفعہ مولانا عبدالحق صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں نماز پڑھانے کے لئے آگے کر دیا۔ مفتی صاحب چونکہ مسافر تھے اس لئے انہوں نے دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ اور فرمایا۔ میں مسافر ہوں آپ اپنی نماز پوری کر لیں۔ مقتدیوں میں سے ایک صاحب جو کہ عالم دین بھی تھے۔ نماز پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد سخت غصہ میں کہنے لگے۔ مقیم کی موجودگی میں مسافر کو کیوں امام بنایا؟ حضرت مفتی صاحب نے برجستہ فرمایا۔ تاکہ تمہیں یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ مقیم کی موجودگی میں بھی مسافر امام بن سکتا ہے۔ اعتراض کرنے والے صاحب بغلیں جھانکنے لگے۔

حوالہ جات

- (1) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔ مرکزی دفتر جمعیت علماء اسلام پاکستان۔ چوک رنگ محل لاہور۔
- (2) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۔ ج ۱۱۔ ش ۳ (جنوری ۱۹۷۰ء)۔ دفتر ماہنامہ ”تبصرہ“ بیرون دہلی دروازہ لاہور۔
- (3) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (4) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (5) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (6) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (7) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (8) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۔ ج ۱۱۔ ش ۳ (جنوری ۱۹۷۰ء)۔
- (9) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

- (10) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (11) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۔ ج ۱۱۔ ش ۳ (جنوری ۱۹۷۰ء)۔
- (12) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۳۰ تا ۳۱ اپریل ۱۹۸۱ء)۔
- (13) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۳۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۳۰ تا ۳۱ اپریل ۱۹۸۱ء)۔
- (14) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۳۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۳۰ تا ۳۱ اپریل ۱۹۸۱ء)۔
- (15) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (16) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (17) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (18) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔
- (19) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۴۲/ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

- (20) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)
- (21) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)
- (22) فضل الرحمن، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۳۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (23) ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، سید۔ حیات عبدالحی۔ ص ۹۱۔ مجلس نشریات اسلام، ا۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی نمبر ۸۔ ۱۹۹۸ء
- (24) ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، سید۔ حیات عبدالحی۔ ص ۱۹، ۲۰۔
- (25) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)
- (26) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (27) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۸۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (28) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور۔ ص ۲۳۹۔
- (29) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۸۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (30) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)

- (31) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)
- (32) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۹۲۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (33) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)
- (34) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)
- (35) محمد طیب، مولانا، قاری۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ ص ۵۶، ۵۷۔ دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر ۱۔ ۱۹۷۲ء
- (36) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)
- (37) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۸۵۲) ۸۵۲
(جنوری ۱۹۸۱ء)
- (38) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۸۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (39) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۸۳۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (40) عبدالحق، مولانا۔ صحبتہ با اہل حق۔ ص ۵۸۔ مؤثر المصنفین اکوڑہ خٹک

- (52) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۸۵۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (53) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۸۵۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (54) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۶۔ ج
۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (55) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱
(56) محمود، صاحبزادہ، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔
ص ۴۲
- (57) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۹۳۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (58) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۹۳۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (59) روحانی، بازی، محمد، موسیٰ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔
ص ۱۸۳
- (60) ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، سید۔ حیات عبدالحی۔ ص ۲۱۷۔
- (61) فضل الرحمن، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۲
- (62) فضل الرحمن، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۲
- (63) فضل الرحمن، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۳
- (64) فضل الرحمن، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۳

- (41) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۸۵۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (42) محمد طیب، مولانا، قاری۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ ص ۸۰، ۸۱۔
- (43) محمود، صاحبزادہ، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔
ص ۴۲
- (44) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۸۶۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (45) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۸۶۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (46) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۸۵۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (47) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۸۳۔
ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (48) محمد طیب، مولانا، قاری۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ ص ۷۰۔
- (49) کشمیری، انظر شاہ، سید، مولانا۔ ماہنامہ ”الرشید“ ساہیوال (دارالعلوم دیوبند نمبر)۔
ص ۳۱۶۔ ج ۴۔ ش ۲، ۳۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔ ۱۹۷۶ء
- (50) محمد طیب، مولانا، قاری۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ ص ۷۰۔
- (51) صدیقی، انیس احمد، مولانا، حکیم۔ ماہنامہ ”الرشید“ ساہیوال (دارالعلوم دیوبند نمبر)۔
ص ۳۱۶۔ ج ۴۔ ش ۲، ۳۔

- (65) اہلیہ محترمہ مولانا مفتی محمود۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۵۴
- (66) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (67) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۸۔ ج ۲۳۔ ش ۱
- (68) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۸۔ ج ۲۳۔ ش ۱
- (69) روحانی بازی، موسیٰ، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۳۵
- (70) عبد البر، محمد قاسم، مولانا۔ تاریخ قاسم العلوم ملتان۔ ص ۸۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۶ھ
- (71) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (72) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۷۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (73) مبارک علی، رانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۶۰
- (74) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۷۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (75) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۱۶۔ ش ۲۰ (۲۵ مئی ۱۹۷۳ء)
- (76) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۸۴۔ جمعیتہ پبلیکیشنز وحدت روڈ لاہور۔ ۲۰۰۱ء ایڈیشن دوم

- (77) فاروقی، ضیاء الرحمن، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۵۶
- (78) غفور احمد، پروفیسر۔ پھر مارشل لاء آگیا۔ ص ۱۲۲۔ جنگ پبلشرز تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۹ء
- (79) غفور احمد، پروفیسر۔ پھر مارشل لاء آگیا۔ ص ۱۴۰
- (80) غفور احمد، پروفیسر۔ پھر مارشل لاء آگیا۔ ملخصاً
- (81) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۱۶۔ ش ۲۰ (۲۵ مئی ۱۹۷۳ء)
- (82) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۵۔ ج ۱۶۔ ش ۲۰ (۲۵ مئی ۱۹۷۳ء)
- (83) جالندھری، محمد شریف، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۱۱۔ ج ۱۳۔ ش ۲ (۸ جنوری ۱۹۷۱ء)
- (84) آسی، محمد نعیم۔ مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات)۔ ص ۲۰۱، ۲۰۲۔ مسلم اکادمی وزیر پورہ سیالکوٹ۔ ۱۹۷۷ء
- (85) روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۲۵ مارچ ۱۹۷۳ء
- (86) روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۷ جون ۱۹۷۳ء
- (87) آسی، محمد نعیم۔ مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات)۔ ص ۲۳۰
- (88) آسی، محمد نعیم۔ مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات)۔ ص ۲۳۱
- (89) امر دہی، محمد شاہ، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۶

- (90) قریشی، نورالحق، قاری، ایڈوکیٹ۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳۷
- (91) چترالی، گل نایاب خان۔ مفتی محمود کی سیاسی زندگی۔ ص ۴۰۳، ۴۰۴۔ دارالعلوم محمدیہ ناصر پارک بلال گنج گلی نمبر ۱، لاہور۔ ۲۰۰۲ء
- (92) سمیع الحق، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۲۹
- (93) کمال، بشیر احمد، حافظ۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور۔ ص ۶۱
- (94) فضل الرحمن، مولانا۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور۔ ص ۱۸
- (95) انور، عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۲۱
- (96) سعید الرحمن، قاری، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۸
- (97) عثمانی، محمد شریف۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۴۲
- (98) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۷۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷ (۳۰ تا ۳۱ اپریل ۱۹۸۱ء)
- (99) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۹۵
- (100) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۹۷
- (101) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۱۳۴
- (102) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۱۳۴
- (103) چترالی، گل نایاب خان۔ مفتی محمود کی سیاسی زندگی۔ ص ۳۷۹
- (104) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۹۔ ج ۲۳۔ ش ۱
- (105) سعید الرحمن، قاری، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۴
- (106) کیانی، محمد شریف۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۴۸، ۴۷

- (107) شوکت، حسن، ملک، ڈاکٹر۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۴۹
- ۲۵۰
- (108) ظہور احمد۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۷۴
- (109) عثمانی، محمد تقی، مولانا۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۷
- (110) اہلیہ محترمہ مفتی محمود۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۴
- (111) محمد رحمن، ڈاکٹر۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۴۴۸، ۴۴۹
- (112) اہلیہ محترمہ مفتی محمود۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۶
- (113) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۷۔ ج ۲۳۔ ش ۱
- (114) جمیل خان شہید، مفتی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۶۳، ۳۶۴
- (115) محمد رحمن، ڈاکٹر۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۴۴۹
- (116) جمیل خان شہید، مفتی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۶۴
- (117) جمیل خان شہید، مفتی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۶۵
- (118) محمد حنیف، شیخ۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۵۲
- (119) عثمانی، محمد تقی، مولانا۔ محمد حنیف، شیخ۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۵۲
- (120) لدھیانوی، محمد یوسف۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۵۴ تا ۲۵۶

(121) جمیل خان شہید، مفتی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)

ص ۳۶۶

(122) جمیل خان شہید، مفتی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)

ص ۳۶۸، ۳۶۷

(123) سعید الرحمن، مولانا، قاری۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۴

(124) انور، عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۲۰

(125) نور الہدیٰ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۰

(126) بنوری، محمد ایوب، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۱۷

(127) صدر الشہید، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۲۲

(128) سعید الرحمن، قاری، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۳، ۱۷۴

(129) جلالی، عبدالعزیز، قاری۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۲

(130) سمیع الحق، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۲۹، ۱۳۰

(131) احمد الرحمن، مولانا، مفتی۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۶۳

(132) فیض احمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۷۰

(133) محمد زکریا، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۳

(134) فیض احمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۷۰، ۷۱

(135) عفورا احمد، پروفیسر۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹، ۹۲

(136) عبدالرحمن، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۲

(137) اشرف، عبدالرحیم، حکیم۔ ص ۱۳۵ تا ۱۳۸

(138) ظہیر، احسان الہی، علامہ۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳۹

(139) عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۴۴

(140) ظہیر، احسان الہی، علامہ۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۴۰

(141) کراروی، عسلی غضنفر، علامہ۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۴۲

(142) قریشی، محمد یوسف، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۴۹

(143) تاج محو، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۴

(144) عبدالحکیم، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۶

(145) قادری، محمد عرفان۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۹۸

(146) مظاہری، گلزار احمد، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۶۰

(147) عبدالرحمن، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۲، ۱۶۳

(148) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۳۹۳

۹۵

(149) فتح محمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۰۵

آپ کا علمی مقام

مولانا مفتی محمود کا علمی مقام بہت بلند ہے۔ اُن کی صفات میں علم کی صفت ایک غالب صفت ہے۔ اور اس علمی مقام کی وجہ سے ان کا علمی و دینی حلقوں میں نہ صرف احترام کیا جاتا تھا بلکہ بڑے بڑے ہم عصر علماء اُن کے سامنے استفادہ کے لئے دم بخود بیٹھے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا حامد میاں تحریر کرتے ہیں۔

مفتی صاحب کے آخری دور کی سیاسی شہرت سے خیال ہوتا تھا کہ وہ ایک سیاسی لیڈر ہی تھے۔ حالانکہ وہ بہت بڑے مدرس بھی تھے حدیث، تفسیر، فقہ کے علاوہ فلکیات، فلسفہ اور منطق کے بہت قابل ترین استاد تھے۔ حق تعالیٰ نے سب علوم میں کمال اور وقتِ نظر سے نوازا تھا۔ وہ اس دور کے بہت ہی بلند پایہ فقیہ و مفتی بھی تھے ان مشاغل کے ساتھ منصب افتاء پر بھی فائز رہے اور مدرسہ قاسم العلوم میں ان کے ہاتھ سے بیس ہزار سے زائد فتاویٰ تحریر ہوئے۔ (۱)

جن حضرات نے مولانا مفتی محمود کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کی محفل میں کچھ دیر کے لئے شرکت کا موقع ملا ہے۔

وہ برملا اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رقطن از ہیں۔ حضرت مفتی محمود نور اللہ مرقہ جامع الکملات انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی عالم دین میں بیک وقت اتنے کمالات جمع نہیں دیکھے۔ آپ بہت بڑے محدث، فقیہ، فن منطق کے ماہر فلسفی، بے نظیر قاری، اصول پسند، فصیح و بلیغ مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے سیاستدان اور مفتی بھی تھے۔ مجمع میں تمام حاضرین کو اپنے دلائل اور اخلاص سے متاثر کر لیا کرتے تھے کسی کو تابع و گردیدہ بنانا انہی کا کام تھا۔ آپ ظاہری و باطنی، دینی و دنیاوی، علمی و غیر علمی تمام خوبیوں کا مجموعہ تھے حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اس آیت کے مصداق تھے۔

باب دوم

علمی خدمات

﴿وزاده بسطة في العلم و الجسم﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اسے علم و جسم میں

کشادگی نصیب فرمائی۔ (۲)

مولانا مفتی محمودؒ کے کمالات کے بارے میں ہم عصر علماء کا اعتراف کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ مولانا محمد ایوب بنوریؒ آپ سے عمر میں بڑے تھے۔ اور ان کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری تھی وہ لکھتے ہیں۔ ”جناب مولانا مفتی محمودؒ کا مقام علماء دین میں بھی اونچا تھا۔ آپ ایک جید عالم دین تھے۔ تمام علوم دینیہ پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ مفاہمت میں بے مثال تھے۔ مطالعہ وسیع تھا۔ درس و تدریس سے خاص دلچسپی اور شغف تھا۔“ (۳)

علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ سیاست کے میدان میں بھی آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے مگر ساری تنگ و دو کے باوجود آپ کی ساری شہرت اور عزت ایک عالم دین ہونے کی وجہ سے تھی جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ آپ نے سیاست اور سیاسی مصروفیتوں کو کبھی علم اور علمی مشاغل پر غالب نہیں آنے دیا۔ ایک بزرگ سیاستدان سردار عبدالقیوم خان آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جہاں تک مفتی صاحب کو علمی اور سیاسی حیثیتوں میں سے کسی ایک حیثیت کو دوسری حیثیت پر ترجیح دینے کا سوال ہے تو یہ ایک مشکل بات ہے میں نے ان کو دونوں حیثیتوں میں دیکھا۔ انکی دونوں حیثیتوں پر غور کیا میں نے انہیں علمی اور سیاسی ہر دو اعتبار سے غیر معمولی انسان پایا۔ البتہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ان کی ذات شخصیت اور وجود پر علم غالب تھا بسا اوقات یوں محسوس ہوتا تھا کہ سیاست میں وہ مجبوراً حصہ لے رہے ہیں ان کی اس سے ذاتی دلچسپی نہیں ان کی دلچسپی کامرکز صرف اور صرف علم ہے۔ (۴)

مولانا مرحوم کے بارے میں قریباً ہی تاثرات مولانا مفتی تقی عثمانی کے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

یہ حضرت مفتی صاحب کی انتہائی نمایاں خصوصیت تھی کہ سیاست میں اس درجہ انہماک کے باوجود ان کا علمی استحضار اور علمی ذوق پوری طرح برقرار رہا جب کبھی کسی علمی مسئلے کی بات آتی تو معلوم ہوتا کہ اس کے تمام مالہ و ماعلیہ پوری طرح حضرت مفتی صاحب کی نگاہ میں ہیں اور جب اس موضوع پر بات کرتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کسی علمی کتاب کا درس ہو رہا ہے۔ مفتی صاحب کی علمی استعداد اور استحضار کی یوں پختگی کی جو وجہ مولانا محمد تقی عثمانی نے بیان کی ہے وہ خود ان کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

سیاسی مصروفیات کے باوجود اس علمی ذوق اور علمی پختگی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ جس ماحول میں گئے۔ وہاں اپنی ذہانت، طباعی اور علمی وسعت کا لوہا منوایا۔ بات دراصل یہ تھی کہ مفتی صاحب ایک طویل عرصہ تک علمی مشاغل میں ہمہ تن مصروف رہے اپنی علمی استعداد کو پختہ کیا اور معلومات کو وسعت دی۔

اس کے بعد عملی سیاست میں داخل ہوئے جو لوگ علم میں پختگی حاصل کئے بغیر سیاست ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں حضرت مفتی صاحب ان سے یکسر مختلف تھے اور ان کا طرز عمل اس معاملہ میں مشعل راہ ہے۔ (۵)

عوام الناس میں سیاستدان کی حیثیت سے اگرچہ آپ کو ایک خاص شہرت حاصل تھی مگر حقیقت میں آپ ایک سیاستدان سے زیادہ ایک عالم دین کی حیثیت سے علمی دنیا میں شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ مولانا امیر الزمان کشمیری لکھتے ہیں۔ ”عام لوگ حضرت مفتی صاحب کو ایک سیاستدان کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن اصل میں مفتی صاحب ایک عظیم محدث اور متکلم اور (علوم) عقلیہ اور نقلیہ پر مکمل دسترس رکھتے تھے اس کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون پر جتنا گہرا مطالعہ ان کا تھا۔ اتنا شاید کسی اور کا نہ ہو۔“ (۶)

اگرچہ مولانا مفتی محمودؒ نے اپنے اکابرین کے اتباع میں امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی خاطر سیاست کی وادی میں قدم ضرور رکھا۔ مگر آپ کا مقصد سیاست برائے سیاست

یاسیاست برائے اقتدار نہ تھا بلکہ اس سے مقصد مسلمانوں کی رہنمائی اور اسلام کی دعوت و تبلیغ تھا۔ اس بارے میں مولانا محمد ایوب بنوری لکھتے ہیں۔

علمی ماحول اور علماء میں اپنے آپ کو پا کر حظ اور سرور محسوس فرماتے۔ درحقیقت آپ قول و فعل کے سچے، اعلاء کلمۃ اللہ کے داعی اور اسلام کے حقیقی جانثار سر فروش تھے اور علم و عمل میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ آپ ستھری سیاست اور بامقصد جمہوریت کے قائل تھے اور آپ کی سیاست اسلام کی تبلیغ تھی۔ (۷)

بناء بریں مولانا مفتی محمود کی علمی برتری نہ صرف پاکستان میں بلکہ تمام اسلامی دنیا میں تسلیم کی جاتی تھی اور آپ اس لحاظ سے عالمگیر شہرت کے مالک تھے۔ مولانا محمد ایوب جان بنوری لکھتے ہیں۔

ان کی علمی برتری صرف سرحد اور بلوچستان تک محدود نہیں رہی، پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں اس کی دھوم مچی۔ عرب ممالک میں ان کی ثقافت کو بلند پایہ علماء بھی تسلیم کرتے تھے۔ علماء ازہر اور علماء مصر تمنا رکھتے تھے کہ مفتی محمود تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی کام کریں۔ لیکن ان کے پاس وقت کی کمی تھی۔ (۸)

مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی آپ کی علمی حیثیت کے ساتھ ساتھ آپ کی بین الاقوامی شہرت اور حیثیت کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

آپ کی شخصیت علمی حلقوں میں بہت زیادہ معروف ہے۔ اس وقت پاکستان کی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ حق گوئی میں بے باک ہیں۔ فقہی اور حدیثی استعداد کے ساتھ عصری معلومات پر کافی عبور رکھتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں آپ کی تقریریں شرعی اور عصری معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہوتی ہیں۔ افتاء آپ کا خاص منصب ہے۔ اور آپ کے فتاویٰ ملک میں اعتماد و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ وطن صوبہ سرحد (مغربی پاکستان) ہے۔ آپ اپنی گونا گوں علمی خصوصیات کی وجہ سے مصر کی عالمی موثر میں بھی طلب

کئے گئے اور وہاں آپ کا بلند خطاب و وقعت کے ساتھ سنا گیا۔ آپ دارالعلوم کے ممتاز فضلاء اور پاکستان کے مشاہیر میں سے ہیں۔ (۹)

ایک بہت بڑے عالم ہونے کی حیثیت سے آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ جبکہ آپ کا علمی استحضار حیران کن تھا۔ ایک عالم کا مطالعہ وسیع ہوتا ہے۔ مگر علمی استحضار کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ وسعت مطالعہ سے کما حقہ نہ خود کو کوئی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی اور کو مستفید کر سکتا ہے جس سے وہ ہمیشہ ایک شدید کمی کا شکار رہتا ہے۔ مولانا مفتی محمود کو اللہ تعالیٰ نے اس پہلو سے بھی خوب نوازا تھا۔ آپ کا علمی استحضار لا جواب تھا۔ اس سلسلے میں مولانا اجمل خان لکھتے ہیں ”قدرت نے انہیں اتنی اعلیٰ اور منفرد خصوصیات سے نوازا تھا کہ علم و دانش کے اس بحر بے کراں کا علمی استحضار بڑے بڑے علماء کے لئے قابل رشک تھا۔ ان کی فاضلانہ بصیرت مسلمہ تھی۔ (۱۰)

آپ ہمہ صفات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی ذات کو خالق باری تعالیٰ نے تمام کمالات کا جامع بنایا تھا۔ اس حوالے سے مولانا تاج محمود لکھتے ہیں۔ ”مفتی صاحب ایک بہترین مدرس، بلند پایہ شیخ الحدیث، عظیم المرتبہ فقیہ، مشہور زمانہ مفکر، منجھے ہوئے سیاستدان، سنجیدہ خطیب اور مانے ہوئے پارلیمنٹیرین اور مقرر تھے۔“ (۱۱)

اس حقیقت کا اظہار حکیم عبدالرحیم اشرف نے، جن کا تعلق مسلک اہل حدیث سے تھا اور سیاسی لحاظ سے بھی مفتی صاحب کے ہم خیال نہ تھے۔ یوں کیا ہے۔

کتابی اور اکتسابی علم تمام علماء کے پاس ہوتا ہے۔ لیکن یہ علم نہ ہر وجود پر کھلتا ہے اور نہ ہر وجود میں بولتا ہے۔ مفتی صاحب کے وجود پر یہ علم کھلتا بھی تھا اور ان کی شخصیت میں علم بولتا بھی تھا۔ ان کا تعارف نام و نسب سے نہیں بلکہ علم و کسب سے ہوتا تھا۔ اسی طرح مطالعہ و استدلال بھی سب علماء کرتے ہیں لیکن ہر عالم کی شخصیت اسکے کثیر المطالعہ ہونے کی آئینہ دار نہیں ہوتی۔ استدلال بھی تمام اہل علم کرتے ہیں۔ مگر ان کے استدلال میں ذکاوت نہیں ہوتی۔ مفتی صاحب کی شخصیت و گفتگو ان کے

وسیع الظرف، بالغ نظر اور کثیر المطالعہ ہونے کی آئینہ دار تھی۔ علاوہ ازیں ان کے استدلال میں ذکاوت موجود تھی۔ جس سے سامع پر علم اور صاحب علم دونوں کا خاطر خواہ اثر پڑتا تھا۔ (۱۲)

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر مہتمم جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی رقمطراز ہیں۔

محدث العصر، جانشین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کی زبانی اکثر و بیشتر حلاوت آمیز جملے بار بار کانوں کی سماعت سے نکل کر عقیدت و محبت میں اضافے کا باعث بنے کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی محمود کو بلا کی ذہانت، غیر معمولی حافظہ اور بے مثال فقاہت و ذکاوت اور سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے۔ (۱۳)

وہ مزید لکھتے ہیں۔

قرآن و حدیث اور فقہ تینوں علوم میں عظیم مہارت آپ کے علوم مرتبہ کی روشن دلیل ہے۔ درس حدیث کے ساتھ افتاء کی شمولیت ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن مفتی محمودؒ نے جس سہل انداز سے ان دونوں منصبوں کو نبھایا اس نے علماء کرام کے قلوب میں آپ کی علیت کی دھاک بٹھادی۔ (۱۴)

مولانا مفتی محمود سے کروڑوں مسلمان عقیدت و محبت رکھتے تھے، اس کی وجہ بھی آپ کی جامعیت تھی۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں۔

مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ سلسلہ الذہب کی وہ کڑی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جامعیت سے نوازا۔ دین اسلام کے تمام شعبوں میں ان کو مہارت تامہ عطا فرمائی۔ وہ بیک وقت محدث بھی تھے اور مفسر بھی۔ فقیہ کی حیثیت سے دنیا بھر کے علماء کرام ان پر اعتماد کرتے تھے۔ تقریر و تحریر کے میدان میں ایک دنیا ان کی مہارت کی داد دیتی تھی۔ اور مدرس کی حیثیت سے تشنگان علوم ان سے جو اہر علمی چنتے تھے..... سب سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ مفتی محمودؒ کی اس حیثیت کو موافق و مخالف

ہر ایک نے تسلیم کیا۔..... مگر ان کے علم و فضل کی روشن کرنوں نے ان کو کروڑوں مسلمانوں کی دلوں کی آواز اور محبت و عقیدت کا محور بنا دیا۔ (۱۵)

مشہور اہل حدیث عالم اور متعدد عربی کتب کے مصنف علامہ احسان الہی ظہیر، مفتی صاحب کے علمی مقام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وہ فی الواقع علماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جن پر علماء کا لفظ سجتا اور صادق آتا تھا..... اپنی ان علمی مصروفیتوں اور مطالعہ کی روشنی میں بہت کم لوگ جو دل کو بھائے۔ مفتی صاحب ان لوگوں میں سے ایک تھے۔ جنہیں علم و مطالعہ کے جس پہلو سے بھی دیکھا، جانچا، پرکھا، کامل مکمل پایا۔ (۱۶)

مفتی صاحب کی عالمانہ حیثیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اور اپنے دور کے تمام علماء خواہ ان کا تعلق جس مسلک سے بھی رہا آپ کی علیت کے معترف نظر آتے ہیں۔ اور یہی کسی عالم کی علیت کا سب سے بڑا ثبوت ہوتا ہے۔

مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور لکھتے ہیں۔ ”مفتی صاحب کے علم کے اپنے، بیگانے، دوست، دشمن سبھی معترف تھے ان کے وسیع علم سے اکثر اہل علم متاثر ہوتے تھے۔“ (۱۷)

یہی بات مولانا عبدالرحمان صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، مفتی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ان کا علمی مقام اتنا بلند تھا کہ اس پر کچھ کہنا، سورج کی روشنی پر دلائل دینے والی بات ہے۔ سورج کی روشنی پر دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ روشن ہوتا ہے۔ اور اپنی روشنی کا ہر دیکھنے والے سے اقرار کرتا ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے آنکھوں کی اور صرف آنکھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مفتی صاحب کے علم پر ایک زمانہ شاہد عدل ہے اور ان کی

بعض خوبیوں کو دیکھ کر ان کے مخالفین بھی ان کی علمی عظمت کا اعتراف کرتے تھے۔

(۱۸)

اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب کو جو علمی فراست و بصیرت عطا فرمائی تھی وہ مجتہدانہ تھی۔
مولانا محمد ایوب جان بنوریؒ رقمطراز ہیں۔

مفتی محمود علم کے حوالے سے بہت بڑے آدمی تھے۔ ان کو خدا نے مجتہدانہ بصیرت عطا فرمائی تھی۔ وہ بیک وقت محدث، مفسر، مفتی اور قومی رہنما تھے۔ اگر سیاست میں حصہ نہ لیتے تو علمی میدان میں منفرد نوعیت کا علمی کام کرتے اور وہ جس قدر بڑے ہمیں نظر آتے ہیں اس سے زیادہ بلکہ ہمارے تصورات سے کہیں زیادہ بڑے انسان ہوتے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

ایک بار میں نے ان کے ساتھ باجوڑ تک طویل سفر کیا۔ سارے راستے میں علمی باتیں ہوتی رہیں۔ بعض مسائل پر انہوں نے جو دلائل دئے وہ میرے لئے بالکل نئے تھے۔ ان سے علمی نکات اور فقہی استدلال سن کر مجھے اپنا علم و مطالعہ محدود اور سطحی نظر آتا تھا۔ (۱۹)

مولانا محمد ایوب جان بنوریؒ صاحب جو علمی میدان کے شہسوار اور بحر علم کے شناور ہیں وہ مولانا مفتی محمود صاحب کی علمی شہرت اور علمی گہرائی کے بارے میں اپنا تاثر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

جہاں تک مجرد علم کا تعلق ہے تو صوبہ سرحد اس لحاظ سے کبھی پسماندہ نہیں رہا۔ یہاں ہر دور میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء موجود رہے۔ خود مفتی محمود کے دور میں بھی صوبہ سرحد میں اس پایہ کے علماء بکثرت موجود رہے لیکن جہاں تک علم کے استعمال کا تعلق ہے تو اس بارے میں دو ٹوک بات کہی جاسکتی ہے کہ پورے صوبہ میں مفتی محمود کا کوئی علمی حریف نہیں تھا۔ جن علماء کے پاس علم تھا ان کے پاس اس کے استعمال کا طریقہ

نہیں تھا جن کے پاس طریقہ اور سلیقہ تھا ان کے پاس شستہ اور رواں زبان نہیں تھی۔ مفتی صاحب کو قدرت نے اس دولت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ (۲۰)

وہ مفتی صاحب کی عالمگیر شہرت کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔

وہ عربی، اردو، فارسی اور پشتو میں اظہار خیال پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ گفتگو میں سنجیدگی، متانت، مٹھاس اور قوت استدلال کا عنصر غالب تھا۔ وہ باتوں ہی باتوں میں بڑے بڑے مسائل حل کر دیتے تھے۔ مختلف زبانوں پر قادر ہونے سے بھی ان کی شہرت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ پشتو نے انہیں سرحد و بلوچستان میں متعارف کرایا۔ تو اردو نے پاکستان میں نمایاں کیا اور عربی نے سر زمین حجاز میں ان کی مقبولیت بڑھائی۔ (۲۱)

مفتی صاحب کا علمی مقام بہت بلند تھا۔ علمی استحضار کے ساتھ ساتھ ان کا قوت استدلال بہت بڑھ کر تھا۔ اس لئے وہ جو بھی بات کرتے وہ دلائل کی بنیاد پر ہوتی تھی۔ اور سامع کو ان کے زور استدلال کے سامنے اپنا موقف تبدیل کرنا پڑتا تھا۔ مولانا اسفندیار لکھتے ہیں۔
مفتی صاحب جو بات بھی فرماتے مدلل اور کسی بات کو تسلیم کرتے تو وہ بھی دلائل کی بنیاد پر۔ وہ نہ اپنا حکم کسی پر ٹھونکتے تھے۔ اور نہ کسی کا حکم یا بات بغیر دلائل کے تسلیم کرتے۔ ان کے دلائل اس قدر مضبوط اور محکم ہوتے کہ بڑے سے بڑا آدمی ان دلائل کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ (۲۲)

ان کی قوت استدلال کے بارے میں مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر لکھتے ہیں۔
بارہا اکابر علماء کرام کی موجودگی میں حضرت مولانا مفتی محمود کے مدلل انداز اور استحضار کی کیفیت دیکھ کر اکابر علماء کی نظروں میں جو خراج تحسین دیکھا اور محبت و شفقت کے جذبات محسوس کئے۔ اس کی وجہ سے مفتی محمود صاحبؒ کی علمی حیثیت مزید اجاگر ہوتی چلی گئی۔ اب تک بغیر دلیل کے گفتگو کرتے ہوئے مولانا مفتی محمودؒ کو نہیں دیکھا گیا۔ واقعی وہ دلائل کے بادشاہ تھے۔ (۲۳)

مفتی محمود کا علمی مقام بہت بلند ہے۔ اس لحاظ سے تمام موافق و مخالف اس بات پر متفق نظر آتے ہیں۔ کہ علمی حیثیت سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی تھی۔ اس سلسلے میں مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید شہید رقمطراز ہیں۔

بعض شخصیات کو اللہ تعالیٰ ایسی جامعیت عطا فرماتے ہیں کہ دین اسلام کے تمام شعبوں میں ان کی خدمات سورج نصف النہار کی مثال بنی ہوتی نمایاں محسوس ہوتی ہیں۔
حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور فقیہ اُمت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی روحانی اولاد کی جامع ترین شخصیات کی فہرست کو ہم دیکھتے ہیں تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی شخصیت اپنی جامعیت میں ایسی ہے جس کی نظیر مشکل ہے۔ آپ کے بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمات کو دیکھتے ہیں تو آپ کی شخصیت میں جامعیت ہی جامعیت نظر آتی ہے۔ چودھویں صدی کے آخری حصے میں جامعیت کی حامل اگر کسی شخصیت پر ہماری نگاہیں ٹھہرتی ہیں۔ تو وہ ذات گرامی مولانا مفتی محمود صاحب کی ہے۔ اپنی زندگی کے قیمتی ترین لمحات میں انہوں نے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں ان کی خدمات کو دنیا بھر کے علماء کرام اور اصحاب علم نے خراج تحسین نہ پیش کیا ہو۔ (۲۶)

مولانا مفتی محمودؒ کی جامعیت کے بارے میں مولانا مفتی جمیل خان شہید نے مولانا مفتی احمد الرحمن کے حوالہ سے یوں لکھا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی زندگی آئینے کی طرح صاف اور شفاف تھی ایک ایک گوشہ ایسا تھا جو کہ سب کو متاثر کر دیتا تھا۔ ہم نے اپنی زندگی میں ایسا شخص نہیں دیکھا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں سنا تھا کہ آپ جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف سیاسی میدان کے شہسوار، دوسری طرف تدریس کے مایہ ناز اور تیسری طرف طریقت کے بے مثل شیخ۔ یہی جامعیت ہم نے مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ میں دیکھی۔ (۲۷)

مفتی صاحبؒ کی گفتگو کا انداز مبنی بر دلائل ہوتا تھا۔ عام بات بھی کرتے تو دلائل کی بھرپور قوت کے ساتھ کرتے۔ اگر کسی نے اختلاف رائے کا اظہار کیا تو کبھی برا محسوس نہ کرتے۔ اخلاق کا دامن کبھی نہ چھوڑتے اور اختلاف رائے کی صورت میں بھی رواداری کے قائل ہوتے۔ مولانا گلزار احمد مظاہری لکھتے ہیں۔

۱۹۸۰ء کے اوائل میں جب وہ دورہ ایران پر تشریف لے گئے۔ تو اتفاق سے ہم دونوں گئے بھی ایک ہی جہاز میں اور آئے بھی ایک ہی جہاز میں اس دوران بہت باتیں ہوئیں بہت سے مسائل پر تبادلہ خیال ہوا۔ وہ اختلافات پر اخلاقیات کو ترجیح دیتے تھے۔ ہر بات دلیل سے کرنے اور سننے کے خواہشمند ہوتے تھے۔ اختلافات کے باوجود رواداری کے قائل تھے مسائل حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ (۲۴)

اور آپ کے بارے میں یہی مشاہدہ آپ کے ساتھ عرصہ تقریباً ۱۵ سال تک مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے درجہ حدیث کے استاد اور آپ کے بعد اسی مدرسہ کے مہتمم مولانا فیض احمد صاحب کا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب، اسلام کے زبردست متکلم اور کامیاب وکیل تھے۔ ملکی اور ملتی مسائل پر گہری اور محیط نگاہ رکھتے تھے اور شب و روز ان کے حل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ جب کسی مجلس میں کسی مسئلہ پر کلام فرماتے تو شوق و ارجحیت کرتے تھے۔ نہایت مؤثر انداز میں واقعاتی دلائل و شواہد سے اسے مبرہن کرتے تھے۔ انصاف پسند مخاطب کو اعتراف و تسلیم کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ آپ کا کلام نہایت سہل، سلیس اور عام فہم ہوتا تھا۔ لیکن واقعات و حقائق اور دلائل و شواہد سے بھرپور۔ آپ کا مخاطب بڑے سے بڑا عالم ہو یا وکیل، ہائی کورٹ کا جج ہو یا ملک کا سربراہ، دستور اسبلی کا پیکر ہو یا کسی جماعت کا قائد آپ کے انداز بیان اور قوت استدلال سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو تسلیم و اعتراف پر مجبور پاتا تھا۔ (۲۵)

آپ کی جامعیت، علمی کمالات اور متعدد علوم میں کامل دسترس کے بارے میں آپ کے عالم فاضل بیٹے، مولانا فضل الرحمن لکھتے ہیں۔

بحیثیت عالم ان کا مقام بہت بلند تھا۔ لیکن اگر اس سے مراد مجرد علم ہے تو اس بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں کہ وہ کس پایہ کے عالم تھے۔ اس کا فیصلہ کرنا خود علماء کے لئے مشکل ہے۔ جنہوں نے ان کے فقہی استدلال سے انہوں نے انہیں فقیہ مانا۔ جنہوں نے حدیث پڑھی انہیں محدث نظر آئے۔ جنہوں نے تفسیر پڑھاتے دیکھا انہوں نے مفسر قرار دیا۔ جنہوں نے منطق و فلسفہ پڑھاتے دیکھا انہوں نے ایک معقولی عالم سمجھا۔ جنہوں نے میدان سیاست میں بولتے دیکھا انہوں نے ایک سیاستدان کی حیثیت سے پہچانا۔ وہ کتنے بڑے عالم تھے؟ یہ طویل بحث ہے۔ (۲۸)

حضرت مفتی صاحب کی علمی گہرائی کی وجہ آپ کی خداداد صلاحیت و استعداد، آپ کے اساتذہ کرام کی قابلیت اور آپ کی خداداد قوت استدلال کے ساتھ ساتھ آپ کا ہمیشہ مطالعہ کتب کی طرف رجحان بھی تھا۔ اس بارے میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بیان کرتے ہیں۔

۱۹۷۹ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر تھا..... ان دنوں مفتی محمود، راولپنڈی کے C.M.H میں زیر علاج تھے۔ میں حدود و زکوٰۃ کے مسائل کے سلسلے میں حضرت مفتی صاحب سے مشورہ کرنے آپ کے پاس جایا کرتا تھا۔ اور ہر موقع پر آپ کی علمی گہرائی و گیرائی کا نہ صرف یہ کہ اندازہ ہوتا تھا بلکہ حیرانی بھی۔ کہ اتنی مصروفیات کے باوجود آپ علمی مسائل کی پیچیدگیوں کو بخوبی جانتے ہیں اور مطالعہ بھی بدستور جاری ہے۔ (۲۹)

تدریسی خدمات

مولانا مفتی محمود ۱۹۴۱ء میں جب تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔ تو اسی سال اپنے وطن واپس لوٹے۔ کچھ عرصہ اسی انتظار میں رہے کہ کسی موزوں مدرسہ سے درس و تدریس

کی دعوت ملے تو وہاں یہ سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ انہی دنوں آپ کو، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ اور آپ نے تصوف کے ابتدائی اسباق لئے۔ (۳۰)

”اسی سال ان کو مدرسہ معین الاسلام عیسیٰ خیل (ضلع میانوالی کی موجودہ تحصیل) سے تدریس کی دعوت ملی۔ اور پندرہ روپے مشاہرہ ملے ہوا۔“ (۳۱)

آپ عیسیٰ خیل میں قیام کے دوران درس نظامی کی ابتدائی کتب کا درس دیتے رہے۔ اسی عرصہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی سرستی میں آبا خیل (سابقہ ضلع بنوں اور موجودہ ضلع کلی مروت) میں ایک دینی مدرسہ کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں مولانا مفتی محمود کو عیسیٰ خیل سے بلایا گیا۔ اور تیس روپے مشاہرہ پر آپ کو وہاں مدرس رکھا گیا۔ (۳۲)

دو سال تک آپ نے وہاں پڑھایا۔ فنڈ کی کمی کی وجہ سے اور علاقہ میں قحط کی صورت حال درپیش ہونے کی وجہ سے مدرسہ بند کرنا پڑا۔ اور بہت بعد میں مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود کتب اور دیگر سامان کو مدرسہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک منتقل کر دیا گیا۔ جس کے لئے مولانا عبدالحق صاحب ”خود ابا خیل تشریف لائے تھے۔“ (۳۳)

”۱۹۴۷ء میں آپ خانقاہ یسین زئی سے عبدل خیل منتقل ہو گئے۔ جہاں آپ نے

امامت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔“ (۳۴)

”اگست ۱۹۵۰ء میں آپ مدرسہ قاسم العلوم ملتان تشریف لے گئے۔ اور درس و

تدریس کے ساتھ افتاء کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔ ۱۹۵۵ء میں آپ کو شیخ الحدیث بنایا گیا۔“ (۳۵)

”۱۹۷۵ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مہتمم مولانا مفتی محمد شفیع کی علالت کے

باعث مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے آپ کو مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔“ (۳۶)

مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی مولانا مفتی محمود کا شمار ملک کے قابل ترین مدرسین میں ہونے لگا۔ علوم منقولہ و معقولہ دونوں کے بہترین استاد کی حیثیت سے ملک گیر شہرت حاصل ہوئی اور طلباء کا رجحان روز بروز بڑھنے لگا۔ پاکستان کے کونے کونے سے طلباء کی آمد کے علاوہ ایران، افغانستان وغیرہ سے بھی طلباء آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگے۔ ایک بہترین مدرس کی جو خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ سب آپ میں موجود تھیں۔

آپ ایک کامیاب مدرس رہے۔ آپ کو بہت کم عرصہ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اس سے قبل ایک طالب علم کی حیثیت سے بھی آپ نے پڑھنے اور سیکھنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے، سکھانے کا عمل بھی جاری رکھا تھا۔ جب آپ مدرسہ شاہی مراد آباد میں طالب علم تھے۔ تو دو ایسے طلباء کا ذکر ملتا ہے۔ جنہوں نے آپ سے باوجود طالب علم ہونے کے پڑھا ہے۔ ان میں ایک آپ کے اسی مدرسہ کے مدرس خاص اور جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد میاں کے صاحبزادے حضرت مولانا حسام میاں صاحب بانی و مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور اور دوسرے ڈیرہ اسماعیل خان کی مشہور خانقاہ یسین زئی کے صاحبزادہ محمود صاحب تھے۔ جنہوں نے ابتدائی فارسی کتب آپ سے پڑھی ہیں۔ اس لئے جب آپ حصول علم سے فارغ ہوئے تو تدریس میں مشغول ہوئے جس کا آپ کو طالب علمی کے زمانہ میں اچھا خاصہ تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔

مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب مکرم و محترم نے ابتدائی تعلیم میٹرک (صحیح مڈل ہے) کے بعد شعوری زندگی کا آغاز ایک دینی درس گاہ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کیا۔ اور جب وہ علوم و فنون سے فارغ ہوئے تو انہیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ یکسوئی کے ساتھ مسند تدریس پر بیٹھ گئے۔ اور قال اللہ اور قال الرسول میں ہمہ تن مشغول و مصروف ہو گئے۔ تا آنکہ وہ ایک جید عالم اور کامیاب مدرس تسلیم کئے گئے۔ اور آخر کار شیخ الحدیث کے منصب

جلیل پر فائز ہوئے۔ (۳۷)

ایک مدرس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں افہام و تفہیم کا مادہ ہو۔ تاکہ وہ اپنی بات طلبہ کے ذہن نشین کر سکے۔ یہ خوبی بھی آپ میں کمال درجہ کے ساتھ موجود تھی۔ محمد سعید الرحمن علوی لکھتے ہیں۔ ”مرحوم میں افہام و تفہیم کا مادہ غضب کا تھا۔ اور مسند تدریس پر بیٹھ کر وہ ویسے بھی کھل جاتے۔ اور پھر علوم کی گرہیں کھلتیں تو سبحان اللہ۔“ (۳۸)

مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں آپ کے ابتدائی شاگردوں میں سے مولانا ضیاء القاسمی بیان کرتے ہیں۔

بحیثیت استاد ان کا اپنا مقام تھا۔ جو انہوں نے خود ہی بنایا تھا۔ اس میں کسی خارجی قوت کا عمل دخل نہیں تھا۔ وہ مقام یوں بنا کہ قاسم العلوم میں طلباء کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ ان کے اسباق مفتی صاحب کے پاس ہوں۔ گویا ہر درجے کے طلباء یہ چاہتے تھے۔ کہ ان کی درسی کتابوں کے لئے مفتی صاحب کو پابند بنایا جائے۔ کیونکہ مفتی صاحب کا طرز تعلیم دوسرے اساتذہ سے مختلف تھا۔ وہ آسان زبان میں سمجھاتے، مختصر جملوں میں بات کہتے اور طلباء کو کتابوں کا رٹا لگانے سے بے نیاز کر دیتے ان کا سمجھایا ہوا مسئلہ ذہن سے محو نہیں ہو سکتا تھا۔ (۳۹)

مولانا مفتی محمود کی درسی خصوصیات کے بارے میں اس سے زیادہ وضاحت مولانا عبدالقادر آزاد بیان کرتے ہیں۔ جو آپ کے شاگرد رہے ہیں۔

درس و تدریس میں ان کا مخصوص انداز تھا۔ اور اس میں فقیہانہ رنگ غالب تھا۔ لیکن مسائل کی تفہیم میں وہ ہمیشہ اختصار کرتے۔ اور وہ مسائل جو دوسرے اساتذہ کے ہاں مہینوں اور برسوں میں بیان ہوتے، سمجھے اور سمجھائے جاتے مفتی محمود ایسے ”اذق“ مسائل کو گھنٹوں اور منٹوں میں نمشا دیتے۔ اور جو مسائل طویل مباحث کے بعد سمجھنے والے ہوتے۔ ایسے مسائل کو وہ انتہائی سادہ اور عام فہم مثال میں سمجھا کر شاگردوں کو مطمئن کر دیتے۔ اور پھر طلباء کو مزید سوالات کی دعوت دیتے۔ اور اس وقت تک نئے سے نیا جواب دیتے رہتے۔ جب تک آخری اور کم سے کم ذہین اور زیادہ سے زیادہ

غنی آدمی کی بھی تسلی نہ ہو جاتی۔ اس بات میں مفتی صاحب ایک منفرد استاد تھے۔ (۴۰)

سیاست کے میدان میں ان کی بڑی شہرت تھی۔ عام سیاسی جلسوں اور جلوسوں، اخباری کانفرنسوں، جماعتی میٹنگز کے ساتھ پارلیمنٹ میں بھی آپ بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے اور اس میں بھی اہم کردار ادا کرتے۔ کچھ عرصہ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف رہے۔ اور اس منصب کے تقاضوں کے پیش نظر عام ممبر قومی اسمبلی کی نسبت انکی سرگرمیاں اور مصروفیات بھی بہت زیادہ تھیں۔ لیکن ان سب کچھ کے باوجود اپنی درسگاہ میں آپ صرف ایک محقق استاد ہی ہوتے تھے۔ مولانا ضیاء القاسمی لکھتے ہیں۔

وہ اپنی درس گاہ میں صرف محقق ہوتے تھے اور کچھ نہیں۔ درس گاہ میں بیٹھے مفتی محمود کو دیکھ کر کسی کو گمان بھی نہیں ہوتا تھا۔ کہ یہی محقق اور مدرس میدان سیاست کا بھی شہسوار ہے۔ کیونکہ ان دونوں میدانوں میں بعد المشرقین ہے۔ درسگاہ کی دنیا کا مزاج، ماحول، اصطلاحات، طور طریقے الگ ہوتے ہیں اور میدان سیاست کی ہر چیز جدا۔ (۴۱)

مفتی صاحب کی درسی خصوصیات کے بارے میں مولانا مفتی محمد یوسف لکھتے ہیں۔ وہ طلبہ کو مطمئن کئے بغیر درس گاہ سے نہیں اٹھتے تھے۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کلاس کا وقت ختم ہوا تو اساتذہ جگہ چھوڑ دیتے ہیں کسی طالب علم کا کوئی سوال ہے تو اگلے روز پر جا پڑا۔ دوسرے روز ضروری نہیں کہ طالب علم اپنا سوال دہرائے یا اسے اس کا موقع بھی ملے۔ مفتی صاحب کی یہ عجیب عادت تھی کہ وہ جب تک تمام سوالات کے جوابات نہیں دیتے تھے اس وقت تک درس گاہ نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کے تیور بتا دیتے تھے کہ وہ ہر سوال کا فوری جواب دے کر یہ بات ختم کرنا چاہتے ہیں اس معاملہ میں آج کی بات کل پر ٹالنے کے روادار نہیں تھے۔ اور نہ سوالات سے ان کی طبیعت پر کوئی اثر پڑتا تھا۔ (۴۲)

مولانا مفتی محمود کے انداز تدریس اور طلباء پر شفقت نے آپ کی طرف تشنگان علوم دین کو متوجہ کیا اور دور دراز سے طلباء آپ کی طرف آپ سے استفادہ کے لئے آنے لگے۔ کوئی ۵۵ سالہ تدریس کا تجربہ رکھنے والا شیخ الحدیث علامہ محمد سرفراز خان صفدر صاحب اس بارے میں بیان کرتے ہیں۔ ”مولانا مفتی محمود صاحب ایک مدرس کی حیثیت سے علمی دنیا پر ظاہر ہوئے اور آپ کے دلکش انداز تدریس نے طلباء کو آپ سے استفادہ کی طرف راغب کیا۔“ (۴۳)

مفتی صاحب کے اولین شاگرد اور ابتداء سے انتہاء تک آپ ہی سے پڑھنے والے اور کثیر التصانیف، عالمی شہرت یافتہ عالم مولانا محمد موسیٰ صاحب روحانی بازی آپ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

بحیثیت استاد وہ کیسے تھے تو اس سلسلے میں یہ بات میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ میں نے اپنے شیوخ میں کسی کو اتنا ذہین نہیں پایا۔ وہ جتنے سیاست میں اعلیٰ تھے اتنے ہی ذہانت میں بلند اور درس و تدریس میں بھی ارفع تھے۔ مدرسہ میں جن اساتذہ کے پاس ہمیں کتاب کے مشکل مقامات سمجھ نہیں آتے تھے۔ ہم وہ مفتی محمود کے پاس جا کر حل کر لیتے تھے۔ (۴۴)

سیاست میں پوری سرگرمی کے باوجود اپنے طلباء کے لئے اس بات کو ناپسند کرتے کہ وہ سیاست میں حصہ لیں۔ اور اپنے مدرسہ کے طلباء کے علاوہ ان کو جہاں جہاں دینی مدارس کے طلبہ سے خطاب کا موقع ملتا تو وہ ان کو ہمیشہ بحیثیت طالب علم سیاست کی خاردار وادی سے دور رہنے کی تلقین فرماتے۔ چنانچہ مولانا محمد یوسف صاحب لکھتے ہیں۔

اتنے مشہور قومی رہنما ہونے کے باوجود اپنی درس گاہ میں وہ سب کچھ بھول جاتے تھے۔ وہ طلبہ کو سیاست سے بچانے کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے۔ انہوں نے کبھی بھی مدرسہ کے حدود میں سیاسی گفتگو نہیں کی۔ اتنے بڑے سیاستدان کی کلاس میں سیاست شجر ممنوعہ تھی۔ ایک بار تو ایسا بھی ہوا کہ اسلام آباد سے آکر درس حدیث دیتے رہے۔

وہاں پر تمام گفتگو سیاسی اور درس گاہ میں تمام گفتگو غیر سیاسی، خالصہ علمی۔ ہم حیران تھے کہ یہ ایک ہی آدمی دو مقامات پر دو جداگانہ روپ میں کیسے نظر آتا ہے۔ اسلام آباد ہے تو خالص سیاستدان اور ملتان ہے تو نواز عالم۔ یہ ممکن نہیں کہ آدمی صبح کی گفتگو شام کو بھول جاتا ہو۔ اور شام کی بات کو صبح فراموش کر دے اتنی جلدی مزاج میں تبدیلی لانا ممکن نہیں۔ لیکن ہم نے مفتی محمود کی شخصیت میں یہ ”اجتماع ضدین“ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ (۴۵)

مولانا مفتی محمود صاحب نے سیاسی مصروفیتوں کو درس و تدریس کے سلسلے میں حائل نہ ہونے دیا۔ جبکہ بہت سے علماء جب سیاست کے میدان میں آجاتے ہیں تو سیاست ہی کے رہ جاتے ہیں۔ اور درس و تدریس کا سلسلہ چھوٹ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید حامد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب کے آخری دور میں سیاسی شہرت سے خیال ہوتا ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر ہی تھے۔ حالانکہ وہ بہت بڑے مدرس بھی تھے۔ حدیث، فقہ کے علاوہ فلکیات، فلسفہ اور منطق کے قابل ترین استاد تھے۔ حق تعالیٰ نے سب علوم میں کمال اور دقت نظر سے نوازا تھا۔ (۴۶)

ایک مدرس نہ صرف کتاب کے پڑھانے اور اس کے مشکل عبارات حل کرانے تک محدود ہوتا ہے بلکہ مثالی استاد وہ ہوتا ہے جو اپنے طلباء پر شفیق بھی ہو۔ اس لحاظ سے بھی آپ کا رویہ اپنے طلباء کے ساتھ شفقت والا ہوتا تھا۔ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی بیان کرتے ہیں۔
دورانِ تعلیم مفتی صاحب کا اپنے تلامذہ سے سلوک ایک سخت گیر استاد کا نہیں بلکہ ایک شفیق باپ کا سا ہوتا تھا۔ ان کا رویہ طلباء کے ساتھ ہمیشہ مشفقانہ رہا۔ ہم ان کا بھی احترام کرتے تھے لیکن وہ ہمارے ساتھ ایک دوست کی طرح گھل مل کر باتیں کرتے تھے۔ (۴۷)

مفتی صاحب کی اسی شفقت کی وجہ تھی کہ آپ سبق کا نام نہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ بیماری کی حالت میں سبق ضرور پڑھاتے۔ ایک مرتبہ اس قدر بیمار ہوئے کہ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آپ کے لئے آرام بہت ضروری ہے۔ مگر طلبہ کی درخواست کے باوجود آپ نے سبق پڑھایا۔ اس موقع پر آپ نے طلباء کو جو جواب دیا مولانا عبد القیوم حقانی کے بقول وہ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے۔ ”میں اپنی زندگی بچانے کے لئے ان غریب طلباء کی زندگی برباد کر دوں بحیثیت استاد میں نے ان کے مستقبل کی ذمہ داری لی ہے۔“ بیماری کی حالت میں بھی حضرت مفتی صاحب لگاتار چھ گھنٹے پڑھاتے تھے۔ (۴۸)

درس کے سلسلے میں آپ اتنے حساس تھے۔ کہ اگر سیاسی مصروفیات کی وجہ سے بروقت مدرسہ نہ پہنچ پاتے تو رات کے وقت دیر تک پڑھاتے۔ یہاں تک کہ وہ مرحلہ بھی آیا کہ جب آپ ۱۹۷۲ء میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے اور جب ۱۹۷۷ء کی تحریک چلی تو شب و روز کی مصروفیات کی وجہ سے درس کا سلسلہ آپ سے کچھ عرصہ کے لئے چھوٹ گیا۔ لیکن اس کا بھی آپ کو ہمیشہ قلق رہا۔ اس سلسلے میں مولانا عبید اللہ انور صاحب بیان کرتے ہیں۔ ”مشغلہ تدریس کے ترک کا انہیں شدید احساس تھا۔ یہ ترک اختیاری نہیں اضطراری تھا۔ کیونکہ وہ ملک و ملت کی تعمیر و ترقی کے مشکل ترین کام میں مشغول ہو گئے تھے۔“ (۴۹)

ایک باکمال مدرس کی خوبی یہ ہے کہ وہ طلبہ کی تعلیم و تربیت کرتے وقت ان کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر ایک طالب علم پر انفرادی توجہ بھی دے۔ اور ان کی سمجھ و صلاحیت کے مطابق ان کو بات سمجھائے۔ اور ان کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرے۔ نہ کہ ان کو دبائے اور ان کی سمجھ بوجھ کی صلاحیتوں کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ مفتی صاحب میں یہ خوبی کمال درجہ کی تھی۔ مولانا محمد یوسف لکھتے ہیں۔

در حقیقت وہ چاہتے تھے کہ لائق طلباء کی کلاس میں اتنی محنت کی جائے کہ تمام طالب علم لائق اور باصلاحیت بن جائیں ایک ہی کلاس کے طالب علموں کو پڑھاتے ہوئے وہ ذہین اور غمی ہر قسم کے طلبہ کا خیال رکھتے۔ ان کی سمجھ اور صلاحیت کے مطابق بات کرتے۔ (۵۰)

اس سلسلے میں مولانا محمد یوسف صاحب مزید لکھتے ہیں۔ ”کلاس میں مفتی صاحب کی توجہ کمزور طالب علموں کی طرف ہوتی تھی۔“ (۵۱)

اس بارے میں مولانا فضل الرحمن اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں۔ بحیثیت استاد وہ سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ تعلیمی کوتاہی ان کے نزدیک ناقابل معافی جرم کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ نرم خو بھی تھے۔ اگر سبق یاد نہ کرنے پر ان پر جلال غالب آجاتا تھا۔ تو سبق یاد کرنے پر ان کا جمال بھی دیدنی ہوتا تھا۔ میں نے ان کے چہرے پر نرمی کے آثار دیکھے ہیں۔

آگے چل کر مولانا فضل الرحمان ان کے پڑھانے اور سمجھانے کے انداز کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

سبق پڑھانے کا انداز حکیمانہ تھا۔ وہ پڑھانے سے زیادہ سمجھانے کے قائل تھے۔ ان کی سمجھائی ہوئی بات ناقابل فراموش ہوتی تھی۔ مشکل ترین بحث کو چند آسان جملوں میں اس طرح سمجھاتے کہ وہی مشکل بحث سب سے آسان نظر آتی اور اسے انتہائی آسان الفاظ میں بیان کرنے کی قدرت حاصل ہو جاتی۔ (۵۲)

حدیثی خدمات

”مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں ۱۹۵۵ء میں آپ کو حدیث کی کتابوں کے مدرسین میں شامل کیا گیا۔“ (۵۳)

جب مولانا عبد الخالق صاحب ”سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، مستقل طور پر اپنے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم کبیر والا تشریف لے گئے۔ تو علم حدیث سے شغف اور اس میں وسعت مطالعہ کی وجہ سے مدرسہ قاسم العلوم کی انتظامیہ نے آپ کو شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا۔ اور صحیح بخاری اور جامع ترمذی آپ کے زیر درس رہیں۔

اس سلسلے میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے حدیث کے مدرس اور مفتی صاحب کے بعد قاسم العلوم کے مہتمم مولانا فیض احمد صاحب لکھتے ہیں۔ ”حضرت مفتی صاحب اپنے دور کے عظیم محدث بھی تھے۔ مدت دراز تک مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ دورہ حدیث کی سب سے زیادہ اہم کتابیں صحیح بخاری اور جامع ترمذی آپ کے زیر درس رہیں۔“ (۵۴)

علم حدیث میں آپ کو ایک ممتاز مقام حاصل رہا۔ اور آپ کے ہم عصر تمام علماء اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ آپ کا درس حدیث میں انداز تدریس تحقیقی تھا۔ حکیم عبدالرحیم اشرف لکھتے ہیں۔ ”مفتی محمود علیہ الرحمۃ تدریس کے پرسکون ماحول میں اس نعمت سے سرفراز ہوئے کہ انہوں نے اسلامی علوم و احکام میں تحقیقی انداز معمول بنایا۔ اور ان کی حیثیت ایک محقق شیخ الحدیث کی قرار پائی۔“ (۵۵)

یہی وجہ تھی کہ آپ کی طرف طالبان علوم حدیث کا رجحان بڑھا۔ اور دور دراز سے طلباء آپ سے کسب فیض کے لئے اُمد آئے۔ مولانا نور الہدی لکھتے ہیں ”ملک کا ہر شخص آپ کی قابلیت کا معترف تھا۔ اور علمی و فقہی مسائل کے سلسلے میں ان کی رائے حتمی سمجھی جاتی تھی۔ علوم حدیث کے طلبہ کا ان کی طرف بکثرت رجوع تھا۔“ (۵۶)

صرف پاکستان ہی نہیں قریبی ممالک کے طلباء بھی آپ سے پڑھنے اور خصوصاً حدیث کی سند اجازت کے لئے حاضر ہوتے۔ اس بارے میں مولانا فیض احمد تحریر کرتے ہیں۔ ”پاکستان،

بلکہ دیش، افغانستان، ایران کے سینکڑوں علماء کرام نے آپ سے علمی استفادہ کیا اور حدیث کی سند اجازت حاصل کی۔“ (۵۷)

علم حدیث میں وسعت مطالعہ کی بناء پر آپ کو بہت سی احادیث نبوی ازبر تھیں۔ چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں ”خاص طور سے احادیث انہیں صرف مفہوماً نہیں لفظاً و تناً بہت یاد تھیں۔“ (۵۸)

علم حدیث کے لئے جہاں وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ علمی و دینی رسوخ اور ذہنی قوت لازمی ہے وہاں قوت حافظہ بھی اسکے لوازمات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مفتی محمود کو بے مثال قوت حافظہ سے نوازا تھا۔ مولانا فیض احمد صاحب لکھتے ہیں۔ ”صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے درس میں طویل و عریض فقہی مباحث، ائمہ اربعہ، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے مذاہب و دلائل اور متعلقہ سوالات و جوابات نہایت تفصیل کے ساتھ محض اپنے حافظہ سے بیان فرماتے تھے۔“ (۵۹)

علم حدیث میں اسی رسوخ کا نتیجہ تھا کہ آپ نے جامع ترمذی کی شرح تالیف کی۔ مولانا فیض احمد لکھتے ہیں۔ ”بے شمار علمی، تدریسی، تنظیمی اور سیاسی مصروفیات کے باوجود آپ نے جامع ترمذی کی عربی شرح بھی تالیف فرمائی۔“ (۶۰)

فقہی خدمات

علم فقہ سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ بلکہ آپ کو خانقاہ یسین زئی میں جو ابتدائی ماحول ملا وہ خالصہ دینی، اصلاحی اور علمی ماحول تھا۔ اور وہاں فقہی مباحث زیادہ تر موضوع بحث رہتے۔ دیگر کتب کے علاوہ بحر الرائق، رد المحتار (شامی)، البدائع والصنائع اور مولانا عبدالحی لکھنوی کی فقہی تصانیف در سادر ساء، سبقاً سبقاً پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔ ایسے ماحول کی وجہ سے آپ کا بھی

زیادہ تر رجحان علم فقہ کی طرف رہا۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں آپ کی تقرری بحیثیت مدرس ہوئی۔ تو تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی آپ کے سپرد ہوا۔ مدرسہ قاسم العلوم کی انتظامیہ کو تلاش بھی ایسے عالم کی تھی۔ کہ وہ تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کا کام بھی انجام دے۔ مقالہ نگار لکھتا ہے۔

مدرسہ قاسم العلوم ملتان کو عرصہ سے ایک ماہر التدریس اور قابل مدرس و مفتی کی تلاش تھی۔ ذی الحجہ ۱۳۷۰ مطابق اگست ۱۹۵۰ء آپ قاسم العلوم تشریف لے گئے۔ اور مسند تدریس و افتاء کو رونق بخشی۔ (۶۱)

اس بارے میں مولانا محمد موسیٰ صاحب روحانی باڑی لکھتے ہیں۔

فتویٰ نویسی کی وجہ سے آپ مولوی محمود کے ساتھ ساتھ مفتی محمود کے نام سے پکارے جانے لگے۔..... کچھ عرصے بعد مولانا عبدالحق نے فتوے کا کام بھی انہی کو سونپ دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں ان کی شہرت ہو گئی۔ اور ابتدائے سال ہی سے طلباء کی کوشش ہوتی۔ کہ ان کی کتابیں مفتی صاحب کو دی جائیں۔ انہوں نے تدریس اور افتاء کا کام ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ اس طرح چند سال تک وہ مولوی اور مفتی محمود رہے بعد ازاں مفتی محمود رہ گئے۔ (۶۲)

آپ کی فقہیت کے بارے میں عصر حاضر کے مشہور عالم، شیخ الحدیث اور علوم انور شاہ کشمیری کے وارث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی رائے بیان کرتے ہوئے مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کو فقہ میں خاص مقام عطا فرمایا تھا۔ حضرت مولانا بنوری فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت پاکستان میں ان سے بڑا کوئی مفتی نہیں۔..... ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ میری نظروں سے آج تک کوئی عالم ایسا نہیں گزرا جس نے فقہ کی کتاب ”شامی“ (جو کہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اور

ہر جلد میں سات سو صفحات ہیں) کا بالاستیعاب ایک دفعہ بھی مطالعہ کیا ہو۔ مسائل کے مطابق اسی کو دیکھتے ہیں۔ مگر مفتی صاحب نے اس کتاب کو بالاستیعاب تین دفعہ اول سے آخر تک پڑھا ہے۔ اور ان کو اس کتاب پر مکمل عبور حاصل ہے۔ فقہی کتب کی گہرائی سے مطالعہ، اور فقہاء کرام کی مزاج شناسی کی وجہ سے آپ کو فتویٰ نویسی میں جو اعلیٰ مقام حاصل ہوا۔ مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ پر آپ کے فتویٰ کے بعد کسی اور فتوؤں کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ (۶۳)

مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں ”وہ اس دور کے بہت ہی بلند پایہ فقیہ و مفتی بھی تھے۔ ان مشاغل کے ساتھ منصب افتاء پر بھی فائز رہے۔ اور مدرسہ قاسم العلوم میں ان کے ہاتھ سے بیس ہزار سے زائد فتاویٰ تحریر ہوئے۔“ (۶۴)

شیخ المشائخ، سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم آپ کی تحریر کردہ فتاویٰ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”جامعہ قاسم العلوم کے رئیس مفتی کی حیثیت سے آپ نے جو محققانہ فتاویٰ جاری کئے۔ وہ ایسا علمی خزانہ ہے جس سے امت مسلمہ رہتی دنیا تک استفادہ کرتی رہے گی۔ علماء کرام اس سے خوشہ چینی کر کے امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں گے۔“ (۶۵)

مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمن صاحب لکھتے ہیں۔

مفتیان کرام کے اسی سلسلہ الذہب کی ایک سنہری کڑی میرے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ اپنے دور کے بہترین فقیہ اور مفتی تھے۔ ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۷۵ء تک کے دور افتاء میں آپ نے تقریباً بائیس ہزار فتاویٰ جاری فرمائے۔ جو نوع بنوع مسائل سے متعلق تھے آپ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے حدیث و فقہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ سیاسی بصیرت بھی عطا فرمائی تھی۔ اس بناء پر آپ کے فتاویٰ نہایت مدلل، معتدل اور متوازن ہوتے تھے۔ (۶۶)

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ کے فتاویٰ نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرون ملک بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ ہندوستان، ایران، افغانستان حتیٰ کہ مغرب و یورپ میں آباد مسلمان بھی مشکل مسائل میں حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مولانا مفتی جمیل خان شہید لکھتے ہیں۔ ”ادھر آپ کی فقاہت اور فہم و تدبر کی وجہ سے قاسم العلوم نے رئیس الافتاء کے منصب کو بھی آپ ہی سے زینت بخشنے کا فیصلہ کیا تو آپ کے فتاویٰ نے پورے ملک ہی نہیں بیرون ملک بھی آپ کی فقاہت کی دھوم مچادی۔“ (۶۷)

مفتی صاحب کے فتاویٰ کو معاصر علماء کی ہمیشہ تائید حاصل رہی ہے۔ وہ اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ فقہ و افتاء میں آپ امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ وہ یہ بات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جدید مسائل میں آپ کی رائے بڑی مدلل اور وزنی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا قاری سعید الرحمن صاحب لکھتے ہیں۔

آپ کو فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اور ہزاروں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکل کر ملک کے طول و عرض میں پھیلے۔ علوم کا سطحی علم رکھنے والے افراد تو بہت ہوتے ہیں۔ لیکن گہرائی اور عمق رکھنے والی شخصیتیں اس دور میں بہت کم رہی ہیں۔ مفتی صاحب کی شخصیت خصوصاً فقہ اور افتاء کے معاملہ میں امتیازی حیثیت کی مالک تھی۔ جدید مسائل اور نئے نئے پیدا ہونے والے معاملات میں مفتی صاحب کی رائے بڑی وزنی اور گہری ہوتی تھی۔ بارہا مجھے ایسی مجالس میں شرکت کا موقع ملا جہاں بڑے بڑے علماء موجود ہوتے تھے۔ جدید مسائل پر مفتی صاحب قوت استدلال سے اپنی بات منوالیتے۔ (۶۸)

مولانا فیض احمد صاحب آپ کی فقہ و افتاء کے بارے میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور اپنی رائے درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

تفقه، تدبر، انجام بخیر اور دور اندیشی میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ عالم اسلام کے محدث اعظم، عارف باللہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ، حضرت مولانا مفتی محمود کو "فقیہ النفس" فرمایا کرتے تھے۔ تفقہ اور فہم دین آپ کا طبعی و فطری وصف تھا۔ معاملہ فہمی، حقیقت شناسی کا جو ہر قسام ازل نے آپ کی طبیعت میں ودیعت کر دیا تھا۔ آپ نے تقریباً تیس سال مدرسہ قاسم العلوم کے دارالافتاء کو زینت بخشی۔ قدیم و جدید مسائل پر ہزاروں فتوے آپ کے قلم، آپ کے مشورہ یا آپ کی سرپرستی میں لکھے گئے۔ (۶۹)

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مفتی و شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی لکھتے ہیں۔

فقہ کے بارے میں راقم اس قدر جانتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ بہت ہی کامیاب اور دقیقہ رخ مفتی تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے ایک مرتبہ راقم کے سامنے حضرت مفتی صاحب کے تفقہ اور فقہ میں اصابت رائے کی تعریف کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو فقاہت نفس سے سرفراز فرمایا تھا۔ (۷۰)

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مزید لکھتے ہیں۔

دس بارہ سال قبل حضرت بنوری قدس اللہ سرہ کی زیر سرکردگی مفتیان کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ جس کا کام اسلام کے مالیات کے نظام پر غور و فکر اور اس سلسلہ میں دفعات مرتب کرنا تھا۔ حضرت مفتی صاحب اس کمیٹی کے اجلاس میں برابر شریک رہے۔ بلکہ اس کے روح رواں ہی حضرت مفتی صاحب تھے۔ اس اجلاس میں راقم کو مفتی صاحب کے علم و فضل کو دیکھنے اور محسوس کرنے کا موقع ملا۔ (۷۱)

فقہی کتابوں کے مطالعہ اور فقہی مباحث کے شغف سے آپ کا مزاج ایسا بن گیا تھا۔

کہ عام معاملات خصوصاً سیاسی مسائل میں بھی آپ فقہی استدلال سے کام لیتے۔ اور فقہی

استدلالات کی روشنی میں ان کے بارے میں رائے قائم کرتے۔ چنانچہ مولانا گلزار احمد مظاہری لکھتے ہیں۔

مسائل حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے بلکہ اکثر یوں ہوتا کہ وہ مسائل حاضرہ پر بات کرتے ہوئے فقہی استدلال سے بھی کام لیتے تھے۔ اس سے اندازہ یہ ہوتا تھا۔ کہ وہ سیاسی مسائل کو اجتہاد و تفقہ کی ترازو میں تولتے ہیں۔ اور پھر ان مسائل کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔ (۷۲)

آپ کے مزاج پر فقہ اور فقہی استدلال کے غلبہ کے بارے میں آپ کے دور طالب علمی کے قریبی ساتھی، مخلص دوست اور اپنے دور کے مشہور مدرس عالم، سابق ممبر قومی اسمبلی مولانا صدر الشہید صاحب جو مدرسہ معراج العلوم بنوں کے مہتمم بھی رہ چکے ہیں، لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کا فقہی مقام سب سے زیادہ بلند تھا۔ بحیثیت فقیہ وہ اس دور کے آدمی نہیں تھے۔ گزشتہ دور کے انسان تھے۔

(پھر آگے وہ اس کی وجہ لکھتے ہیں) یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان کی لیاقت و ذہانت کو میں طالب علمی کے زمانے سے دیکھتا آیا ہوں۔ فقہ سے انہیں شروع سے دلچسپی تھی۔..... درسی کتب تو انہوں نے سبق پڑھی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سی غیر درسی فقہی کتابیں بھی انہیں ازبر تھیں۔ (۷۳)

مفتی صاحب، استفتاء کا جواب نہایت احتیاط سے لکھتے۔ اس لئے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان کے قلم سے غلط فتویٰ نکلا ہو۔ یا کسی عالم یا مفتی نے آپ کے فتویٰ پر اعتراض کیا ہو۔ مسئلے کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس کا جواب تحریر کرتے۔ اس سلسلے میں مولانا صدر الشہید لکھتے ہیں۔

میری معلومات کے مطابق ایسا بہت کم ہوا ہے کہ مفتی صاحب کو کسی مسئلے پر پریشانی ہوئی ہو اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ ان کے قلم سے کوئی غلط فتویٰ نکلا ہو۔ اور بعد ازاں اس پر انہیں ندامت کا سامنا کرنا پڑا ہو۔..... اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فتویٰ صادر کرنے سے پہلے متعلقہ مسئلے کی تمام کلیات و جزئیات کو سمجھتے

تھے۔ اس کے بعد اس موضوع پر جملہ کتب کو سامنے رکھتے تھے، تب جا کر یہ فیصلہ کرتے تھے کہ کس مسئلہ پر کیا فتویٰ دینا درست ہو گا۔

میں نے بہت سے مسائل پر ان سے خود بھی بات کی ہے۔ وہ بے پناہ حافظے اور قوت استدلال کے مالک تھے۔ فتویٰ زبانی ہو یا تحریری دونوں میں احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔

..... مفتی صاحب مرحوم پہلے ہی فتویٰ کامل احتیاط سے

لکھتے تھے۔ اور آج تک ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ ان کے تحریر کردہ فتویٰ پر کسی مفتی

یا عالم نے اعتراض کیا ہو یا انہوں نے اپنے کسی فتوے سے رجوع کیا ہو۔ (۷۳)

مفتی صاحب کے مزاج میں حد درجہ اعتدال تھا۔ یہی وصف ان کے فتوؤں میں بھی نظر

آتا ہے۔ وہ افراط و تفریط اور مبالغہ آرائی سے ہمیشہ مجتنب رہتے تھے۔ مولانا صدر الشہیدؒ لکھتے ہیں۔

ان کے ہاں ایک انفرادیت پائی جاتی تھی اور وہ تھی فتویٰ دینے میں اعتدال کی راہ۔ ان کا

طریق کار یہ تھا کہ کسی مسئلے کا ایک رُخ کیسا ہی واضح اور کتنا ہی روشن کیوں نہ ہو وہ مسئلے

کے دوسرے پہلو کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ جب تک مسئلے کے دوسرے

پہلو پر پوری تحقیق نہیں کر لیتے تھے فتویٰ ہرگز نہیں دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اس بات

کا وہ خیال رکھتے تھے کہ کسی مسئلے کے اثبات یا نفی میں دلائل لکھتے وقت مبالغہ اور افراط و

تفریط سے کام نہ لیا جائے۔ چونکہ بحیثیت مفتی انتہائی

اعتدال پسند تھے۔ اس لئے یہ اعتدال ان کی شخصیت کا لازمہ بن چکا تھا۔ یہی وجہ ہے

کہ ان کی قومی زندگی میں بھی ہمیشہ اعتدال نظر آتا تھا۔ (۷۵)

مولانا جمل خان صاحب نے بھی مفتی صاحب کے فتوؤں کے بارے میں لکھا ہے کہ

عالم یا مفتی ان کے کسی فتویٰ پر اعتراض نہیں کر سکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”انہوں نے مدرسہ

م العلوم ملتان میں منصب افتاء پر فائز ہو کر تقریباً ۲۲ ہزار فتوے صادر کئے۔ اور کسی ایک فتویٰ

میں کوئی عالم یا مفتی انگشت نمائی نہیں کر سکا۔ (۷۶)

یہی بات مفتی جمیل خان شہید نے بھی یوں بیان کی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ”علیت کے ساتھ فقہ و حکمت اور فہم و ذکاوت ہر اعتبار سے اس درجہ پر تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ”مفتی“ کے لفظ کو ان کے نام کا جز بنا دیا تھا۔ آپ کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں جاری ہوئے کسی ایک فتویٰ پر کوئی شخص انگلی تک نہیں اٹھا سکتا۔ (۷۷)

اس ضمن میں مفتی محمود کے قاسم العلوم ملتان کے دور اوّل کے شاگرد، مولانا نور محمد

مہتمم دارالعلوم وانا جنوبی وزیرستان جو خود بھی ایک قابل مدرس، شیخ الحدیث اور متعدد کتب کے

مصنف ہیں، لکھتے ہیں۔ ”چونکہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۲ء تک، بندہ کا حضرت مفتی صاحب سے بہت

قریبی تعلق اور وابستگی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ مفتی صاحب کے کسی فتویٰ کو علماء نے کسی سقم یا لغزش

کی اساس پر مسترد کر دیا ہو۔ یا آپ کو نظر ثانی کا مشورہ دیا ہو۔“ (۷۸)

فتویٰ کے معاملے میں آپ قوت استدلال سے کام لیتے۔ اور اپنے موقف پر زور دار

دلائل سے مضبوطی سے قائم رہتے۔ یہاں تک کہ مقابل کو آپ کے موقف کے تسلیم کئے جانے

کے بغیر کوئی چارہ نہ رہتا۔ مولانا محمد جمل خان صاحب نے مفتی صاحب کا ڈاکٹر معروف الدوالیبی

کو رجم کی سزا سے متعلق بحث اور استدلال کو تفصیل سے بیان کیا ہے وہ آخر میں لکھتے ہیں کہ ”مفتی

صاحب کی گفتگو جاری تھی کہ ڈاکٹر دوالیبی یک دم کھڑے ہو کر مفتی صاحب سے لپٹ گئے۔ اور

کہنے لگے۔ بس مفتی صاحب! میں نے آج تک اتنے زور دار دلائل نہیں سنے۔“ (۷۹)

مفتی صاحب فتویٰ دینے میں کامل احتیاط سے کام لیتے اور اس کے تمام مثبت منفی

پہلوؤں کو وقت نظر سے دیکھتے اس کے بعد کسی استفتاء کا جواب لکھتے تھے خاص کر وہ استفتاء جو کسی

فحش پر فتویٰ لگانے کی غرض سے ہوتا تھا۔ سابق صدر ایوب خان کے دور میں ۱۱۳ علماء نے جناب

ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے ہمنواؤں پر ”اسلامی سوشلزم“ کی اصطلاح استعمال کرنے پر فتویٰ لگایا تو

مفتی صاحب اور ان کی جماعت نے اس کی پر زور مخالفت کی اور اس کو دین اسلام کے مزاج کے

خلاف قرار دیا اور یہ کہ ان علماء اور مفتی حضرات نے فتویٰ لگانے میں احتیاط سے کام نہیں لیا ہے۔ اس سلسلے میں مفتی صاحب نے ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور میں درج ذیل بیان شائع کیا۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کہیں اسلامی سوشلزم کا ذکر کر کے سوشلزم کو اسلام سے جوڑنے کی کوشش کی اس پر سرکار پرست قسم کے نام نہاد ”علماء“ نے آسمان سر پر اٹھالیا اور اس کو اسلام کی مخالفت اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی توہین کا حوالہ دے کر مسلمانوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی یہاں تک کہ جمعہ کے اجتماعات میں ان کے بیان کے خلاف یوم احتجاج منانے کی اپیل بھی کر دی گئی مجھے تعجب ہے کہ معمولی قسم کے واقعات کو سیاسی اغراض کے تحت مذہبی اہمیت دے کر عوام کے جذبات سے بے خوف و خطر کھیلا جا رہا ہے۔ کیا ان علماء کرام نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ بھٹو صاحب سوشلزم سے کیا مراد لے رہے ہیں؟ خود بھٹو صاحب سے وضاحت طلب کئے بغیر ان کو گردن زدنی قرار دینے کا مطلب کہیں یہ تو نہیں کہ حکومت کو خوش کر کے اپنی اغراض کی تکمیل کرنا مقصود ہو۔ کیا موجود حکومت کے جاری کردہ عائلی قوانین کے نفاذ سے جو صراحتاً اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ موجودہ حکومت کی طرف سے اسلام کی توہین نہیں ہوئی؟ کیا تحریف فی الدین اور انکار سنت اور انکار ختم نبوت کے فتوؤں کی سرپرستی سے پیغمبر اسلام ﷺ کی کوئی توہین نہیں ہوئی؟ (۸۰)

فتویٰ کے معاملہ میں آپ جتنے محتاط اور افراط و تفریط سے گریز کرنے والے ہوتے

تھے۔ اسی قدر آپ وسیع النظر اور وسیع النظر بھی تھے۔ وہ دوسروں کی آراء کو نہایت تحمل سے سنتے۔ وزنی ہونے کی صورت میں قبول کرنے میں کبھی پس و پیش سے کام نہ لیتے اور اپنا موقف بھی فقہاء کرام کی آراء کی صورت میں پیش کرتے اور قوت استدلال سے اس کو اور زیادہ قوی کر دیتے۔ مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید، مولانا محمد تقی عثمانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود صاحب بہت زیادہ وسیع النظر اور وسیع النظر تھے ان کے سامنے ہر وقت فقہاء کرام کی آراء رہتی تھیں۔ اور مسائل کے سلسلے میں سب سے پہلے مخالف

کے نقطہ نظر کو تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ سنتے اور اس کے بعد پہلے اس کے دلائل کو رد فرماتے اور بعد میں اپنے دلائل جو کہ فقہاء کرام کی آراء پر مشتمل ہوتے تھے اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے۔ (مولانا محمد تقی عثمانی صاحب آگے لکھتے ہیں) مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ”یا مجھے قائل کیجئے یا میرے دلائل کو تسلیم کریں۔“ (وہ اس سلسلے میں مفتی صاحب کا قول نقل کرتے ہیں) ”فقہی مسائل نہ میرے ہیں اور نہ آپ کے، ہم نے کتاب و سنت اور فقہاء کرام کی آراء کے مطابق حل کرنے ہیں۔ اور اس میں ترجیح کا مدار دلائل پر ہے۔ یا مجھے اپنے دلائل سے قائل کر لیجئے یا میرے دلائل کو تسلیم کیجئے۔“ (۸۱)

فقہی مسائل کے بارے میں آپ علماء کرام اور مفتیین عظام سے گفتگو فرماتے۔ اور ان میں ان کی نیت اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ علماء کرام کا متفقہ موقف سامنے لایا جائے۔ وہ کبھی یہ کوشش نہیں کرتے تھے کہ مذہبی و فقہی مسائل کو سیاسی رنگ دیا جائے۔ مولانا جمیل خان شہید، مولانا محمد تقی عثمانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

مفتی محمود صاحب نے کبھی مذہبی مسئلے کو سیاسی رنگ دینے کی کوشش نہیں کی۔ وہ مذہبی مسائل کے معاملات میں سیاست دانوں سے مشورہ کی بجائے علماء کرام سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مذہبی مسائل کے سلسلے میں علماء کرام کا متفقہ موقف پیش کیا جائے۔ (۸۲)

فقہی مسائل میں آپ کی فہم و فراست اور بصیرت و دیانت ہی اس بات کی وجہ بنی کہ بڑے بڑے علماء کرام اور مفتیین عظام آپ کے فتاویٰ پر اعتماد رکھتے تھے۔ چنانچہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی لکھتے ہیں۔

حتیٰ کہ جلیل القدر علماء آپ کے فتاویٰ پر اعتماد رکھتے ہیں۔ قوت استدلال اور مبسوط معلومات کے پیش نظر یہاں تک سنا گیا ہے کہ گزشتہ سال پنڈی میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے دوران عائلی قوانین کمیٹی میں جب تک آپ کو شریک نہیں کیا گیا

پاکستان کے بعض اکابر اور مسلم العلماء و مفتوی علماء دین نے بھی اس کمیٹی کے رکن بننے سے انکار کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کے حسن ظن کو پورا فرمایا اور جب آپ نے اس پر مدلل بحث کو مکمل کر لیا تو موثق ذرائع کے مطابق غالباً مشرقی پاکستان کے ہی ایک رکن کمیٹی نے جو ان قوانین کی تائید میں مضمون پیش کرنے والے تھے۔ از راہ دیانت اپنی رائے بدل لی اور مضمون پڑھنا چھوڑ دیا۔ (۸۳)

جدید فقہی مسائل کے حل میں آپ کی خدمات

شریعت اسلامیہ، جامد نہیں ہے بلکہ حالات و واقعات اور وقت و زمانہ کی رعایت کے ساتھ اس کے احکامات بھی نئی نئی شکلیں اختیار کرتی جاتی ہیں۔ اور یہ ہر زمانے کی ضرورت رہی ہے۔ اور انسانی زندگی کا بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ نہایت اہم پہلو ہے جس میں علماء کرام اور مفتیان عظام شریعت کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر شرعی مسائل میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی لکھتے ہیں۔

جدید صنعتی اور فکری انقلاب نے جو بہت سے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ ان میں ایک جدید دور میں پیدا ہونے والے مسائل کا فقہی اور شرعی حل بھی ہے۔ جو جدید ایجادات اور نئے معاملاتی نظام کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان مسائل کا حل کرنا ایک مشکل اور دشوار کام ہے اس لئے کہ اس کام کے لئے قرآن و حدیث اور فقہ کے قدیم ذخیرہ میں ان کی نظائر اور ان سے قریب ترین صورتیں تلاش کرنی ہوتی ہیں احکام کی علتوں اور اسباب پر غور کرنا ہوتا ہے۔ اور اپنے زمانے کے عرف اور رواج کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ اس مشکل اور دشوار کام کا حل کرنا علماء کے ذمہ ہے اور وہی اس کا صحیح حل تلاش کرنے کے اہل ہیں۔ چنانچہ ہر زمانے کے اہل علم و ادب نے اپنے اپنے دور کے مسائل حل کئے ہیں۔ (۸۴)

اسی شرعی ضرورت کے پیش نظر مولانا مفتی محمود نے ۱۹۶۵ء میں ہفت روزہ ”شہاب“ اور کے ذریعہ بعنوان ”علماء کرام کی آزمائش۔ نئے مسائل چیلنج کر رہے ہیں“ ایک مضمون شائع کیا جس میں وہ لکھتے ہیں۔

دینی مدارس اور علماء کو پیش آمدہ نئے مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور ایسے اصول اپنانے چاہیں جن سے زمانہ حال کا مقابلہ کیا جاسکے۔ یورپ سے نئے مسائل ہمارے ہاں درآمد ہو رہے ہیں۔ اور ان مسائل پر اسلامک ریسرچ کے اداروں کی طرف سے مہر تصدیق ثبت کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اخبارات، رسائل، ریڈیو اور دیگر ذرائع سے کتاب و سنت پر صریح مخالف اسلام کو عین اسلام جہت کرنے کے لئے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اور واضح اسلامی احکامات کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں۔ حالانکہ اسلام کے اصول بدلے نہیں جاسکتے اور قطعی نصوص میں تحریف کی اجازت کسی طرح نہیں دی جاسکتی۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے اس وقت اس سلسلے میں مختلف اشخاص اور اداروں کی

طرف سے جو مذموم کوششیں ہو رہی تھیں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اسلامی مشاورتی کونسل کے ایک رکن نے بیئر شراب کے حلال ہونے کی رائے اپنی سالانہ رپورٹ میں دی ہے۔ نیز اس رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ موجودہ بینک سسٹم اور کاروباری سود و ربا نہیں جو قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف قسم کے بیمہ جات مثلاً زندگی کا بیمہ، مال تجارت کا بیمہ وغیرہ کے شرعی جواز کی صورت نکالنے کی کوشش شروع ہے۔ مصر کے ملک میں بینک میں تو عورتوں کا دودھ جمع کیا جاتا ہے۔ زچہ بچہ اور بہبودی اطفال کے اداروں اور شفاخانوں میں وہ دودھ بچوں کو پلایا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں اس دودھ کے استعمال کرنے سے رضاعی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور اس کو شرعاً جائز ثابت کرنے کی کوشش شروع

ہے۔ کراچی میں ذبیحہ کا بندوبست مشین سے کیا جا رہا ہے۔ ایسا ذبح بالکل ناجائز ہو گا۔
اب لوگ مجبور ہوں گے کہ مشین کے ذریعہ ذبح کئے گئے گوشت کو کھائیں۔

حالات کا تجزیہ پیش کرنے کے بعد مفتی صاحب علماء کرام اور مفتیین عظام کی توجہ ال

شرعی ضرورت کی طرف مبذول کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ان حالات کا تقاضا ہے کہ علماء امت مل کر نئے پیدا شدہ مسائل کا جائزہ لیں۔ اور ان

مسائل پر ٹھوس دلائل پیش کر کے تحریر و انشاء کے ذریعہ سے عامۃ المسلمین کو صحیح

صورت حال سے آگاہ کریں۔ (۸۵)

اگر ایک طرف مولانا مفتی محمود نے جدید پیدا شدہ مسائل کو شرعی نقطہ نظر سے حل کرنے کی طرف امت کے علماء کرام کو متوجہ کرنا ضروری خیال کیا۔ تو دوسری طرف امت کو ایسے مسائل میں الجھنے سے بچنے کی تلقین کی جو امت میں انتشار پیدا کرنے کی غرض سے باطل قوتوں اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے والوں کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں۔ اور اہم دینی و شرعی ذمہ داریوں سے علماء کرام کی توجہ لایعنی مباحث کی طرف کھینچنے کی مذموم کوششیں کی جاتی ہیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب ملک میں علماء کرام کے اندر یہ مسئلہ اٹھانے کی کوشش کر کے ان کو غیر ضروری مسائل میں پھنسانے کی کوشش کی گئی کہ کوا حلال ہے یا حرام ہے۔ مفتی صاحب نے باطل قوتوں کے ارادوں کو بھانپتے ہوئے علماء کرام اور اپنی جماعت کے کارکنوں کو ان مباحث میں الجھنے سے بچنے کی تلقین کی۔ آپ نے لکھا۔

آج کل پنجاب کے مختلف شہروں میں علماء اور عوام میں کوئے کی حلت و حرمت پر بحثیں

چل رہی ہیں جس میں سرکاری مولوی پیش پیش ہیں۔ بعض سادہ لوح علماء فضول اور

بے مقصد مباحثوں اور مجادلوں میں الجھ کر عامۃ المسلمین میں افتراق کا سبب بن

رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

کوئے کے حلال و حرام ہونے کی اس بحث میں یہ سادہ لوح علماء نہیں سمجھتے کہ دین اور اہل دین کا کس قدر نقصان ہے اس سے نہ صرف عام مسلمانوں میں خلفشار اور تصادم رونما ہو گا بلکہ لمحہ و بے دین طبقہ کو علماء کے خلاف ایک اور ہتھیار ہاتھ آ جائے گا۔ (۸۶)

مسئلہ رویت ہلال میں ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کے استعمال کا حکم

مسئلہ رویت ہلال کے بارے میں پاکستان میں علماء کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً ہر

رمضان المبارک اور شوال کے چاند کے بارے میں پریشان کن صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا

قد حکومتی سطح پر بھی کوئی ایسے اقدامات و انتظامات نہیں تھے۔ جسے شرعی اعتبار سے اطمینان

پیش کیا جاسکتا۔ اور جدید ذرائع ابلاغ مثلاً ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ چاند کے ثبوت، عدم

ثبوت نے نئی تحقیق کی ضرورت کو مزید دوچند کر دیا تھا۔ اس ضرورت کے پیش نظر سب سے پہلے

ان حالات کے اعتبار سے جس شخصیت نے اس شرعی ضرورت کو محسوس کیا وہ مولانا مفتی محمود

صاحب تھے۔ اگرچہ اس وقت تک ان کی شہرت ایک محدود حلقے تک تھی۔ لیکن انہوں نے اس

سلسلے میں ایک اہم قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں پہلے پہل بارہ سوالات مرتب

کئے۔ اور پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے مفتیین کرام کے پاس بھیجے۔ اور خود بھی ان سوالات

کے جوابات مرتب کئے۔ جو کتابی صورت میں ”زبدۃ المقال فی رؤیۃ الهلال“ کے نام

سے چھپی ہے اور جس کا اب اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اور اسے فتاویٰ مفتی محمود جلد سوم کا حصہ بنا

دیا گیا ہے۔ علماء کرام اور مفتیین حضرات کی طرف سے جو جوابات موصول ہوئے ان میں سے

بعض جوابات ایک دوسرے کے خلاف تھے۔ اس ضرورت کے پیش نظر مولانا مفتی محمود صاحب

نے ۱۶، ۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء کو مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں ان علماء کا اجلاس طلب کیا۔ تاکہ کوئی

متفقہ لائحہ عمل سامنے لایا جاسکے۔ دودن کے اجلاس کے بعد جو متفقہ موقف سامنے لایا گیا۔ وہ علماء کے متفقہ فیصلے کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

”علماء کا متفقہ فیصلہ“ کے عنوان سے جو فیصلے شرعی نقطہ نگاہ سے لکھے گئے ہیں۔ ان میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مفتی محمود صاحب لکھتے ہیں۔ ”اس میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ متون معروفہ و مشہورہ کی مفتی بہ روایات کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ اور اختلاف و خود رائی کی جو بواعام پھیلی ہوئی ہے اس کا انسداد ہو سکے۔“ (۸۷)

انہوں نے اسی پر ہی بس نہ کیا بلکہ یہ ارادہ بھی ظاہر کیا کہ یہ کوشش کی جائے گی کہ تمام علماء کا اتفاق حاصل کیا جائے ان کی تصدیق حاصل کی جائے اور پھر عملی اقدامات کے لئے حکومت سے رجوع کیا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ ”ان جوابات اور طے شدہ مسائل کی ایک ایک کاپی تمام اطراف و اکناف کے علماء کرام کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ اور اتفاق و تصدیق کے بعد جو بات حکومت سے متعلق ہے۔ اس کی منظوری کی استدعا حکومت سے کی جائے گی۔“ (۸۸)

رؤیت ہلال میں جدید آلات کے شرعی حکم کے بارے میں مفتی محمود صاحب نے ایک فتویٰ کی تصحیح کی ہے جو ان کے معین مفتی مولانا عبداللطیف کا تحریر شدہ ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جدید آلات مثلاً ٹیلیفون، ریڈیو، تار وغیرہ کے ذریعہ سے شہادت تو کسی قسم کی نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ شاہد کے لئے قاضی کے سامنے پیش ہونا ضروری ہے۔ جو ان آلات کی صورت میں مفقود ہے۔ ہاں اگر ان آلات کی خبر مستفیض اور متحقق بمنزلہ متواتر ہو جائے بایں طور کہ مختلف شہروں سے یا ایک شہر سے متعدد (حد تو اتار کو پہنچی ہوئی جو مفید یقین ہو) تاریں، ٹیلیفون، خبر رؤیت ہلال کی موصول ہو جائیں۔ یا مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے یا ایک ریڈیو اسٹیشن سے مختلف اوقات میں متعدد آدمیوں کی طرف سے

رؤیت ہلال کی خبریں نشر کی جائیں۔ اور اس شہر کے عالم و مفتی کو یقین ہو جائے تب رؤیت ہلال کا اس شہر میں اثبات ہو سکتا ہے۔ لیکن معلوم رہے کہ خبر مستفیض خود حجت مثبت رؤیت نہیں۔ بلکہ یہ تو رؤیت کی خبر پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اصل تو چاند دیکھنے والوں کی شہادت ہے۔ (۸۹)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی دلچسپی سے جہاں یہ قابل عمل تجاویز سامنے لائی گئیں۔ وہاں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ حکومت وقت کو اس طرف متوجہ کیا جائے گا کہ وہ علماء کے متفقہ فیصلے کی روشنی میں ان شرائط کے تحت رؤیت ہلال کے مسئلہ کے لئے پیش رفت کرے۔ اور انہوں نے ایسا کیا۔ وہ خود ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ احقر خود مرکزی وزیر داخلہ سے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کر چکا ہے۔ وہ خود معترف ہیں کہ ہم سے ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی ہوئی ہے آئندہ کے لئے انہوں نے صحیح شرعی نظام سے شہادت لینے اور اعلان ہلال کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ مجھ سے کچھ ضروری مشورے بھی لئے گئے ہیں۔ (۹۰)

اور ساتھ یہ تصریح کر دی کہ جب تک حکومت علماء کے بیان کردہ شرائط کے تحت رؤیت ہلال کے مسئلہ کو نہیں سنبھالے گی۔ اس کا کوئی فیصلہ اور اعلان واجب العمل نہ ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”لیکن موجودہ صورت حال میں ان کا فیصلہ اور اس کا اعلان واجب العمل نہیں ہے۔“

علماء کے فیصلے کی روشنی میں ایک شرط یہ بھی حکومت کے سامنے رکھی گئی تھی کہ وہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی میں علماء کو بطور رکن شامل کریں۔ اور پھر اس کمیٹی کے فیصلہ کا اعلان حاکم مجاز کی طرف سے ریڈیو کے ذریعہ کر دیا جائے۔ تو اس پر عمل کرنا واجب ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں۔

ہاں اگر حکومت ہلال کمیٹی میں علماء کی جماعت کو بطور ارکان شامل فرمائے اور جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں

حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہو گا۔ (۹۱)

مولانا مفتی محمود کی یہ مساعی جاری رہیں اور مختلف مواقع پر وہ حکومت کے کارپردازوں سے اس بارے میں گفت و شنید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ۱۹۶۲ء میں ڈیرہ اسماعیل خان سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ انہوں نے متعدد بار قومی اسمبلی کے فورم پر اس بات کو اٹھایا۔ مگر شنوائی نہیں ہوئی۔ حکومت ”مرکزی رویت ہلال کمیٹی“ وقتاً فوقتاً بناتی رہی۔ بحریہ کے سربراہ کی صدارت میں دیگر فوجی اداروں کے نمائندے اور بیوروکریٹس اسکے ممبر بنائے جاتے رہے۔ اور یہ ایک ایڈمنسٹریشن مسئلہ کی حد تک رہا۔ جس کی وجہ سے حکومتی انتظامات علماء کا اعتماد حاصل نہ کر سکے۔ اور ہمیشہ ہلال صوم و عید کے موقع پر ملک میں انتشار کی کیفیت رہی۔ اور دین کے اہم شعائر کو مذاق بنایا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ جب ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں مفتی محمود صاحب قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۷۳ء کے دستور کے لئے تجاویز کے لئے کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ تو حضرت مفتی صاحب ایک تجربہ کار پارلیمنٹیرین، سیاسی رہنما اور ایک اہم مذہبی سکالر کی حیثیت سے جہاں دیگر اسلامی دفعات کو آئین کا حصہ بنانے میں کامیاب رہے وہاں مرکزی رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل اور اسکے لئے شرعی قواعد و ضوابط کو بھی آئین کا حصہ بنانے میں حکومت کی رضامندی حاصل کی۔

مولانا نور محمد صاحب آف دانا ۱۶ ستمبر ۱۹۵۴ء کے اجلاس میں شریک رہے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی کوششوں سے حکومت نے ہلال کمیٹی کو از سر نو علماء کی تجاویز کے مطابق تشکیل دیا۔ جس میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء شامل کئے گئے اور ریڈیو پر روزہ اور عید کے اعلان کو شرعی قیود کا پابند بنادیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک بھر کے علماء کرام نے ریڈیو اور ٹی وی کے اعلان پر روزہ اور عید منانا شرعاً تسلیم کیا۔ (۹۲)

مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے بارے میں مولانا مفتی محمود کی اپنی رائے آپ کی تفسیر ”تفسیر محمود“ میں موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اس وقت جو رویت ہلال کمیٹی ہے چونکہ گورنمنٹ نے اس کو مکمل اختیارات دے دیئے ہیں لہذا وہ مجاز اتھارٹی ہے۔ اگر قواعد شرعیہ کے موافق صاف صاف گواہی لے لے اور فیصلہ کرے تو درست ہو گا۔ اور اس فیصلہ کو عوام تک پہنچانے کے لئے شہادت شرط نہیں ہے۔ لہذا ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ اگر رویت اور عدم رویت کی خبر نشر ہو جاتی ہے تو وہ قابل قبول ہوگی۔ اب موجودہ کمیٹی میں چونکہ سب علماء ہیں۔ لہذا اس کمیٹی کا فیصلہ نافذ ہو گا۔ اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اس کمیٹی کے فیصلے کی جو خبر شائع ہوگی وہ درست ہوگی۔ (۹۳)

مشینی ذبیحہ کا مسئلہ

مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی اس مسئلے میں تحقیق نے امت مسلمہ کو مشینی ذبیحہ کے استعمال سے بچانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہ تحقیق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ مشینی ذبیحہ کے مسئلے پر اختلاف کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک فتویٰ ماہنامہ ”بینات“ بابت ماہ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ بمطابق مارچ ۱۹۶۵ء میں ”ذبح کا مسنون طریقہ“ کے عنوان کے تحت شائع ہوا تھا۔ جو کہ جنیوا (سوئزرلینڈ) سے آئے ہوئے ایک استفتاء کے جواب میں تھا۔ جس میں ان سے مشینی ذبیحہ کے متعلق شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا۔ اس فتویٰ کی رو سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے مشینی ذبیحہ کو جائز فرمایا تھا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ

بجلی کی مشینوں کے ذریعہ اوپر کی طرف سے چھری گردن پر رکھ کر گردن کاٹ دینے سے بظاہر یہ صورت تو نہ ہوگی کہ عروق ذبح قطع ہونے سے پہلے موت واقع ہو جائے

کیونکہ یہ قطع بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ ہو گا اس لئے اگر مشین کی چھری گردن پر رکھنے والے نے بسم اللہ کہہ کر چھری رکھی ہے تو گو غیر مشروع طریقہ سے ذبح کرنے کا گناہ ہوا مگر گوشت حلال ہو گیا۔ [مولانا مفتی رشید احمد۔ احسن الفتاویٰ۔ ج ۷۔ ص ۳۶۷]

مفتی محمد شفیع صاحب "کا استدلال مولانا جمل خان" نے یوں ذکر کیا ہے۔
اگر کسی مسلمان شخص نے "بسم اللہ، اللہ اکبر" کہہ کر مشین کا بٹن آن کر دیا۔ تو مشین کے چلنے سے جتنے جانور ذبح ہو گئے وہ سارے حلال ہوں گے۔ کیونکہ مشین چلانے والا مسلمان ہے۔ اور اس نے بوقت ذبح اللہ کا نام لیا ہے۔ مشین تکبیر کی شرط پوری نہیں کر سکتی وہ شرط اس مسلمان نے بٹن آن کرتے وقت پوری کر دی تو یہ ذبیحہ حلال ہو گا۔ کیونکہ تکبیر اور ذبح دونوں کا ظہور ہوا۔ (۹۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے یہ فتویٰ دے کر مشینی ذبیحہ کو حلال قرار دیا۔ بلکہ بقول مولانا مفتی محمود صاحب کے حضرت مفتی صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب) جیسی عظیم معروف علمی شخصیت کے اس فتویٰ سے یورپ اور امریکہ میں مزوج طریق پر جس کا اسلامی ذبیحہ سے کوئی علاقہ نہیں اسلامی ذبح کی مہر تصدیق ثبت ہو گئی۔ اور پاکستانی مستقرین "آج تک مشینی ذبیحہ کے طریقے کو ملک میں رائج کرنے سے کتراتے تھے کیونکہ علماء کرام ایسے ذبیحہ کی حلت اور عام استعمال میں رکاوٹ تھے۔ آج سے ان کی مشکل آسان ہو گئی۔ (۹۵)

مولانا مفتی محمود صاحب نے اپنے دلائل کی قوت پر مولانا مفتی محمد شفیع کے اس فتویٰ

کی سختی سے تردید کی اور اپنا موقف ماہنامہ "بینات" ماہ صفر ۱۳۸۵ھ میں ایک مکتوب کی صورت میں شائع کر دیا۔ مفتی محمود صاحب نے لکھا "مہربان من! میں یہ سمجھتا ہوں کہ بٹن دبانے والا مسلمان بھی ہو اور بٹن دباتے وقت تسمیہ بھی پڑھے تب بھی مشین کے مروجہ ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ مردار ہے۔" (۹۶)

مولانا مفتی محمود صاحب نے اس کے وجوہات سے جو بحث کی ہے وہ بطور دلیل

کے ایک یہ ہے۔

آپ یہ دیکھیں کہ بٹن دبانے والے نے صرف اتنا ہی تو کیا ہے کہ برقی طاقتور مشین کا جو کنکشن کٹ چکا تھا۔ اور ان دونوں کے درمیان جو مانع تھا اس کو دور کر دیا۔ اور پھر سے کنکشن جوڑ دیا اور بس۔ دراصل مشین کی چھری کو چلانے والی اور جانور کا گلا کاٹنے والی برقی لہر کرٹ ہے۔ نہ کہ ایک مسلمان کے ہاتھ کی قوت محرکہ اور یہ گلا کاٹنا برقی قوت اور مشین کا فعل ہے نہ کہ اس مسلمان کا۔ اور ذبح اختیاری میں ذبح کرنے والے کا فعل اپنے ہاتھ سے گلا کاٹنا اور اس کی تحریک کا مؤثر ہونا شرط ہے۔ یہاں تو بٹن دبانے والے نے سوائے رفع مانع کے اور کچھ نہیں کیا۔ رفع مانع سے فعل ذبح کی نسبت رافع کی طرف کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور اس کو ذبح کرنا کیسے کہا جاسکتا ہے؟ (۹۷)

مفتی محمود صاحب "مزید دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس طرح اگر کہیں ایک تیز دھار آلہ مثلاً چھری یا چاقو اوپر کسی رسی سے بندھا ہوا لٹک رہا ہو اور اسکے نیچے بالکل سیدھ میں مرغی یا بکری کا بچہ یا کوئی جانور کھڑا ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان تسمیہ پڑھ کر رسی کاٹ دے اور وہ آلہ اپنی طبعی ثقل سے نیچے گر کر اس جانور کا گلا کاٹ دے تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہو گا؟ کیا یہ فعل ذبح اس رافع مانع مسلمان کی طرف منسوب ہو گا اور اس مسلمان کو جانور ذبح کرنے والا کہا جائے گا اور اس مذبحہ جانور کو مسلمان کا ذبیحہ کہا جائے گا۔ (۹۸)

مذکورہ بالا اس دلیل کے نتیجہ کے طور پر وہ مزید لکھتے ہیں۔ "جس طرح اس مثال میں اس ذبیحہ کی حلت کا حکم نہیں ہے اور یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو مشینوں کے ذبیحہ پر حلت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔" (۹۹)

مضمون کے آخر میں مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس فتویٰ پر نظر ثانی فرما کر اس کی اصلاح فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اس لئے مفتی محمد

شفیع صاحب مدظلہ العالی سے باادب درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس فتویٰ پر نظر ثانی فرما کر اس کی اصلاح فرمائیں اور بینات میں اس کو جلد از جلد نمایاں طور پر شائع کریں۔ (۱۰۰)

مشینی ذبیحہ کے بارے میں مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی نے ”احسن القضاء فی الذبح باعانة الکھرباء“ رسالہ لکھا ہے اور اس کو اپنے فتاویٰ ”احسن الفتاویٰ ج ہفتم“ کا حصہ بنایا ہے جس میں انہوں نے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا وہ فتویٰ جو مشینی ذبح کے ”حلت مع عدم جواز کا فتویٰ“ کے نام سے اور مولانا مفتی محمود صاحب کا ”حرمت کا فتویٰ“ کے نام سے شامل اشاعت کیا ہے۔ اور پھر دونوں میں ”محاکمہ“ کے نام سے اپنا نقطہ نظر مع حوالہ جات نقل کیا ہے اور انہوں نے اس میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فتویٰ کی تائید کی ہے جبکہ مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مفتی و شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فتویٰ اور مولانا مفتی محمود صاحب کے فتویٰ دونوں کو ماہنامہ بینات میں نقل کرتے ہوئے مفتی محمود کی تائید کی ہے اور مفتی محمود کے فتویٰ کے بارے میں مولانا محمد یوسف بنوری کے حوالے سے لکھا ہے۔ ”حضرت بنوری ذبح بالنار کے اس واضح مطلب کو سن کر بہت محفوظ ہوئے اور دیر تک داد دیتے رہے۔“ (۱۰۱)

مشینی ذبیحہ کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کے موقف کے بارے میں مولانا محمد ایوب جان بنوری لکھتے ہیں۔

وہ جتید عالم اور بہترین فقیہ تھے۔ افتاء اور تدریس کی خدمات بھی انہوں نے انجام دیں۔ ایک دفعہ ”مشینی ذبیحہ“ کا مسئلہ پیش آیا۔ چنانچہ مصر کے مفتی محمد عبدہ نے اس کی حلت کا فتویٰ دیا۔ اور اسکے شاگرد علامہ رشید رضا مصری نے اسکی تائید میں کئی مضامین لکھے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے چیئرمین ڈاکٹر فضل الرحمن کی وساطت سے یہ بات پاکستان پہنچی۔ پاکستان کے بعض علماء کے بھی متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔ جبکہ

حضرت مفتی صاحب مرحوم و مغفور نے مضبوط و ٹھوس دلائل سے ثابت کیا۔ کہ مشینی ذبیحہ کسی طرح بھی حلال نہیں ہو سکتا۔ اور اس طرح پوری قوم ہی کو نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو حرام گوشت کے استعمال سے بچالیا۔ (۱۰۲)

اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب نے لکھا ہے، وہ

لکھتے ہیں۔

خاص کر مفتی اعظم کے دو کارنامے تو میرے نزدیک بہت زیادہ اہم ہیں۔ ایک یہ کہ پوری پاکستانی قوم کو مردار اور حرام گوشت سے بچالیا۔ جسکی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ مشینی ذبیحہ کا مسئلہ جب مصر میں آیا تو مصر کے مفتی عبدہ مرحوم نے اسکی حلت کا فتویٰ دیا۔ اور علامہ رشید رضا مصری نے اپنے استاد کی تائید میں مضامین لکھے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے پورے مصر میں ہنگامہ ہوا۔ اور مفتی محمد عبدہ کو عہدہ افتاء سے الگ کر دیا گیا۔ اور یہی مسئلہ پاکستان میں ڈاکٹر فضل الرحمن کے واسطے سے آیا۔ اور اس نے عربی سے اردو جامہ اس مسئلہ کو پہنایا۔ اور یہاں بھی اس مسئلہ کو تازہ کیا۔ اور پاکستان کے بعض ثقہ اہل علم نے بھی مشینی ذبیحہ کی حلت میں فتویٰ جاری کیا۔ تو مفتی اعظم مفتی محمود صاحب نے قرآن و حدیث کے دلائل سے ثابت کیا کہ مشینی ذبیحہ حرام ہے کیونکہ قرآن مجید کی نص قطعی ﴿وَالْمُنْحَنِیۡۃُ وَالتَّوۡفُۡۃُ﴾ ہے تو مشینی ذبیحہ بھی اس میں داخل ہے۔ اور یہ بھی حرام ہے۔ یہ کیسے حلال ہو سکتا ہے۔ (۱۰۳)

مشینی ذبیحہ کے حرمت کے بارے میں مولانا مفتی محمود صاحب نے امت مسلمہ کو ایک بڑی آزمائش سے بچایا اور اس سے نہ صرف عام مسلمان بچ گئے بلکہ حکومت پاکستان جس نے ذبح کے لئے مشینیں منگوانے کا ارادہ کیا تھا وہ بھی اس حرام فعل کے ارتکاب سے محفوظ ہو گئی۔ اس سلسلے میں مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مفتی اعظم ہیں اور ایسے حق گو مفتی کہ ان کا وجود مسعود نہ ہوتا تو آج پاکستان کے مسلمان مشینی ذبح کا جھکا حلال سمجھ کر کھاتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ

بھلا کرے حضرت مفتی اعظم مفتی محمود صاحب کا کہ انہوں نے اس کا جواب لکھ کر فضل الرحمن (ڈائریکٹر جنرل اسلامی تحقیقاتی کونسل) کا راستہ روک لیا اور نہ حکومت نے تو مشینیں منگائی لی تھیں۔ (۱۰۴)

بندوق کی گولی سے شکار کا حکم

اس مسئلہ میں فقہاء و مفتیین کے اختلاف سے قبل مسئلہ کی اصل حقیقت بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں۔

ذبح کے دو طریقے ہیں ایک ان جانوروں کے ذبح کا طریقہ جو آدمی کے قابو میں ہوں اس کو فقہ کی اصطلاح میں ”ذبح اختیاری“ کہتے ہیں۔ دوسری صورت ایسے جانور کو ذبح کرنے کی ہے جو آدمی کے قابو میں نہ ہو مثلاً شکار کے جانور، جن کو دور ہی سے نشانہ لگا کر مارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کے ذبح کا طریقہ ان جانوروں سے ذرا مختلف ہے جو انسان کے قابو میں ہوں۔ اور اس کو فقہ کی اصطلاح میں ”ذبح اضطراری“ کہتے ہیں۔ (۱۰۵)

ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری کی تقسیم کے بعد مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں۔

ذبح اضطراری میں حلق کے خاص رگوں کو کاٹنا ضروری نہیں۔ بلکہ اس قدر کافی ہے کہ جس چیز کو شکار کے لئے استعمال کیا جائے وہ شکار کو زخمی کر دے زخمی کرنے کے بعد اگر شکار کرنے والا زندہ حالت میں اسے پکڑ لے تو پھر اب حلق کی ان رگوں کو کاٹنا ہو گا اور اگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی جانور مر چکا تھا تو اس کا زخمی ہو جانا کافی ہے اور اب وہ حلال ہے شکار کے معاملہ میں یہ خصوصی سہولت قرآن و حدیث کی تصریحات سے ماخوذ ہے۔ (۱۰۶)

شکاری جانوروں کو بندوق کی گولی سے مارنے کی صورت میں اگر بندوق چلانے والا مسلمان ہو اور گولی چلاتے وقت ”بسم اللہ، اللہ اکبر“ پڑھ کر گولی چلائے اور وہ شکار کو لگے اور اسکی موت واقع ہو جائے تو یہ شکار حلال ہو گا یا حرام۔ ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتب کی تصریح سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ جانور کی موت زخم سے ہوئی ہے تو وہ بلاشبہ حلال ہے اور اگر یقین ہو کہ چوٹ سے ہوئی ہے تو بلاشبہ حرام ہے۔ ہدایہ کی عبارت یہ ہے۔

والاصل فی هذه المسائل ان الموت ان كان مضافا الى الجرح بیقین
كان حلالاً وان كان مضافاً الى الشغل بیقین كان حراماً وان
وقع الشك ولا يدري مات بالجرح او بالشغل كان حراماً
احتياطاً (۱۰۷)

مولانا مفتی محمود صاحب نے نومبر ۱۹۵۶ء مطابق ربیع الاول ۱۳۷۶ء، مولانا مفتی رشید احمد دھیانوی جو اس وقت دارالعلوم کراچی میں مفتی و مدرس تھے کو ایک خط میں لکھا۔ ”اس مسئلہ (بندوق کی گولی سے شکار) میں احقر کو خود تردد ہے مندرجہ ذیل دلائل پر آپ نظر ڈال کر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں اور نفس دلائل کے تحت فائز الی ما قال ولا تنظر الی من قال کے بموجب رائے قائم فرمائیں۔“ (۱۸۰)

اس کے بعد مولانا مفتی محمود صاحب نے حلت و حرمت پر دلالت کرنے والی متعدد روایات کا ذکر کر کے اپنی رائے لکھی ہے۔ وہ مذکورہ خط میں لکھتے ہیں۔

اور اب کبوتر سے لیکر ہرن تک کا شکار بندوق سے ہی ہوتا ہے قدرت علی الذکاة الاختیاریہ شاذ و نادر ہی مل سکتی ہے۔ اخراج الدم بھی کامل ہوتا ہے۔ تو اس ضرورت شدیدہ میں باوجود تمیز الدم المسفوح باكمل وجه وهو المقصود حرام قرار دینے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس زمانہ کے لوگ رخصت خداوندی سے مستمع نہ ہوں۔ (۱۰۹)

مولانا مفتی محمود اس مسئلے میں اپنی رائے کے اظہار میں کس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ دونوں قسم کے دلائل کے ذکر کے باوجود نہایت احتیاط سے اپنی رائے لکھتے ہیں۔ اور اسکی وجہ کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ بلاوجہ جدید آلات اور جدید زمانہ کے ساتھ احکام میں ترمیم کرنا الحاد اور زندقہ ہے اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات و اشارات کے خلاف کوئی حکم نافذ کرنا بھی فتنہ سے خالی نہیں۔ لیکن شرعی دلائل کی موجودگی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اصول مقرر کردہ کے تحت کسی مسئلہ پر غور نہ کرنا بھی قابل ملامت ہوگا۔ جدید آلات اور ضروریات زمانہ پر غور و فکر نہ کرنا اور بندوق کی گولی کو بندقہ سطحین پر قیاس کر کے سبکدوش ہو جانا علماء کے شایاں نہیں۔ اور پھر بندوق میں فقط گولی اور چھرے سے تو شکار نہیں ہوتا۔ بلکہ نوکدار گولی کے کار توں کی نوک تو معروض کی نوک سے کم نہیں ہوتی۔ سب کو ایک حکم میں لانا بھی کیسے صحیح ہوگا۔ (۱۱۰)

مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے فقہاء کرام کی متعدد عبارات کا حوالہ دیا ہے اور عقلی دلائل سے بھی سہارا لیا ہے۔ لیکن آخر میں مولانا مفتی محمودؒ کے اس قول ”بلکہ نوکدار گولی کی نوک تو معروض کی نوک سے کم نہیں ہوتی“ کے تحت لکھتے ہیں۔

اقول، ایسی گولی کے شکار کی حلت میں کوئی شبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہے۔ امداد المفتیین میں بھی ایسے شکار کی حلت کا فتویٰ درج ہے۔

البتہ اگر ایسی کوئی گولی اتنے چھوٹے جانور کو ماری جو گولی کی ثقل ہی کا تحمل نہیں کر سکتا۔ یعنی اگر گولی تیز نوکدار نہ ہوتی تو بھی ثقل ہی سے جانور مر جاتا تو یہ جانور حلال نہ ہوگا۔ (۱۱۱)

مولانا محمد ایوب جان صاحب بنوریؒ، حضرت مفتی صاحب کے موقف کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے بہت سے دلائل پیش کئے ان میں سے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ بندوق سے جب فائر کیا جاتا ہے تو اس وقت اس سے ایک آگ نکلتی ہے اور وہ زخمی ہو جاتا ہے اور آگ سے ذبیحہ کو فقہاء حلال قرار دیتے ہیں۔ اس لئے یہ حلال ہے۔ (۱۱۲)

نوٹ کی شرعی حیثیت اور اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

نوٹ کی حیثیت سند و حوالہ کی ہے یا ثمن عرفی کی۔ اس کے بارے میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتاویٰ موجود ہیں۔ اور ان میں اس مسئلے میں اختلاف بھی ہے۔ ان حضرات کے بعد سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے ایک تفصیلی خط کے جواب میں مولانا مفتی محمود صاحب کے معاون مفتی، مولانا مفتی عبداللطیف نے اور بعد ازاں خود مفتی محمود نے اس کا تفصیلی جواب لکھا ہے۔ جس میں تمام اکابرین کی آراء کو پیش نظر رکھا ہے۔ بعد میں تو اس مسئلے پر مولانا محمد تقی عثمانی صاحبؒ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ اور دیگر مفتیین نے اظہار خیال کیا ہے۔ جبکہ مفتی محمود کا فتویٰ ۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۹۶۸ء کا لکھا ہوا ہے۔

مفتی محمود صاحب اس قسم کے ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں۔ جو کہ اس مسئلے کے بارے میں ان کا موقف ہے اور اب تمام علماء و مفتیین کی یہی رائے ہے۔ ”اس لئے اگر کوئی شخص نوٹ کو زکوٰۃ میں ادا کر دے تو اگرچہ احتیاط کی صورت نہیں ہے۔ لیکن عموم بلوی اور عرف عام کے تقاضے کے تحت اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔“ (۱۱۳)

بھلا کرے حضرت مفتی اعظم مفتی محمود صاحب کا کہ انہوں نے اس کا جواب لکھ کر فضل الرحمن (ڈائریکٹر جنرل اسلامی تحقیقاتی کونسل) کا راستہ روک لیا ورنہ حکومت نے تو مشینیں منگائی لی تھیں۔ (۱۰۴)

بندوق کی گولی سے شکار کا حکم

اس مسئلہ میں فقہاء و مفتیین کے اختلاف سے قبل مسئلہ کی اصل حقیقت بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں۔

ذبح کے دو طریقے ہیں ایک ان جانوروں کے ذبح کا طریقہ جو آدمی کے قابو میں ہوں اس کو فقہ کی اصطلاح میں ”ذبح اختیاری“ کہتے ہیں۔ دوسری صورت ایسے جانور کو ذبح کرنے کی ہے جو آدمی کے قابو میں نہ ہو مثلاً شکار کے جانور، جن کو دور ہی سے نشانہ لگا کر مارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کے ذبح کا طریقہ ان جانوروں سے ذرا مختلف ہے جو انسان کے قابو میں ہوں۔ اور اس کو فقہ کی اصطلاح میں ”ذبح اضطراری“ کہتے ہیں۔ (۱۰۵)

ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری کی تقسیم کے بعد مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں۔

ذبح اضطراری میں حلق کے خاص رگوں کو کاٹنا ضروری نہیں۔ بلکہ اس قدر کافی ہے کہ جس چیز کو شکار کے لئے استعمال کیا جائے وہ شکار کو زخمی کر دے زخمی کرنے کے بعد اگر شکار کرنے والا زندہ حالت میں اسے پکڑ لے تو پھر اب حلق کی ان رگوں کو کاٹنا ہو گا اور اگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی جانور مر چکا تھا تو اس کا زخمی ہو جانا کافی ہے اور اب وہ حلال ہے شکار کے معاملہ میں یہ خصوصی سہولت قرآن و حدیث کی تصریحات سے ماخوذ ہے۔ (۱۰۶)

شکاری جانوروں کو بندوق کی گولی سے مارنے کی صورت میں اگر بندوق چلانے والا مسلمان ہو اور گولی چلاتے وقت ”بسم اللہ، اللہ اکبر“ پڑھ کر گولی چلائے اور وہ شکار کو لگے اور اسکی موت واقع ہو جائے تو یہ شکار حلال ہو گا یا حرام۔ ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتب کی تصریح سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ جانور کی موت زخم سے ہوئی ہے تو وہ بلاشبہ حلال ہے اور اگر یقین ہو کہ چوٹ سے ہوئی ہے تو بلاشبہ حرام ہے۔ ہدایہ کی عبارت یہ ہے۔

والاصل فی هذه المسائل ان الموت ان كان مضافاً الى الجرح بیقین
كان حلالاً وان كان مضافاً الى الثقل بیقین كان حراماً وان
وقع الشك ولا يدري مات بالجرح او بالثقل كان حراماً
احتیاطاً (۱۰۷)

مولانا مفتی محمود صاحب نے نومبر ۱۹۵۶ء مطابق ربیع الاول ۱۳۷۶ھ، مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی جو اس وقت دارالعلوم کراچی میں مفتی و مدرس تھے کو ایک خط میں لکھا۔ ”اس مسئلہ (بندوق کی گولی سے شکار) میں احقر کو خود تردد ہے مندرجہ ذیل دلائل پر آپ نظر ڈال کر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں اور نفس دلائل کے تحت فانظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال کے بموجب رائے قائم فرمائیں“۔ (۱۸۰)

اس کے بعد مولانا مفتی محمود صاحب نے حلت و حرمت پر دلالت کرنے والی متعدد روایات کا ذکر کر کے اپنی رائے لکھی ہے۔ وہ مذکورہ خط میں لکھتے ہیں۔

اور اب کبوتر سے لیکر ہرن تک کا شکار بندوق سے ہی ہوتا ہے قدرت علی الذکاۃ الاختیارۃ شاذ و نادر ہی مل سکتی ہے۔ اخراج الدم بھی کامل ہوتا ہے۔ تو اس ضرورت شدیدہ میں باوجود تمیز الدم المسفوح باکمل وجہ و هو المقصود حرام قرار دینے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس زمانہ کے لوگ رخصت خداوندی سے متمنع نہ ہوں۔ (۱۰۹)

درہم و مثقال کے وزن میں اختلاف اور اس کا حل

درہم و مثقال کا وزن جس کے اعتبار سے سونے چاندی کی زکوٰۃ کا حساب لگایا جاتا ہے، کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال منقول ہیں جس کی وجہ سے اکثر علماء کو اشتباہ ہو جاتا ہے۔ مفتی محمودؒ کی زیر نگرانی، علماء کے مختلف اقوال کو سامنے رکھ کر اس مسئلے کا حل مولانا مفتی عبداللطیف نے پیش کیا ہے۔ جس کی مفتی محمود صاحبؒ نے تصحیح کی ہے۔ مفتی عبداللطیف صاحب نے اس سلسلے میں مولانا مفتی محمودؒ کی تقریر ترمذی کا حوالہ دیا ہے۔ جو اس وقت غیر مطبوعہ تھی اب اس کی پہلی جلد طبع ہو چکی ہے۔ اس میں ہے۔

اما زکوٰۃ الذهب و الفضة فالاتفاق على انه لا تجب في اقل من مائتي درهم و عشرين مثقالا و لقد اخطأ مولانا عبدالحی المرحوم اللکھنوی فی حساب النصاب بدراهمنا و اوزاننا المعروفة و الصحيح ما قال مولانا ثناء الله الفانی فتی و غیرهم من علماء دیوبند (۱۱۴)

مفتی صاحب نے درہم و مثقال کے وزن میں مولانا عبدالحی لکھنوی کے موقف کے مقابلے میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی اور دیگر علماء دیوبند کی رائے کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

مرزائیوں کی اولاد کے ارتداد کا مسئلہ

پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کی تشکیل کا مرحلہ درپیش تھا۔ مولانا مفتی محمود ان اہم رہنماؤں میں تھے جو آئین کی تشکیل و ترتیب میں پیش پیش تھے۔ خاص کر اسلام سے متعلق آئینی شقوں میں ان کا سب سے بڑا کردار تھا۔ آئین سازی کے اس مرحلے میں یہ مسئلہ درپیش تھا کہ کیا کسی کو ارتداد اختیار کرنے کی آزادی ہوگی یا نہیں؟ کیا یہ شہری آزادی کے ضمن میں آتا ہے یا

نہیں۔ مفتی صاحب کا اس بارے میں واضح موقف تھا کہ کسی کو ارتداد اختیار کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ارتداد کی سزا موت ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہے ”قال عليه الصلوة و السلام من بطل دينه فاقتلوه“ ایک اسلامی جماعت نے اس کی مخالفت کی۔ اور عذر یہ پیش کیا کہ پھر یورپ میں جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں ان پر پابندی لگ جائے گی اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن مفتی محمود صاحب اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ کہا حضور ﷺ کے زمانے میں یہ خطرہ نہیں تھا؟ تھا اور زیادہ تھا۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے دین اسلام چھوڑ کر قادیانت اختیار کی ان کے ارتداد میں تو کوئی شک نہیں اور نہ ہی کسی کو اختلاف ہے۔ مسئلہ قادیانیوں کی اولاد کا ہے۔ کہ وہ مرتد ہیں یا کافر؟ اس سلسلے میں علامہ علی غففر کراروی (ممتاز شیعہ عالم اور سیاسی رہنما) مولانا مفتی محمود کا موقف بیان کرتے ہیں۔

انہوں (مفتی محمود) نے فرمایا کہ میرا اپنا نقطہ نظر یہ ہے کہ زیر بحث لوگ اسی آخری قسم کے مرتد ہیں۔ جو لوگ براہ راست گمراہی کا شکار ہوئے وہ مرتد ملتی ہیں۔ اور جو ان مرتد ملی کی اولاد ہونے کے باعث اس ارتداد کو اختیار کئے ہوئے ہیں وہ مرتد فطری ہیں۔ اور چونکہ یہ دونوں جہاد کے منکر ہونے کے باوجود عملاً حربی بھی ہیں۔ اس لئے ان کے لئے احکامات سخت ہیں۔ ان لوگوں کو مرتد اور ان کی اولاد کو کافر سمجھنا خود ان کا نقطہ نظر ہے۔ اور ان کی غرض یہ ہے کہ انہیں اسلامی ریاستوں میں ذمیوں کے حقوق مل سکیں۔ درحقیقت وہ ان حقوق کے مستحق نہیں بلکہ اپنے عقائد و اعمال کی رو سے اس سزا کے مستحق ہیں جو مرتد کے لئے اسلام نے تجویز کی ہے۔ مرتد خواہ براہ راست مرتد بنا ہو یا مرتد کے رشتے کے حوالہ سے وہ ہر صورت میں مرتد ہے۔ اور اس کی سزا قتل ہے۔ (۱۱۵)

ایک حنفی کے لئے کسی خاص مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ میں کسی دوسرے امام کی پیروی کا مسئلہ

کیا کسی حنفی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی خاص مسئلہ میں مخصوص حالات کے باعث امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر امام ابو یوسفؒ، امام محمد یا ائمہ ثلاثہ میں سے کسی کے قول کو ترجیح دے کر اسکی رائے کو عمل کے لئے اپنائے؟

اس سلسلے میں مولانا مفتی محمود صاحب کا اپنا نقطہ نظر ہے جس میں وہ منفرد نظر آتے ہیں۔ مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور لکھتے ہیں۔

اور ان کی فقہی رائے کو میں نے ہمیشہ قوی پایا بعض مسائل میں وہ اپنی انفرادی رائے بھی رکھتے تھے۔ ایسی رائے کے حق میں ان کے پاس قوی دلائل ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر فقہی مسائل پر عمل کے سلسلے میں ان کی رائے یہ تھی کہ مخصوص حالات میں ایک حنفی کے لئے جائز ہو گا کہ وہ کسی خاص مسئلے میں ائمہ اربعہ میں کسی کی پیروی کرے۔ ایسا آدمی ان کے نزدیک حنفیت سے خارج نہیں ہوتا تھا۔ (۱۱۶)

آگے جا کر مولانا عبید اللہ صاحبؒ، مولانا مفتی محمود صاحب کے اس بارے میں دلائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے متعدد مسائل میں امام صاحب سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی اپنی ترجیحات ہیں لیکن ان پر حنفیت سے خروج کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ اپنے اختلافات اور ترجیحات کے باوجود حنفی تھے۔“ (۱۱۷)

مولانا عبید اللہ صاحب، مفتی صاحب کی دوسری دلیل یوں بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی مسئلے میں امام صاحب کا قول موجود نہ ہو، یا قول تو موجود ہو مگر سمجھ نہ آئے، یا سمجھ تو آئے لیکن حالات کی خاص نوعیت کے تحت اس پر عمل ممکن نہ ہو تو کسی دوسرے امام کی پیروی درست ہوگی۔ اس سلسلے میں ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر ایسی مشکل

صورت پیش آئے تو صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے۔ اگر صاحبین کے قول میں بھی یہی صورت پیش آئے تو امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دی جائے۔ اس کے بعد درپیش مسئلہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے اقرب قول پر عمل کر لیا جائے۔ ان کے نزدیک کسی خاص مسئلے میں خاص حالات میں خروج عن الحنفیت تو جائز ہے لیکن مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں۔ (۱۱۸)

مولانا عبید اللہ صاحب کے بقول ”اس نقطہ نظر میں مفتی صاحب منفرد تھے“ مزید وہ یہ

بتاتے ہیں۔

مفتی صاحب کے بقول ”یہ بات صرف علماء کا کام ہے جن کی مذاہب اربعہ پر وسیع نظر ہے۔ جو کسی مسئلے کے ترجیحی پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور وہ ”خاص حالات“ کی قید بھی لگاتے ہیں۔ اور ان کی نشاندہی وہ یوں فرماتے ہیں کہ جب ملکی قوانین کی تدوین کے سلسلے میں علماء کسی مشکل سے دوچار ہو جائیں۔ تو اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ کیونکہ اصل چیز کسی امام کا قول نہیں اصل چیز وہ ”نفس“ ہے جس کی روشنی میں وہ قول متشکل ہوا۔ (۱۱۹)

خلائی سائنسدانوں کی چاند تک رسائی کا مسئلہ

غالباً ۱۹۶۶ء میں امریکہ کے خلائی سائنس دانوں کی شب و روز تجربوں اور عملی کاروائیوں کے نتیجے میں یہ ممکن ہوا کہ وہ چند سائنس دانوں کو راکٹ کے ذریعہ چاند تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جس سے سائنسی دنیا میں ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور وہ چاند کے علاوہ دیگر سیاروں تک مصنوعی سیاروں کے ذریعہ پہنچنے کے منصوبے بنانے لگے۔ بعض علماء کرام نے اس واقعہ کے وقوع سے سرے سے انکار کر دیا اور اس کو ناممکن بتایا۔ اور سائنسی تحقیقات و ایجادات کو شرعی اصولوں کے منافی قرار دے کر اس کو تسلیم کرنے والوں پر فتویٰ

دینے تک سے گریز نہیں کیا۔ انہیں دنوں کی بات ہے کہ ایک عالم دین مولانا ابو مسعود نقشبندی نے ”خلائی تسخیر اور قرآن کریم“ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ سائنس کی ترقی سے اسلام کی حقانیت مزید اجاگر ہو کر سامنے آگئی ہے۔ اس کتاب کی مولانا مفتی محمود نے تقریظ لکھی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔

ہادی اسلام ﷺ نے بہ جسد اطہر آسمانوں پر جانے کا دعویٰ فرمایا۔ مسلمانوں نے ایمان لا کر اس واقعہ کی تصدیق کی اور دنیا سے کفر نے انکار کیا۔ اور چودہ سو سال تک اسلام اور کفر کے درمیان یہ مسئلہ مابہ النزاع رہا۔ آج روس اور امریکہ کی سائنسی مادی ترقی سے ثابت ہوا کہ یہ اسلام اور وحی الہی کا فیصلہ ہی امر واقعہ تھا۔ اور دنیا سے کفر غلط فہمی اور ہٹ دھرمی میں مبتلا تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء قرآن سے ثابت ہے۔ اسی پر امت کا اجماع ہے آج کے سائنسی دور میں خود عیسائی دنیا کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ اس کا انکار کر لے ان کا انکار ضد اور عناد کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے حقائق کی بنیاد پر بالکل نہیں۔

ان مثالوں کے بعد مفتی صاحب نے وحی اور وزن اعمال کی مثالیں دے کر اس اہم مسئلہ کو اقرب الی الفہم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

حدیث شریف میں نزول وحی کا ایک طریق یہ بتلایا گیا ہے۔ ﴿أَخْبَانَا بِأَتَيْنِي مِنْهُ صَلَٰصَلَةُ الْجَزْرِ﴾ ترجمہ: کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز ٹن ٹن کی طرح میرے پاس آتی ہے۔

دنیا سے کفر کو اعتراض تھا کہ ٹن ٹن کی آواز سے ذومعنی کلام کس طرح سمجھایا جاسکتا ہے؟ لیکن اب ٹیلیگرام سسٹم نے ثابت کر دیا کہ ٹن ٹن سے بھی کلام بلوغ سمجھایا جاسکتا ہے۔ وزن اعمال کی آیات اور احادیث پر بھی اعتراض تھا کہ یہ اعمال جو اعراض ہیں ان کا وزن کس طرح ممکن ہو سکتا ہے وزن تو اجساد کا ہو سکتا ہے۔ اب گرمی اور سردی کو سائنس کی ترقی کے اس دور میں عام طور پر تولا جاتا ہے درجہ حرارت و برودت کو ہر

فحص معلوم کر سکتا ہے بخار تک کو تھرمامیٹر کے ذریعہ سے تولا جاتا ہے باوجود غیر طبعی حرارت (بخار) وغیرہ امور سب اعراض ہیں۔

آخر میں آپ نے نتیجہ کے طور پر لکھا ہے کہ غرض یہ کہ سائنس کی ترقی سے واقعات عالم کی صحیح تشخیص ممکن ہو گئی ہے۔ اور اس طرح وحی الہی سے بتلائے ہوئے حقائق پر سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے۔ اور اسلام کی حقانیت دلوں پر بیٹھتی جا رہی ہے۔ (۱۲۰)

اسی ضمن میں آپ کی اپنی تفسیر میں ہے۔

یاد رہے کہ اللہ کی صفات میں فلسفہ سے جرح کرنا صحیح نہیں۔ فلسفہ کا اسلام سے تعلق اس قسم کا نہیں ہے جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ عام لوگ اس وجہ سے متاثر ہو گئے کہ فلسفہ کو عربی میں منتقل کر دیا گیا ہے فلسفہ عربی میں ہونے کی وجہ سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی اسلام کا جزو ہے چنانچہ انہوں نے تقابل شروع کر دیا۔ اور حرکت فلک، گردش کو اکب اور ستاروں کا آسمان میں مرکوز ہونا ایسی بحثیں شروع کر دیں۔ اور خرق والتیام میں الجھ گئے۔

مفتی صاحب سائنسدانوں کے چاند پر پہنچنے سے پیدا شدہ صورت حال کو زیر بحث لاتے ہیں اور کہتے ہیں۔

اور پھر جب سائنسدان چاند پر چلے گئے۔ تو کہنے لگے اسلام پر ضرب لگ گئی۔ اور پھر وہاں سے پتھر اور دیگر اشیاء لے کر آئے تو اور زیادہ فکر مند ہو گئے اور جب مرتج پر گئے۔ تو حیران ہوئے کہ وہ کیا تعلق تھا؟ ان کے غلط ہونے سے جملہ مشینوں کے ساتھ کیسے نکل گئے۔ حتیٰ کہ تنگ آکر کہا کہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ فلسفیانہ مسائل کا قرآن سے اسلام پر ضرب نہیں لگی۔ بلکہ بطلموس کی غلاظتیں ختم ہو گئیں۔

آپ آگے چل کر ایسے لوگ جو یونانی فلسفے سے متاثر ہو چکے تھے۔ اور اس کو عین اسلامی تعلیمات قرار دے رہے تھے۔ ان کے فاسد خیالات کی تردید کرتے ہیں۔ اور یہ بتاتے ہیں

کہ سائنس دانوں کی جدید تحقیق سے اسلامی نظریات اور حضور ﷺ کے واقعہ معراج اور عقیدہ رفع عیسیٰ الی السماء کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے نہ کہ تردید۔ وہ کہتے ہیں۔

اب ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس کے منکرین چودہ سو سال سے موجود تھے لیکن آج سائنس کے اس کارنامے سے ہم جیت گئے۔ ہم نے کہا تھا کہ عیسیٰ آسمانوں پر زندہ ہیں لیکن آج تک ایک طبقہ انکار کر رہا تھا وہ بھی آج شرمندہ ہے آج ہم جیت گئے۔ اسلام جیت گیا۔ ہمیں خوشی ہونی چاہیے تھی نہ کہ اُلٹا ہم کہیں کہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔ یہاں شکست اسلام کی نہیں۔ اس یونانی حکمت کی ہے جس یونانی حکمت کو ایک طبقہ اسلام سمجھ بیٹھا تھا۔ حالانکہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ (۱۲۱)

بینک کی طرف سے زکوٰۃ کی جبری وصولی کا مسئلہ اور مولانا مفتی محمود کا موقف

صدر ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت میں ۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو ایک آرڈیننس بعنوان ”زکوٰۃ و عشر آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء“ جاری کیا۔ جس کے زکوٰۃ کی وصولی سے متعلق حصہ پر فوراً عمل درآمد کا حکم نامہ بھی ساتھ جاری ہوا جبکہ عشر کی وصولی سے متعلق حصہ پر ۱۵ مارچ ۱۹۸۳ء سے عملدرآمد کا فیصلہ ہوا۔ اس آرڈیننس کے ذریعہ بینکوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے اکاؤنٹ ہولڈرز سے یکم رمضان المبارک کو اس سال کے ”نصاب زکوٰۃ“ کی مناسبت سے کٹوتی کریں گے۔ مولانا مفتی محمود نے ۲۶ جون ۱۹۸۰ء کو ایک استفتاء کے جواب میں تحریری فتویٰ جاری کیا۔ جس میں انہوں نے فقہی کتب کے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا کہ اس طرح جبراً رقم کی کٹوتی کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ اور اسکے لئے انہوں نے دس وجوہات تحریر کیں

اور اس میں انہوں نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ اکاؤنٹ ہولڈرز اپنے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں گے۔ بینک کے ذریعہ کٹوتی کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ انہوں نے لکھا ہے۔ حکومت کے آرڈیننس کے تحت حکومت نے بینک سے لوگوں کی رقمیں کاٹ لی ہیں۔ اس میں شرعی اصول کے مطابق چند غلطیوں کی نشاندہی ضروری ہے۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو حکومت اپنے احکام میں ترمیم کر کے انہیں شرعی اصول کے مطابق بنادے اور عامۃ المسلمین بھی صحیح صورت حال کو سمجھ سکیں۔ (۱۲۲)

اور پھر یہی بات آپ نے ہفت روزہ ”چٹان“ لاہور کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہی۔

مجھے جو اختلاف ہے وہ زکوٰۃ کی وصولی کے طریقہ کار سے ہے۔ اگر زکوٰۃ اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق وصول کی جائے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں چند اعتراضات ہیں ان کا ازالہ ضروری ہے۔ اس طرح اعتراضات بھی ختم ہو جائیں گے۔ اور ہم اس اقدام کی حمایت بھی کریں گے۔ پھر آپ نے دس اعتراضات گنوائے۔ (۱۲۳)

زکوٰۃ کی بینک کی طرف سے جبری کٹوتی کا یہ مسئلہ نہایت معرکہ الآراء مسئلہ رہا ہے۔ خاص کر اس وقت یہ اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا جب کراچی کے بعض علماء و مفتیین نے اس مسئلہ پر مولانا مفتی محمودؒ کے موقف کے برعکس موقف اختیار کیا۔ مفتی صاحب نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا۔ اور اکتوبر ۱۹۸۰ء میں حج کے لئے جاتے ہوئے چند روز کراچی میں قیام کیا۔ اور ایک دن اس مسئلہ پر گفت و شنید اور متفقہ موقف اختیار کرنے کے لئے ان علماء کرام کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بلا کر بحث کا آغاز کیا۔ آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

یہ مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ خالصتاً دینی ہے اس لئے اس مسئلہ پر بھی آپ حضرات کو بلایا ہے کہ علماء دیوبند کی طرف سے ایک متفقہ بات ہو آپ نے کچھ اور فرمایا اور میں نے کچھ اور کہا۔ اس لئے یا تو آپ مجھے قائل کریں یا میرے دلائل کے بعد میرے موقف کی تائید کریں۔ (۱۲۴)

اس پر کراچی کے علماء کرام سے گفت و شنید کے پس منظر کے بارے میں مولانا محمد تقی عثمانی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اس کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

پچھے دنوں جب زکوٰۃ و عشر آرڈیننس نافذ ہوا تو اس پر غور کرنے کے لئے ہماری ”مجلس تحقیق مسائل حاضره“ کے کئی اجلاس ہوئے اور آخر میں ایک تحریر مرتب ہوئی جو ماہنامہ ”السبلان“ کراچی کے رمضان المبارک ۱۴۰۵ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے بھی اس موضوع پر ایک فتویٰ تحریر فرمایا تھا۔ ان دونوں تحریروں کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ کسی وقت اس مسئلہ پر زبانی گفتگو ہو جائے.....

اب ذی قعدہ کے آخر میں مفتی صاحب سفر حج پر جانے کے لئے کراچی تشریف لائے تو شروع میں ہمیں تشریف آوری کا علم نہ ہوا۔ ایک رات حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے صاحبزادے جناب محمد بنوری کا فون آیا۔ انہوں نے مفتی صاحب کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب کا پیغام پہنچایا کہ انہوں نے ہم دونوں کو (احقر اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی) کو زکوٰۃ کے مسئلہ پر گفتگو کے لئے بلایا ہے۔ (۱۲۵)

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ ”مجلس تحقیق مسائل حاضره“ کے موقف پر مشتمل تحریر ملک بھر کے اہل فتویٰ علماء کی خدمت میں بھیجا گیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

الحمد للہ! ان میں سے پندرہ حضرات نے اس تحریر پر اصل مسئلے میں کسی ترمیم کے بغیر مجلس کی آراء سے اتفاق کرتے ہوئے تصدیقی دستخط ثبت فرمائے اور چار حضرات نے

بعض نکات سے اختلاف فرمایا یا اپنے تردد کا اظہار کیا ہے اس سلسلے میں ان حضرات کے دلائل یا شبہات پر مجلس نے دوبارہ غور کیا لیکن غور و تحقیق کے بعد اس مسئلہ میں مجلس کی رائے تبدیل نہیں ہوئی۔ (۱۲۶)

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کے اس بیان کے مطابق ”مجلس تحقیق مسائل حاضره“ کے علماء نے اپنے موقف پر دوبارہ غور کیا۔ اور پھر اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ ”مجلس تحقیق مسائل حاضره“ نے تیسری بار بھی بعض علماء کرام کے خدشات کے پیش نظر اپنے موقف پر غور کیا۔ جس کے بارے میں مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں۔

نظر ثالث: بعض علماء نے تحریر مذکورہ پر مفصل بحث ارسال فرمائی اس پر ۲۴ محرم ۱۴۰۵ء میں مجلس نے غور کر کے اپنے پہلے فیصلے کی پھر توثیق کی البتہ مجلس نے اپنی تحریر مذکور میں بعض مسامحات کو تسلیم کر لیا۔ اور انکی اصلاح کی ضرورت کا فیصلہ کیا۔ نتیجہ کے لحاظ سے ان اصلاحات کا مجلس کے سابق فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (۱۲۷)

حکومت کے اس فیصلے کے جو دور رس اثرات تھے کہ وہ منفی ہوں گے۔ وہ مفتی صاحب کی بصیرت و فراست اور آپ کی دور اندیشی کی واضح مثال ہے۔ کیونکہ حکومت نے نہ تو زکوٰۃ کی وصولی کے نظام کو شرعی اصولوں کے مطابق بنایا اور نہ ہی عشر کی وصولی کو منظم کیا۔ حکومت نے اس سے ایک وقت فائدہ حاصل کرنا تھا۔ جو اس نے پروپیگنڈے کے زور پر حاصل کر لیا۔ ایک طرف زکوٰۃ و عشر کا نظام ہو اور دوسری طرف ٹیکس کا ظالمانہ نظام بھی چلے۔ اس طرح نہ تو وہ اسلامی اصولوں کو اپنا کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بنا سکی اور نہ ہی عوام کی ہمدردیاں حاصل کر سکی اور یہ نظام بھی دیگر ان اقدامات کی طرح جو بددلی سے اٹھائے گئے تھے اور جن پر لیبل اسلام کا لگایا گیا تھا، ناکامی سے دوچار ہوئے۔ یہ بات تو عام آدمی بھی محسوس کرتا تھا۔ کہ زکوٰۃ کی بینک کے ذریعہ وصولی صرف Saving Account سے کی جاتی تھی۔ گو باکہ سود کی شرح کو حکومت اور اکاؤنٹ ہولڈرز کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ اور نام اس کو زکوٰۃ کا دیا گیا۔ اسی صدر

ضیاء الحق کے دور میں ایک اور کام یہ کر دیا گیا۔ جس کا تذکرہ ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے کیا ہے۔ کہ مرحوم صدر ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور اقتدار میں اسلامائزیشن کے عمل کے دوران میں صرف یہ ہوا کہ بینکوں کے بچت کے کھاتوں (Saving Account) کا نام بدل کر، نفع و نقصان کا کھاتہ (Profit/Loss Saving Account) رکھ دیا گیا گویا انہوں نے مردہ کو کفن پہنا کر، یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے مسئلہ حل کر دیا ہے۔ (۱۲۸)

جبکہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے ماہنامہ ”السلاغ“ کراچی میں کئی مضامین میں یہ لکھا ہے کہ نام کی تبدیلی سے کسی چیز کی حقیقت بدل نہیں جاتی۔ بلکہ یہ اکاؤنٹ بھی بعینہ Saving Account ہی ہے۔ کیونکہ اس میں شریعت کے اصولوں کے مطابق نفع و نقصان کی بنیاد پر شراکت کے لئے ضروری شرائط کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

بحیثیت قاری و مقرر

علم قراءت و تجوید دو علیحدہ علیحدہ علوم ہیں۔ علم قراءت کے علماء اس علم کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

علم قراءت اس علم کا نام ہے جس میں وہ الفاظ و مسائل بیان کئے جائیں جو نزول کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ سے کئی کئی طرح آئے ہیں۔ بالفاظ دیگر علم قراءت وہ علم ہے جس میں اختلاف قراۃ متواترہ مشہورہ کے اعتبار سے صورتِ نظم قرآنی پر بحث کی جائے۔

”اور اس علم کا موضوع قرآن پاک کے الفاظ ہیں کیونکہ اس علم میں انہی کے تلفظ کے حالات سے بحث کی جاتی ہے۔“ (۱۲۹)

اور علم تجوید کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ وہ علم جس میں صحت تلفظ (یعنی ادائیگی) مخارج و صفات حروف اور ترتیل نظم (یعنی ادائیگی بد، قصر، وقف اور وصل وغیرہ) کی حیثیت

سے تلاوت قرآن کی عمدگی، حروف کو صحت اور خوبصورتی سے پڑھنے کے قواعد بیان کئے جائیں۔ اور اس علم کا موضوع ”کیفیت تلفظ و تلاوت نظم و نسق“ ہے۔ (۱۳۰)

اور اس علم کا حکم فرض الکفایۃ علماء و فرض العین عملاً ہے۔ (۱۳۱)

یہ دونوں علوم اپنے مقاصد کے اعتبار سے بہت ضروری ہیں۔ اس لئے علماء کرام ان علوم کے حصول اور ان کے قواعد و قوانین کے مطابق قرآن حکیم کی تلاوت کو مقاصدِ اصلیہ قرار دیتے ہیں۔ مولانا مفتی محمودؒ نے یہ علوم اپنے وقت کے مشہور استاد قراءت و تجوید مولانا قاری محمد عبد اللہ صاحبؒ سے پڑھے۔ مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں۔ ”جامعہ قاسمیہ (مراد آباد) میں حضرت مولانا قاری محمد عبد اللہ صاحب مدرس قراءت و تجوید تھے۔ ان سے حضرت مفتی صاحب نے قراءت سبعة و عشرة پڑھیں۔“ (۱۳۲)

مقالہ نگار نے مفتی صاحب سے بذات خود ان کے حالات زندگی معلوم کئے تھے۔ اور آپ کی حیات مبارکہ میں وہ مضمون ترتیب دیا تھا۔ اس میں ہے۔ ”قراءت سبعة و عشرة کی کتابیں اور مشق مراد آباد میں حضرت قاری محمد عبد اللہ صاحب سے تکمیل فرما چکے تھے۔“ (۱۳۳)

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے بھی آپ کی قراءت میں مہارت کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”آپ سبعة قراءت کے ماہر قاری ہیں اور قرآن پاک سے خاص مناسبت رکھتے ہیں۔“ (۱۳۴)

علم قراءت و تجوید کے ماہر ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن صوت سے بھی نوازا تھا۔ آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو عجیب سماں بندھ جاتا۔ اس بارے میں سید عبدالستار ہمدانی لکھتے ہیں۔ ”قرآن پڑھتے ہیں تو مصری قراء کی طرف تو نہیں مصری اساتذہ کی طرف خیال پلٹ جاتا ہے کہ جامعہ ازہر کے اساتذہ اس طرح قرآن مجید پڑھتے ہوں گے۔“ (۱۳۵)

اس سلسلے میں مولانا عبید اللہ انور صاحب لکھتے ہیں۔

جلسوں کے حوالہ سے شاہ صاحب (مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) کے بعد جس شخص کی تلاوت کی سب سے زیادہ شہرت ہوئی وہ مفتی محمود تھے۔ یہ روایت حفص ہی کے نہیں بلکہ سبعة عشرہ کے بھی مستند قاری تھے۔ حجازی لہجہ میں تلاوت کرتے تھے۔ تو جمع ساکت و جامد ہو جاتا تھا۔ میرے اور ان کے تعلقات میں اضافہ کا سبب ان کی تلاوت تھی۔ (۱۳۶)

مقالہ نگار نے آپ کی حالات زندگی سے متعلق جو مضمون لکھا تھا۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ ”قراءت کے ابتدائی طالب علموں کے لئے انہوں نے ایک ”رسالہ“ بھی تحریر فرمایا تھا۔ جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے۔ غالباً ان کے بڑے صاحبزادے کے پاس محفوظ ہے۔“ (۱۳۷)

مولانا مفتی محمود کا تصنیف کردہ یہ رسالہ جو کہ ”التسهيل لاحكام الترتيل“ کے نام سے مشہور ہے مولانا قاری فیاض الرحمن علوی صاحب نے شائع کیا ہے اصل کتاب عربی میں ہے۔ قاری فیاض الرحمن علوی صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ اور بعض مشکل مقامات کی تشریح کی ہے۔ مقالہ نگار نے مفتی محمود کی تصانیف کے تذکرہ میں ان کی اس کتاب کا تفصیل کے ساتھ مطالعاتی تجزیہ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب مفتی صاحب نے دوران اعتکاف صرف چھ دنوں میں رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں لکھی ہے۔ (۱۳۸)

اس کتاب کے بارے میں قاری فیاض الرحمن علوی لکھتے ہیں۔ ”یہ کتاب ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور انکی عربی زبان کی خوبیوں اور باریکیوں کو دیکھتے ہوئے یہ خیال ہوا کہ اس سے ہر خاص و عام کو مستفید ہونا چاہیے۔“ (۱۳۹)

آپ کی تصنیف کردہ اس کتاب کے بارے میں مولانا ڈاکٹر محمد صدیق الازہری شیخ الحدیث جامعہ مرکزی دارالقرآن پشاور لکھتے ہیں۔

مع كل ذلك له ناحية خفية و مزية لم تظهر الى الان فهي دفية تحت كمالاته العديدة الا و هي فن القراءة و التجويد فقد الف فيه كتاباً جامعاً فريداً جمع فيه قواعد ذلك الفن بعبارة مختصرة واضحة لا معة تشير الى يده الطولى و مهارته التامة في ذلك الفن كانه امام القراء و مجتهد في التجويد و القراءة (۱۴۰)

”علم قراءت و تجويد کے اعتبار سے آپ بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے ایک دفعہ سعودی عرب کی حکومت کی طرف سے آپ ”بین الاقوامی قراءت کانفرنس“ میں ایک جج کی حیثیت سے مدعو کئے گئے تھے۔“ (۱۴۱)

اس اہم واقعہ کی تفصیل مکہ مکرمہ میں مقیم اور ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ مولانا محمد مسعود شمیم صاحب نے بیان کی ہے وہ ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

یادوں اور حسرتوں کے سرمایہ میں جو متاع باقی رہ گئی ہے وہ ماہ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ (برطانیق اپریل ۱۹۷۹ء) میں مفتی صاحب کی مکہ معظمہ آمد ہے۔ جو ایسی بابرکت اور شاندار تقریب کے سلسلے میں ہوئی جو مفتی صاحب کے شایان شان تھی۔ سعودی وزارت اوقاف نے تلاوت قرآن کریم اور حسن قراءت و تجويد کی جو تقریب منعقد کی اس میں تقریباً تمام ممالک سے حفاظ و قراء کو مدعو کیا اور فیصلہ کی سربراہ کمیٹی میں بطور حکم حضرت مفتی صاحب کو پاکستان سے بلایا۔ دینی اور علمی اعتبار سے میں سمجھتا ہوں کہ مفتی صاحب کے لئے یہ ایک اعزاز تھا جو ان کے شایان شان تھا۔ (۱۴۲)

تفسیری خدمات

اللہ تعالیٰ نے مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کو دیگر علوم کے علاوہ تفسیر قرآن حکیم کا خاص ذوق اور خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کی فقہی استدلالات میں جا بجا قرآنی آیات اور ان کی تفسیر کے حوالہ ملتے ہیں۔ عام بیان میں بھی آپ قرآن حکیم کی آیات اور اسکے مفہوم کو نہایت

دانشین انداز میں بیان فرماتے تھے۔ آپ کی تفسیر و حدیث سے خصوصی شغف کی بناء پر مولانا محمد ایوب جان بنوری لکھتے ہیں۔ ”بحیثیت مفسر اور شیخ الحدیث ان کی فکر کے بہت کم لوگ دیکھنے میں آئے ہیں۔“

وہ آگے لکھتے ہیں۔

”مفتی محمود علمی حوالہ سے بہت بڑے آدمی تھے۔ ان کو خدا نے مجتہدانہ بصیرت عطا فرمائی تھی۔ وہ بیک وقت محدث، مفسر اور قومی رہنما تھے۔“ (۱۴۳)

آپ نے ۱۹۷۶ء میں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی جامع مسجد واقع شیرانوالہ گیٹ لاہور میں اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ جانشین حضرت لاہوریؒ مولانا عبید اللہ انور صاحب کی اصرار پر وہاں طلباء کو تفسیر پڑھائی۔ ڈیڑھ ماہ میں آپ نے روزانہ چھ چھ گھنٹے کے درس میں اس کو مکمل کیا۔ مولانا عبید اللہ انور صاحب لکھتے ہیں۔

ایک دفعہ لاہور کی جمعیت نے فیصلہ کیا کہ مفتی صاحبؒ سے لاہور میں مستقل یا کچھ عرصہ کے قیام کی درخواست کی جائے۔ ہم نے کہا تو انہوں نے رمضان کا قیام قبول فرمایا۔ اس دوران انہوں نے شیر انوالہ میں دورہ تفسیر کا آغاز کیا۔ انہوں نے ایسی جانفشانی، لگن، ذمہ داری اور غایت درجہ محنت کے ساتھ سینکڑوں علماء کو ڈیرہ ماہ تک تفسیر پڑھائی کہ ہم سب حیران رہ گئے۔ آپ مسلسل چھ چھ گھنٹے درس دیتے۔ (۱۴۴)

آپ کی تفسیر کے درس کی خصوصیات بارے میں پروفیسر امجد علی شاکر لکھتے ہیں۔
 ”آپ کے ہاں تفسیر میں متاضی بیہناوی کا انداز پایا جاتا ہے۔“ (۱۳۵)

وہ مزید آپ کے دورہ تفسیر کے خصوصیات قلمبند کرتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

”قرآن کی فصاحت و بلاغت، مفردات کی تشریح، علم کلام و مناظرہ، مفسرین کے اقوال اور ان میں راسخ قول کا تعین، فقہ، ربط آیات، تاریخ و سیاست۔“

یہ وہ عام موضوعات تھیں جن پر آپ کے درس قرآن میں موقع و محل کی مناسبت سے بحث و مباحثہ ہوتا۔

آپ کا طریقہ تدریس تفسیر قرآن، منفرد حیثیت کا حامل ہوتا تھا۔ پروفیسر امجد علی شاکر صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں۔ ”آپ کا عمومی طریقہ یہ تھا کہ آپ تلاوت قرآن پاک کے بعد بے تکلف انداز میں قرآن مجید کا ترجمہ بیان فرماتے پھر خلاصہ رکوع اور پھر اہم نکات بیان فرماتے۔“ (۱۳۶)

اس سلسلے میں اسی دورہ تفسیر قرآن میں شریک آپ کے شاگرد رشید مولانا محمد یوسف صاحب حال مفتی و مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور رقمطراز ہیں۔

اس دورے کی خصوصیت یہ تھی کہ پہلی بار تفسیر قرآن کتابی انداز میں پڑھائی گئی۔ یہ تمام مفسرین سے مختلف انداز تھا۔ جو مفتی صاحب نے اختیار کیا۔

آگے وہ بتاتا ہے کہ کتابی اور تفسیری طریق تعلیم میں فرق کیا ہے وہ لکھتا ہے۔
تفسیری طرز تعلیم میں آیت کے ربط، شان نزول اور لغوی و معانی مباحث کو بیان کیا
جاتا ہے جبکہ کتابی طرز تعلیم میں آیت کا مقصد اسکے تحت آنے والے مسائل زندگی اور
مستنبط ہونے والے فقہی مسائل کو سمجھایا جاتا ہے۔ اور یہی چیز علم کے لئے ضروری
ہے۔..... یہ بات ہمیں پہلی بار مفتی صاحب سے دورۂ تفسیر پڑھ کر

سمجھ آئی۔ (۱۳۷)

مفتی صاحب کے درس تفسیر کو اکثر زیر درس طلباء تحریر میں لاتے تھے۔ جن میں دو طلباء مولانا محمد یوسف صاحب مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور مولانا حفظ الرحمن صاحب مدنی مہتمم مدرسہ معراج العلوم بنوں کے ”امالی“ کو سامنے رکھ کر اس سے ”تفسیر محمود“ کو مرتب کیا گیا ہے۔ جس میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ ترجمہ حضرت لاہوریؒ کا ہے اور تفسیری افادات، ”افادات محمود“ کے عنوان سے مولانا مفتی محمود کی ہیں۔ اس درس کے لئے مفتی محمود

صاحب کس قدر تیاری کرتے۔ اور ان کے ہاں اس کا کیا اہتمام ہوتا تھا۔ اس کے بارے میں مولانا عبید اللہ انور لکھتے ہیں۔

☆ اس مقصد کی خاطر وہ لاہور تشریف لائے تو مدرسہ قاسم العلوم شیر انوالہ لاہور کی عمارت میں قیام فرمایا مدرسہ کی عظیم الشان لائبریری کھلوائی۔ اور قرآن کریم کی جتنی قدیم تفاسیر اس میں تھیں وہ نکلوائیں۔ اس کے علاوہ جامعہ مدنیہ کے کتب خانے سے بعض تفاسیر منگوائیں۔ کچھ دوستوں اور عزیزوں سے ذاتی کتابیں حاصل کیں..... ان میں عربی، اور اردو کے علاوہ ایسے لوگوں کی تفاسیر بھی تھیں جو عام طور پر دینی اور علمی حلقوں میں پسندیدہ نہیں سمجھی جاتیں۔ (۱۳۸)

☆ عام طور پر دینی اور علمی حلقوں میں پسند نہ کی جانے والی تفسیروں میں مولانا مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن بھی ہے۔ جو آپ کے زیر مطالعہ رہی اور امت مسلمہ کے اجماعی موقف سے ہٹ کر جن بنیادی مسائل میں مولانا مودودی نے اپنا موقف اپنایا ہے۔ مفتی محمود صاحب نے خصوصاً ان کی مدلل تردید کی ہے۔

☆ ایک دفعہ ملک عبد الحفیظ سے اس بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے مفتی صاحب نے فرمایا۔ ”اس رمضان شریف میں مسجد شیر انوالہ لاہور میں جو میرا دورہ تفسیر ہوا اس کی تقاریر کئی حضرات نے لکھ بھی رکھی ہیں میں نے تفہیم القرآن میں ایک ایک غلطی کی مدلل تردید کی ہے۔“ (۱۳۹)

☆ مفتی صاحب نے تفہیم القرآن میں بیان کردہ جن بنیادی مسائل کی نشاندہی کی ہے اور پھر مدلل انداز میں اس کی تردید کی ہے ان میں چند ایک یہ ہیں۔

☆ انبیاء علیہم السلام سے متعلق مودودی صاحب کا قول۔ تفسیر محمود ج اول ص ۱۳۲

☆ حالت اضطراب میں متعہ کا جائز قرار دینا۔ تفسیر محمود ج اول ص ۳۱۰

☆ ایلاء کے لئے قسم کھانے کی شرط نہیں ہے۔ تفسیر محمود ج اول ص ۳۴۰

☆ اس کے اس قول کا ابطال کہ دجال کے بارے اندیشہ غلط ہے۔ تفسیر محمود ج اول ص ۴۷۹

☆ حد سرقہ کے متعلق پرویز اور مودودی صاحب کی رائے۔ تفسیر محمود ج اول ص ۵۵۹

☆ مسئلہ عصمت انبیاء اور مودودی صاحب۔ تفسیر محمود ج اول ص ۲۹، ۳۵

☆ عورت کے سربراہ مملکت کے بارے میں مودودی کے قول کی تردید۔ تفسیر محمود ج اول ص ۳۱۷

☆ اس کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب نے جدید مسائل کو بھی اپنے درس کا موضوع بنایا ہے اور ان پر کھل کر فقہی اور کلامی انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی تفسیر کو ایک منفرد اور خصوصی اہمیت حاصل ہو گئی۔ (آپ کی تصانیف و تالیفات کے عنوان کے تحت راقم الحروف نے اس کا تعارف اور مطالعاتی جائزہ علیحدہ پیش کیا ہے)۔

☆ آپ کی تفسیر ”تفسیر محمود“ کے بارے میں مولانا سعید احمد جلال پوری کی رائے بہت ہی چچی تلی اور حقیقت کے بہت قریب ہے وہ لکھتے ہیں۔ ”تفسیر محمود کیا ہے؟ حضرت مفتی محمود قدس سرہ کی عظیم علمی اور عبقری شخصیت کی زندگی بھر کی تفسیری تحقیقات کا نچوڑ ہے۔“ (۱۵۰)

بحیثیت ادیب و خطیب آپ کی صفات و خدمات

☆ مولانا مفتی محمود کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار اعلیٰ صفات و کمالات سے نوازا تھا۔ بے شمار علمی خوبیوں کے ساتھ آپ ایک بے مثال خطیب و مقرر بھی تھے۔ آپ کا انداز بیاں نہایت دلوں پر اثر کرنے والا، دلائل سے لبریز، جس نے آپ کی مقبولیت میں بے حد اضافہ کیا تھا۔ مخالف سے مخالف بھی آپ کے دلنشین انداز گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ آپ عربی، فارسی، اردو زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ جبکہ پشتو آپ کی مادری زبان تھی۔ اور ایک لحاظ سے اسی زبان

دانی نے آپ کو نہ صرف پاکستان، ہندوستان و بنگلہ دیش میں مقبول رہنما بنادیا تھا۔ بلکہ عرب ممالک کے رہنے والے علماء و فضلاء بھی آپ کی عربی سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔ اور یہی بات مولانا محمد ایوب جان صاحب بنوریؒ نے لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب کو قدرت نے اس دولت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ وہ عربی، اردو فارسی اور پشتو میں اظہار خیال پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ گفتگو میں سنجیدگی، متانت، مٹھاس اور قوت استدلال کا عنصر غالب تھا۔ وہ باتوں ہی باتوں میں بڑے بڑے مسائل حل کر دیتے تھے۔ مختلف زبانوں پر قادر ہونے سے بھی ان کی شہرت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ پشتو نے انہیں سرحد و بلوچستان میں متعارف کرایا، تو اردو نے پاکستان میں نمایاں کیا۔ اور عربی نے سرزمین حجاز میں ان کی مقبولیت بڑھائی۔ ان کی علمی برتری صرف سرحد اور بلوچستان تک ہی محدود نہ رہی پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں اس کی دھوم مچی۔ عرب ممالک میں ان کی علمی ثقاہت کو بلند پایہ علماء بھی تسلیم کرتے تھے۔

علماء ازہر اور علماء مصر تمنا رکھتے تھے کہ مفتی محمود تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی کام کریں۔ لیکن ان کے پاس وقت کی کمی تھی۔ (۱۵۱)

آپ کے طرز خطابت کے بارے میں عالم اسلام کے مشہور خطیب مولانا سید عبد المجید ندیم صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی خطابت چند طے شدہ جملوں یا خوبصورت الفاظ کی محتاج نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ خطابت کرتے وقت مزوجہ استعاروں یا محاوروں کی تلاش کرتے۔ وہ صحیح معنوں میں ”ضمیر کا خطیب“ تھے۔ ان کی تقریر سنجیدہ، مدلل اور دونوک ہوا کرتی تھی۔ عام جلسے ہوں جماعتی اجلاس ہو یا اسمبلی ہال انہوں نے جہاں بھی گفتگو کی۔ یہی خصوصیات کار فرما رہیں۔ (۱۵۲)

مفتی صاحب کی خطابت میں تجربہ علمی کے ساتھ شائستگی ہوتی تھی۔ کسی پر تنقید کرتے یا تنقید کا جواب دیتے وقت آپ کبھی بھی شرافت کا دامن نہ چھوڑتے۔ اس بارے میں مولانا سید عبد المجید ندیم صاحب لکھتے ہیں۔

وہ سطحیت اور جذباتیت سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ انہوں نے اپنے حریف کو کبھی گرے ہوئے الفاظ سے یاد نہیں کیا وہ مرض کے دشمن مگر مریض کے ہمدرد تھے۔ وہ اپنے مخاطب کی عزت نفس کو مجروح نہیں ہونے دیتے تھے۔ مفتی صاحب کا بیشتر حصہ حزب اختلاف میں گزرا ہے۔ ہر دور میں حکومت کے غلط فیصلوں پر انہوں نے تنقید کی۔ مگر ان کی تنقید میں شائستگی، متانت اور دلائل کا رنگ غالب رہا۔ انداز بیان کبھی بھی پایہ ثقاہت و شرافت سے نہیں گرا۔ ان کے حاسدین نے مختلف محاذوں پر انہیں بدگوئی کا نشانہ بنایا۔ مگر مفتی صاحب نے ہمیشہ ان کے زہریلے الزامات کا شریفانہ مگر مسکت جواب دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سیاسی مخالفین کے دل میں بھی ہمیشہ مفتی صاحب کا احترام رہا۔ (۱۵۳)

مفتی صاحب کی تقریریں، عوام میں بہت مقبول ہوئیں۔ اس کی وجہ یہی تھی۔ کہ ان کی تقاریر میں سچائی اور اخلاص ہوتا تھا اور تصنع و بناوٹ سے پاک ہوتی تھیں۔ مولانا سید عبد المجید ندیم صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی تقریریں سیاسی بازگروں کے پُر فریب بیانات کے مقابلہ میں اسی وجہ سے عوام میں مقبول ہوئیں کہ مفتی صاحب کی تقریر سچائی، اخلاص، درد اور نصب العین کے تشخص کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے تحریکوں کے ریلے میں روزانہ مختلف اجتماعات سے گھنٹوں خطاب کیا۔ مگر وہ جب بھی بولے دل کی گہرائیوں سے بولے۔ ان کے ہاں تصنع و بناوٹ نام کو نہ تھی۔ (۱۵۴)

آپ کے ماہر لسانیات ہونے کے بارے میں مولانا سخی داد صاحب ایک تفصیلی مضمون

میں لکھتے ہیں۔

لسانیات میں مفتی صاحب کو ایسی مہارت حاصل تھی کہ پانچ زبانوں میں آپ بغیر تکلف کے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتے تھے۔ خصوصاً عربی و اردو میں جب بیان کرتے تو کسی کے دہم میں بھی نہ گزرتا کہ یہ ان کی مادری زبان نہیں۔ (۱۵۵)

مولانا لطافت الرحمان صاحب عربی ادب کے بہت بڑے ماہر اور عربی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔ آپ کے عربی قصائد اکثر جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ وہ مولانا مفتی محمود صاحب کی عربی زبان و ادب میں مہارت کے متعلق لکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مرحوم جہاں محدث عظیم تھے۔ تو ساتھ ہی زبردست عربی ادیب بھی تھے..... حضرت مرحوم، عام علوم و فنون کے علاوہ عربی ادب کے بھی ماہر تھے۔ اور عربی زبان کے استعمال اور عربی گفتگو پر ان کو امتیازی قابو اور عبور حاصل تھا۔ اور مصر و حجاز کے علماء تک ان کی عربی دانی اور عربی تحریر و تقریر کی روانی اور صحت و فصاحت کا اعتراف کرتے رہے۔ حالانکہ بعض علماء عرب، علماء عجم کے فضل و کمال کا اعتراف نہیں کرتے ہیں۔ (۱۵۶)

اس ضمن میں مولانا عبدالحق، مفتی صاحب کے بارے میں لکھی گئی اپنی کتاب ”عوام کے بے تاج بادشاہ“ میں لکھتے ہیں۔

کثرت معلومات، استحضار اور وسیع النظر ہونے کے اعتبار سے ایک عظیم علمی خزانے کی مثال رکھتے تھے۔ جامع المعقول والمنقول تھے اپنے علم و فضل کے باعث عرب ممالک میں قدرو عزت کی نگاہ سے دیکھتے جاتے تھے۔ آپ مدرس و مفتی کے ساتھ عظیم خطیب بھی تھے۔ اور نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرماتے تھے۔ آپ اردو، پشتو کے علاوہ فارسی و عربی میں بھی نہایت جامع کلام فرماتے آپ نے عربی میں کئی قصائد بھی لکھے ہیں۔ جن میں سے چند شائع ہو چکے ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں۔ (۱۵۷)

عرب کے علماء آپ کی عربی تقاریر سنتے تو اس بات کا برملا اعتراف کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو علم میں سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ مولانا شیر علی شاہ صاحب حال شیخ الحدیث

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، جو کہ کافی عرصہ مدینہ منورہ میں بغرض تحصیل علم مقیم رہے ہیں۔ وہ اپنے قیام مدینہ منورہ کے دور کا واقعہ لکھتے ہیں۔

حضرت (مفتی محمود) نے جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تقریباً ایک گھنٹہ فصیح عربی زبان میں جامع مانع تقریر فرمائی تو مشائخ جامعہ کئی دن تک مفتی صاحب کی علمی گہرائیوں اور نکتہ سنجیوں، عربی زبان پر مکمل دسترس کو سراہتے رہے، بلکہ بڑے بڑے علماء نے تو کہا تھا ”الشیخ مفتی محمود عبقری عملاق ذو بسطة في العلم والجسم“ (۱۵۸)

مولانا محمد اجمل خان صاحب لکھتے ہیں ”عربی اس فصاحت و روانی کے ساتھ بولتے تھے کہ اہل زبان ہونے کا گمان گزرتا تھا۔“ (۱۵۹)

حرمین شریفین میں مقیم اور مفتی صاحب کے میزبان جناب ملک عبدالحفیظ صاحب آپ کی عربی زبان بولنے پر قدرت کاملہ اور عرب مشائخ کی طرف سے آپ کی عربی پر عبور سے متاثر ہونے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

ان کی عربی زبان بولنے پر قدرت کاملہ نے بھی اس سیاہ کار ہی کو نہیں بلکہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں جب وہاں کے مشائخ کبار اور طلبہ نے پہلی بار ان کی تقریر سنی تو صرف متاثر ہی نہیں بلکہ معتقد بنادیا۔ اور میرے خیال میں سعودی عرب و امارات وغیرہ کے بالعموم مشائخ اور اعیان نے جو بے نظیر اکرام و اجلال کا معاملہ حضرت مفتی صاحب کے آخری سفر میں کیا۔ اسی میں عربی میں مافی الضمیر ادا کرنے کو بہت دخل تھا۔ مفتی صاحب ایسی شاندار عربی بولتے تھے کہ میرے خیال میں پورے پاک و ہند میں سوائے حضرت مولانا علی میاں کے اس میں اور کوئی ان کے ہم پلہ نہیں ہو گا۔ (۱۶۰)

اس سلسلے میں مولانا محمد اسحاق خان رکن اسلامی نظریاتی کونسل آزاد کشمیر لکھتے ہیں۔

راقم نے دیکھا کہ دو سال قبل جب مفتی صاحب مرحوم اپنے عرب ممالک کے دورہ کے دوران متحدہ عرب امارات پہنچے تو وہاں اسلامی بینک کی افتتاحی تقریب میں عرب و عجم

مختلف اسلامی ملکوں سے آئے ہوئے علماء و مشائخ حضرت مفتی صاحب مرحوم سے خاص عزت و عظمت اور عقیدت و محبت سے ملتے۔ مختلف سوالات کرتے۔ ملک کی سیاسی اور دینی صورت حال کے بارے میں پوچھتے اور آپ فی البدیہہ عربی زبان میں ان کو تسلی بخش جوابات سے نوازتے۔ اسی طرح ہم نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم برصغیر پاک و ہند کے سرکردہ اور صف اول کے رہنماؤں میں وہ پہلے اور واحد رہنما تھے۔ جو اس طرح بے تکلف طریقے سے عربی زبان میں بات چیت کر رہے تھے۔

(۱۶۱)

دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ آپ کی اردو دانی بہت صاف، بامحاورہ تھی۔ آپ کا لہجہ خالص ہندوستانی ہوتا تھا۔ آپ جب اردو میں بیان کرتے یا کوئی تحریر لکھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ یہ ان کی مادری زبان ہے۔ مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب جو کہ مفتی صاحب کے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں دور اول کے شاگرد، اور اپنے دور کے مشہور خطیب ہیں۔ لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب کی زندگی کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے۔ وہ صدا بہار ہو گا۔ آپ باغ و بہار شخصیت تھے۔ محدثوں میں محدث، مفسروں میں مفسر، مجاہدین میں مجاہد، رہنماؤں میں ایک درد مند رہنما، خطیبوں میں ایک منفرد خطیب، مجھے آپ کے بعض خطیبانہ جملے سن کر وجد آ جاتا تو بعض اوقات سوال کرتا۔ کہ حضرت آپ تو قبائلی علاقے میں رہے اور وہیں پروان چڑھے۔ آپ اس قدر فصاحت اور سلاست سے اردو بولتے ہیں کہ کبھی گمان بھی نہیں ہوتا کہ آپ پٹھان ہیں بلکہ اردو کے لہجہ میں بہت تمکنت اور صفائی ہے۔ تو مسکراتے ہوئے فرماتے کہ میں نے تعلیم کے دوران کافی وقت یوپی میں گزارا جس سے میری اردو بہت مصفا ہو گئی۔ بعض اوقات تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اردو میری مادری زبان ہے۔ اور صاحب زبان میرے لہجہ اور تلفظ کی ادائیگی میں غلطی نہیں پکڑ سکتا۔ (۱۶۲)

دراصل وہی شخصیت ملک و ملت کی قیادت صحیح طریقے سے کر سکتی ہے جو علم کے ساتھ ساتھ بیان کی قدرت بھی رکھتی ہو اور وہ اظہار مافی الضمیر سے دوسروں کو متاثر کرنے کا فن جانتی ہو۔ مفتی صاحب سے متعلق عالم اسلام کے مشہور خطیب اور جادو بیان مقرر مولانا سید عبد المجید ندیم لکھتے ہیں۔

ایک قائد کے لئے جہاں عظمت کردار، شخصی وجاہت، علمی تجربہ، سوز و دروں اور بلندی نظر ضروری ہے وہاں اظہار مافی الضمیر کے لئے خطابتی حسن بھی ناگزیر ہے خطابت الفاظ کی موزونیت اور فقروں کی ترتیب ہی کا نام ہی نہیں یہ تو سب اضافی خوبیاں ہیں خطابت دراصل دل سے نکلنے والی اسی حقیقت کا نام ہے کہ وہ جس زبان اور جس انداز میں بھی ادا ہوئے سامعین کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ مگر جب ہنگامی زندگی کے بھرپور شب و روز کا آغاز ہوا اور دارالحدیث میں بیٹھے ہوئے ایک محدث سے قدرت نے مثالی قائد کا کام لینا چاہا تو شخصیت کے ساتھ ساتھ زبان میں نکھار اور ادبی نفاست پیدا ہوتی گئی اور نہ صرف اردو بلکہ عربی، فارسی، پشتو اور پنجابی میں بھی آپ بڑی فصاحت سے سامعین کے دل کی گہرائیوں میں بات اتار دیتے تھے۔ (۱۶۳)

مولانا ضیاء القاسمی صاحب نے مفتی صاحب کی تحریر اور رسم الخط کے بارے میں یہ

لکھا ہے۔

اسی طرح آپ کی تحریر بہت ہی صاف اور شگفتہ تھی۔ رسم الخط بہت ہی خوبصورت اور حسین تھا۔ دل چاہتا کہ آپ کی اس پیاری خوشنما تحریر کو دیکھتے چلے جائیں۔ جماعت کی اکثر قرار دادیں آپ ہی کے قلم کا کرشمہ ہو ا کرتی تھیں۔ کبھی تحریر میں الفاظ کی افراط و تفریط معلوم نہیں ہوتی تھی۔ تقریر و تحریر میں آپ نے ایک خاص طرز ایجاد کیا تھا جو آپ ہی کا حصہ تھا۔ (۱۶۴)

آپ زبان دانی اور تقریر کے ملکہ کے علاوہ تحریر میں بھی خاص طرز کے مالک تھے۔

مولانا عبید اللہ انور صاحب رقمطراز ہیں۔ ”مفتی صاحب کی مثال مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی سے

دی جاسکتی ہے۔ وہ جمعیت علماء ہند کا قلم و زبان تھے آپ بھی زبان کی فصاحت کے ساتھ ساتھ قلم کا ملکہ بھی رکھتے تھے نہایت سلیس اور شستہ تحریر آپ کا امتیاز تھی۔ (۱۶۵)

آپ نے اردو زبان اور اس کا لہجہ، یوپی میں اور دوران تعلیم سیکھا۔ اسی طرح آپ نے تحریر کی مشق بھی مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند جو متعدد شاہکار کتابوں کے مصنف اور مدرسہ شاہی مراد آباد میں آپ کے استاد رہے ہیں کی مجالس میں بیٹھ کر سیکھی۔

مولانا محمد میاں صاحب کے صاحبزادے بانی و سابقہ مہتمم جامعہ مدینہ لاہور اور حضرت مفتی صاحب کے دور طالب علمی کے شاگرد مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں۔ ”حضرت مفتی صاحب نے بتلایا کہ جس زمانہ میں والد صاحب (مولانا محمد میاں صاحب) ”شاند ارماضی“ لکھ رہے تھے تو ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ انہوں نے اس کے مسودہ کو صاف کر کے لکھا ہے۔“ (۱۶۶)

یہی بات صاحبزادہ محمود صاحب نے بھی لکھی ہے کہ ”مدرسہ شاہی مراد آباد میں تعلیم کے دوران مفتی صاحب، مولانا محمد میاں صاحب سے بہت متاثر تھے۔ فارغ وقت میں ان کی مجلس میں بیٹھتے اور تحریری کام میں ان کی معاونت کرتے۔“ (۱۶۷)

مفتی صاحب نہ صرف عربی زبان کے بولنے اور لکھنے پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ بلکہ آپ کے عربی قصیدے بھی آپ کی عربی زبان پر عبور اور شعری ذوق کی آئینہ دار ہیں۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی وفات پر آپ نے دوران جیل ۱۹۵۳ء میں ایک مرثیہ لکھا جو ”انین الحزین“ کے عنوان سے روزنامہ ”الجمعیۃ“ دہلی کے مولانا مفتی کفایت اللہ نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ (۱۶۸)

اسی مضمون میں مولانا موسیٰ روحانی بازی صاحب لکھتے ہیں۔ ”ان کو شعر گوئی کا بہت شوق تھا مگر اس طرف توجہ دینے کا بہت کم موقع ملا۔ انہوں نے ۵۳ء میں ایام اسارت میں میرے اشعار کے جواب میں عربی کے اشعار لکھ کر بھیجے۔“ (۱۶۹)

اس طرح دوران قید آپ کا ایک اور عربی قصیدہ بھی ہے جو مولانا لطافت الرحمن صاحب نے اپنے مضمون ”عربی زبان پر عبور اور ادیبانہ حیثیت“ میں انہوں نے سارا قصیدہ نقل کیا ہے۔ (۱۷۰) یہ قصیدہ ”ترجمان اسلام“ کے ”مفتی محمود نمبر“ میں بھی ”نداء الاسیر“ کے عنوان سے چھپا ہے۔ (۱۷۱)

عربی کے علاوہ فارسی زبان میں بھی آپ کی ایک نظم ہے جو دوران قید آپ نے لکھی۔ اس میں انہوں نے اس وقت عالم اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر نہایت افسوس ظاہر کیا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور نے ”مفتی محمود نمبر“ میں ”مسلمانوں کی خستہ حالی پر فریاد“ کے عنوان سے اس نظم کو شامل اشاعت کیا ہے۔ (۱۷۲)

عربی و فارسی زبان و ادب اور شعر گوئی کے ساتھ آپ ایک اچھے اور معیاری صحافی اور قلمکار بھی تھے۔ اس ضمن میں مولانا سخی داد صاحب لکھتے ہیں۔ ”غرض یہ کہ معیاری صحافت کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب مفتی صاحب میں بدرجہ اتم موجود تھے۔“

اور صرف یہ نہیں کہ آپ میں صحافت کے تمام اسباب موجود تھے۔ بلکہ آپ کی تحریر نہایت مؤثر اور عنوان پر مکمل گرفت رکھتی تھی۔ سخی داد صاحب مزید لکھتے ہیں۔ ”اس لئے آپ کی تحریر دلچسپ ہوتی تھی جس سے قاری مطمئن ہو جاتا تھا۔ جو لوگ دل میں خدشات کا سمندر رکھتے تھے وہ بھی جب آپ کا بیان پڑھتے تو سارے خدشات زائل ہو کر تشفی ہوتی۔“ (۱۷۳)

مولانا مفتی محمود ہفت روزہ ”خدام الدین“ لاہور کے تقریباً ۳ سال تک مدیر رہے۔ اس کے ادارے آپ ہی تحریر کرتے تھے۔ وہ ادارے کس نوعیت کے ہوتے تھے۔ اس کے بارے میں مولانا سخی داد صاحب لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب نے ۱۳۹۳ھ سے ۱۳۹۶ھ تک ہفت روزہ ”خدام الدین“ لاہور میں رئیس التحریر کی حیثیت سے بہت سے ادارے تحریر فرمائے۔ جو اس وقت عالمی

مسائل کے حل پر مشتمل ہوتے اور حکومت وقت کی پالیسیوں پر بے لاگ تبصرہ کے ساتھ ساتھ آنے والی نسلوں کی دائمی مفاد اور رہنمائی کے لئے بھی مشعل راہ ہیں۔
..... اداروں کے اس فہرست سے مفتی صاحب کے جذبات، خیالات اور ان کے صحافتی مقام کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ (۱۷۴)

تالیفات و تصنیفات

جیسے کسی معلم، استاد اور مدرس کا اپنے مطالعہ اور تجربہ کی بنیاد پر تعلیم و تدریس کا عمل اور اسکی بنیاد پر اپنے طلباء کو تربیت فراہم کرنا ایک بہت بڑا کارنامہ، قومی و ملی خدمت اور ایک مستقل صدقہ جاریہ ہے۔ اسی طرح کسی مصنف و مؤلف کا کسی علمی و فنی کتاب کی تصنیف و تالیف بھی ایک عظیم کارنامہ اور باعث اجر و ثواب ہے۔

مولانا مفتی محمود جو کہ عالم اسلام کی ایک علمی و دینی سیاسی شخصیت تھی۔ علم و تفسیر و حدیث اور فقہ و افتاء پر ان کی گہری نظر تھی۔ جو پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ ایک مدرس و معلم کی حیثیت سے ہزاروں طلباء کو تفسیر و حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جس کو ان کے شاگردوں نے آگے بڑھایا۔

اگرچہ عوام میں آپ کی شہرت ایک سیاسی رہنما کی تھی۔ مگر علماء کا طبقہ آج بھی ان کی علمیت و فقاہت اور دینی و علمی بصیرت کا معترف ہے۔ ان کو اگرچہ گونا گوں مصروفیات کے باعث تصنیف و تالیف کا زیادہ موقع نہ مل سکا۔ پھر بھی انہوں نے چار ایسی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن کی افادیت مسلمہ ہے۔ ان میں سے دو ”زُبْدَةُ الْمَقَالِ فِي رُؤْيَةِ الْهَلَالِ“ اور ”الْمُتَنْبِي الْقَادِيَانِي مَنْ هُوَ؟“ تو آپ کی حیات میں طبع ہو چکی تھیں۔ جبکہ دو ”التَّسْهِيلُ لِأَحْكَامِ التَّرْتِيلِ“ اور ”زَادُ الْمُنْتَهَى شَرْحُ سَنَنِ التَّرْمِذِيِّ“ آپ کی وفات کے بعد زیور طبع سے

آرامتہ ہوئیں۔ یہ چاروں تصانیف فصیح عربی میں ہیں۔ مزید دو تصانیف ”فتاویٰ مفتی محمود“ اور ”تفسیر محمود“ حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ آپ کی تالیفات و تصنیفات کا تعارف اور ان کا مطالعاتی جائزہ درج ذیل ہے۔

ہم کتاب: التسهيل لاحكام الترتيل

مترجم (اردو): مولانا قاری فیاض الرحمن علوی

ناشر: مکتبۃ العلویہ مرکزی دارالقرآن نمک منڈی پشاور پاکستان

منہاجت و سن اشاعت: ۵۰ صفحات، ۱۰۰۰ طبع اول

تالیف ہذا مولانا مفتی محمود کی سب سے پہلی تالیف ہے۔ جس کا موضوع ”علم قراءت و تجوید“ ہے۔ فصیح عربی زبان میں لکھی گئی اس تالیف میں اس ارفع و اعلیٰ علم کے مبادی و اصول سے بحث کی گئی ہے۔ مؤلف نے یہ مختصر کتاب مروجہ علوم سے فارغ التحصیل ہونے کے فوراً بعد

مرتب کی ہے۔ آپ نے ۱۳۶۱ھ میں درس نظامی سے فراغت پائی۔ (۱۷۵)

اور ۱۳۶۳ھ (برطانیق ۱۹۴۴ء) میں انہوں نے تالیف ہذا صرف چھ دنوں میں دوران

اع تکاف مکمل کی۔ (۱۷۶)

تالیف ہذا درج ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

- (۱) باب المخارج
- (۲) باب الصفات
- (۳) باب فی احکام النون الساکنۃ والتنوین
- (۴) باب الادغام
- (۵) باب الوقف

اس مؤقر تالیف کے آخر میں مؤلف نے مشہور قرآء، ان کے راویوں کے نام، مراتب القرآن، الحان اور تحسین الصوت کا حکم، اور بعض شبہات اور ان کے جوابات ذکر کئے ہیں۔

اوائل میں یہ تالیفی کاوش مخطوطہ کی صورت میں تھی۔ جسے عبدالخیل کے قیام کے زمانے میں فاضل مؤلف نے بعض منتہی طلباء کو پڑھائی اور نکھوائی تھی۔ جن میں مولانا مفتی محمد عیسیٰ کے چچا زاد بھائی مولانا قادر داد بھی تھے۔ جن کے پاس یہ مخطوطہ موجود تھا۔ اور قاری فیاض الرحمن علوی کو انہیں سے ملا۔ (۱۷۷) یہ تالیف ۲۰۰۰ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ فتاری فیاض الرحمن علوی نے تالیف ہذا کو عربی متن، اردو ترجمہ اور مزید تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مولانا مفتی محمود دگر علوم کے ساتھ علم قراءت و تجوید کے بھی بہترین عالم تھے۔ بنا بریں علم قراءت و تجوید کے جید علماء اور اس کے مشاہیر اساتذہ نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مفتی جمیل خان شہید لکھتے ہیں۔ ”فن قراءت و تجوید میں جب ہم مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کی جستجو کرتے ہیں۔ تو استاذ القرآن قاری رحیم بخش پانی پتی اور استاذ القرآن قاری محمد طاہر رحیمی، مفتی محمود صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (۱۷۸)

”آپ نے علم قراءت و تجوید اس وقت بر صغیر کے مشہور قاری، قاری عبداللہ مراد آبادی سے قیام مراد آباد کے دوران حاصل کیا تھا۔“ (۱۷۹)

جس کے متعلق مولانا حامد میاں صاحب مہتمم وبانی جامعہ مدنیہ لاہور رقمطراز ہیں۔ جامعہ قاسمیہ (مراد آباد) میں حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس قراءت و تجوید تھے۔ ان سے حضرت مفتی محمود صاحب نے قراءت سبعة وعشرة پڑھیں۔ مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب ”تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔ علم قراءت

میں کمال درجہ کا عبور حاصل تھا۔ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے عرصہ سے مسئلہ ”ضاد“ میں اشکال تھا جو کسی سے حل نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ عزیزی قاری عبداللہ نے یہ اشکال رفع کر دیا۔ (۱۸۰)

۵۰ صفحات پر مشتمل اس تالیف کی افادیت کے متعلق قاری فیاض الرحمن علوی لکھتے ہیں۔ ”یہ کتاب ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور اس کی عربی زبان کی خوبیوں اور باریکیوں کو دیکھتے ہوئے یہ خیال ہوا کہ اس سے ہر خاص و عام کو مستفید ہونا چاہیے۔“ (۱۸۱)

مولانا مفتی محمودؒ نے اس تالیف کے دیباچہ میں جہاں علم قراءت و تجوید کی اہمیت و ضرورت سے مختصر بحث کی ہے۔ وہاں اس افسوس کا اظہار بھی کیا ہے کہ آج کل طالب علم ”حکمت یونانیہ“ کی تحصیل میں تو اپنے قیمتی اوقات ضائع کرتے ہیں۔ مگر اس اہم ضروری علم سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ (۱۸۲)

اس کتاب کی تالیف سے مؤلف کے سامنے جہاں اس علم کی اہمیت و فرضیت کا اجاگر کرنا مقصود تھا۔ وہاں بعض قرآء کی بعض غلطیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کا مقصد بھی پیش نظر تھا۔ جیسا کہ ایک جگہ ”غثہ“ سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والمیم المدغمة في كلمة نحو المزمّل وفي كلمتين نحو ما لهم من الله وكم من فنة وهي في النون او الميم المشددتين بالتشديد الوضعي اقوى ماتكون في غيرها والعجب من بعض افاضل ديارنا حيث انكر الغنة فيهما واعترض على في فعلی ونازعني في ذلك ليت شعري (۱۸۳)

ترجمہ: اور ميم مدغمہ کی ایک کلمہ مثال المزمّل اور دو کلموں کی مثال ما لهم من الله وكم من فنة۔ اور غنة نون مشدّد تین میں وضعی تشدید کے ساتھ دوسری حالتوں کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور تعجب ہے ہمارے وطن کے بعض فضلاء پر کہ وہ

(وضعی تشدید) میں غنہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور میرے غنہ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور جھگڑتے ہیں کاش کہ ان کو صحیح بات کا علم ہوتا۔

یہی انداز وہ اپنی اس تالیف میں دو اور جگہ پر بھی اختیار کرتے ہیں اور بعض حروف اور ان کے صفات کے بارے میں قرآء کی اصلاح فرماتے ہیں۔ مؤلف، مشہور قرآء اور ان کے راویوں کے درمیان مخارج کی تعداد کے اختلاف کو نہایت خوش اسلوبی سے حل کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ ”لكن النزاع بينهم ليس بنزاع معنوی و حقیقی“ (۱۸۴) کہ ان کے درمیان نزاع معنوی اور حقیقی نہیں (بلکہ تعبیر کا اختلاف ہے) وہ اس سلسلے میں خلیلؒ کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں اور اس کی وجہ بھی وہ لکھتے ہیں۔

وانی اتبع مذهب الخلیل لانه هو المختار عند الجمهور فاعدها
سبعة عشر مخرجًا (۱۸۵)

ترجمہ: میں مذہب خلیل کی پیروی کرتا ہوں کیونکہ جمہور کے نزدیک وہی مختار ہے اس نے اس کو سترہ مخرج بتائے ہیں۔

فاضل مؤلف نے تالیف ہذا میں اکثر جگہ روایت حفص عن عاصم کو ترجیح دی ہے۔ اور اسکی وجہ وہ یہ لکھتے ہیں۔

لكن اذكر هنا رواية حفص عن عاصم احد القراء السبعة لانها
هي المشهور في ديارنا (۱۸۶)

ترجمہ: مگر میں روایت حفص عن عاصم جو قرآء سبعہ میں سے ہیں، کے مطابق یہاں مسائل قرأت ذکر کرونگا۔ کیونکہ ہمارے ہاں وہی زیادہ مشہور ہے۔

اس بارے میں مزید وجہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اقتصر فيه ايضًا على رواية حفص عن عاصم لشدة الاعتناء بها
(۱۸۷)

ترجمہ: یہاں بھی میں حفص عن عاصم کی روایت پر اکتفاء کروں گا۔ کیونکہ اسی پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ کی سعی و کوشش پر مشتمل یہ تالیف علم قرأت و تجوید کے معلمین و حلقین کے لئے نہایت مفید کتاب ہے۔ باوجود اختصار کے اس کا فائدہ بہت عظیم ہے۔ آپ نے اس کتاب میں ماہرین قرأت و تجوید کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے بحث کی ہے۔ مؤلف نے زیادہ تر محمد المرعشی، ابن الجزری، ملا علی قاری، المکی (مصنف الرعایۃ)، الوافی، الانباری اور علامہ شاطبی کے حوالے دیئے ہیں۔

قاری فیاض الرحمن علوی نے اس کا اردو ترجمہ کر کے اس کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ اور بعض جگہ مفید اضافے کئے ہیں۔ جس سے اس تالیف کی افادیت مزید اجاگر ہوئی ہے۔

نام کتاب: زبدة المقال في رؤية الهلال

ناشر: مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، کچہری روڈ، ملتان شہر

فخامت و سن اشاعت: ۱۵ صفحات۔ ۱۹۵۴ء

رمضان المبارک اور عیدین کے چاند کے دیکھے جانے کے ثبوت کے ساتھ نہایت اہم دینی عبادات کی ادائیگی کا تعلق ہے۔ تمام مسلمان ان کی آمد کاشت سے انتظار کرتے ہیں اور ان کی آمد پر ان سے متعلق فرائض کی بجا آوری کا نہایت اہتمام کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا ثبوت لائسنس، غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے ہمیشہ وجہ نزاع بن جاتا ہے، یا بنادیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی جدید دور میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کی صورت میں جدید سائنسی آلات اور ابلاغیات کے جدید ذرائع ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹی وی کی ایجاد سے شرعی مسائل کی نئی صورتیں سامنے آگئی ہیں۔ علماء و مفتیین جو کہ ہر دور میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ ان جدید سائنسی آلات نے ان کو

اس طرف بھی متوجہ کر دیا کہ وہ ان کا حکم دریافت کر کے عامۃ الناس کی رہنمائی کریں۔ ساتھ ہی اس وقت کے پاکستان کے حکمرانوں نے رمضان المبارک اور عیدین کے چاند کے ثبوت کے سلسلے میں شرعی تقاضوں سے لاپرواہی برتی جس سے کافی تشویش ناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ حکومت رویت ہلال کمیٹی کی تو تشکیل کر دیتی تھی۔ لیکن اس میں شرعی ماہرین اور مفتیین کے علاوہ بیوروکریسی کو فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا۔ جس پر علماء اور عامۃ الناس کا اعتماد نہ ہوتا۔ یوں اس مسئلہ نے پریشان کن صورت اختیار کر لی تھی۔

امت کی رہنمائی کے مقصد کے پیش نظر مولانا مفتی محمود کے بے چین دل و دماغ اور حساس طبیعت نے اس مسئلہ کے ٹھوس حل کے لئے اقدام کا فیصلہ کیا۔ اور اس کے لئے آپ نے اہمیت اور اذیت اس بات کو دی کہ علماء و مفتیین کی طرف سے ایک فیصلہ آنا چاہیے جس پر تمام مکاتب فکر کے علماء و مفتیین کا اتفاق ہو، اطلاعات و ابلاغیات کے جدید آلات سے استفادہ کی ایسی صورتیں شرعی نقطہ نظر سے پیش کی جائیں جس سے عام علماء اور عامۃ الناس کے لئے متعلقہ مسائل پر عمل کرنا آسان ہو۔ اور شریعت مطہرہ کا مقصد عظیم بھی حاصل ہو۔ رویت کے مسئلہ میں اختلاف مطالع بھی اہم مسئلہ ہے اس کے لئے بھی متفقہ موقف سامنے لایا جائے۔ چونکہ اس وقت تک مولانا مفتی محمود کے نام سے علماء زیادہ واقف نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے اس اہم کام کے لئے مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مہتمم مولانا مفتی محمد شفیع کو آمادہ کیا۔ (۱۸۸) اور ان کی طرف سے بارہ سوالات مرتب کر کے پاکستان کے مشہور مدارس، مفتیین اور چند دیگر علماء جو فقہی مسائل میں خاص دسترس رکھتے تھے، کے پاس بھیجے۔ ان کی طرف سے جوابات آنے پر جب یہ دیکھا گیا کہ ان میں بعض علماء و مفتیین کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے تو رفع اختلاف کے لئے اور ایک متفقہ موقف اختیار کرنے کے لئے مولانا مفتی محمد شفیع کی دعوت پر ۱۶ ستمبر ۱۹۵۴ء کو مدرسہ

قاسم العلوم ملتان ہی میں پاکستان کے چوٹی کے علماء اور مفتیین حضرات کا ایک اجتماع کرایا۔ (۱۸۹) محمود نے مکمل بحث جاری رہی۔ (۱۹۰) پھر اس پر اکتفاء نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہندوستان کے علماء اور پاکستان کے وہ علماء و مفتیین جو کسی عذر کی وجہ سے ملتان کے اجتماع میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کی رائے بذریعہ ڈاک حاصل کی گئی۔ (۱۹۱) اور یوں پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے جید علماء و مفتیین کے علاوہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) اور ہندوستان کے علماء و مفتیین کی تصدیقات بھی حاصل کی گئیں۔ (۱۹۲)

جن علماء و مفتی حضرات کا اختلاف مطالع کے مسئلہ اور ریڈیو پر اعلان کے حدود کے بارے میں کچھ اختلاف تھا۔ ان کے اختلافی نوٹ کو بھی اس مختصر سی کتاب میں مع جوابات کے ”متفقہ فیصلہ علماء متعلقہ رویت ہلال“ کے نام سے ابتداء میں ”زبدۃ المقال فی رویت الهلال“ کے ساتھ شائع کیا گیا۔

”زبدۃ المقال فی رویت الهلال“ ان بارہ سوالات کے جو جوابات مولانا مفتی محمود نے مرتب کئے ہیں۔ ان پر مشتمل ہے۔ جو کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اس کی افادیت کے بارے میں مولانا نور محمد صاحب لکھتے ہیں۔ ”یہ حجم کے لحاظ سے اگرچہ مختصر ہے لیکن ایسے ٹھوس اور جامع دلائل پر مشتمل ہے۔ کہ اس کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ رویت ہلال کا مسئلہ اور متعلقہ امور و مباحث رویت الہدیر کی طرح واضح ہو جاتے ہیں۔“ (۱۹۳)

علماء و مفتیین کے طویل بحث و مباحثہ اور گفت و شنید کے بعد جو فیصلہ ہوا مولانا نور محمد کے بقول وہ حضرت مفتی صاحب ”کے مقالہ کے عین مطابق تھا۔“ (۱۹۴)

علماء و مفتیین سے متفقہ فیصلہ لینے کا ایک مقصد جہاں رؤیۃ الہلال کے مسئلہ میں عامۃ الناس کی رہنمائی تھا۔ وہاں یہ مقصد بھی تھا کہ حکومت کو یہ باور کرایا جائے کہ علماء و مفتیین اس فیصلے پر متفق ہیں اور اس متفقہ فیصلے کی روشنی میں اب وہ ایک ایسی ”مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی“ تشکیل دے۔ جو علماء و ماہرین پر مشتمل ہو۔ باختیار ہو۔ اس کے فیصلے میں بیوروکریسی اور حکومت کے کارندوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ تاکہ ساری قوم کو اس تشویش ناک صورت حال سے نجات ملے۔ اور رمضان المبارک اور عیدین کے مسئلہ پر ساری قوم متفق و متحد رہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مہتمم قاسم العلوم ملتان نے ”متفقہ فیصلہ علماء متعلقہ رؤیۃ الہلال“ میں دو جگہ اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں۔ ”اتفاق و تصدیق کے بعد جو بات حکومت سے متعلق ہے اس کی منظوری کی استدعا حکومت سے کی جائیگی۔“ (۱۹۵) اور ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں۔ ”حکومت سے اس بارہ میں گفتگو کی جارہی ہے۔“ (۱۹۶)

مولانا مفتی محمود اور ان کی جماعت نے بار بار حکومت کے ذمہ داروں سے اس بارے میں بات چیت کا سلسلہ چلایا۔ کہ وہ علماء و مفتیین کے متفقہ فیصلے کی روشنی میں طے شدہ شرائط اور طریقہ کار کے مطابق علماء و ماہرین کی مرکزی سطح پر ایک کمیٹی تشکیل دے۔ لیکن اس گفت و شنید اور بار بار مطالبات کے باوجود اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ حتیٰ کہ جب ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں مفتی محمود سمیت مختلف مکاتب فکر کی علماء کی ایک معقول تعداد قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبر منتخب ہوئی۔ اور ملک کے لئے نئے آئین کی تدوین کا مرحلہ آیا۔ تو مفتی صاحب نے تمام علماء کی حمایت و تعاون سے رؤیت ہلال کے مسئلہ پر زور دیا۔ اور وہ اس جدوجہد میں کافی حد تک کامیاب رہے۔ اور ریڈیو پر روزہ اور عیدین کے اعلان کو شرعی قیود کا پابند بنایا گیا۔ اس سلسلے میں مولانا نور محمد صاحب لکھتے ہیں۔ ”حضرت مفتی محمود صاحب کی کوششوں سے حکومت نے ہلال کمیٹی کو

دوسرے علماء کی تجاویز کے مطابق تشکیل دیا۔ جس میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء شامل کئے گئے۔ اور ریڈیو پر روزہ اور عیدین کے اعلان کو شرعی قیود کا پابند بنادیا گیا۔ (۱۹۷۷)

مگر کچھ عرصہ بعد صوبہ سرحد کے بعض اضلاع میں مقامی علماء نے اپنی اپنی کمیٹیاں بنا کر مسئلہ کو ایک دفعہ پھر نزاعی بنادیا ہے۔

مسئلہ رؤیت ہلال اور اس کے لئے جدید سائنسی آلات سے مدد لینے کے بارے میں متفقہ شرعی حکم کے سلسلے میں مولانا مفتی محمودؒ کی یہ کوشش اور ”زُبْدۃ المقال فی رؤیۃ الہلال“ کی تصنیف آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اور قوم و ملت پر عظیم احسان ہے۔ چونکہ اس وقت کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ موجود نہیں تھے۔ لہذا اب ضرورت ہے کہ مفتی صاحب کے اس کام کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے علماء و مفتیین اور مسلمان ماہرین سائنس و ٹیکنالوجی ان جدید آلات کی دریافت کی وجہ سے درپیش شرعی مسائل میں عامۃ الناس اور علماء کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

نام کتاب: المتنبی القادیانی من هو؟

ناشر: ناظم نشر و اشاعت مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان۔ ملتان

مضامین و سن اشاعت: ۲۲ صفحات۔ ۱۹۶۶ء

فتنہ قادیانیت کے خلاف اب تک جتنی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں مؤلف کی اس مختصر مگر جامع تالیف کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ اسکی انفرادیت ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے۔ اور اس ضرورت کے پیش نظر اس کو مرتب کیا گیا تھا تاکہ عرب دنیا کو عموماً اور وہاں کے علماء کرام کو خصوصاً اس ناپاک فتنہ اور امت مسلمہ کے خلاف سازشوں سے آگاہ کیا جاسکے۔

چونکہ مولانا مفتی محمود کا عرب علماء کے ہاں بڑا علمی مقام تھا۔ مصر کے مشہور عالم جامعہ الازہر کے زیر اہتمام ”مجمع البحوث الاسلامیة“ کے سالانہ اجلاسوں میں ان کے علمی مباحث کی وجہ سے ان کی علمی رسوخ اور عالم اسلام کے فقہی، دینی اور سیاسی مسائل پر ان کی گہری نظر کے وہ سب معترف اور قدردان تھے۔ اس لئے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے اس وقت کے امیر محترم مولانا محمد علی جالندھری کے حکم پر مفتی صاحب نے یہ کتاب مرتب کی۔ وہ لکھتے ہیں۔

رئيس هذه الجماعة الخطيب الشهير والمجاهد الكبير مولانا

محمد علي جالندھري امرني بتسويد هذه الاوراق (۱۹۸)

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے ۱۹۶۶ء میں اس کو پہلی بار شائع کیا تھا۔ اور پھر بار بار

اس کی اشاعت کا اہتمام کرتا رہا۔ آج کل ترکی میں عالمی شہرت کا حامل عظیم اشاعتی ادارہ ”المکتبة الاخلاص (وقف)“ کی طرف سے اس کو شائع کیا جاتا ہے۔

مؤلف نے ”کلمۃ“ کے عنوان سے سات ابواب قائم کئے ہیں۔ ان ابواب سے کتاب کی افادیت کا پتہ چلتا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

الكلمة الاولى في بدء هذه الفتنة

الكلمة الثانية في الغائه الجهاد و تائيد الحكومة الانجليزية

الكلمة الثالثة في هذاته و سلاطة لسانه

الكلمة الرابعة في سبه و شتمه النبي الصادق المعصوم سيدنا عيسى عليه

الصلوة و السلام و أمه الصديقة

الكلمة الخامسة في الانموذج من تفاسيره

الكلمة السادسة في الانموذج من استدلالاته

كلمة السابعة في ان الطائفة القاديانية طائفة سياسية لها مؤمرات خفية
مولانا مفتی محمود نے مرزا غلام احمد قادیانی کی جو عبارات نقل کی ہیں۔ ان کا مکمل حوالہ

درج کیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے مگر پڑھنے والے کے سامنے اس ناپاک فتنے کا پورا پس منظر،

ناپاک عزائم اور مسلمانوں کے ازلی دشمن انگریز کے خود کاشتہ پودا کے بارے میں بنیادی معلومات

فراہم کرتی ہے۔ موجودہ اسرائیل سے نہ صرف قادیانیوں کے مراسم ہیں۔ بلکہ اسلام، مسلمان

اور عرب دشمنی کے لئے قادیانیت کا وہاں باقاعدہ ایک مرکز قائم ہے جہاں سے وہ آج کل جدید

ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے اپنی غلیظ مہم چلا رہے ہیں۔ اس وقت کے اعتبار سے عرب دنیا کو اس

فتنہ کے ناپاک عزائم سے باخبر رکھنے کے لئے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے بروقت اس

ضرورت کو محسوس کیا اس سلسلے میں مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے اپنی مجلس شوریٰ کے رکن

مولانا مفتی محمود کی خدمات حاصل کیں جس کی علمیت کی شہرت عرب دنیا تک پہنچ چکی تھی۔

ہام کتاب: زاد المنتھی شرح سنن الترمذی (جلد اول)

ناشر: مکتبۃ الجہاد اکوڑہ خٹک۔ ضلع نوشہرہ

صفحات و سن اشاعت: ۳۸۸ صفحات۔ ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (۲۷۹ھ) کی کتاب ”سنن الترمذی“ کو صحاح ستہ میں

ایک خاص مقام حاصل ہے۔ حسن ترتیب، اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے حدیث کی بہترین تصنیف ہے۔ ہر ایک موقع پر صحابہ و تابعین اور مشہور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آراء کی تصریح کی

ہے۔ اس لحاظ سے محدثین کرام اور حدیث کے طلباء کو سنن الترمذی کے مباحث سے خاص

شفق رہا ہے۔ متعدد محدثین کرام نے اس کی شرح لکھی ہیں۔ اور حدیث کے طلباء اور حدیث

کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کے لئے مباحث کو مزید آسان اور مفصل بنانے کی کوشش کی گئی

ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے بہت سے شیوخ الحدیث نے بھی اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

مولانا مفتی محمود عرصہ دراز تک مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ علم فقہ کے بھی ماہر عالم تھے۔ عرصہ سے ”مفتی“ رہے جو کہ آپ کے نام کا ایک لازمی حصہ بن گیا تھا۔ فقہ، اصول فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں پر آپ کی گہری نظر تھی۔ ”علم اسماء الرجال“ اور ”جرح و تعدیل“ میں آپ کو خاص درک و ملکہ حاصل تھا۔ اپنے وقت کے تمام جید علماء آپ کی علمیت و فقاہت اور وسعت مطالعہ نیز قوت استدلال کے قائل تھے۔

”زاد الممتنی“ آپ کے درس ترمذی کی تقاریر کا وہ مجموعہ ہے۔ جو آپ کے طلباء دوران درس ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ جن کو آپ نے ماخذ و مراجع کی طرف رجوع کر کے از سر نو مرتب کیا۔ اس کا کچھ حصہ آپ نے دوران رمضان المبارک سوات میں قیام کے دوران، کچھ حصے قید و بند کے زمانے میں اور بعض حصے دوسری فرصت کے اوقات میں تالیف فرمائے۔ یہ سنن الترمذی کی مکمل شرح ہے مگر ابھی تک اس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔ باقی جلدوں پر کام جاری ہے۔ عنقریب وہ بھی منظر عام پر آ جائیگی۔

مؤلف نے اس تالیف میں اختصار کے پہلو کو بہت زیادہ مد نظر رکھا ہے۔ ہاں بعض اختلافی مسائل کو نہایت بسط و تفصیل اور دلائل کے ساتھ سپرد قلم کیا ہے۔

مؤلف الفاظ کے انتخاب اور جملوں کی تراکیب میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور عربی ذوق رکھنے والوں کو پتہ چلتا ہے کہ مؤلف عبارت کی تراکیب اور بلیغ تعبیر میں اپنے بیان پر کتنی قدرت رکھتے ہیں اس شرح کی اشاعت کا اہتمام جناب ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی نگرانی میں ان کی محنت شاقہ سے ہوا۔ اس شرح میں مذکورہ آیات قرآنی کے سورتوں اور آیات کے نمبروں کی نشاندہی، احادیث کا استخراج اور شرح کی

فہرست کی تیاری میں انہوں نے بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اس شرح کی افادیت کے بارے میں مولانا شیر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

و شرحه شرح نفیس، جلیل القدر، کثیر النفع محتو علی المباحث
الفقهیة القیمة، زاخر بالنفائس الذہبیة و الثروات العلمیة حیث
تدارك مؤلفه جمیع الجوانب للمسائل الضروریة و سرد أدلة الأئمة
فی القضايا الخلافیة، بعبارات متینة باللغة العربیة الفصحی (۱۹۹)
ترجمہ: کہ یہ شرح ایک نفیس، جلیل القدر، بہت زیادہ نفع آور فقہی مباحث پر مشتمل
بہت سی علمی دولت سے مالا مال ہے۔ اس کے مؤلف نے تمام مسائل ضروریہ کا احاطہ کیا
ہے۔ اور اختلافی مسائل میں ائمہ مجتہدین کے دلائل کو فصیح عربی زبان میں انتہائی
خوبصورت عبارات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اس شرح کے مقدمہ میں صفحہ ۶ سے صفحہ ۲۲ تک مولانا شیر علی شاہ صاحب نے مؤلف کے حالات زندگی کے بارے میں فصیح عربی زبان میں بحث کی ہے۔ اس کے بعد تقریباً ۳۱ صفحات پر مؤلف مذکور نے ”علوم الحدیث“ کو جامع انداز سے بیان کیا ہے۔ جس سے بہت ضروری مباحث سامنے لائے گئے ہیں۔ پہلی جلد ”باب ماجاء فی قرآءة العشاء“ تک ہے۔ یہ بات بہت افسوس کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس تالیف کی اشاعت میں بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ اگر دوسری اشاعت میں اسکا ازالہ کر دیا جائے تو یہ تالیف کمپوزنگ کی غلطیوں، اشاعت میں بعض کوتاہیوں کی تلافی کی صورت میں ایک نہایت قابل قدر نعمت سے کم نہ ہوگی۔ اشاعت کے ذمہ داران سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس کی مزید جلدوں کی اشاعت کا اہتمام جلد کریں گے تاکہ استفادہ کرنے والوں کو افادہ کا موقع ملے۔

نام کتاب: فتاویٰ مفتی محمود

ناشر: محمد ریاض درانی۔ جمعیت پبلیکیشنز و حدت روڈ لاہور

مضامنت و سن اشاعت: ۱۱ جلد، کل صفحات تقریباً ۶۴۰۰ جلد اول ۲۰۰۱ء جلد یازدہم ۲۰۸۰ء
 اللہ تعالیٰ نے مولانا مفتی محمود گو جہاں علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں پوری
 مہارت عطا فرمائی تھی۔ وہاں علم فقہ میں بھی ان کو ایک خاص مقام عطا فرمایا تھا۔ فقہی جزئیات
 میں ان کو کمال درجہ کارسوخ اور استحضار حاصل تھا۔ تمام فقہی مسالک کے اصول ان کی نگاہ میں
 ہوتے تھے۔ بعض فقہی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا۔ اور ان پر ان کو اس درجہ عبور حاصل
 تھا کہ ان کو ان کے تمام مباحث مع صفحہ نمبر یاد ہوتے تھے۔ ان کی عبارات تک ان کے حافظے میں
 ہوتی تھیں۔ اس بارے میں ان کے مطالعہ کے ذوق و شوق میں ان کی زندگی کے ابتدائی ماحول کا
 بھی بڑا دخل ہے۔ جس میں انہوں نے پرورش پائی تھی۔ وہ ایک خانقاہی ماحول تھا۔ جس میں
 اصلاح باطن پر زور دیا جاتا تھا۔ ذکر الہی کے حلقے لگتے اور اس کے ساتھ ساتھ فقہی مباحث اکثر
 اوقات زیر غور لائے جاتے۔ ان مباحث میں جتید فقہاء حصہ لیتے۔ فقہی کتابوں کے تذکرے
 ہوتے۔ ان کے حوالے دیئے جاتے۔ مفتی صاحب کے مزاج اور ان کے فقہی رجحان پر اس ماحول
 کا بڑا اثر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مفتی صاحب کی مجالس میں اکثر فقہی مسائل زیر بحث رہتے۔ آپ کی
 زندگی کے آخری لمحات بھی فقہی بحث کرتے ہوئے گزرے۔ اور ابھی اپنی بات مکمل نہیں کر
 پائے تھے کہ روح پرواز کر گئی۔ زندگی کی اس آخری علمی مجلس میں بقول مولانا مفتی محمد یوسف
 خان، آپ نے فرمایا۔ کہ ”فقہی مسائل نہ میرے ہیں اور نہ آپ کے یہ مسائل ہم نے کتاب و
 سنت اور فقہاء کرام کی آراء کے مطابق حل کرنے ہیں۔“ (۲۰۰)
 مولانا مفتی محمودؒ کے فتاویٰ کو ایک انفرادیت حاصل تھی۔ اس سلسلے میں مولانا محمد
 یوسف خان لکھتے ہیں۔

فتویٰ زبانی ہو یا تحریری دونوں میں احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے
 فتاویٰ میں ایک انفرادیت بھی پائی جاتی تھی۔ اور وہ تھی فتویٰ دینے میں اعتدال کی راہ۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب فتویٰ دیتے ہوئے اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ مسئلہ کے
 اثبات یا نفی میں دلائل لکھتے ہوئے مبالغہ اور افراط و تفریط سے کام نہ لیا جائے۔ (۲۰۱)
 کسی عالم، فقیہ اور مفتی کے بارے میں ہم عصر علماء کی رائے کو بڑا وزنی سمجھا جاتا ہے۔
 یہی حال مولانا مفتی محمودؒ کا تھا۔ کہ سیاسی اختلاف کے باوجود ان کی علمیست، فقاہت، استحضار علمی
 اور قوت استدلال کے سب معترف تھے۔ مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹوکی، مفتی صاحب کے
 بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔ ”حضرت مفتی محمودؒ صاحب علماء دیوبند کی ان
 نسبتوں کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو فقہ و حدیث میں کمال کے ساتھ ساتھ سیاست
 ملی میں بصارت و بصیرت دونوں سے نوازا تھا۔“ (۲۰۲)
 اسی مضمون میں مفتی ولی حسن صاحب مفتی محمودؒ کی علم فقہ میں کمال کے بارے میں
 اپنی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی رائے ذکر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔
 فقہ کی بارے میں راقم اس قدر جانتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب (مولانا مفتی محمود)
 بہت ہی کامیاب اور دقیقہ سنج مفتی تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک
 مرتبہ راقم کے سامنے حضرت مفتی صاحب کے تفقہ اور فقہ میں اصابت رائے کی
 تعریف کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو فقاہت نفس سے سرفراز فرمایا
 تھا۔ (۲۰۳)

”فتاویٰ مفتی محمودؒ ان فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سائلین کے جواب میں خود
 یا ان کے معاون مفتیین نے مرتب کئے ہیں۔ ان کے ابواب کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق
 ہے۔ ان میں عصر حاضر کے بہت سے مسائل سے فقہی انداز میں تفصیل کے ساتھ کتاب و سنت
 اور ائمہ مجتہدین کی آراء کی روشنی میں بحث کی ہے۔ ان مسائل میں سے چند ایک یہ ہیں۔

مزارعت کا مسئلہ، انفرادی و شخصی ملکیت پر بغیر رضامندی کے قبضہ کرنے کی ممانعت
 کا مسئلہ، احیاء اموات کا مسئلہ، نوٹ پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم، مشینی ذبیحہ، رویت ہلال کا مسئلہ، رجم کا

مسئلہ، بینک کے ذریعہ زکوٰۃ کی کٹوتی، عائلی قوانین پر چاروں مسالک کے ساتھ ساتھ شیعہ مسلک کے حوالہ سے ایک جامع عالمانہ تبصرہ۔ ان کے علاوہ اور بھی عصر حاضر کے مسائل کو تفصیل کے ساتھ بحث کا موضوع بنایا ہے۔ مولانا مفتی محمودؒ نے اپنی نگرانی میں کتنے فتاویٰ جاری کئے ہیں؟ اس کے بارے میں وثوق سے صحیح تعداد کا تعین تو نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی ”فتاویٰ مفتی محمود“ کے مرتبین نے اس کا پورا اہتمام کیا ہے۔ بعض جلدوں میں فتاویٰ کا نمبر شمار دیا ہے۔ جبکہ بعض میں نہیں ہے۔ البتہ مولانا عبدالبر محمد قاسم، سابق مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان کے نائب مہتمم نے ۲۵ سال کے عرصہ (۱۳۷۰ھ سے ۱۳۹۵ھ تک) میں دس ہزار فتاویٰ کی تعداد لکھی ہے۔ جو مدرسہ کے دارالافتاء سے جاری ہوئے ہیں لیکن یہ اعداد و شمار بھی حتمی نہیں ہے۔ کیونکہ بعض مسائل و جواب نقل کرنے سے رہ جاتے تھے۔ اس لئے ایک روایت کے مطابق مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی دارالافتاء سے جاری ہونے والے فتاویٰ کی تعداد بیس ہزار تک ہے۔ علماء، مدرّسین اور مفتیین کی طرف سے ”فتاویٰ مفتی محمود“ کی اشاعت کا مطالبہ نہایت زور پکڑ رہا تھا۔ اور ان کا اصرار دن بدن شدید ہوتا جا رہا تھا۔ دوسری طرف یہ کام نہایت محنت طلب تھا۔ اور وہ بھرپور توجہ اور انہماک کا متقاضی تھا۔ مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا فضل الرحمن نے کئی جید مفتیین سے اس فتاویٰ پر کام کرنے اور شائع کرنے کی درخواست کی۔ مگر وہ اس طویل توجہ طلب کام کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ آخر کار مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے ایک نہایت مخلص، ذمہ دار ساتھی محمد ریاض درانی کو اس کام کے لئے آمادہ کیا۔ انہوں نے علماء و مفتیین کی نگرانی میں اس کام کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور نہایت محنت شاقہ کے بعد اس کی اشاعت میں کامیاب ہوئے نیز اس کو علماء و مفتیین اور عوام الناس کے استفادہ کے قابل بنادیا۔

یہ کام جتنا اہم تھا۔ اتنا ہی نازک بھی تھا اور نہایت حزم و احتیاط کا متقاضی تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ”اولین کوشش ہے آخرین نہیں“۔ اب بھی اس پر مزید کام کی ضرورت ہے۔ قرآن و سنت اور فقہ و افتاء کی کتب کے حوالوں کے استخراج پر صحیح کام نہیں ہوا ہے۔ عناوین قائم کرنے میں بعض جگہ کوتاہی ہوئی ہے۔ بعض سوالات و جوابات میں تکرار ہے۔ جو بے فائدہ ہے۔

شائع کرنے والے ادارہ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اگلی اشاعت میں ان کو مزید تحقیق کے ذریعے بہتر بنانے اور شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس فتاویٰ کو مولانا مفتی محمودؒ، معاون مفتیین اور اس کے شائع کرنے والوں کے لئے ذخیرہ آخرت اور پڑھنے والوں کے لئے علمی استفادہ کا باعث بنائے۔ آمین۔

نام کتاب: تفسیر محمود

ناشر: محمد ریاض درانی مدیر جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ۔ لاہور

ضخامت و سن اشاعت: مکمل تین جلد۔ ۱۶۱۸ صفحات۔ ۲۰۰۶ء

مولانا مفتی محمودؒ نے جہاں ہزاروں فتاویٰ جاری کئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں عامۃ الناس کی رہنمائی کی ہے۔ وہاں آپ حدیث کے بھی بلند پایہ استاد رہے ہیں۔ وہ فقہی بصیرت اور محدثانہ ذوق کے حامل تھے۔ علمی لحاظ سے بھی آپ عالم اسلام میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اسی لئے ۱۹۷۶ء میں مولانا عبید اللہ انورؒ کے شدید اصرار پر آپ نے جامع مسجد شیر انوالہ دروازہ لاہور قرآن مجید کی تفسیر پڑھانے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ رہا۔ آپ کے درس تفسیر کی خصوصیات یہ تھیں کہ آپ قرآن حکیم کے مفردات کی

تشریح کرتے اور اس سلسلے میں بہت سے نئے نکات سامنے لاتے۔ قرآن حکیم کی فصاحت و

بلاغت کو دلائل و براہین سے واضح کرتے۔ اور آیات قرآنی کے رموز و اسرار و حکم پر تفصیل سے گفتگو کرتے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکیمانہ ذہن عطا فرمایا تھا۔ مذاہب باطلہ اور جدید گمراہ کن خیالات کی تردید نہایت خوبصورتی سے کرتے۔ آپ کی نگاہ تمام تفاسیر پر ہوتی۔ تمام متداولہ تفاسیر آپ کے مطالعہ میں رہتیں۔ آپ کی نظر و مطالعہ بہت وسیع تھا۔ آپ نہایت دقت نظر سے مسائل و حکم سے بحث کرتے اور مفسرین کے اقوال میں سے راجح قول کا تعین کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقہی بصیرت میں کمال عطا فرمایا تھا۔ قرآن حکیم میں کے احکام کی آیات کی آپ خوب وضاحت کے ساتھ تشریح کرتے اور موجودہ دور کے مسائل کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کرتے۔ اگرچہ ربط و آیات کا آپ ہر جگہ اہتمام نہ کرتے لیکن یہ بھی آپ کے درس کی خصوصیات میں ہے کہ آپ اکثر سورتوں اور ربط آیات کی طرف توجہ دیتے۔

تفسیر محمود، مؤلف کے درس تفسیر کی افادات ہیں۔ جو ان کے دو شاگردوں مولانا مفتی محمد یوسف خان مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور مولانا حفیظ الرحمن حال مہتمم مدرسہ معراج العلوم بنوں نے دوران درس تحریر کی ہیں۔ پھر اس پر جتید علماء نے تحقیقی کام کیا ہے۔ اور اس کو علماء و طلباء نیز عامۃ الناس کے لئے مفید بنانے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ”تفسیر محمود“ کی اشاعت کرنے والوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے۔ کہ قرآن حکیم کا ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کا ہے۔ جبکہ مؤلف کی تفسیر کو افادات محمود کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ یہ تفسیر تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس میں جن جدید مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان میں چند یہ ہیں۔ کیا قصاص کے لئے مقتول کا قول حجت ہے؟ رجم میں پتھروں کی جگہ گولی کے استعمال کی تردید، ربو سے متعلق تفصیلی بحث، سائنس دانوں کا چاند پر جانا، آئین میں مسلمان کی تعریف، پاکستان میں اقلیتوں سے متعلق تفصیلی بحث، کلیدی عہدوں پر غیر مسلم کی تقرری سے متعلق ایک عالمگیر اور

حقوق پر مبنی ضابطہ، پاکستانی قانون میں پوتے کی وراثت اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کا ابطال، مشینی ذبیحہ، خاندانی منصوبہ بندی، عورت کی حکمرانی، لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی شرعی حیثیت، تعدد الزوج پر مستشرقین کا شبہ اور اس کا جواب، رویت ہلال میں اختلاف مطالع کا مسئلہ، رویت ہلال سمیٹی کی شرعی حیثیت وغیرہ۔

”تفسیر محمود“ میں فقہی رنگ غالب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کے فتنوں کے ابطال پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اس کا مطالعہ ہر عالم، فاضل اور عوام الناس کے لئے بہت ہی مفید ہے۔

باب ہذا میں بتایا گیا ہے کہ آپ کی علمی شان بہت بلند تھی۔ اور اسی علمی کمالات کی وجہ سے آپ کو دینی و سیاسی خدمات کو انجام دینے کا موقع ملا۔ اور ملک و قوم میں ان کو پذیرائی ملی۔ اس باب میں آپ کی علمی شان کو نمایاں کر کے آپ کی علمی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خلاصہ بحث

مقالہ کے باب ہذا میں آپ کی علمی خدمات سے بحث کی گئی ہے۔ آپ کا علمی مقام کیا تھا۔ اس باب میں آپ کے ہم عصر علماء و فضلاء کی آراء و خیالات کو زیادہ جگہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ خصوصاً وہ علماء جو نہ تو آپ کے فقہی مسلک سے متفق تھے اور نہ ہی آپ سے سیاسی وابستگی رکھتے تھے۔ آپ کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟ آپ ایک کامیاب مدّرس رہے۔ آپ کا انداز تدریس کیا تھا؟ اور یہ کہ آپ نہ صرف معلم تھے بلکہ مربی بھی تھے۔ طلباء کے مزاج شناس بھی تھے۔ اور ان کے مزاج کو پیش نظر رکھ کر ان کی اصلاح و تربیت فرماتے تھے۔ افتاء میں آپ بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ کے فتاویٰ کو ملک بھر میں علماء و مفتیین کا اعتماد حاصل تھا۔ آپ فتویٰ میں اعتدال کے پہلو کو مد نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو مفتی اعظم پاکستان کا خطاب ملا۔ جو آپ پر سجتا بھی تھا۔ اس باب میں مفتی صاحب کے ان فتاویٰ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جو جدید مسائل کے ضمن میں آتے ہیں۔ خاص کر وہ فتاویٰ جو جنرل ضیاء الحق کے بینک کے ذریعہ زکوٰۃ کی وصولی کے حکم کے خلاف ہے۔ اور جو آپ کے فقہی استدلال کا عظیم شاہکار ہے۔ شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز ہوئے تو حدیث کے طلبہ کا آپ کی طرف کثرت سے رجوع نے یہ بات ثابت کر دی۔ کہ علم حدیث میں آپ کو کامل رسوخ حاصل ہے۔ علم اسماء الرجال اور حدیث کے جرح و تعدیل اور روایت حدیث کے ساتھ ساتھ درایت حدیث میں بھی آپ کو کامل ملکہ حاصل تھا۔ آپ مفسر قرآن حکیم بھی تھے۔ آپ کی تفسیر ”تفسیر محمود“ اس کی شاہد عدل ہے۔ آپ ایک بے مثال خطیب تھے۔ لاکھوں کے مجمع کو آپ مٹھی میں رکھتے تھے۔ آپ کی تالیفات و تصنیفات اگرچہ تعداد میں قلیل ہیں مگر فوائد کے اعتبار سے کثیر ہیں۔ آپ کے ان تمام کمالات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

حوالہ جات

- (1) حامد میاں، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۸۶۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷۔ (۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء)۔ مرکزی دفتر جمعیت علماء اسلام پاکستان، چوک رنگ محل لاہور۔
- (2) روحانی بازی، موسیٰ، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۳۵۔ ج ۲۳۔ ش ۱۶، ۱۷۔
- (3) بنوری، محمد ایوب جان، مولانا۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹۔ ت ن۔
- (4) عبدالقیوم خان، سردار۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۹۶۔ ج ۳۔ ش ۹۔ (فروری ۱۹۸۱ء)
- (5) عثمانی، محمد تقی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۷۷۔ ج ۲۳۔ ش ۱۷، ۱۸۔
- (6) کشمیری، امیر الزمان، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۵۔
- (7) بنوری، محمد ایوب جان، مولانا۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹۔
- (8) بنوری، محمد ایوب، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۱۶۔
- (9) محمد طیب، قاری، مولانا۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ ص ۸۳۔ دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر ۱۔ ۱۹۷۲ء
- (10) محمد اجمل، قاری، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۲۳۔
- (11) تاج محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۴۔
- (12) اشرف، عبدالرحیم، حکیم۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۴۔
- (13) سکندر، عبدالرزاق، مولانا، ڈاکٹر۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۲۹۔ الجمعية پبلیکیشنز وحدت روڈ لاہور۔
- (14) سکندر، عبدالرزاق۔ مولانا، ڈاکٹر۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۲۹۔
- (15) صفدر، سرفراز خان، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۳۱۔

ظہیر، احسان الہی، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۹۔

عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۵۔

اشرفی، عبدالرحمن، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۱، ۱۶۲۔

بنوری، محمد ایوب جان، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۱۷۔

بنوری، محمد ایوب جان، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۱۶۔

بنوری، محمد ایوب جان، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۱۶۔

اسفندیار، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۲۔

سکندر، عبدالرزاق، ڈاکٹر، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۲۹۔

مظاہری، گلزار احمد، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۰۔

فیض احمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۸۔

محمد جمیل خان شہید، مولانا، مفتی۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۱۱۴۔

محمد جمیل خان شہید، مولانا، مفتی۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۱۲۲۔

فضل الرحمن، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۳۔

عثمانی، محمد تقی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۴۷۔

اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)۔

اشرف، عبدالرحیم، حکیم۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۵۔

علوی، سعید الرحمن، مولانا۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۴۰۔

- (61) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ص ۸ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)
- (62) روحانی بازی، موسیٰ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۸۴
- (63) احمد الرحمن، مفتی، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳۲
- (64) حامد میاں، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۸
- (65) خان محمد، خواجہ، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۳۳
- (66) فضل الرحمن، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود ج ۱۔ ص ۴۱
- (67) جمیل خان شہید، مولانا، مفتی۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۱۱۹
- (68) سعید الرحمن، مولانا، قاری۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۳
- (69) فیض احمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۷
- (70) ٹوکی، ولی حسن، مفتی، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۲۔ ص ۳۸
- (71) ٹوکی، ولی حسن، مفتی، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۲۔ ص ۳۸
- (72) مظاہری، گلزار احمد، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶۰
- (73) صدر الشہید، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۲
- (74) صدر الشہید، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۲۳
- (75) صدر الشہید، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۲۳، ۱۲۴
- (76) محمد اجمل، قاری، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۲۴
- (77) محمد جمیل خان شہید، مولانا، مفتی۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۱۱۹
- (78) نور محمد، مولانا۔ تذکار محمود۔ ص ۱۰۹۔ مفتی محمود اکیڈمی کراچی۔ ۲۰۰۵ء
- (79) محمد اجمل، قاری، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۲۶
- (80) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۱۱۔ ش ۸ (۱۶ فروری ۱۹۶۸ء)
- (81) جمیل خان شہید، مفتی، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۱۲۱، ۱۲۰
- (82) جمیل خان شہید، مفتی، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۱۔ ص ۱۲۱، ۱۲۰
- (83) کلاچوی، عبدالکریم، مولانا، قاضی۔ ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ج ۱۱، ش ۳ (جنوری ۱۹۷۰ء)

- (39) ضیاء القاسمی، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹۲
- (40) آزاد، عبدالقادر، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۹۰
- (41) ضیاء القاسمی، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹۲
- (42) محمد یوسف، مولانا، مفتی۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۰۱
- (43) صفدر، محمد سرفراز خان، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود ج ۱۔ ص ۳۱
- (44) روحانی بازی، محمد موسیٰ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۸۴
- (45) محمد یوسف، مولانا، مفتی۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۰۱
- (46) حامد میاں، سید، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۶۸
- (47) روحانی بازی، محمد موسیٰ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۸۶
- (48) حقانی، عبدالقیوم، مولانا۔ سوانح قائد ملت۔ ص ۷۴۔ القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ۔ اشاعت دوم ۲۰۰۳ء
- (49) انور، عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۲۱
- (50) محمد یوسف، مولانا، مفتی۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۰۱
- (51) محمد یوسف، مولانا، مفتی۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۰۱
- (52) فضل الرحمن، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۶۲، ۶۳
- (53) اکبری، عبدالحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)
- (54) فیض احمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۷
- (55) اشرف، عبدالرحیم، حکیم۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۵
- (56) نور الہدیٰ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۰
- (57) فیض احمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۷
- (58) عثمانی، محمد تقی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۷
- (59) فیض احمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۶۷
- (60) فیض احمد، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۶۷، ۶۸

- (84) قاسمی، مجاہد الاسلام، مولانا۔ جدید فقہی مسائل (تقدیم)۔ ص ۸۔ پروگریسو بکس یوسف مارکیٹ
غزنی سٹریٹ لاہور۔ ۱۴۱۱ھ
- (85) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”شہاب“ لاہور۔ ج ۱۱۔ ش ۱۸ (۹ مئی ۱۹۶۵ء)
- (86) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۱۹۔ ش ۳۵ (۲۷ اگست ۱۹۷۲ء)
- (87) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳۔ ص ۴۴۵
- (88) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳۔ ص ۴۴۵
- (89) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳۔ ص ۴۱۴
- (90) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳۔ ص ۴۳۰
- (91) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳۔ ص ۴۱۶
- (92) نور محمد، مولانا۔ ایضاح المقال فی رؤیة الهلال۔ ص ۱۵۔ جامعہ دارالعلوم دہلہ، جنوبی وزیرستان۔
- (93) مفتی محمود، مولانا۔ تفسیر محمود۔ ج ۳۔ ص ۱۵۸، ۱۵۷۔ الجمعية پبلیکیشنز وحدت روڈ لاہور۔ ۲۰۰۶ء
- (94) محمد اجمل، قاری، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۲۶
- (95) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”بینات“ کراچی (صفر ۱۳۸۵ھ)۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
- (96) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”بینات“ کراچی (صفر ۱۳۸۵ھ)
- (97) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”بینات“ کراچی (صفر ۱۳۸۵ھ)
- (98) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”بینات“ کراچی (صفر ۱۳۸۵ھ)
- (99) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”بینات“ کراچی (صفر ۱۳۸۵ھ)
- (100) مفتی محمود، مولانا۔ ماہنامہ ”بینات“ کراچی (صفر ۱۳۸۵ھ)
- (101) ٹونکی، ولی حسن، مفتی، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۶۔ ص ۳۸
- (102) بنوری، محمد ایوب جان، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹۹
- (103) غلام مرتضیٰ، مفتی، مولانا۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔
- (104) ہزاروی، غلام غوث، مولانا۔ ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ج ۱۱ ش ۳ (جنوری ۱۹۷۰ء)

- (105) رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا۔ جدید فقہی مسائل۔ ج ۱۔ ص ۱۳۳۔ پروگریسو بکس یوسف مارکیٹ
غزنی سٹریٹ لاہور۔ پانچواں ایڈیشن ۱۴۱۱ھ
- (106) رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا۔ جدید فقہی مسائل۔ ج ۱۔ ص ۱۳۳۔
- (107) رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا۔ جدید فقہی مسائل۔ ج ۱۔ ص ۱۳۳۔
- (108) لدھیانوی، رشید احمد، مولانا مفتی۔ احسن الفتاویٰ۔ ج ۷۔ ص ۴۲۶۔ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل
پاکستان چوک کراچی۔ طبع چہارم ۱۴۹۱ھ
- (109) لدھیانوی، رشید احمد، مولانا مفتی۔ احسن الفتاویٰ۔ ج ۷۔ ص ۴۲۶۔
- (110) لدھیانوی، رشید احمد، مولانا مفتی۔ احسن الفتاویٰ۔ ج ۷۔ ص ۴۲۸، ۴۲۷۔
- (111) لدھیانوی، رشید احمد، مولانا مفتی۔ احسن الفتاویٰ۔ ج ۷۔ ص ۴۳۸۔
- (112) بنوری، محمد ایوب جان، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۰۰
- (113) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳۔ ص ۲۲۶
- (114) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳۔ ص ۱۹۷
- (115) کراروی، علی غففر (ع، غ) علامہ۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۳
- (116) عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۴۲
- (117) عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۴۱
- (118) عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۴۵
- (119) عبید اللہ، مولانا۔ ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۴۵
- (120) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۱۰۔ ش ۳۲ (۲۹ دسمبر ۱۹۶۷ء)
- (121) مفتی محمود، مولانا۔ تفسیر محمود۔ ج ۱۔ ص ۱۱۸، ۱۱۹
- (122) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۴۳
- (123) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ ”چٹان“ لاہور (۷ جولائی ۱۹۸۰ء)
- (124) جمیل خان شہید، مفتی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۶۶
- (125) عثمانی، محمد تقی، مولانا۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۷۳، ۱۷۴

- (147) محمد یوسف، مفتی، مولانا ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۰۲
- (148) انور، عبید اللہ، مولانا ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۲۱
- (149) مکی، عبد الحفیظ، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۱
- (150) جلال پوری، سعید احمد، مولانا تفسیر محمود ج ۱۔ ص ۲۵ (پیش لفظ)
- (151) بنوری، محمد ایوب جان، سید، مولانا ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور۔ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۱۶
- (152) ندیم، عبد المجید، سید، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۷۹
- (153) ندیم، عبد المجید، سید، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۸۰
- (154) ندیم، عبد المجید، سید، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۸۲
- (155) خوستی، سخی داد، مولانا تذکار محمود۔ ص ۲۵۷
- (156) لطافت الرحمن، مولانا تذکار محمود۔ ص ۲۳۵
- (157) عبد الحلق، مولانا عوام کا بے تاج بادشاہ۔ ص ۱۸۔ شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کاشف العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر۔ ۲۰۰۳ء
- (158) شیر علی شاہ، سید، ڈاکٹر، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۱
- (159) محمد اجمل، قاری، مولانا روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۷
- (160) مکی، عبد الحفیظ، ملک۔ روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۲، ۵۱
- (161) محمد اسحاق، مولانا روزنامہ ”وفاق“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۹
- (162) ضیاء القاسمی، محمد، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۲۳، ۱۲۵
- (163) ندیم، عبد المجید، سید، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۷۹
- (164) ضیاء القاسمی، محمد، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۲۵
- (165) انور، عبید اللہ، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۸۰
- (166) حامد میاں، سید، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۸۶
- (167) محمود، صاحبزادہ، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۴۲
- (168) روحانی بازی، محمد موسیٰ، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۳۷

- (126) عثمانی، محمد تقی، مولانا احسن الفتاویٰ۔ ج ۴۔ ص ۳۱۲
- (127) لدھیانوی، رشید احمد، مفتی، مولانا احسن الفتاویٰ۔ ج ۴۔ ص ۳۳۳
- (128) عارف، محمود الحسن، ڈاکٹر۔ سہ ماہی ”منہاج“ لاہور۔ ج ۱۰۔ ش ۲۰۱۔ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور (جنوری۔ اپریل ۱۹۹۲ء)
- (129) گنگوہی، محمد حنیف مولانا۔ قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون۔ ص ۴۰۔ دارالاشاعت اردو بازار ایم۔ اے جناح روڈ کراچی۔ ۲۰۰۰ء
- (130) گنگوہی، محمد حنیف مولانا۔ قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون۔ ص ۴۸
- (131) مفتی محمود، مولانا تسہیل لاحکام الترتیل۔ ص ۲۲۔ مکتبہ علویہ مرکزی دارالقرآن نمک منڈی پشاور۔ ۲۰۰۰ء
- (132) حامد میاں، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۸۵
- (133) اکبری، عبد الحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور ج ۲۳۔ ش ۱ (۲ جنوری تا ۸ جنوری ۱۹۸۱ء)
- (134) ہزاروی، غلام غوث، مولانا ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۸۶۔ ج ۱۱۔ ش ۳
- (135) ہمدانی، عبد الستار، سید۔ ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۵۔ ج ۱۱۔ ش ۳
- (136) انور، عبید اللہ، مولانا ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۱۸
- (137) اکبری، عبد الحکیم۔ ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور۔ ج ۲۳۔ ش ۱
- (138) مفتی محمود، مولانا تسہیل لاحکام الترتیل۔ ص ۱۷
- (139) علوی، فیاض الرحمن، قاری۔ تسہیل لاحکام الترتیل۔ ص ۷۸
- (140) الازہری، محمد صدیق، ڈاکٹر، مولانا تسہیل لاحکام الترتیل۔ ص ۸
- (141) مکی، محمد، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۳۱
- (142) مسعود شمیم، محمد، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۰۱، ۱۰۲
- (143) بنوری، محمد ایوب، مولانا ماہنامہ ”قومی ڈائجسٹ“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۱۷
- (144) انور، عبید اللہ، مولانا ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۷۹
- (145) شاکر، امجد علی، پروفیسر۔ تفسیر محمود۔ (حرفے چند)۔ ج ۱۔ ص ۳۰
- (146) شاکر، امجد علی، پروفیسر۔ تفسیر محمود۔ (حرفے چند)۔ ج ۱۔ ص ۳۵

- (169) روحانی بازی، محمد موسیٰ، مولانا ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۲۳۷
- (170) لطافت الرحمن، مولانا۔ تذکار محمود۔ ص ۲۳۶
- (171) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۳
- (172) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۱
- (173) خوشی، سخی داد، مولانا۔ تذکار محمود۔ ص ۲۵۷
- (174) خوشی، سخی داد، مولانا۔ تذکار محمود۔ ص ۲۶۴
- (175) قریشی، محمد فاروق۔ "مفتی محمود۔ ایک قومی رہنما"۔ ص ۲۵۔ الجمعية پبلیکیشنز متصل مسجد پاک
- سکول وحدت روڈ لاہور۔ ۲۰۰۰ء
- (176) مفتی محمود، مولانا۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۷۷
- (177) علوی، فیاض الرحمن، قاری۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۷۷
- (178) محمد جمیل خان شہید، مولانا، مفتی۔ فتاویٰ مفتی محمود (مقدمہ)۔ ج ۱۔ ص ۱۳۸
- (179) علوی، فیاض الرحمن، قاری۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۱۳
- (180) حامد میاں، سید، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۸۵
- (181) علوی، فیاض الرحمن، قاری۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۷۸
- (182) مفتی محمود، مولانا۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۲۲، ۲۱
- (183) مفتی محمود، مولانا۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۳۵، ۳۴
- (184) مفتی محمود، مولانا۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۲۴
- (185) مفتی محمود، مولانا۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۲۵
- (186) مفتی محمود، مولانا۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۵۱
- (187) مفتی محمود، مولانا۔ التسهيل لاحكام الترتيل۔ ص ۵۲
- (188) نور محمد، مولانا۔ ایضاح المقال فی رؤیۃ الہلال۔ ص ۳۱
- (189) ملتانی، محمد شفیع، مولانا، مفتی۔ فیصلہ علماء متفقہ متعلقہ رؤیت الہلال۔ ص ۲۔ ناشر مدرسہ قاسم العلوم

ملتان۔ ۱۹۵۴ء

- (190) ملتانی، محمد شفیع، مولانا، مفتی۔ فیصلہ علماء متفقہ متعلقہ رؤیت الہلال۔ ص ۲۔
- (191) ملتانی، محمد شفیع، مولانا، مفتی۔ فیصلہ علماء متفقہ متعلقہ رؤیت الہلال۔ ص ۲۔
- (192) ملتانی، محمد شفیع، مولانا، مفتی۔ فیصلہ علماء متفقہ متعلقہ رؤیت الہلال۔ ص ۲۔
- (193) نور محمد، مولانا۔ ایضاح المقال فی رؤیۃ الہلال۔ ص ۱۳
- (194) نور محمد، مولانا۔ ایضاح المقال فی رؤیۃ الہلال۔ ص ۱۳
- (195) ملتانی، محمد شفیع، مولانا، مفتی۔ فیصلہ علماء متفقہ متعلقہ رؤیت الہلال۔ ص ۳۔
- (196) ملتانی، محمد شفیع، مولانا، مفتی۔ فیصلہ علماء متفقہ متعلقہ رؤیت الہلال۔ ص ۳۔
- (197) نور محمد، مولانا۔ ایضاح المقال فی رؤیۃ الہلال۔ ص ۱۵
- (198) مفتی محمود، مولانا۔ المنتہی القادیانی من هو؟۔ ص ۲۱، ۲۰۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان۔ ۱۹۶۶ء
- (199) مفتی محمود، مولانا۔ زاد المنتہی شرح سنن الترمذی۔ ص ۵ (مقدمہ)۔ ج ۱۔ مکتبۃ الجہاد اکوڑہ خٹک
- نوشہرہ۔ تان
- (200) محمد یوسف خان، مولانا، مفتی۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ص ۳۲ (مقدمہ)۔ ج ۵
- (201) محمد یوسف خان، مولانا، مفتی۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ص ۳۸ (مقدمہ)۔ ج ۶
- (202) بولی، ولی حسن، مفتی، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۶۔ ص ۳۸
- (203) ٹوکی، ولی حسن، مفتی، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۶۔ ص ۳۸

مقام

آپ کی تمام تر جدوجہد اور ہر قسم کی محنت و مشقت صرف اللہ کی رضا جوئی، دین الہی کا
 حب، دین اسلام کی ترویج و اشاعت اور ہر مسلمان کی زندگی میں دین کو ترجیح دینے کے لئے تھی۔
 اپنی اعتبار سے آپ کو بڑے بڑے مواقع ملے۔ ہر حکومتی عہدہ آپ کے لئے ایک دو قدم کے
 مسئلہ پر رہا۔ مگر آپ نے فقر کی زندگی اختیار کی۔ اور فقیرانہ بود و باش رکھا اور اسی میں اپنے لئے
 اپنے اہل خانہ کے لئے سکون و اطمینان پایا۔

آپ کی دینی خدمات کے بارے میں مولانا نور الہدیٰ صاحب تحریر کرتے ہیں۔
 مولانا مفتی محمود زندگی بھر دین کی خدمت میں مصروف رہے کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب
 آپ کی فکر اور ذہن سے دینی خدمت کا جذبہ اُترا ہو۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر آرام
 کرتا ہوں تو اس زندگی کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ نے یہ زندگی، دین کی خدمت کے لئے عطا
 کی ہے۔ اور اس کا حق یہی ہے کہ اس کی خدمت میں صرف کی جائے۔ بے لوثی کا یہ عالم
 کہ پوری زندگی (مدرسہ قاسم العلوم ملتان) کی معمولی سی تنخواہ پر گزار دی۔ حالانکہ اگر
 چاہتے تو بلند نگز کھڑی کر سکتے تھے۔ مولانا مفتی محمود نے زندگی بھر دین کو اہمیت دی ان
 کی خواہش تھی کہ کسی طرح ملک میں اسلامی نظام آجائے۔ (۱)

مفتی صاحب کی زندگی اور اس کی تمام سرگرمیوں کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک میں دین
 اسلام کو عروج حاصل ہو اور اسلامیان پاکستان کی زندگیاں، اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں
 تاکہ وہ اس کی برکت سے مفید ثمرات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے اپنی
 زندگی وقف کر دی تھی۔ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب رقمطراز ہیں۔

مفتی صاحب کو میں نے ہر حال اور ہر رنگ میں دیکھا اور بہت قریب سے دیکھا ہے میں
 نے انہیں ہر موقع اور ہر مقام پر اسلام کا سچا نمائندہ، مخلص جان نثار اور نڈر سپاہی پایا

باب سوم

دینی خدمات

ہے۔ ان کی زندگی اسلام کے لئے وقف تھی، اور وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی اعلیٰ روایات کے حامل اور امین تھے۔ (۲)

اس سلسلے میں مولانا نور الہدی لکھتے ہیں۔ ”ایک دفعہ آپ نے کہا کہ میرے نزدیک پوری دنیا کی بادشاہی سے بہتر وہ جگہ ہے چاہے وہ چند گز کا ٹکڑا کیوں نہ ہو، جہاں پر اسلامی نظام مکمل طور پر موجود ہو۔ اس چند گز جگہ کے لئے بھی قربانی دیں گے۔“ (۳)

دین کی خدمت کے حوالہ سے آپ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ نے بے سروسامانی اور تہی دستی کے باوجود اس حوالہ سے جو خدمات انجام دی ہیں۔ ہم عصر علماء اور دانشوروں نے ہمیشہ آپ کو اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ حتیٰ کہ آپ سے سیاسی وابستگی نہ رکھنے والے اصحاب نے بھی آپ کو اسی لحاظ سے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ حضرت مولانا احسان الہی ظہیر، علماء اہل حدیث میں سے ہیں۔ مفتی صاحب سے ان کی کوئی جماعتی یا مسلکی تعلق نہیں ہے لیکن وہ آپ کو کن ادیبانہ اور خطیبانہ جملوں سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

مستقبل میں جب کبھی حریت فکر کی بات ہوگی، کبھی اعلاء کلمۃ اللہ کا سبق دہرایا جائے گا۔ جب کبھی حق و باطل میں معرکہ آرائی ہوگی جب کبھی خیر و شر کی کشمکش ہوگی جب کبھی روشنی و تاریکی کی جنگ ہوگی۔ جب کبھی سرفروش سروں کی فصل لے کر انھیں گے، جب کبھی شہیدوں کا تذکرہ ہوگا، جب کبھی اسیروں کی کہانی سنائی جائے گی، جب کبھی زخمیوں، معذوروں، پاجبوں اور حق کے نام پر جسم کی قربانی دینے والوں کا ذکر ہوگا، مفتی محمود ضرور یاد آئیں گے۔ کیونکہ وہ ان شہیدوں، غازیوں، مجاہدوں اور سرفروشوں کے قافلہ سالار تھے۔ ان کی عظمت و دانائی اور ان کے علم و حلم کا تذکرہ قیامت تک زندہ رہے گا۔“ (۴)

مفتی صاحب اپنی زندگی کا مقصد ”اسلام اور اسلامی تعلیمات“ متعین کر چکے تھے۔ اسی پر خود بھی دل و جان سے عمل پیرا تھے اور اپنے جماعتی کارکنوں اور اپنے شاگردوں اور ملنے

ملوں کو بھی اسی بات کی تلقین فرماتے تھے۔ وہ اس سلسلے میں ہر رکاوٹ اور ہر عداوت کو ٹھکرانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ مولانا اسفندیار اس سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود کی پوری زندگی اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ تھی۔ ان کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش یہی تھی کہ پورے پاکستان، بلکہ پورے عالم اسلام میں اسلام کو عملی طور پر رائج و نافذ کر دیا جائے۔ ان کے نزدیک سب سے بڑی اہمیت اسلام اور اسلامی تعلیمات کو حاصل تھی۔ اور وہ اس سلسلے میں کسی قسم کی سودے بازی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اپنے کارکنوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا حکم دیتے اور پھر ان سے ان پر عمل نہ کرنے کی صورت میں باز پرس بھی کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ اگر یہ مدارس اور خانقاہیں اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بنیں گی تو ہم ان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ (۵)

آپ کا سیاست میں حصہ لینا بھی اسی غرض و منشاء کے تحت تھا۔ اور اسی کے لئے آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ مولانا محمد ایوب جان صاحب لکھتے ہیں۔

در حقیقت آپ قول و فعل کے سچے، اعلاء کلمۃ اللہ کے داعی اور اسلام کے حقیقی جان نثار اور سرفروش تھے۔ اور علم و عمل میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ آپ ستھری سیاست اور با مقصد جمہوریت کے قائل تھے۔ اور آپ کی سیاست اسلام کی تبلیغ تھی۔ آپ کی زندگی اس کے لئے وقف تھی۔ وہ فرماتے ہیں۔ اس وطن عزیز میں اسلام کی عملداری اور پاسبانی چاہیے۔ اور کتنے دکھ کی بات ہے کہ جو ملک اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ آج تک اس میں انگریز کے کالے قوانین کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ کب اس حسین خطہ میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہوگا؟ اور کب خلفاء راشدین کی یاد تازہ ہوگی احکام الہی اور سنت نبوی کا بول بالا ہوگا؟ اسی تڑپ اور کرب میں مرد مؤمن نے زندگی کے دن پورے کئے۔ (۶)

اس عنوان کے تحت آخر میں مفتی صاحب کی تقریر کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے جو انہوں نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ کی حیثیت سے ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ریڈیو پاکستان پر کی۔ اور جس میں انہوں نے جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کا منشور قوم کے سامنے رکھا۔ اور یہی انکی اور ان کی جماعت کی پالیسی، حکمت عملی اور لائحہ عمل تھا۔ آپ نے فرمایا۔

محترم برادران ملت! میری ان گزارشات سے آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ میری جماعت کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام کا مقصود و منزل کیا ہے؟ ہم اس ملک میں کتاب اللہ اور سنت، سول اللہ کا نظام حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی رو سے ملک کا ہر شعبہ بے دینی کے اثرات اور حرام و ناجائز باتوں کی شمولیت سے پاک ہو جائے جس کی رو سے ملک کے تمام مسلمان بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے قابل بن جائیں۔ جس کی رو سے ملک کا کسان، مزدور اور غریب بھی اسی طرح سر اٹھا کر چل سکے جس طرح ملک کا ایک بڑے سے بڑا آدمی چل سکتا ہے۔ جس کی رو سے ملک کی عدالتیں صرف اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کریں۔ جس کی رو سے ہر گوشہ میں حق و انصاف کا بول بالا ہو۔ جس کی رو سے کسی کو کسی پر سیاسی جبر کا موقع حاصل نہ ہو۔ جس کی رو سے پاکستان کے مسلمان ایک متحدہ قومیت بن کر سر بلند ہو سکیں۔ جمعیۃ علماء اسلام نے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک طریقہ کار اختیار کیا ہے جس کے ذریعہ نہ تو اسلام کے نام کو خود غرضانہ مفادات کے تحفظ کے لئے استعمال کیا جاسکے اور نہ ملک کے مختلف حلقوں اور گروہوں کے درمیان نام نہاد کفر و اسلام کی کشمکش سر اٹھا سکے۔ نہ ملک اور عوام کا اتحاد پارہ پارہ ہو سکے۔ اور نہ ملک کے غریب عوام، کسان، مزدور وغیرہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکیں۔ کہ ان کے مسائل کا حل اسلام میں موجود نہیں ہے۔ داخلی امن و امان اور ملکی استحکام کو برقرار رکھتے ہوئے صرف اسلام کی اساس پر ایسی تبدیلیاں لائی جائیں۔ جن سے ملک کے تمام سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل حل ہو جائیں۔ (۷)

ریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں حصہ اور قید و بند کے مراحل

مولانا مفتی محمودؒ نے ۱۹۵۱ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں درس و افتاء کے کام کا آغاز کیا۔ اور اسی سال مرزائیوں کی حکومت وقت کی سرپرستی میں سرگرمیوں میں تیزی آئی۔ دوسری طرف حکومت وقت نے مرزائیت کے خلاف لکھی گئی بعض کتابوں کو ضبط کیا جس میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب ”الشہاب الثاقب“ بھی شامل تھی۔ ڈاکٹر احمد حسین کمال نے اس وقت کے حالات کے بارے میں لکھا ہے۔

پاکستان بنتے ہی مرزائی فرقے نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں۔ اس نے بعض سیاسی دعوے بھی کر ڈالے تھے۔ بلوچستان کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ہماری جماعت کے مستقبل کا اچھا میدان ثابت ہو سکتا ہے۔ سرکاری سروسوں میں اس فرقہ کے اثر و رسوخ کی باتیں پھیلنے لگیں۔ اور یہ شبہ ابھر کر سامنے آنے لگا کہ پاکستان میں جہاں سنی اور شیعہ اکثریت ختم نبوت پر یقین و عقیدہ رکھتی ہے۔ اب اس عقیدہ کے علی الرغم مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا اظہار علانیہ کیا جایا کرے گا اور مرزائیت کی تبلیغ کھلے بندوں ہو کرے گی۔ اس دوران مرزائیت کے خلاف لکھی گئی بعض کتابیں بھی ضبط کی گئی جن میں علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم پاکستان کے شیخ الاسلام کی کتاب ”الشہاب الثاقب“ کی ضبطی بھی شامل تھی۔ (۸)

اس دوران مرزائیوں کے مذموم عزائم بھی کھل کر سامنے آ گئے انہوں نے اپنے پریس کے ذریعہ اشتعال انگیز بیانات دینے شروع کئے۔ جانباز مرزا صاحب نے ان کے چند بیانات کا حوالہ دیا ہے۔

احمدیت کے مخالف عنقریب مرزا صاحب یا ان کے کسی جانشین کے سامنے مجرموں کی طرح پیش ہوں گے۔ (الفضل ۳ جنوری ۱۹۵۲ء)

احمدیوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ فوجی محکموں کی طرح گورنمنٹ کے دوسرے محکموں میں بھرتی ہونے کی کوشش کریں۔ تاکہ تبلیغی پروگرام کو تقویت پہنچے۔ (الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

نیز مرزائیوں کو ہدایت کی گئی کہ ایسے حالات پیدا کر دو کہ ۱۹۵۲ء گزرنے سے پہلے پہلے دشمن احمدیت کے آغوش میں گرنے پر مجبور ہو جائیں۔ (الفضل ۱۷ جنوری ۱۹۵۲ء) (۹)

مرزائیوں کے ان اشتعال انگیز بیانات کی وجہ سے علماء اور عام مسلمانوں کی طرف سے سخت رد عمل سامنے آیا۔ علماء نے مرزائیت کی تردید میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں اور مزید بڑھادیں۔ بعض حضرات مرزائی عقائد کی تردید کی وجہ سے گرفتار کر دئے گئے۔ چنانچہ علماء نے ۲۲ اسلامی نکات میں ایک اور نکتہ کا اضافہ کر دیا کہ مرزائی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور پھر اس کو تسلیم کرانے کے لئے مطالبات کا آغاز ہو گیا نیز سر ظفر اللہ خان کی وزارت سے علیحدگی کا مطالبہ بھی زور پکڑنے لگا۔ (۱۰)

انہی دنوں کوئٹہ میں ایک اجلاس میں قادیانیوں کے نام نہاد خلیفہ مرزا محمود نے اعلان کیا کہ ہم ۱۹۵۲ء میں تمام بلوچستان کو احمدی صوبہ بنادیں گے۔ (۱۱)

ان حالات میں علماء کرام نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے عزت و ناموس رسالت کی خاطر امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے اور اس فتنہ کے سرکچنے کے لئے آپس میں رابطے شروع کر دیئے۔ اور اس سلسلے کا پہلا کنونشن منعقد کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ جانباز مرزا صاحب اس کنونشن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

۹ مئی ۱۹۵۱ء کو برکت علی ہال لاہور میں ایک کنونشن بلا یا گیا جس میں امیر شریعت

(مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری) بھی شریک ہوئے۔ اس اجلاس کے اختتام پر

مرزائیت کے خلاف سارے مغربی پاکستان میں تحریک کا آغاز ہوا۔ لیکن حکومت کے

سامنے مطالبات رکھنے کے لئے کنونشن کے مختلف اجلاس لاہور اور کراچی میں ہوئے۔ (۱۲)

ان کنونشنز کے علاوہ مذہبی اجتماعات میں علماء کرام نے عموماً اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے خصوصاً عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے قوم میں کافی بیداری پیدا کر دی۔ لیکن اس کے باوجود حالات ایسے نہ تھے کہ ان کے بگڑنے کا امکان ہو یا وہ قابو سے نکلنے والے ہوں۔ کہ کراچی کے جہانگیر پارک میں حکومت نے مرزائیوں کو اپنے سالانہ اجتماع کرنے کی اجازت دیدی۔ اور چوہدری سر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے اس اجتماع میں وزیراعظم پاکستان کے منع کرنے کے باوجود اس میں تقریر کی۔ جس نے حالات کو اور زیادہ خراب کر دیا۔

۱۸ جولائی کو ملتان میں ایک احتجاجی جلوس نکلا جس پر پولیس نے لاشی چارج کیا۔ عوام نے تھانہ کے سامنے جمع ہو کر اس پر احتجاج کیا۔ تو مجمع پر تھانے سے گولی چلائی گئی۔ جس کے نتیجے میں چھ مسلمان شہید ہوئے جبکہ زخمیوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ اس خونی واردات کے خلاف سارے ملک میں یوم احتجاج منایا گیا۔ (۱۳)

اس پر جانباز مرزا صاحب نے ملتان کے غیور مسلمانوں کو ان الفاظ میں خراج عقیدت

پیش کیا ہے۔

ملتان کے غیور اور صاحب ایمان مسلمانوں نے بھی اس دور پر آشوب میں جبکہ کفر و ارتداد کی سیاہ گھٹاؤں نے ایمان و یقین کو پریشان کر رکھا ہے۔ اسلام کی لاج رکھ لی۔ اور اپنے جگر گوشوں کو شمع رسالت پر پروانہ وار نثار کر کے ثابت کر دیا کہ مسلمان آج بھی فخر و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی خاطر گولیوں کی بوچھاڑ میں مسکرا سکتا ہے۔

..... خدا کی نعمتیں نچھاور ہوں تم

شہیدان ناموس رسالت پر، سلام ہو تم پر اے ختم المرسلین کی عزت و آبرو پر قربان ہونے والو، مبارک ہیں ان کے والدین کہ ان کے نذرانے سرکار رسالت مآب میں

شرف قبولیت حاصل کر گئے۔ (۱۵)

یہ وہ حالات تھے جنہوں نے پاکستان کے علماء اور عوام کو مرزائیت کے فتنہ کو روکنے کے لئے سوچنے اور اس کے نتیجے میں راست اقدام کرنے کا سبب بنے لہذا انہوں نے ایمان اور ختم المرسلین سے محبت و عقیدت کے اظہار کے لئے سب کچھ قربان کرنے کی ٹھان لی۔ مرزا جانباز صاحب لکھتے ہیں۔

ایسے حالات میں مرزائیوں کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں نے عوام کو موقع دیا کہ وہ حکومت سے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کریں۔ جہانگیر پار ظفر اللہ خان کی تقریر کے بعد کراچی میں ۲۲ جون ۱۹۵۲ء کو آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن طلب کیا گیا جس میں دو دن مسلسل بحث کے بعد حسب ذیل قرارداد تشکیل ہوئی۔

(۱) مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

پیو دھرنی ظفر اللہ وزیر خارجہ کو اس کے عہدے سے الگ کر دیا جائے۔

(۳) مرزائیوں کو تمام کلیدی آسامیوں سے ہٹا دیا جائے۔

ان مطالبات کی تصدیق کے لئے ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور برکت علی ہال میں آل مسلم پارٹیز کنونشن کا پھر اجلاس ہوا۔ جس میں حسب ذیل حضرات کی ایک مجلس عمل مرتب کی گئی۔

وہ مزید لکھتے ہیں۔

مجلس عمل نے ۲۳ جنوری ۱۹۵۳ء کو وزیراعظم پاکستان سے مل کر انہیں اپنے مطالبات پیش کئے اور ایک ماہ کا نوٹس دے دیا کہ اگر ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء تک مجلس عمل کے متذکرہ مطالبات منظور نہ کئے گئے تو مجلس اپنے مطالبات منوانے کے لئے راست اقدام کرنے پر مجبور ہوئی۔ (۱۷)

اس ایک ماہ میں حالات نے کیا رخ اختیار کیا۔ اس کے بارے میں جانباز مرزا صاحب

لکھتے ہیں۔

۲۳ جنوری ۱۹۵۳ء سے ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء تک واقعات نے کئی کروٹیں لیں۔ صوبائی اور مرکزی حکام نے مجلس عمل کے رہنماؤں کو دھمکایا بھی اور اکثر کارکنوں پر مقدمات بھی دائر کئے۔ اخبارات پر قدغن لگائی گئی۔ لیکن مرزائیت کے خلاف عوام کا غصہ ابلتے ہوئے لاوے کی طرح تیز تر ہوتا چلا گیا تا آنکہ ۲۲ فروری کا سورج طلوع ہوا۔ (۱۸)

یہ تو حکومتی اقدامات تھے مجلس عمل نے آگے کے لئے کیا لائحہ عمل طے کیا۔ اس کے بارے میں جانباز مرزا لکھتے ہیں۔

۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ایک اجلاس منعقد کیا جس کی صدارت مولانا ابوالحسنات نے کی۔ اور اس اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعہ کراچی میں وزیراعظم پاکستان کی کوٹھی تک ایک منظم جلوس کی صورت میں جا کر مطالبات پیش کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جس میں صرف پانچ رضاکار جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ جن پر مطالبات ثبت ہوں گے۔ ۲۶ فروری کو آرام باغ میں مجلس عمل کا اجتماع ہوا۔ جس میں راست اقدام کمیٹی کے منتخب ارکان کے علاوہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے تقریر کی۔ (۱۹)

رات کو مجلس عمل کے رہنما دفتر تحفظ ختم نبوت (بندر روڈ کراچی) میں آرام کرنے کے لئے چلے گئے ابھی کچھ ہی دیر میں گزری تھی کہ پولیس کی بھاری جمعیت نے تمام عمارت کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ اور تمام رہنماؤں کو جو اس وقت دفتر میں موجود تھے گرفتار کر لیا۔ یہ ۲۷ فروری صبح چار بجے کا واقعہ ہے۔ (۲۰)

مجلس عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد سارے ملک میں احتجاج شروع ہوا۔ جس میں عوام کے تمام نے کردار ادا کیا۔ جانباز مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

یر شریعت کی گرفتاری کے بعد مغربی پاکستان سے سینکڑوں افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ سارے ملک نے بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ ہر شہر میں حکام و عوام کے درمیان تصادم ہوا۔ منڈیاں بند ہو گئیں۔ شہروں میں ہڑتال کر دی گئی۔ سرکاری عمارات کو نقصان

پہنچایا گیا۔ ریل کی پٹریاں اکھاڑ دی گئیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور شہر فوج کے حوالہ کر دیا گیا۔ (۲۱)

یہ وہ حالات تھے جو ۱۹۵۳ء کے تحریک ختم نبوت سے قبل ملک میں نمودار ہوئے۔ مفتی محمود صاحب ان حالات سے کیسے بے خبر رہ سکتے تھے۔ آپ کے حساس دل نے آپ کو اس خالصتاً مذہبی و دینی تحریک میں اگلے صف کے رہنماؤں میں شامل ہو کر اس میں فعال کردار ادا کرنے کی ترغیب دی۔ اس تحریک میں آپ کے کردار کے بارے میں قاضی عبداللطیف صاحب لکھتے ہیں۔

فروری ۱۹۵۳ء تحریک ختم نبوت، شعلہ جوالا بن کر ابھری اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار، جمعیت علماء اسلام کے معزز رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مختلف المیاد سزائیں دی گئیں۔ حضرت مفتی صاحب بھی اس قافلہ کے سرخیلوں میں سے تھے۔ (۲۲)

نیز ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب لکھتے ہیں۔

اس مرحلہ پر ملتان میں مفتی محمود شیخ الحدیث اور مفتی کی حیثیت سے سامنے آئے اور تحفظ ختم نبوت کی تحریک میں ان اکابر علماء کے ساتھ شریک سفر ہو گئے۔ جو یادگار سلف تھے مثلاً مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا نصیر الدین غور غشتی وغیرہ وغیرہ۔ علماء اس جدوجہد میں سرخرو ہو کر نکلے اور مولانا مفتی محمود اب اکابر علماء کی صف میں آ گئے۔ (۲۳)

اللہ تعالیٰ نے مولانا مفتی محمود صاحب کو ابتداء عمر سے قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ کی علمی شان، قوت استدلال اور فضل و تقویٰ نے آپ کو اپنے اکابر کا محبوب بنادیا تھا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے اہم رہنما اور ہفت روزہ ”لولاک“ فیصل آباد کے مدیر جناب مولانا تاج

اد صاحب لکھتے ہیں۔ ”مسئلہ ختم نبوت کے حوالہ سے ہمارے لئے وہ جماعتی رہنما کا درجہ رکھتے تھے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں وہ ہمارے عظیم قائدین کے ہمراہ قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔“ (۲۴)

اور صرف یہی نہیں کہ آپ نے اس تحریک میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا بلکہ مختلف نظریات کے حامل جماعتوں کو اس تحریک میں شمولیت کے لئے آپ ہی نے آمادہ کیا تھا۔ مولانا حمید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور لکھتے ہیں۔ ”مفتی صاحب نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران مختلف نظریات کی حامل جماعتوں کو قریب لانے میں بہت عظیم کردار ادا کیا تھا۔“ (۲۵)

مولانا محمد اکبر صاحب رقمطراز ہیں۔ ”حضرت مفتی صاحب نے اس تحریک میں ختم نبوت کے شیدائیوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ اور اس تحریک کی کامیابی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور قادیانیت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ پھر اسے سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔“ (۲۶)

۱۹۵۳ء کی تحریک میں آپ کے قائدانہ کردار کے بارے میں جناب اکرام القادری صاحب لکھتے ہیں۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد مفتی محمود نے سب سے پہلے جس دینی تحریک میں حصہ لیا وہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء ہے۔ اس مقدس تحریک میں ہزاروں علماء و مشائخ اور لاکھوں عوام کے شانہ بشانہ ہمہ قسم کے آلام و مصائب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مفتی صاحب نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ آپ نے ناموس رسالت مآب ﷺ کے تحفظ کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ (۲۷)

اس تحریک میں مفتی صاحب کو ایک سال قید کی سزا ملی آپ کو ملتان کے جیل میں رکھا گیا۔ تقریباً سات ماہ آپ جیل میں رہے۔ (۲۸)

ملتان جیل میں اس تحریک کے سلسلے میں جو اکابر علماء و قائدین گرفتار تھے ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ جیل کے اندر درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور دیگر ذمہ داریاں انہوں نے آپ میں تقسیم کر دی تھیں۔ جبکہ امامت و خطابت کے فرائض مولانا مفتی محمود صاحب انجام دیتے رہے۔ مولانا ظفر احمد قاسم لکھتے ہیں۔ ”ملتان جیل میں ہر اوّل دستے میں حضرت مفتی صاحب گرفتار ہو کر جیل گئے۔ تو وہاں جیل میں بھی امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔“ (۲۹)

مسئلہ رویت ہلال کے حل میں کلیدی کردار

ہر مسلمان کی یہ دلی آرزو ہے کہ ملک بھر میں رمضان اور عیدین ایک ہی دن منائے جائیں۔ لیکن کچھ تو پاکستانی حکومتیں ایسے اقدامات سے دانستہ گریز کر رہی تھیں جن سے یہ مسئلہ شائستہ انداز میں حل ہوتا۔ کچھ نا سمجھ علماء نے اس مسئلہ کو مزید پیچیدہ بنا دیا تھا جس سے عام دیندار مسلمان ہر سال ایسے مبارک موقعوں پر پریشان کن صورت حال سے دوچار ہو جاتے تھے۔ بیوروکریسی کی مداخلت اس پر مستزاد ہوتی۔ مرکزی سطح پر رویت ہلال کمیٹی امیر البحر (نیوی چیف) کی سربراہی میں بنتی اور فوج کے دیگر اداروں کے سنیر افسران اور کچھ افسر شاہی کے سینئر کارندے اس کے ممبر مقرر کئے جاتے۔ جس کی وجہ سے ان کے فیصلے عام مسلمانوں کے لئے اطمینان بخش نہ ہوتے۔ ملک میں کہیں روزہ ہوتا تھا۔ کہیں عید منائی جاتی تھی۔ پھر ہر جگہ مسلسل کئی ہفتوں تک یہ بحث مباحثے چل پڑتے تھے۔ علماء ایک دوسرے کے فیصلے کو غلط قرار دیتے تھے۔ حکومت بھی اس کے فیصلے سے مخالفت کرنے والوں کو قید میں ڈال دیتی تھی۔ ایسے حالات کا اثر عام مسلمانوں پر ضرور پڑتا تھا۔

جیسے کہ اس سے قبل ”تالیفات و تصنیفات“ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

مولانا مفتی محمود نے رویت ہلال کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اور علماء دین کی طرف سے متفقہ موقف اختیار کرنے کے لئے آگے بڑھ کر اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلی گرام اور ٹی وی کی ایجاد سے نئی صورتیں سامنے آگئی تھیں۔ علماء کا رویت ہلال کے مسئلہ میں ان جدید آلات کے بارے میں کیا موقف ہونا چاہیے؟ اس کے بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ سامنے لانے کی کوشش کی جائے۔ اس مسئلہ میں اختلاف مطالع کا مسئلہ بھی نہایت اہم رہا ہے اس کے بارے میں بھی علماء کا موقف معلوم کیا جائے۔

”ان تمام پیچیدہ مگر حل طلب مسائل کے حل کے لئے مولانا مفتی محمود صاحب نے مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مہتمم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو اس کام کے لئے آمادہ کیا۔“ (۳۰) اور انکی طرف سے ایک سوانامہ مرتب کر کے پاکستان کے مشہور مدارس، مفتیین اور ان دیگر علماء کے پاس جو فقہی مسائل میں خاص دسترس رکھتے تھے بھیجا۔ (۳۱)

مفتی محمود نے از خود اس سوانامہ میں درج سوالوں کے جوابات لکھے اور اس کو ”زبدۃ المقال فی رویت الہلال“ کے نام سے کتابی صورت میں چھپوایا۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔ (۳۲) علماء اور مفتیین کی طرف سے جوابات آنے کے بعد جب دیکھا گیا کہ ان میں بعض علماء و مفتیین کے بعض جوابات میں اختلاف پایا جاتا ہے تو رفع اختلاف اور ایک متفقہ موقف اختیار کرنے کے لئے مولانا مفتی محمد شفیع کی دعوت پر ۱۶، ۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء کو مدرسہ قاسم العلوم ملتان ہی میں پاکستان کے چوٹی کے علماء اور مفتیین حضرات کا اجتماع کرایا۔ (۳۳) دو دن مکمل بحث جاری رہی۔ (۳۴) پھر اس پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ جو علماء کسی عذر کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ نیز ہندوستان اور مشرقی پاکستان کے علماء و مفتیین کی تصدیقات بذریعہ ڈاک حاصل کی گئیں۔ (۳۵)

اس سلسلے میں حکومت وقت سے بھی گفت و شنید کا سلسلہ جاری رہا۔ مفتی محمود صاحب کی کوششوں اور رابطوں سے یہ ممکن ہوا۔ ایک جگہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں۔ ”حکومت سے اس بارہ میں گفتگو کی جارہی ہے۔“ (۳۶)

مفتی محمود کی کوشش یہ تھی کہ حکومت علماء کے متفقہ فیصلہ کی روشنی میں طے شدہ شرائط اور طریقہ کار کے مطابق علماء و ماہرین کی مرکزی سطح پر ایک کمیٹی تشکیل دے۔ مفتی محمود صاحب ایک فتویٰ کی تصویب کرتے ہوئے اپنی کوششوں اور رابطوں کا ذکر کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

الجواب صحیح۔ واضح ہو کہ احقر خود مرکزی وزیر داخلہ سے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کر چکا ہے۔ وہ خود معترف ہیں کہ ہم سے ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی ہوئی ہے آئندہ کے لئے انہوں نے صحیح شرعی نظام سے شہادت لینے اور اعلان ہلال کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ مجھ سے کچھ ضروری مشورے بھی لئے گئے ہیں۔ خداوند کریم انہیں توفیق دے۔ (۳۷)

”اس فتویٰ میں مفتی صاحب نے واضح کر دیا ہے۔ کہ جب تک علماء کے متفقہ فیصلے کی روشنی میں حکومت ان میں بیان کردہ شرائط کا اعتبار نہیں کرے گی۔ تو ان کا فیصلہ اور اعلان واجب العمل نہ ہو گا۔“ (۳۸) لیکن بار بار مطالبات اور رابطوں کے باوجود حکومت نے اس مسئلے کے حل کے لئے کوئی پیش رفت نہیں کی۔

جب ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں پہنچی۔ اور ملک کے لئے نئے آئین کی تشکیل کا مسئلہ آیا۔ تو مفتی صاحب نے ممبران اسمبلی میں سے علماء ممبران کی حمایت و تعاون سے رویت ہلال کے مسئلہ کے حل پر زور دیا۔ اور اس میں کافی کامیاب رہے اور حکومت نے وہ تمام شرائط مان لیں جو علماء و مفتیین نے

۱۹۷۰ء میں اس سلسلے میں طے کر دی تھیں۔ اس سلسلے میں مولانا نور محمد صاحب لکھتے ہیں۔ حضرت مفتی محمود صاحب کی کوششوں سے حکومت نے ہلال کمیٹی کو از سر نو علماء کی تجاویز کے مطابق تشکیل دیا۔ جس میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء شامل کئے گئے اور ریڈیو پر روزہ اور عید کے اعلان کو شرعی قیود کا پابند بنادیا گیا۔“ (۳۹)

مفتی محمود کی یہ مساعی بار آور ثابت ہوئیں۔ ملک کے علماء و عوام نے اطمینان کا سانس لیا۔ مگر کچھ عرصہ سے ملک کے تین صوبوں (پنجاب، سندھ، بلوچستان) کے مقابلہ میں جہاں مرکزی رویت ہلال کمیٹی ہی کے فیصلے کے مطابق روزہ اور عید منائی جاتی ہے۔ صوبہ سرحد میں اس مسئلہ کو پھر نزاعی بنادیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اور علماء مل کر اس مسئلہ کا علماء کے متفقہ فیصلہ کی روشنی میں اس کا کوئی حل ڈھونڈیں۔ اور اس ”متفقہ فیصلہ“ کی روشنی میں ان پر واضح کر دیں کہ حکومت کی طرف سے مرکزی کمیٹی کے مقابلہ میں کسی پرائیویٹ کمیٹی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ از خود فیصلہ کر کے عوام کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کریں۔

بہر حال یہ مفتی محمود کا ایک عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے حالات کے مطابق اس اہم مسئلہ میں علماء و مفتیین حضرات سے متفقہ فیصلہ حاصل کر کے امت کی رہنمائی کا اہم فریضہ انجام دیا۔ اور حکومت وقت سے متعدد مراحل میں گفت و شنید کر کے ان کو مسئلہ رویت ہلال کے حل کے لئے آمادہ کیا۔ اور یوں مرکزی رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل ملتان میں ”علماء کے متفقہ فیصلہ“ کے روشنی میں تمام شرائط و قیود کے ساتھ ہوئی۔ جو اپنے فرائض احسن طریقے سے انجام دے رہی ہے۔

جمعیت علماء اسلام کے احیاء میں کردار

جمعیت علماء اسلام پاکستان ایک مذہبی اور سیاسی جماعت ہے۔ جو پاکستان میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی علمبردار ہے۔ اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کی قیادت و سیادت علماء کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے تمام امور مجلس شوریٰ کے مشوروں سے طے ہوتے ہیں۔ جس میں غالب اکثریت علماء کی ہوتی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو ۱۹۴۵ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کی تشکیل کی تھی۔ اور وہی اس کے بانی ہیں۔ تقسیم برصغیر سے قبل آزادی برصغیر کی علمبردار جماعت ”علماء دیوبند“ دو گروپوں میں تقسیم تھی۔ ایک جمعیت علماء ہند کی قیادت (جو ۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء میں بنی تھی) میں آزادی برصغیر کے بارے میں اپنا نقطہ نظر رکھتی تھی۔ اور آزادی کے لئے اس کا اپنا فارمولا تھا۔ جس فارمولے کو کانگریس نے بھی منظور کیا تھا۔ اور دوسرا گروپ مولانا شبیر احمد عثمانی کی سرکردگی میں جمعیت علماء اسلام کے نام سے کام کر رہی تھی۔ جو ۲۶-۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ملتان میں بنی تھی۔ اور جو مسلم لیگ کی ہمنوا تھی۔ اور تحریک پاکستان میں ان کا عظیم کردار رہا ہے۔ جس کا اعتراف مسلم لیگی قیادت بھی کرتی ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد ان دونوں گروپوں کی قیادت مولانا شبیر احمد عثمانی کے ہاتھ میں تھی۔ شروع میں تو آپ کی تمام سرگرمیاں اس حد تک محدود رہیں کہ قائد اعظم محمد علی جناح اور دیگر مسلم لیگی قائدین کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ تحریک پاکستان کے دوران کئے گئے اعلان کے مطابق پاکستان میں اسلام کے اصولوں کے مطابق یہاں آئین و قانون کی پاسداری کو یقینی بنائیں۔ اور ملک میں اسلامی آئین و قانون کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے اس کا نفاذ کریں۔ اور بلا آخر ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو وہ ”قرار داد مقاصد“ کو دستور ساز اسمبلی سے منظور کرانے میں کامیاب ہوئے۔ مگر قرار داد مقاصد کی روشنی میں دستور سازی میں مسلم لیگی قیادت نے اس

معاونی نہیں کی۔ جس کی وجہ سے علامہ شبیر احمد عثمانی مسلم لیگی قیادت سے نالاں رہے۔ وہ ان مایوس ہو گئے کیونکہ مسلم لیگی قیادت نے قیام پاکستان کے بعد وہ تمام سیاسی فارمولے، جو طاق نسیان کے حوالہ کر دئے۔ جو قیام پاکستان سے قبل اس وقت کے حالات کے پیش نظر رکھے تھے۔ چونکہ علماء حق علماء دیوبند کی جماعت اپنی دینی و مذہبی ذمہ داریوں کے اعتبار سے ہمہ پہلی تھی۔ اور اس بات کی فکر مند تھی کہ ملک کی بقاء، استحکام اور ترقی کے کاموں میں بڑھ کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی سعی کرے۔ اور لادینی عناصر اور خاص کر مرزائیوں کو اپنی من مانیوں کے لئے کھانا نہ چھوڑا جائے۔

ان حالات کے پیش نظر مولانا شبیر احمد عثمانی کی شدید خواہش تھی کہ جمعیت علماء اسلام کو دوبارہ منظم کیا جائے۔ اور علماء دیوبند کے دونوں جماعتوں کے ہمنواؤں کو شریک سفر کیا جائے۔ اس غرض کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے ۱۹۴۹ء میں ملتان میں علماء کا کنونشن بلایا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس اجلاس میں مفتی صاحب نے بھی شرکت کی۔ جناب ریاض بٹالوی صاحب جو روزنامہ مشرق کے مشہور فیچر نگار رہے ہیں، نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ”قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی دعوت پر انہوں (مفتی محمود) نے جمعیت علماء اسلام میں شمولیت اختیار کی“۔ (۴۰)

یہ بات کہاں تک قرین حقیقت ہے۔ اور ریاض بٹالوی صاحب نے کہاں سے معلوم کی ہے۔ ابھی تک ایسا حوالہ سامنے نہیں آیا ہے۔ مگر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے ملتان میں منعقد کردہ علماء کنونشن میں مفتی محمود صاحب نے سرگرم حصہ لیا تھا۔ قطب الدین عابد لکھتے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی دعوت پر جمعیت میں شمولیت کا واقعہ میری نظر سے کہیں بھی نہیں گزرا اور نہ ہی میں نے کہیں سنا ہے البتہ ۱۹۴۹ء میں جب علامہ نے علماء کنونشن ملتان میں بلائی تو اس میں مفتی صاحبؒ نے سرگرم حصہ لیا تھا۔

یہ بات مولانا قطب الدین عابد نے کہاں سے دریافت کی ہے کہ مفتی محمود نے ۱۹۴۹ء میں ملتان میں علماء کنونشن میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ اب تک مقالہ نگار کی نظر سے نہیں گزرا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی سر توڑ کوششوں اور علماء کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی جدوجہد کے بعد بالآخر دسمبر ۱۹۴۹ء کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ ریاست بہاولپور کے امیر کی دعوت پر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے افتتاح کے لئے بہاولپور میں تھے کہ پیغام اجل آپہنچا۔ آپ کے جسد خاکی کو کراچی لایا گیا۔ اور کراچی میں آپ کی تدفین ہوئی۔ (۴۲)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی حیات میں جمعیت علماء اسلام کی احیاء کی ابتدائی کوششیں تو ہوئیں۔ اس سلسلے میں ۱۹۴۹ء ہی میں ملتان میں کنونشن بھی منعقد ہوا۔ مگر جماعت کو فعال نہیں بنایا جاسکا تھا۔ کہ علامہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔

اس وقت جمعیت علماء اسلام کی تنظیم کا کیا حال تھا۔ اور وہ کیا وجوہات تھیں کہ جماعت کی باقاعدہ تنظیم نہ ہو سکی تھی۔ وہ خود مفتی محمود صاحب کی زبانی سنئے۔

قیام پاکستان کے بعد کا زمانہ جمعیت علماء اسلام کے رہنماؤں کے لئے بہت سخت تھا۔ خاص طور پر صوبہ سرحد میں ان کے لئے رہنا دو بھر ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں چوبیس گھنٹے ہماری سخت نگرانی کی جاتی تھی۔ ہمارا چلنا پھرنا، اور رہنا سہنا ہر کام نگرانی میں ہوا کرتا تھا۔ حکومت کی ان سختیوں کی وجہ سے جمعیت علماء اسلام پورے سات سال تک منظم نہ ہو سکی۔ گو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ملتان میں علماء کرام کا ایک اجلاس طلب کر کے جمعیت کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ لیکن جماعت کا باقاعدہ کنونشن دو برس بعد ہو سکا۔ یہ

کنونشن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی زیر قیادت ۱۹۴۹ء میں طلب کیا گیا۔ لیکن جمعیت کی تنظیم ممکن نہ ہو سکی۔ (۴۳)

اس کے بعد جماعت کا کیا حال ہوا۔ اور اس کی تنظیم کے بارے میں کیا اقدامات ہوئے۔ اس بارے میں مولانا محمد اکبر رقطراز ہیں۔ ”کچھ عرصہ بعد ۱۹۵۲ء میں مولانا احتشام الحق تھانوی کراچی سے ملتان تشریف لائے۔ انہوں نے مدرسہ خیر المدارس ملتان میں ایک اجلاس میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ جمعیت علماء اسلام کا احیاء ہونا چاہیئے۔“ (۴۴)

مولانا احتشام الحق تھانوی کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے مولانا مفتی محمود صاحب نے جنہیں ملتان آئے دو سال تھا۔ اور کوئی خاص شہرت حاصل نہیں تھی۔ آپ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ اور بقول مولانا محمد اکبر۔

حضرت مفتی صاحب نے ملک بھر کا دورہ کیا اور خصوصاً صوبہ سرحد کے مختلف دور دراز دشوار گزار علاقوں میں بنفس نفیس پہنچ کر علماء کو آئندہ منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکت کی دعوت و ترغیب دی۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کی کوششیں رنگ لائیں۔ اور پاکستان کے چاروں صوبوں سے جید اور فرض شناس علماء کا ایک بڑا نمائندہ اجلاس ہوا۔ جس میں حضرت مفتی صاحب نے اپنی سیاسی بصیرت اور عاقبت اندیشی سے جمعیت کی صدارت کے لئے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری اور نظامت اعلیٰ کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی کا نام تجویز کیا۔ چنانچہ ہاؤس نے اس کی توثیق و تصویب کر دی۔ (۴۵)

جمعیت علماء اسلام کا یہ اجلاس دسمبر ۱۹۵۲ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے ٹھیک دو مہینے بعد ختم نبوت کی تحریک فروری ۱۹۵۳ء میں شروع ہوئی۔ جس میں بقول حضرت خواجہ خان محمد صاحب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ”بلاشبہ یہ برصغیر کی عظیم ترین تحریک تھی جس میں

دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ایک لاکھ مسلمانوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور دس لاکھ مسلمان اس تحریک سے متاثر ہوئے۔“ (۴۶)

اس تحریک نے سارے ملک کی چولہیں ہلا دیں۔ علماء کا طبقہ اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا اگرچہ اس تحریک کی قربانیاں بیس سال بعد ۱۹۷۷ء میں رنگ لائیں۔ مگر اس وقت فوری طور پر بظاہر یہ تحریک ناکام ہوئی۔ اس تحریک سے جمعیت علماء اسلام کی نو تشکیل شدہ جماعتی تنظیم بھی متاثر ہوئی اور اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ مفتی محمود صاحب ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں۔

آخر دسمبر ۱۹۵۲ء میں ہم نے جمعیت کا ایک کنونشن ملتان میں طلب کیا جس میں سارے پاکستان سے علماء دین اکٹھے ہوئے۔ اس کنونشن میں جمعیت کی از سر نو تنظیم کی گئی۔ اور مولانا احمد علی لاہوری جمعیت کے صدر مولانا احتشام الحق تھانوی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ لیکن اس کے محض دو ماہ بعد جب فروری ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو جمعیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ مجھے تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں ایک سال کی سزا ہوئی۔ اور جب ہم لوگ جیلوں سے واپس آئے تو پوری جماعت مضطرب ہو چکی تھی۔ مولانا احتشام الحق تھانوی تحریک ختم نبوت سے اختلاف کی بناء پر ہم سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ (۴۷)

تحریک ختم نبوت کی وجہ سے چونکہ جمعیت علماء اسلام کا تنظیمی ڈھانچہ ختم ہو چکا تھا۔ اور اس کا وجود اب برقرار نہیں رہا تھا۔ لیکن مفتی محمود صاحب نے پھر سے جماعت کے احیاء کی کوششیں شروع کر دیں۔ وہ خود ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں۔

آخر دو سال کی تک و دو کے بعد جب ہم نے ۱۹۵۴ء میں خود کو دوبارہ منظم کیا تو مفتی محمد حسن صاحب (بانی و مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) کو جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا۔ مفتی صاحب بیمار و معذور تھے اس لئے انہوں نے مفتی محمد شفیع صاحب کو قائم مقام صدر نامزد کیا۔ (۴۸)

جماعت کی تنظیم و تشکیل تو کر دی گئی۔ مگر اس کو فعال نہ بنایا جا سکا۔ اور اس کی وجہ بھی مفتی محمود نے بتائی ہے وہ کہتے ہیں۔ ”لیکن قیادت کی کمزوری کی وجہ سے ہم لوگ جواب آگے بڑھ

مکرم کرنا چاہتے تھے ایسا نہ کر سکے۔“ (۴۹)

جماعت ایک دفعہ پھر مشکل کا شکار ہوئی۔ ادھر ملکی حالات کا تقاضا تھا کہ علماء ایک منظم

عظیم میں فعال کردار ادا کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ یہی وہ دن تھے جب ملک کے لئے پہلا دستور مرتب کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ علماء کے لئے دینی ذمہ داریوں سے ایک دقیقہ کے لئے بھی غفلت ملک کو لادینی عناصر کے ہاتھوں میں لے جانے کا باعث بن سکتی تھی۔ ان حالات میں مولانا مفتی محمود نے ایک بار پھر جمعیت علماء اسلام کو منظم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اور اس کے لئے ملک بھر کے دورے کئے۔ اس سلسلے میں مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی لکھتے ہیں۔

”چنانچہ ۱۹۵۶ء میں اسلامی اقدار کے اُجاگر کرنے اور جملہ علمی و اسلامی شخصیات کو ایک پلیٹ پر جمع کرنے کے لئے ملتان میں پہلا کنونشن منعقد کرانے والے مفتی محمود ہی تھے۔“ (۵۰)

مولانا محمد ایوب جان بنوری صاحب، مفتی صاحب کی صوبہ سرحد میں جمعیت کے احیاء کے بارے میں علماء کرام سے ملاقاتوں کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔ ”وہ میرے پاس آئے یہ ۱۹۵۵ء کی بات ہے۔ اور اپنا تعارف کرایا۔ اور آنے کا مقصد بتایا۔“

وہ انہیں کے الفاظ لکھتے ہیں۔

میرا نام محمود ہے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس ہوں۔ افتاء کا کام بھی میرے ذمہ ہے۔ آج کل بزرگوں نے جمعیت کی تنظیم نو کے سلسلے میں مجھے احباب سے ملاقات پر مامور کیا ہے۔ تاکہ انہیں دینی اور قومی کاموں کی انجام دہی کے لئے آمادہ کروں۔ پشاور میں سب سے پہلے آپ کے پاس آیا ہوں۔ اس کے بعد چار سہ جاؤں گا۔ بعد ازاں دوسرے مدارس کا رخ کروں گا۔ آج نماز عشاء کے بعد آپ کے مدرسہ کے طلباء سے

خطاب کا ارادہ ہے کل دوسرے مقامات کے پروگرام ترتیب دوں گا۔ ان تمام کاموں میں مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ (۵۱)

مولانا ایوب جان بنوری صاحب اس سے قبل اس وقت کے جماعت کے حالات اور اس کے احیاء کے بارے میں مفتی محمود صاحب کی جدوجہد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ جس وقت وہ جمعیت کے کام پر مامور ہو کر میرے پاس آئے اس وقت میں یہاں جمعیت کا ناظم اور مولانا گل بادشاہ امیر تھے۔ مفتی محمد حسن صاحب مغربی پاکستان کے امیر تھے۔ جمعیت کا وہ وجود ختم ہو چکا تھا۔ جو مولانا شبیر احمد عثمانی کے دور میں تھا۔ مفتی محمود اب اس دور کو واپس لانا چاہتے تھے ہمارے نزدیک یہ کام مشکل ہی نہیں بظاہر ناممکن بھی تھا۔ لیکن مفتی محمود پر گویا جنون سوار تھا۔ وہ دن رات اسی کام میں مصروف تھے۔ بالآخر مقصد کی لگن انہیں کامیابی سے ہمکنار کر کے رہ گئی۔ (۵۲)

بنوری صاحب مفتی محمود کی شخصیت اور ان میں موجود صلاحیتوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وہ جمعیت میں میرے اور میرے رفقاء کار کے بعد آئے لیکن اپنی صلاحیتوں کی بدولت مجھ سے اور میرے رفقاء سے بہت آگے نکل گئے۔ اتنے آگے کہ جو مقتدی تھے وہ مقتدی بن گئے۔ اور مقتدی کا منصب ان کے لئے خالی کر دیا گیا۔ بلکہ خالی ہو گیا۔ قیادت خود بخود ان کے پاس چلی گئی۔ گویا قیادت کو انہوں نے اختیار نہیں کیا خود قیادت نے ان کا انتخاب کیا۔ منصب کو انہوں نے طلب نہیں کیا خود منصب نے انہیں اپنی حفاظت کے لئے چُن لیا اور قیادت و منصب کے لئے اس کا وجود کا انتخاب واقعی لا جواب تھا۔ (۵۳)

مولانا بنوری صاحب، مفتی صاحب کی قائدانہ صلاحیتوں کا برملا اعتراف اپنے الفاظ میں یوں کرتے ہیں۔

ان کی سیدھی، سادی عام فہم باتوں نے عوام کے دل موہ لئے تھے۔ یہاں روز بروز ان کی مقبولیت بڑھتی رہی اور جو علماء پہلے اس میدان میں انفرادی طور پر کام کرتے تھے وہ مفتی محمود کی قیادت میں اکٹھے ہو کر کام کرنے لگے۔ خوش قسمتی سے یہاں ان کی مانگ کھینچنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ وجہ یہ نہیں کہ کوئی ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا سبب یہ ہے کہ کوئی ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ رقابت کے لئے ضروری ہے کہ رقیب کے پاس لڑنے کے لئے وہی سامان جنگ ہو جو اس کے حریف کے پاس ہے۔ اس نقطہ نظر سے مفتی محمود کی دو حیثیتیں سامنے آتی ہیں۔ علمی اور سیاسی۔ ان دونوں حیثیتوں میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ (۵۴)

۱۹۵۶ء کے جمعیت کے ملتان کنونشن میں جمعیت کی امارت کے عہدے کے لئے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کو مفتی صاحب نے آمادہ کیا اور جمعیت کی تنظیم کا سہرا بھی مفتی محمود کے سر رہا۔ اس بارے میں مولانا عبید اللہ انور لکھتے ہیں۔

یہ ایک طویل بات ہے کہ جمعیت کے انتخابات کیسے ہوئے؟ کون کون سے حضرات عہدیدار بنے؟ لیکن جمعیت کے کام کا آغاز یہیں سے ہوا۔ اور حضرت لاہوری جیسے آدمی کو جمعیت کی امارت قبول کرنے پر مفتی محمود صاحب ہی نے آمادہ کیا۔ اس طرح تنظیم کا یہ سہرا بھی انہیں کے سر پر سجتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ کوشش کر کے حضرت کو آمادہ نہ کرتے تو جمعیت کی تنظیم نہ ہوتی اور نہ جمعیت کا کام آگے بڑھتا۔ تنظیم نو کے کام کو مفتی صاحب نے آگے بڑھانے اور کارکنوں کی نفرتی میں اضافہ کرنے کے لئے شب و روز ایک کر دیئے۔ (۵۵)

جمعیت کی تنظیم و تشکیل نو میں مولانا مفتی محمود کے کردار کے بارے میں مولانا حامد

میاں صاحب بانی و مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور رقمطراز ہیں۔

حضرت مفتی محمود صاحب کا تعلق اکابر جمعیت علماء ہند سے تھا وہ سب حضرات مذکورہ بالا اوصاف کے حامل تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اس جماعت سے تعلق رکھنے والے بزرگ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری مغربی پاکستان کے ”قلب“ لاہور میں تشریف فرما تھے۔ مولانا محمد نعیم لدھیانوی، مولانا عبدالحنان ہزاروی، اسی جمعیت کے پرانے ارکان و عہدہ داران رہ چکے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے ان حضرات کو ملتان میں جمع کیا۔ ان کے ساتھ پورے ملک کے چیدہ چیدہ علماء کو بھی مدعو کیا۔ اراکین جمعیت علماء اسلام (جن کے قائد علامہ شبیر احمد عثمانی رہ چکے تھے) کو بھی مدعو کیا۔ یہ ۱۹۵۶ء کی بات ہے یہ اجلاس حاجی باران خان کی زیر تکمیل کوٹھی میں ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو امیر منتخب کیا گیا۔ اور دیگر عہدہ داران کا بھی انتخاب ہوا۔ اجلاس میں شریک مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کو ناظم منتخب کیا گیا۔ یہ سب کاروائی مفتی محمود صاحب نے کی تھی۔ جو وقت اور ضرورت کے عین مطابق تھی۔ کام کرنے والے سب علماء مجتمع ہو گئے۔ خداوند کریم نے مفتی صاحب کی اس کوشش کو بار آور فرمایا۔ علماء ان حضرات کی سرکردگی میں دینی اور سیاسی خدمات انجام دیتے رہے۔ مفتی صاحب کی اپنی جماعت یہی تھی۔ اور ہے اور ان شاء اللہ رہے گی۔ یہ جماعت ان کی باقیات صالحات میں سے ہے اور ان کے لئے صدقہ جاریہ۔ رحمہ اللہ۔ (۵۶)

اس کنونشن کے لئے استقبالیہ کی تشکیل ہوئی۔ جس کی صدارت حضرت لاہوری نے منظور فرمائی۔ اور نظامت کی ذمہ داری آپ (مفتی محمود) کو سونپی گئی۔ حضرت لاہوری اور آپ کی طرف سے دعوت نامہ جاری ہوا۔ کنونشن ۷، ۸، ۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء مطابق ۲، ۳، ۴ ربیع الاول ۱۳۷۶ء کو ملتان میں منعقد ہوا۔ جس میں مغربی پاکستان کے پانچ سو (۵۰۰) علماء نے شرکت کی۔ امیر حضرت لاہوری، نائب امیر مفتی محمود اور ناظم اعلیٰ حضرت غلام غوث ہزاروی منتخب ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد جمعیت علماء اسلام کے احیاء کے لئے جتنی بار بھی کوششیں ہوئیں۔ ان میں مرکزی کردار مولانا مفتی محمود صاحب کا رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس سے پہلے مرکزی سطح پر آپ نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا ہے۔ مولانا قاضی عبدالکریم آف کلاچی نے اپنے ایک

مضمون میں اس بات کا تذکرہ ہوئے بتایا ہے۔ کہ یہی بات آپ کے جذبہ صادقہ ہونے کی دلیل ہے۔ وہ رقطراز ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ احیاء جمعیت کے بعد داعی ہونے کے باوجود آپ نے سالہا سال تک رسمی طور پر کوئی مرکزی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ صرف گزشتہ سال ہی کے جماعتی انتخاب میں آپ کو مرکزی ناظم اعلیٰ چنا گیا۔ لیکن اپنی خداداد قابلیت، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جذبہ صادقہ اور بسطۃ فی العلم والجسم کے مصداق ہونے کے باعث قوم نے خود بخود آپ کو قائد جمعیت اور مفکر اسلام کی حیثیت سے پہچانا۔ صدر ہر جا کہ نشیند صدر راست۔ (۵۸)

شیخ طریقت، امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب نے مولانا مفتی محمود صاحب کے جو تین اہم کارنامے اپنے ایک مضمون میں ذکر کئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے انہوں نے جمعیت علماء اسلام کے احیاء کے لئے ان کی کوششوں اور تگ و دو کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کو آپ کی عظیم خدمات میں سے شمار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت چلی، تو دوسرے علماء کے ساتھ جیل چلے گئے۔ جیل سے رہا ہوئے تو ایک سال پہلے جس دینی جماعت کو تھوڑا بہت منظم کیا تھا۔ اب اس کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کو اس کا امیر بنا کر اس کے مردہ جسم میں روح ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن وہ اپنی معذوری کی وجہ سے جماعتی اور تنظیمی دورے نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے جماعت زندہ نہ رہ سکی۔ قائم مقام صدر مفتی محمد شفیع صاحب تھے۔ لیکن وہ بھی اپنے وسیع علمی کام کے باعث ملکی دورے نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک مفتی محمود نے جماعتی تنظیم کے لئے ملک گیر دورے کر کے اس تن مردہ میں جان ڈال دی۔ پھر جب ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے ذریعہ تمام جماعتیں کا لعدم قرار پائیں تو ان میں جمعیت بھی شامل تھی۔ میرے نزدیک مفتی صاحب کا سب سے پہلا کارنامہ جمعیت کی تنظیم نو تھی۔ اس میں کوئی شبہ

نہیں کہ یہ کارنامہ تنہا ان کا نہیں تھا دوسرے اکابر علماء کی خدمات بھی اس میں شامل تھیں۔ لیکن مفتی صاحب کی خدمات مجموعی طور پر زیادہ تھیں۔ (۵۹)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے جانشین، حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب نے جمعیت علماء اسلام کی تنظیم کا سہرا مفتی محمود کے سر پر سجنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

حضرت لاہوری جیسے آدمی کو جمعیت کی امارت قبول کرنے پر مفتی محمود ہی نے آمادہ کیا۔

اس طرح تنظیم کا یہ سہرا بھی انہیں کے سر سجتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ کوشش کر کے

حضرت کو آمادہ نہ کرتے تو جمعیت کی تنظیم نو ہوتی اور نہ جمعیت کا کام آگے بڑھتا۔ تنظیم

نو کے کام کو مفتی محمود نے آگے بڑھانے اور کارکنوں کی نفی میں اضافہ کرنے کے لئے

شب و روز ایک کر دیئے۔..... اس سال حضرت پہلی بار حج بیت اللہ کے لئے

تشریف لے گئے۔ جاتے وقت انہوں نے مفتی محمود صاحب کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔

مفتی صاحب کی قائم مقام امیر کے طور پر تقرری گویا ان کی کارکردگی کی سند اور خدمات

کا اعتراف تھا۔ (۶۰)

جمعیت علماء اسلام نے اپنے قیام و تشکیل کے بعد اپنی تمام دینی، مذہبی اور سیاسی

سرگرمیاں ہر دور میں جاری رکھیں۔ ہر قسم کے مشکلات کے باوجود اپنے عظیم رہنماؤں اور مخلص

کارکنوں کی بدولت یہ تنظیم زندہ اور فعال رہی۔ جب جنرل ایوب خان کے دور میں پہلا مارشل لاء،

نافذ ہوا تو بھی جمعیت علماء اسلام کے اکابرین اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہے۔ تمام سیاسی

جماعتوں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندیوں کے باوجود اس جماعت نے ”نظام العلماء“ کے نام

سے اپنا کام اور مشن جاری رکھا۔ بعد کے مارشل لاء ادوار میں بھی جب بھی سیاسی سرگرمیوں پر

پابندی لگی۔ جمعیت نے ”نظام العلماء“ کے نام سے اپنی دینی، مذہبی اور سیاسی ذمہ داریاں

پوری کیں ہیں۔ نظام العلماء کے نام سے جماعت کی تشکیل میں بھی سب سے فعال کردار مفتی

محمود کا رہا ہے۔ گل نایاب خان چترالی لکھتے ہیں۔

۱۹۵۸ء میں جب مارشل لاء لگا تو تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی۔ ان حالات

میں علماء کرام کے پاس اسلامی نظام کے احیاء کی جدوجہد کے لئے کوئی پلیٹ فارم نہ تھا۔

کیونکہ جمعیت علماء اسلام بھی پابندی کی زد میں تھی۔ اس موقع پر (مدرسہ قاسم العلوم

ملتان کے سالانہ جلسہ) پر مولانا مفتی محمود نے ملتان میں علماء کا ایک ملک گیر کنونشن

منعقد کروایا۔ جس میں ”نظام العلماء“ کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی گئی۔

جس کا دستور اور لائحہ عمل بھی مفتی صاحب نے ہی مرتب کیا۔ نظام العلماء نے

سیاسی تعطل اور سکوت کو توڑا اور ملک کی سیاسی فضا میں پہلی گونج پیدا کی۔ (۶۱)

یہی بات ڈاکٹر احمد حسین کمال نے بھی لکھی ہے۔

مئی ۱۹۵۹ء کو اسی مقصد کے تحت جمعیت کے سالانہ اجلاس منعقدہ قاسم العلوم ملتان میں

ایک کنونشن بلایا گیا اور ایک نئی تنظیم ”نظام العلماء“ کے نام سے قائم کی گئی۔ ۲۳

رجون ۱۹۵۹ء مولانا احمد علی لاہوری کی قیادت میں لاہور میں ایک کامیاب کنونشن منعقد

ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری بالاتفاق نظام العلماء کے امیر منتخب ہوئے۔ ناظم

اعلیٰ مولانا ہزاروی کو مقرر کیا گیا۔ اور مولانا مفتی محمود کی سرکردگی میں ایک کمیٹی نے

نظام العلماء کا دستور مرتب کر کے کنونشن کے سامنے پیش کیا۔ جسے بعض ترمیمات کے

ساتھ منظور کر لیا گیا۔ اور اس تنظیم کے منشور کے مطابق علماء نے اپنی سرگرمیاں جاری

رکھیں۔ ((تاریخ جمعیت علماء اسلام) ص ۸۱۔ نکی دار الکتب لاہور]

۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء کو حضرت لاہوری امیر نظام العلماء نے حکومت کی طرف سے پابندی

کی بناء پر مولانا مفتی محمود کو قائم مقام امیر مقرر کیا۔ اور جب ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو

حضرت لاہوری کا انتقال ہوا۔ تو بھی حضرت مفتی صاحب کو نظام العلماء کا قائم مقام امیر

مقرر کیا گیا تا آنکہ ۲۱ مارچ ۱۹۶۲ء کو مرکزی اجلاس منعقدہ لاہور میں حضرت مولانا

محمد عبد اللہ صاحب درخواستی کو امیر مقرر کیا گیا جس کی بعد میں مرکزی مجلس عمومی

سے توثیق حاصل کی گئی۔ ۱۳ جولائی ۱۹۶۲ء کو قومی اسمبلی نے سیاسی جماعتوں کی تشکیل

کا قانون منظور کیا۔ اس فیصلے کے ساتھ ”جمعیت علماء اسلام“ کو دوبارہ فعال کیا گیا۔ حضرت مفتی صاحب نے تمام شاخوں اور تنظیموں کو بحال کیا۔

جمعیت علماء اسلام نے ۳، ۴ اور ۵ مئی ۱۹۶۸ء کو بیرون موچی دروازہ ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی۔ پاکستان بھر سے جمعیت کے کارکنوں نے نہایت پر جوش مگر منظم طریقے سے اس کانفرنس کو مثالی اور معیاری بنایا۔ پانچ ہزار سے زائد علماء نے اس میں شرکت کی۔ آخری دن ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ جس نے لاہور کے سڑکوں پر مارچ کیا۔ کانفرنس کے آخر میں جمعیت علماء اسلام کی مجلس عمومی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں اس کے دستور میں بعض ضروری ترامیم کی منظوری لی گئی۔ اور مرکزی انتخاب عمل میں آیا جس کی رو سے مولانا محمد عبداللہ درخو استی امیر اور مولانا مفتی محمود ناظم عمومی منتخب ہوئے۔ یاد رہے کہ اس سے قبل جمعیت علماء اسلام کی تنظیم اور عہد داران کا انتخاب مغربی پاکستان کی سطح پر ہوتا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ اس کی تنظیم کو مشرقی پاکستان تک وسعت دی گئی۔ اور یہ انتخاب کل پاکستان کی سطح پر ہوا تھا۔

۱۹۵۶ء کا دستور۔ تنقیدات و ترمیمات

ملک خداداد پاکستان کو پہلا دستور / آئین آزادی کے نو سال بعد ۱۹۵۶ء میں ملا۔ اس آئین کے بارے میں حکومتی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ بعض دینی، مذہبی حلقوں سے متعلق افراد اور اداروں نے زور شور سے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ یہ ہر لحاظ سے اسلامی آئین ہے اور دین اسلام کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی ایک شق بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے اس میں ایسی کئی خامیاں تھیں جو قرآن و سنت کی تعلیمات کی روح کے خلاف تھیں۔ اس سلسلے میں جناب اکرام القادری صاحب لکھتے ہیں۔

۱۹۵۶ء میں جب حکومت پاکستان نے ایک آئین تشکیل دے کر اسے پروپیگنڈے کی

پوری قوت کے ساتھ اسلامی آئین مشہور کیا تو علماء اور دینی حلقوں میں اضطراب پیدا

ہو گیا اس لئے کہ ۱۹۵۶ء کا آئین الحاد پرستوں اور لادینی عنصر کے مقابلہ میں اسلام کی فتح تھی۔ لیکن اس میں کچھ ایسی خامیاں رہ گئی تھیں جو قرآن و سنت کی روح کی منافی تھیں۔ اور جس کی وجہ سے ارتداد کا دروازہ کھلنے کا شدید اندیشہ تھا۔ (۶۲)

یہی بات مشہور عالم دین جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نے بھی لکھی ہے۔ ”۱۹۵۶ء کا آئین جب نافذ ہوا تو اسلام کے بعض نام نہاد علمبرداروں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ آئین بالکل اسلام کے مطابق ہے اور اسلام کا مستقبل اب اس آئین کے ساتھ ہی وابستہ ہو گیا ہے۔“ (۶۳)

مولانا محمد اکبر صاحب نے ۱۹۵۶ء کے دستور کو یورپین ممالک کے دساتیر کا چربہ قرار دیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ اس دستور کے ذریعہ بیوروکریسی نے اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔

یہ آئین گورنر جنرل غلام محمد کی قائم کردہ دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ سکندر مرزا نے نافذ کیا تھا۔ گزشتہ آٹھ سال کے بعد یہ پہلا آئین تھا جو نافذ ہوا تھا۔ لیکن بد قسمتی سے اُسے یورپین ممالک کے دساتیر کا چربہ بنا دیا گیا تھا۔ جس کے ذریعہ افسر شاہی نے پاکستان پر اپنا ناجائز تسلط قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس آئین میں اسلام کا ذکر بطور دہپاچے کے کیا گیا تھا۔ جس سے مقصد ارباب اقتدار کا اسلام کے نام پر غیر اسلامی قوانین نافذ کرنے تھے۔ (۶۴)

نعیم آسی نے ”مفتی محمود“ نامی کتاب میں ۱۹۵۶ء کے آئین کو قوم کو اسلام کے نام پر دھوکہ دینے کی کوشش قرار دیا ہے۔ اور اس کو اسلام کے ساتھ تضحیک بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اس دوران میں ۵۶ء کا آئین نافذ ہوا۔ اس دستور کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ”رہنمایان قوم“ کس طرح اسلام کے نام پر قوم کی آنکھوں میں ڈھول جھونکتے رہے۔ اس دستور کی تمہید میں اگرچہ پاکستان کو اسلامی مملکت اور ”قرارداد مقاصد“ کو رہنما اصول کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے مگر ساتھ ہی یہ لکھ کر کہ ”(یہ) تمہید دستور کا

جزو لاینفک نہیں بلکہ محض ایک دیباچہ ہے جس کی کوئی قانونی اہمیت نہیں۔ (۶۵)
اسلام کا مذاق اڑایا گیا۔ (۶۶)

مولانا مفتی محمودؒ نے اپنی ایک تقریر میں جو ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور نے ۱۹۷۰ء میں
”مولانا مفتی محمود نمبر“ میں شائع کیا ہے۔ آپ نے ۵۶ء کے دستور کا جائزہ پیش کیا ہے اور اس پر
تنقید کی ہے۔ اور اس میں اسلام سے متعلق چیدہ چیدہ خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔ آپ کہتے ہیں۔
اس آئین میں اسلام کی کوئی قابل ذکر حیثیت نہیں ہے۔ مسلمان کی تعریف پر یہ آئین
خاموش ہے۔ اسلام کی تعبیر پر اس میں ایسا ایک لفظ نہیں جس سے یہ متعین ہو سکے کہ
پاکستان میں کن نظریات و عقائد پر بنی اسلام غالب ہو گا۔ اسلامی قوانین اور احکام
حرام و حلال کے نفاذ کے بارے میں وہ کوئی مثبت رویہ اختیار نہیں کرتا اب صرف اس
لئے تو اسے اسلامی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس میں چند مقامات پر اسلام کا نام اور اسلام
کے نام سے چند سفارشات آگئی ہیں۔ اسلام کے قیام کے لئے اس میں واضح اور مثبت
ترمیموں کی ضرورت ہے۔ ورنہ بصورت دیگر موجودہ دستور مسلمانوں میں ارتداد کا
دروازہ کھلا رہنے دیتا ہے۔ اور اسلام کے نام سے ان گروہوں کو غالب آنے کا موقع
فراہم کرتا ہے جو محض برطانوی حکومت کی سرپرستی کی وجہ زبردستی مسلمانوں میں
شامل رہے ہیں۔ ورنہ وہ امت کے اجماعی فیصلے کی رو سے اسلام سے خارج ہیں۔ علاوہ
ازیں اس دستور کو مشرقی پاکستان بھی رد کر رہا ہے اور مغربی پاکستان کے چھوٹے علاقوں
کے رہنے والے بھی نیز اس میں نمائندگی اور طریق انتخاب کا مسئلہ بھی واضح نہیں۔ (۶۷)

روزنامہ ”مشرق“ لاہور کے مشہور فیچر نگار جناب ریاض بٹالوی صاحب نے ۱۵ مارچ
۱۹۷۱ء کے شمارہ میں مولانا مفتی محمود صاحب کا ایک تفصیلی انٹرویو شائع کیا ہے۔ جس کے سوال و
جواب سے ۱۹۵۶ء کے آئین میں مولانا مفتی محمود صاحب اور ان کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام

پاکستان کا موقف سامنے آتا ہے۔ اور اس میں ان پر جو اعتراضات اٹھائے جاتے تھے۔ ان کا
حاصل اور تسلی بخش جواب سامنے آیا ہے۔ وہ سوال و جواب یہ ہیں۔

سوال: آپ نے ایک خط میں ۱۹۵۶ء کے آئین کو ”اسلام کی فتح“ قرار دیا تھا۔ اب اس
آئین کی بحالی کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟
جواب: اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ملتان میں جمعیۃ علماء اسلام کا کنونشن بلایا گیا تھا۔ اس کنونشن
کے دعوت نامہ پر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور میں نے صدر استقبالیہ اور ناظم
استقبالیہ کی حیثیت سے دستخط کئے تھے۔ یہ دعوت اس پس منظر میں دی گئی تھی کہ
پاکستان میں گزشتہ نو سال سے آئین کی ترتیب کا مسئلہ الجھا ہوا تھا۔ بعض طاقتور سیاسی
شخصیتیں یہ چاہتی تھیں۔ کہ اس ملک میں لادینی دستور نافذ ہو اور یہ سیکولر اسٹیٹ
بنے۔ اس مطالبے کے جواب میں ہم نے اسلامی دستور کے نفاذ کا نعرہ لگایا۔ ہماری
کوششیں رنگ لائیں اور ملک میں اسلام ہی کے نام سے ایک دستور نافذ ہوا۔ اور مملکت
خدا داد کو جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا نام دیا گیا۔ اس آئین کے نفاذ سے اگرچہ اب ملک
میں ”کفر جہار“ کے نفاذ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی لیکن لادینی طاقتیں اسلام کے نام
سے کفر کو پروان چڑھانے کی سازش کریں گی۔ اور ”کفریات“ پر اسلام کا لیبل چسپاں
کر دیا جائے گا۔ لہذا اس چور دروازے کو بند کرنے کے لئے ہمیں باہم بیٹھ کر کوئی تدبیر
سوچنی چاہیے۔ اس دعوت نامے میں ۱۹۵۶ء کے آئین کے مندرجات پر بحث نہیں کی
گئی تھی صرف آئین کا نام اور مزاج پیش نظر تھا۔ لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ میں نے ۱۹۵۶ء
کے آئین کو اسلام کی فتح قرار دیا تھا۔ میں نے اس کامیابی کو اسلام کی فتح سے تعبیر کیا تھا
جو دستور کے مسئلہ پر سیکولر ازم کے مقابلے میں اسلام کے حامیوں کو حاصل ہوئی
تھی۔ (۶۸)

۱۹۵۶ء کے آئین میں کئی ایسی دفعات تھیں جو علماء کی نظر میں قرآن و سنت کی روح کی
منافی تھیں۔ ان میں ایک دفعہ یہ تھا۔

- (۱) ملک کا ہر باشندہ جو بھی عقیدہ اختیار کرے کر سکتا ہے۔
- (۲) ملک میں ہر باشندہ بلا امتیاز مذہب حکومت کا ہر عہدہ باستثناء صدارت مملکت پر فائز ہو سکے گا۔

پہلے شق میں ارتداد کی کھلی اجازت دی گئی تھی۔ جبکہ دوسرے دفعہ میں وزیراعظم، بشمول دیگر کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کی تقرری کی کھلی اجازت دی گئی تھی۔ لہذا اس صورت حال کے پیش نظر امیر جمعیت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ۲، ۳ دسمبر ۱۹۵۶ء کو جمعیت کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں ۱۹۵۶ء کے دستور سے خلاف اسلام دفعات کو تبدیل کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس کے سربراہ مولانا مفتی محمود تھے۔ دوسرے اراکین میں مولانا شمس الحق افغانی، علامہ خالد محمود تھے جبکہ شیخ حسام الدین قانونی مشیر مقرر کئے گئے۔ چنانچہ اس کمیٹی کا اجلاس مردان میں منعقد ہوا۔ اور ایک مفصل تبصرہ اس پر شائع ہوا۔ (۶۹)

اس سلسلے میں ڈاکٹر احمد حسین کمال نے لکھا ہے۔ ”کمیٹی نے مولانا مفتی محمود کو رپورٹ تیار کرنے کا اختیار دیدیا۔ چنانچہ مفتی صاحب نے ۱۹۵۶ء کے دستور پر ایک فاضلانہ رپورٹ مرتب کی جو کتابی صورت میں ”تنقیدات و ترمیمات“ کے نام سے شائع ہوئی۔“ (۷۰)

مفتی صاحب کی اس رپورٹ کو آپ کی علمی، فکری اور آئینی معلومات کے سوجھ بوجھ کا ایک بہترین اظہار قرار دیا گیا۔ اور مختلف طبقات سے آپ نے اس پر خراج تحسین وصول کیا۔ خواجہ محمد زاہد صاحب لکھتے ہیں کہ ”بہر حال کمیٹی نے دستور میں اسلامی، معاشی اور اقتصادی خامیوں کی نشاندہی کی اور اس پر اپنی تجاویز دیں۔ مفتی صاحب نے اس رپورٹ کی ترتیب و تدوین میں سب سے زیادہ کام کیا تھا۔ لہذا علمی حلقوں میں ان کی علمی، فکری اور سیاسی صلاحیتوں کا ایک اور مظاہرہ ہوا۔“ (۷۱)

ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے۔ ”یہ رپورٹ جمعیت کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس رپورٹ سے ہی مفتی محمود کی شخصیت کے گہرائی اور قائدانہ جوہر کھل کر سامنے آئے ہیں۔“ (۷۲)

جہاد کا نفرنس کا انعقاد

مولانا مفتی محمود، قافلہ شاہ ولی اللہی کے ایک عظیم فرد تھے۔ برصغیر میں ”آزادی ہند“ کے لئے جتنی بھی تحریکیں اٹھیں ان سب سے آپ کا تعلق رہا ہے۔ اپنے اکابرین ”علماء دیوبند“ کے واسطے سے آپ قافلہ حریت کے ایک سپاہی رہے تھے۔ جن کا مقصد برصغیر کی آزادی اور قرآن و سنت کی ترویج و اشاعت تھی۔ شہداء بالا کوٹ اور ان کی عظیم تحریک جہاد کے آپ نہ صرف حامی تھے بلکہ ان کے معتقدین و محبین میں اپنے آپ کو شمار کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

اسی طرح ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس میں حصہ لینے والوں سے آپ کو گہری عقیدت تھی۔ اور اس تحریک کو برصغیر کی آزادی کے لئے سنگ میل قرار دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سو سال مکمل ہونے پر آپ ہی کی تحریک و تجویز پر آپ ہی کے زیر اہتمام جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان نے ان کی یاد میں ایک عظیم الشان کانفرنس ملتان میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب لکھتے ہیں۔ ”مفتی محمود اور ان کے رفقاء کار نے ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ جون ۱۹۵۷ء کو ملتان میں ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت کی یادگار کے طور پر ایک عظیم الشان کانفرنس ”جہاد کا نفرنس“ کے عنوان سے منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔“ (۷۳)

کانفرنس کا مقصد جہاد آزادی کے مجاہدین کو خراج تحسین پیش کرنا اور نوجوان نسل کو ان کی قربانیوں اور فداکاریوں سے روشناس کرانا تھا۔ تاکہ نسل نو کا اپنے اکابرین سے تعلق، نااطہ برقرار رہے۔ اور تاکہ وہ اپنے بزرگوں کے کارناموں پر فخر کر سکیں۔ اور یہ کہ جدید نسل کے

دلوں میں آزادی کی قدر و منزلت کو جاگریں کیا جاسکے۔ کہ آزادی صرف خواہشات اور نعروں سے نہیں ملتی بلکہ جان و مال کی قربانیوں کے جذبے سے قوموں کو دنیا میں باوقار مقام ملتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے اکابرین کے کارنامے لازوال ہیں۔

”فیملی لاز“ کو خلاف اسلام ثابت کرنے کی مساعی

۱۹۵۶ء کا آئین وہ پہلا آئین تھا جو ملک کو دیا گیا۔ یہ آئین ابھی صرف دو سال پورے کر چکا تھا۔ کہ ملکی سیاست میں شدید بحران اور زندگی کے تمام شعبہ جات میں ابتری، اقتصادی زبوں حالی، مہنگائی اور افلاس نے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس میں سب سے بڑا ہاتھ پاکستان کے گورنر جنرل سے صدر مملکت بننے والے سکندر مرزا کا تھا۔ اُس نے ان حالات میں اپنی صدارت کو بچانے اور آئین سے ماوراء اختیارات کے حصول کی خاطر آئینی اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے ۱۹۵۶ء کے آئین کو منسوخ کر دیا۔ اور ملک میں پاکستان کا سب سے پہلا مارشل لاء نافذ کر دیا۔ یوں پاکستان کو سرزمین بے آئین کر کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات سنبھال لئے۔ لیکن وہ اپنے منصوبہ میں ناکام رہا۔ وہ ابھی اپنی گرفت مضبوط نہ کر سکا تھا۔ کہ بری فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان نے اسلحہ کی نوک پر سکندر مرزا سے استعفیٰ لے لیا اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے سربراہ مملکت کے اختیارات بھی خود سنبھال لئے۔ ان کے دورِ اقتدار میں فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ پاکستان میں پارلیمانی نظام ناکام ہو چکا ہے۔ اس لئے آئندہ کے لئے ملک میں صدارتی نظام کے طرز کا آئین بنایا جائے گا۔

۱۷ فروری ۱۹۶۰ء کو جنرل محمد ایوب خان، پاکستان کا صدر بنا۔ دوسرے دن انہوں نے صدر پاکستان کے طور پر حلف اٹھایا۔

دراصل ۵۶ء میں حکومت پاکستان نے ایک کمیشن قائم کیا تھا۔ اور اس کا مقصد یہ قرار دیا تھا کہ قانون رائج الوقت میں عورتوں کو وہ حقوق نہیں دئے گئے ہیں جن سے ان کی بطوریت کا ازالہ ہو سکے۔ اس کمیشن کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ عورتوں کے مسائل کے سلسلہ میں اپنی سفارشات پر مشتمل رپورٹ مرتب کرے۔ بقول مفتی محمود صاحب کے۔

بد قسمتی سے اس کمیشن کے ارکان ایسے نہ تھے جو کتاب و سنت کے براہ راست عالم ہوں یا قرآن و سنت اور ارشادات نبوی ﷺ کے منشاء سے واقف ہوں۔ جو صحابہ کرامؓ اور فقہاء مجتہدین امت کے علوم کے حامل ہوں۔ غرضیکہ اس کمیشن کے سارے اراکین میں سے سوائے ایک مولانا احتشام الحق تھانوی کے کوئی بھی عالم دین نہ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کمیشن نے اپنی رپورٹ حکومت کے سامنے پیش کی تو اس عالم دین رکن نے اس رپورٹ سے اختلاف کرتے ہوئے ایک اختلافی نوٹ لکھا ہوا تھا۔ (۷۴)

عالمی قوانین سے متعلق یہ سفارشات چونکہ قرآن و سنت کے خلاف تھیں اس لئے ملک بھر کے علماء اور دیندار مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کے متعلق مولانا مفتی محمود فرماتے ہیں۔

عوام کے اس ردِ عمل سے اس وقت کے آئینی حکومت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس رپورٹ پر عمل کرنے کے لئے کوئی اقدام کرتی لہذا وہ رپورٹ معرض التواء میں ڈال دی گئی اور اس پر عمل درآمد کرنے کے لئے اس کے بعد بد قسمتی سے ہمارے ملک میں آئینی حکومت ختم ہوئی اور کوئی صورت نہ کی جاسکی۔ (۷۵)

فروری ۶۰ء میں اس کے لئے جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں ایک آئینی کمیشن بنایا گیا جس نے ۶ مئی ۱۹۶۰ء کو اپنی سفارشات حکومت کو پیش کر دیں۔ یکم مارچ ۶۲ء کو مارشل لاء کے خاتمہ کا اعلان کر کے ۱۹۶۲ء کا دستور نافذ کیا گیا۔ اپریل ۶۲ء میں بی۔ ڈی سٹم کے ذریعہ قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ مولانا مفتی محمود نے ڈیرہ اسماعیل خان کی واحد نشست سے اس میں

حصہ لیا۔ اور آپ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ مفتی محمود نے قومی اسمبلی میں عائلی قوانین جس کو محمد ایوب خان کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ایک آرڈیننس کے ذریعہ اس سے پہلے ملک میں نافذ کر دیا تھا۔ اور اب اس کو ۶۲ء کے آئین کا حصہ بنایا گیا تھا۔ آرڈی ننس کی صورت میں نافذ کرنے کے بعد جمعیت علماء اسلام جس نے مارشل لاء کی وجہ سے سیاسی پارٹیوں پر پابندی کی وجہ سے اب اپنا کام نظام العلماء کے نام سے جاری رکھا تھا۔ کے مجلس شوریٰ نے اس آرڈیننس کے ایک ایک دفعہ کا ایک سب کمیٹی کے ذریعہ جائزہ لیا اور ان کو خلاف ”قرآن و سنت“ قرار دیا۔ اس کے ضمن میں مفتی محمود صاحب لکھتے ہیں۔

مجلس شوریٰ نظام العلماء، مغربی پاکستان نے مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے بارے میں تجویز تو پاس کر دی مگر اس آرڈیننس کی دفعات پر علمی روشنی میں تبصرہ کرنے کے لئے جید علماء کی ایک سب کمیٹی مرتب کی۔ جس کے لئے حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم مدرسہ سراج العلوم سرگودھا، حضرت اقدس مولانا سید میرک شاہ صاحب اندرابی شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی خطیب جامع مسجد منڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات، حضرت مولانا قاضی عبد الکریم صاحب مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب سابق مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور کے اسماء گرامی تجویز ہوئے اور ناظم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم ملتان قرار پائے۔ (۷۶)

اس کمیٹی نے جو رپورٹ مرتب کی۔ اس میں فیملی لاز آرڈیننس کے ایک ایک دفعہ کو زیر غور لا کر اس کو قرآن و سنت کے خلاف قرار دیا۔ اور حکومت سے درخواست کی کہ وہ اس کو نافذ کر کے پاکستان کے نو کروڑ مسلمانوں کے جذبات مجروح کر رہی ہے لہذا اس کو فوراً واپس لے۔ اسی رپورٹ میں ہے۔

نظام العلماء مغربی پاکستان کے بیسیوں علماء نے قبل از وقت ان سے درخواست کی کہ ایسی غلطی نو کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر دے گی۔ مگر افسوس کہ انہوں نے کوئی پروا نہ کی اور آج مجلس شوریٰ نظام العلماء مغربی پاکستان کے اکہا سی ارکان اور مندوبین حکومت کی خدمت میں اس کے خلاف تجویز پیش کرنے پر مجبور ہوئے۔ صدر محترم پاکستان کے جاری کردہ آرڈی ننس مسلم فیملی لاز آرڈیننس کی دفعات پر ترتیب وار تبصرہ کر کے یہ اجلاس نہایت نیک نیتی اور خیر خواہی کے جذبات سے ان پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ یہ شریعت کے خلاف ہے اور اس کو منسوخ کرنے ہی میں ہماری سعادت ہے۔ (۷۷)

ایک طرف نظام العلماء مغربی پاکستان نے عائلی قوانین کو خلاف قرآن و سنت ثابت کر کے حکومت وقت سے اس کی منسوخی کا مطالبہ کیا تو دوسری طرف نظام العلماء کی ہدایات پر ان قوانین کے خلاف ملک گیر احتجاجی مہم شروع کر دی گئی۔ رد عمل کے طور پر جون ۱۹۶۱ء امیر نظام العلماء حضرت لاہوریؒ پر حکومت نے چھ ماہ کی پابندی لگادی۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء کو نظام العلماء کے امیر، مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ایک اعلان کے مطابق حکومت کی طرف سے پابندی کی بنا پر مولانا مفتی محمودؒ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ تیسری طرف مولانا مفتی محمود صاحب نے قومی اسمبلی کو ان قوانین کی منسوخی کی تجویز کانوٹس دے دیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں۔

مفتی محمود صاحب نے ۸ مارچ ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں عائلی قوانین کو منسوخ کرانے کی تجویز کانوٹس دیا۔ اور اس مقصد کے لئے ملک بھر میں احتجاجی مہم جاری کی گئی۔ چنانچہ سارے ملک میں بڑے بڑے جلسے جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام منعقد ہوئے۔ صدر، اسپیکر اور ارکان اسمبلی کو محض نامے بھیجے گئے۔ (۷۸)

مفتی محمود صاحب نے قومی اسمبلی کے ایوان میں اپنی عالمانہ اور فاضلانہ تقریر میں عائلی قوانین کے خلاف اسلام دفعات کو قرآن و حدیث اور ائمہ اربعہ اور فقہ جعفریہ کی کتب کے حوالوں سے خلاف اسلام ثابت کیا۔ آپ کی اس تقریر کے بارے میں نعیم آسی رقمطراز ہیں۔

مفتی صاحب نے اس موقع پر ایک معرکہ الآراء تقریر کی جو ایک گھنٹہ دس منٹ تک جاری رہی جس میں اسلام کے عائلی نظام کا ایک ایک گوشہ زیر بحث آیا۔ تمام ایوان اس ایمان افروز تقریر کی زد میں بہہ رہا تھا۔ اس مسئلہ پر حکومت کی شکست یقینی ہو گئی۔ مگر اقتدار کے فرمانبردار ڈپٹی اسپیکر نے کمال ہنرمندی سے کام لے کر راجے شماری کو اگلے وقت پر ڈال دیا۔ (۷۹)

مفتی محمود کی قومی اسمبلی کی اس تقریر سے حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ آیا اور حکومت حد درجہ پریشان ہوئی ایوب خان کی شہرت کو نقصان پہنچا۔ ادھر جمعیت علماء اسلام کے علماء کی اسلامی نظام کے نفاذ کی مخلصانہ جدوجہد کا اعتراف عوام و خواص سب نے کیا۔ نعیم آسی لکھتے ہیں۔

اس دوران حکومت اگرچہ ”ضمیر فروش نمائندگان قوم“ کا ضمیر خرید کر اس ”لعنت“ کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن عوامی سطح پر ایوب خان کی شہرت کو جو نقصان پہنچا۔ خود ایوب خان نے اپنی خود نوشت میں دو جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ (۸۰)

مفتی محمود کا وفاق المدارس العربیہ کے قیام و تنظیم میں کلیدی کردار

دینی مدارس، قرآن و حدیث، فقہ اور دیگر دینی علوم کی اشاعت کے اہم مراکز ہیں۔ نہایت بے سروسامانی، اور مادی اسباب کی کمی کے باوجود ان مدارس نے امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ بہر حال انجام دیا ہے۔ مسلمان بچوں، بچیوں کی تعلیم و تربیت، شرعی و فقہی معاملات میں قوم کی رہنمائی اور دینی شعائر کی حفاظت و نگہداشت یہ ان کے قیام کے مقاصد میں شامل ہیں۔ اور وہ کبھی ان ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہی ہیں۔ کسی حکومتی سرپرستی اور امداد و تعاون کے بغیر

صرف اہل خیر کی مالی مدد سے یہ مدارس تعلیم و تربیت کا فرض ادا کر رہی ہیں۔ ہر دور کے حکمرانوں نے ان مدارس سے خوف محسوس کیا ہے۔ اور اپنے اقتدار کے لئے ان کو خطرہ شمار کیا ہے اور مدارس اور ان کے منتظمین و متعلقین کے لئے مشکلات کا باعث بنے ہیں۔ اس کے علاوہ وقت کے ہنوں اور جدید عصری علوم کی مفید ہونے کی صورت میں تمام مدارس میں یکساں نصاب اور اس میں ضروری رد و بدل بھی لازمی امر بن چکا تھا۔ لیکن ان کا باقاعدہ تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے یہ اپنے دفاع اور اپنے مقاصد میں خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں کر پارہے تھے۔ اب تک ان کے مفادات کی حفاظت اور حکومتی اداروں کی طرف سے مخالفت کا مقابلہ بساط بھر جمعیت علماء اسلام (اور مارشل لاء کی پابندیوں کی صورت میں ”نظام العلماء“) کرتی رہی۔

اب ضرورت تھی کہ ان کو ایک تنظیم میں منظم کیا جائے۔ جس کے لئے درج ذیل اہم مقاصد قرار دیئے گئے۔ بقول مولانا مفتی محمودؒ کے۔

- (ا) یہ وفاق مندرجہ ذیل درجات کے لئے ایک جامع نصاب مرتب کرے گا۔ (۱) ابتدائی (۲) وسطانی (۳) فوقانی (۴) درجہ تکمیل
- (ب) مروجہ نصاب تعلیم میں جدید تقاضوں کے مطابق مناسب و موزوں تصرف کرے گا۔ اور بوقت ضرورت مناسب کتابیں طبع کرائے گا۔
- (ج) یہ وفاق ابتدائی، وسطانی اور فوقانی مدارس میں باہمی اتحاد اور ربط پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور ان میں کامل تنظیم کرے گا۔
- (د) وہ مدارس جو اس وفاق سے الحاق کریں گے۔ ان میں نصاب تعلیم، نظام تعلیم اور امتحانات میں یکجہتی، باقاعدگی اور ہم آہنگی پیدا کریگا۔
- (ه) جدید عصری تقاضوں کے مطابق تعلیمات اسلامیہ کی ترویج و نشر اشاعت کرے گا۔ اور اہم موضوعات پر مستند اور تحقیقی کتابیں، تصنیف و تالیف کرے گا۔

(د) یہ وفاق مدارس دینیہ کے احیاء، بقاء اور ترقی کے لئے صحیح اور موثر ذرائع

اختیار کرے گا۔ (۸۱)

ابتداء میں یہ تنظیم کن مراحل سے گزری اور اس کی تنظیم کو کس طرح مختلف مراحل میں منظم کیا گیا۔ مولانا مفتی محمود صاحب اس سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔

ان مقاصد کے پیش نظر مدارس دینیہ کی شیرازہ بندی اور تنظیم کی ضرورت نہ صرف محسوس کی جا رہی تھی بلکہ ان کی شیرازہ بندی اور تنظیم جدید کو وقت کا اہم مسئلہ تسلیم کیا گیا اور ۲۰ شعبان ۱۳۷۸ھ (یکم مارچ ۱۹۵۹ء) کو خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں مولانا شمس الحق افغانی کی تحریک پر حصول مقصد کی خاطر عملی اقدامات کے لئے ۵ اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ اور مولانا خیر محمد صاحب کی تحریک پر اس کمیٹی کا کنوینر مولانا احتشام الحق تھانوی کو مقرر کیا گیا۔ (۸۲)

مولانا مفتی محمود نے یہ تمام تفصیل اپنے ایک مضمون بعنوان ”وفاق کی ضرورت اور اس کا پس منظر“ میں لکھی ہے۔ جس کو ہفت روزہ ”خدا م الدین“ لاہور نے ج ۶، شمارہ ۳۸ (۲۱) شوال المکرم ۱۳۸۰ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۶۱ء) میں شائع کیا ہے۔ مفتی محمود صاحب مزید رقمطراز ہیں۔

متذکرہ بالا کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی پر عائد ہوئی تھیں۔ انہی کے پیش نظر مولانا نے ۲۲، ۲۳، ۲۴ شوال ۱۳۷۸ھ (مطابق یکم، ۲، ۳ مئی ۱۹۵۹ء) کو دارالعلوم الاسلامیہ (اشرف آباد) ٹنڈوالہار میں مشرقی و مغربی پاکستان کے مشاہیر علماء و صلحاء اُمت کی ایک نمائندہ تعلیمی و تنظیمی کانفرنس منعقد کی اس کانفرنس میں مسلسل دو دن تک ان تمام مسائل پر تبادلہ خیال ہوا۔ جن کا تعلق مدارس دینیہ کے نظم و نسق، درس و تدریس، نصاب و تربیت سے تھا۔

بالآخر یہ اتفاق آراء یہ طے پایا کہ آغاز کار کے لئے حسب ذیل چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائی جائے جس کا نام ”مجلس تنظیم مدارس عربیہ“ ہو۔

(۱) مولانا خیر محمد صاحب جالندھری۔ ملتان (۲) مولانا شمس الحق افغانی۔ پشاور (۳) مولانا احمد علی صاحب۔ لاہور (۴) مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ لاہور (۵) مولانا محمد صادق۔ بہاولپور (۶) مولانا احتشام الحق۔ کراچی۔

اس کمیٹی کا صدر مولانا خیر محمد صاحب کو منتخب کیا گیا۔ اور صدر کو اس بات کا کلی استحقاق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی صوابدید پر کمیٹی کے اراکین کی موجودہ تعداد میں مناسب و موزوں اضافہ کریں۔ (چنانچہ مزید سات اراکین کا اضافہ کیا گیا)۔ (۸۳) مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

ان اراکین پر مشتمل کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۶، ۲۵ مئی ۱۹۵۹ء اور دوسرا اجلاس ۲۵، ۲۴ جون ۱۹۵۹ء کو مدرسہ خیر المدارس ملتان میں منعقد ہوا۔ اور مجلس کے لئے ۱۸، ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء کی تاریخ طے کر دی گئی۔ احقر (مولانا مفتی صاحب) نے ان اجلاسوں میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ بعد ازاں ۱۵، ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۸، ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء تمام مدارس ملحقہ کے نمائندگان کی مجلس شوریٰ بلائی گئی۔ جس میں دستور وفاق کی منظوری کے ساتھ ساتھ تین سال کے لئے عہدیداران کا انتخاب بھی عمل میں لایا گیا۔ حضرت مولانا شمس الحق صاحب کو صدر، حضرت مولانا خیر محمد صاحب ملتان اور حضرت مولانا سید یوسف بنوری کو نائب صدر اور احقر محمود عفا اللہ عنہ کو ناظم منتخب کیا گیا۔ (۸۴)

وفاق المدارس العربیہ کی تشکیل کے بارے میں جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال کی رائے یہ ہے کہ یہ کارنامہ بھی نظام العلماء نے انجام دیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔

ایوبی مارشل لاء کی صورت میں جب سیاسی جماعتوں پر پابندی لگادی گئی تو جمعیت کے اکابرین نے اپنے دینی و مذہبی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے نظام العلماء کے نام سے اپنا کام جاری رکھا۔

آپ مزید لکھتے ہیں۔

ایوب خان کے مارشل لاء کا دور ایسا تھا کہ سیاسی جماعتوں کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگادی گئی جس کی زد میں جمعیت علماء اسلام بھی آگئی۔ اکثر سیاستدانوں کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ چونکہ جمعیت علماء اسلام کا کاربنیادی طور پر اسلام تھا۔ اور اس مقصد کے لئے اسے بہر حال کسی نہ کسی طور پر کام کرنا تھا۔ پرانے حالات کی نسبت نئے حکمرانوں سے اسلام کے بارہ میں زیادہ خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا۔..... چنانچہ اس احساس نے ہی ایک بار پھر ملتان کے علماء کو پاکستان کے موجودہ حالات پر سنجیدگی سے غور کرنے پر آمادہ کیا۔ مئی ۱۹۵۹ء کے اوائل میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ کے موقع پر مفتی محمود کی دعوت و ایماء سے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم سرگودھا کی صدارت میں علماء کا ایک مشاورتی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں طے کیا گیا کہ ”نظام العلماء“ کے نام سے فوراً ایک جماعت تشکیل دی جائے۔ (۸۵)

یہ تو ڈاکٹر کی رائے میں نظام العلماء کی تنظیم کی بات تھی کہ وہ کن حالات میں ہوئی اب آگے وہ وفاق المدارس العربیہ کی تشکیل کی وجہ بتاتے ہیں۔ نظام العلماء کے عہدیداروں کے انتخاب کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی دعوت پر ۲۳ جون ۱۹۵۹ء کو لاہور میں اجلاس طلب کیا گیا۔ اس میں عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ اور مولانا مفتی محمود کی سرکردگی میں ایک کمیٹی نے نظام العلماء کا دستور اجلاس میں پیش کیا۔ بعض ترمیمات کے ساتھ اس کی منظوری دی گئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں۔

”نظام العلماء“ نے دو کاموں کی طرف فوراً توجہ کی ایک تو مدارس دینیہ کو ایک مرکز پر جمع کرنا تاکہ اسلام کے یہ قدیم اور بنیادی قلعے جدید حالات کا شکار نہ بن جائیں اس مقصد کے لئے ”وفاق المدارس“ کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی۔ دوسرے مارشل لاء حکومت پر عوامی دباؤ ڈالنا کہ وہ مجوزہ آئین اسلامی خطوط پر بنائے۔ (۸۶)

”مولانا مفتی محمود صاحب اس کے اولین ناظم اعلیٰ رہے اور مولانا محمد یوسف بنوری کے

انتخاب کے بعد تادم واپس وہ اس کے صدر رہے۔“ (۸۷)

اسی طرح جناب محمد نعیم آسی صاحب نے وفاق المدارس کی تنظیم کو مولانا مفتی محمود کا ہر نامہ بتایا ہے۔ نیز اس نے لکھا ہے کہ وفاق المدارس العربیہ کی تنظیم سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مدارس کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں جو ضعف اور انحطاط آچکا ہے اس کی اصلاح ہو۔ اور اس تنظیم کی طرف سے ابتداء میں مدارس کو ایسی تجاویز دی جائیں کہ وہ نظام اور نصاب دونوں کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر لیں۔ تاکہ طلباء کی ذہنی استعداد کو مزید بڑھایا جاسکے۔ اس سلسلے میں محمد نعیم آسی صاحب لکھتے ہیں۔

انگریزوں نے علماء کا وقار ختم کرنے کے لئے جو چالیں چلیں اور ان سے جو نقصان ہوا وہ ہندوستان کی سیاسی و دینی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ یہ دین مصطفیٰ ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے۔ کہ انگریز کی تمام تر کوششوں کے باوجود بفضلہ تعالیٰ پورے برصغیر میں جا بجا مدرسے اور مسجدیں آج بھی انہی علماء کے دم قدم سے آباد ہیں۔ مگر مدارس دینیہ کے نصاب و نظام تعلیم میں جو ضعف و انحطاط پیدا ہو چکا ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا اور اسکی اصلاح نہ کرنا دلیل دانائی نہیں۔ کوئی دانا و مینا شخص جسے دین کے ساتھ کچھ بھی ہمدردی ہے وہ اس صورت حال کو جوں کا توں رکھنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ مولانا مفتی محمود کو قدرت نے حساس دل اور ہر لحظہ متحرک جسم سے نوازا ہے۔ انہوں نے اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی اور ۱۹۵۸ء میں مغربی پاکستان کے ان تمام مدارس دینیہ کا جن کا فکری رشتہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے وابستہ تھا ملتان میں ایک اجلاس بلایا۔ مغربی پاکستان کے سرکردہ علماء نے مدارس کی اصلاح و ترقی کے لئے ”وفاق المدارس العربیہ“ کے نام سے ایک تنظیم کی داغ بیل ڈالی۔ جسے ایک طرح کی دینی یونیورسٹی کہنا چاہیے۔ مولانا مفتی محمود یوم تاسیس سے اب تک اس کے جنرل سیکرٹری چلے آ رہے ہیں۔ (۸۸)

وفاق المدارس العربیہ کے مقاصد میں یہ بھی تھا کہ دینی مدارس میں پڑھایا جانے والا نصاب اور اس سے متعلقہ کتابیں جو قدیم عرصہ سے زیر تدریس رہی ہیں۔ اور خاص کر حکمت و فلسفہ کی وہ کتابیں جو جدید تحقیق کی رو سے ان کے نظریات کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ان کی تعلیمات اب فرسودہ ہو چکی ہیں۔ اس لحاظ سے درس نظامی کے نصاب میں اصلاح بہت ضروری ہو گئی تھی۔ وفاق المدارس العربیہ نے کافی حد تک اس میں پیش رفت کی ہے۔ اور یہ سب مفتی صاحب کی دلچسپی سے ممکن ہوا ہے۔ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے جناب مولانا محمد مسعود شمیم صاحب لکھتے ہیں کہ

(مفتی محمود نے) مدرسہ صولتیہ کے حالات، تاریخی پس منظر، امتحانات، نصاب تعلیم اور طلبہ کی ذہنی و روحانی تربیت و استعداد کے متعلق بے حد دلچسپی اور تعلق کے ساتھ استفسارات فرمائے۔ خاص طور پر مدرسہ صولتیہ میں نحو، صرف، بلاغت، ادب اور عربی زبان سے متعلق داخل کتب کے متعلق متعدد بار بہت تفصیل سے معلوم کیا اور مجھے حکم دیا کہ یہ سب کتابیں جمع کر کے ان کو دکھاؤں..... اور (انہوں نے) تمام کتابوں کو صاحب فن اور استاد علم کی نظر سے دیکھا۔ بعض کتابوں کے نسخے ساتھ بجانے کے لئے فرمایا مجھے خوب یاد ہے۔ کہ مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہم پاکستان میں وفاق المدارس العربیہ قائم کر رہے ہیں۔ اور اس کے لئے بے حد جامع اور مفید نصاب تعلیم کا مسئلہ زیر غور ہے۔ نحو، صرف، بلاغت، ادب اور عربی زبان کی جو کتابیں مدرسہ صولتیہ میں زیر تدریس ہیں۔ وہ واقعی قابل استفادہ ہیں۔ ہم بھی ان کو نصاب میں لانے کی کوشش کریں گے۔ (۸۹)

مولانا محمد مسعود شمیم صاحب نے یہ لکھا ہے کہ مفتی صاحب کی خواہش تھی کہ فارغ التحصیل طلبہ کو ”اظہار الحق“ کتاب پڑھائی جائے۔ بقول مولانا محمد مسعود شمیم صاحب مفتی صاحب نے اس موقع پر فرمایا۔

عجیب پریشان کن صورت حال ہے کہ ہر جگہ عیسائی مشنری اور مسیحی کارفرمایاں اور پادریوں کا زیر زمین اثر و رسوخ کام کر رہا ہے۔ اگر یہی صورت حال باقی رہی تو نہ معلوم چند سال کے بعد حالات کیا رخ اختیار کر جائیں ایسے حالات میں میری اور میرے رفقاء کی متفقہ رائے ہے۔ کہ وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں فارغ التحصیل طلباء کو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی روح عیسائیت اور ابطل نصرانیت میں عظیم کتاب ”اظہار الحق“ پڑھائی جائے۔ چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ہی منفرد نہیں بلکہ اسلام اور دین کے بنیادی عقائد کا بھی تحفظ و دفاع کرتی ہے۔ جو ان حالات میں بے حد ضروری ہے۔ (۹۰)

مولانا مفتی محمود، وفاق المدارس کے پلیٹ فارم سے ایسی تجاویز پیش کرنا چاہتے تھے کہ عصری درس گاہوں میں دینی علوم کو شامل کیا جائے۔ اس بارے میں مولانا اسفندیار صاحب کراچی نے لکھا ہے۔

اسلامی تعلیمات اور علوم کے فروغ کے لئے ان کی (مولانا مفتی محمود) خوانش تھی کہ عصری درس گاہوں کے نصاب میں ان علوم کو بھی شامل کیا جائے تاکہ قوم کے بچے صحیح معنوں میں مسلمان بن سکیں۔ لیکن دینی درس گاہوں میں وہ عصری تعلیم کے خلاف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دینی مدارس سے محدث، مفسر، مفتی اور خطیب پیدا ہوں۔ اور اس کے لئے انہوں نے کوششیں بھی کیں۔ دینی مدارس کے معیار کو بلند کرنے کے لئے انہوں نے ایک بورڈ ”وفاق المدارس العربیہ“ قائم کیا تھا۔ اور چاہتے تھے کہ ہر مدرسہ اس بورڈ میں شامل ہو جائے۔ اس بورڈ میں اس وقت پانچ سو مدارس ہیں۔

”اس تنظیم کا ایک مقصد یہ بھی تھا۔ کہ تمام رجسٹرڈ مدارس کے طلباء کے لئے اس کی حیثیت ایک امتحانی بورڈ کی ہوگی۔ اس غرض کے لئے وفاق المدارس العربیہ نے ۱۹۶۰ء میں درس نظامی کی سند کا باقاعدہ اجراء کیا۔“ (۹۲)

روزنامہ جنگ کے نمائندہ خصوصی جناب محمود شام کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے مفتی محمود صاحب نے فرمایا۔ ”وفاق میں ۲۰۰ مدارس ہیں پر انٹری حصہ نکال کر نصاب آٹھ سال کا ہے۔ فائنل امتحان کے بعد ”سند الفراغ من العلوم من المدارس العربیة الاسلامیة“ دی جاتی ہے۔“ (۹۳)

پھر مفتی صاحب نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ اس سند کو ایم۔ اے (عربی، اسلامیات) کے مساوی قرار دینے کے لئے حکومت سے رابطے شروع کئے۔ قومی اسمبلی میں قرارداد کی صورت میں اس مسئلہ کو زیر بحث لائے۔ وہ خود اسی انٹرویو میں تفصیل سے بتاتے ہیں۔

وفاق المدارس کی سند کو یونیورسٹی کے ایم۔ اے عربی اور اسلامیات کا درجہ دیا جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ ہمارے مدارس کے فاضل عربی اور اسلامیات، یونیورسٹی کے ایم۔ اے عربی یا اسلامیات سے زیادہ لائق وفاق ہوتا ہے۔ اور وہ کامیاب مدرس کی حیثیت سے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ تو اس سند کو کیوں نہ ایم۔ اے کا درجہ دیا جائے۔ (۹۴)

مفتی صاحب بتا رہے تھے۔

ہم نے قومی اسمبلی میں یہ قرارداد پیش کی کہ وفاق کے فارغ افراد کو ایم۔ اے کا درجہ دیا جائے۔ ایک سال تک یہ قرارداد چلتی رہی مختلف رپورٹیں مانگی گئیں۔ یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں نے بھی رپورٹ دی۔ اب یہ سفارش کی گئی کہ ایسی صورت میں بی۔ اے انگریزی مضامین پاس کرنا ضروری ہونے چاہئیں۔ (۹۵)

مفتی صاحب اور قومی اسمبلی کے دیگر جماعتی ممبروں کی کاوشیں بہت بعد جنرل

ضیاء الحق کے دور میں کامیاب ہوئیں۔ اور اس وقت کے ایک قومی و سرکاری ادارے ”یونیورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان“ نے باقاعدہ اس کانوفیکیشن جاری کیا اور دینی مدارس کے اسناد کو ”شہادۃ العالمیة“ کا نام دے کر وفاق المدارس العربیہ سمیت دینی مدارس کے مختلف مسالک

معلق امتحانی بورڈ سے جاری اسناد کو ایم۔ اے عربی و اسلامیات کے مساوی قرار دیا۔ عربی و اسلامیات کی ٹیچنگ کے لئے اور اس میں ایم۔ فل، پی ایچ۔ ڈی کے لئے تو کسی اضافی تعلیمی قابلیت شرط نہیں لگائی مگر دیگر اداروں اور مضامین میں ملازمت کے لئے بی۔ اے کے دواؤڈیشنل مضامین کے پاس کرنے کو لازمی قرار دیا گیا۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں جب مدارس کو سرکاری تحویل میں لئے جانے کی باتیں شروع ہوئیں۔ تو اس کی مزاحمت بھی وفاق المدارس کے ایک فارم سے ہوئی۔ اور مفتی صاحب نے ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ کی حیثیت سے دیگر چنانچہ کو ایک تنظیم میں شامل ہونے اور اور حکومتی کوششوں کے خلاف مزاحمت کی دعوت دی۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور نے مفتی صاحب کے ایک پریس کانفرنس کے حوالہ سے لکھا ہے۔ ”چنانچہ اتحاد المدارس العربیہ کے نام سے ایک تنظیم قائم کر دی گئی تھی جس میں یوہندی، بریلوی، اہل حدیث مسالک کے مہتمم اور ذمہ دار لوگ موجود تھے انہوں نے ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت کو متنبہ کیا تھا کہ اگر ایسی کوئی کوشش کی گئی تو اس کی مزاحمت کی جائے گی۔“ (۹۶) اور اپنے طور پر بھی آپ نے حکومتی ذمہ داروں سے بات کی۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ اسی موضوع پر وزیراعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو سے بھی ملے۔ اور جب تک ان سے یہ یقین ملنے نہ حاصل نہ کر لی۔ کہ حکومت کا کوئی ایسا ارادہ پروگرام نہیں ہے۔ کہ وہ دینی مدارس کو حکومتی تحویل میں لے لے مفتی صاحب چین سے نہیں بیٹھے۔“ (۹۷)

تحفظ دینی مدارس کے سلسلے میں مشہور اہل حدیث عالم مولانا معین الدین لکھوی، مفتی صاحب کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

دینی مدارس کو حکومت کی دستبرد سے بچانے کے لئے اس تحریک کے بانی مفتی صاحب مرحوم ہی تھے۔ اور ہم ان کے دست و بازو اور رفقاء کار۔ چنانچہ حکومت کو اپنا ارادہ

تبدیل کرنا پڑا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مفتی صاحب مرحوم کی پوری ملت کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی جو کامیاب رہی اور صیانت و حفاظت علم کا مبارک کارنامہ مفتی محمود مرحوم کے ہاتھوں انجام پایا۔ (۹۸)

دینی مدارس کو ایک ملک گیر تنظیم کی صورت میں منظم کرنا۔ امتحانات کا ایک باقاعدہ اور یکساں نظم قائم کرنا، دینی مدارس کے نظام و نصاب میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اضافہ و ترمیم اور حکومتی دستبرد سے مدارس کی حفاظت یہ سب مفتی صاحب کے عظیم کارنامے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا قاضی عبدالکریم صاحب آف کلاچی آپ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ملک میں اپنی نوعیت کی واحد تنظیم وفاق المدارس العربیہ کی نظامت غلیا کے لئے آپ کا انتخاب اور اسی عہدہ پر سالہا سال تک برقراری اکابر علماء پاکستان کی جانب سے آپ کی تنظیمی اور تعلیمی صلاحیتوں کا کھلا اعتراف ہے۔ سالہا سال تک آزاد عربی مدارس کا اخلاقی ربط و ضبط حتیٰ کہ دورہ حدیث میں یونیورسٹی کے طرز پر امتحانات کی یگانگت جو کہ آزاد عربی مدارس کی تاریخ میں ایک عجوبہ روزگار سے کم نہیں۔ یقیناً آپ کی علمی اور انتظامی استعداد کا ایک شاہکار ہے۔ مرکزی درسگاہوں اور اکابر علماء کے تعاون کے بغیر بلاشبہ یہ اہم کام انجام نہیں پاسکتا تھا۔ لیکن مختلف المسالک اکابرین کا اعتماد حاصل کر لینا یقیناً ایک ایسی خوش نصیبی ہے جس پر مفتی صاحب کو ناز کرنے کا حق ہے۔ (۹۹)

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین انتظامی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ نے اس تنظیم کو بڑی حد تک ملکی سطح پر منظم کیا۔ ہزاروں مدارس کو اس کا رکن بنایا۔ درس نظامی کے نصاب میں جدید عصری علوم کو جگہ دی۔ امتحانی نظام کو کافی حد تک شفاف بنایا۔ مدارس کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ وفاق قتا ایسی حکومتی کوششوں کے لئے دیگر مدارس کے وفاقوں کو بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے حکومتی کوششوں کے خلاف مزاحمت میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

بہ وہ مدارس حکومتوں کی مداخلت سے محفوظ ہیں۔ اور اللہ کرے کہ وہ محفوظ رہ کر دینی علوم دینی شعائر کی حفاظت کی خدمات انجام دیتی رہیں۔ آمین

البحوث الاسلامیہ جامعہ ازہر مصر کے اجلاسوں میں شرکت

مولانا مفتی محمود، ایک عالمگیر علمی شہرت کے مالک تھے۔ آپ کی دینی، علمی خدمات ایک عالم کو متاثر کر دیا تھا۔ اور آپ کی حق گوئی و بے باکی نے علمی دنیا کو بہت حد تک معتقد بنا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۶۴ء میں پہلی بار حکومت مصر کی دعوت پر آپ دیگر دو عالم ساتھیوں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کے ہمراہ مصر تشریف لے گئے۔ اور وہاں اجلاسوں میں بحث مباحثہ میں حصہ لیکر مفتی صاحب اور آپ کے ساتھیوں نے ماحمد گی کا حق ادا کر دیا۔

محمد نعیم آسی لکھتا ہے۔

اس اجتماع میں مختلف موضوعات و مباحث پر تحقیقی مقالے پڑھے گئے۔ اور ان مقالوں پر پوری آزادی سے جرح و تنقید اور بحث و تشریح کا سب ارکان کو موقع دیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ”موجودہ دور میں کن وجوہات کے باعث اسلام کی اشاعت کمزور پڑ گئی ہے“۔ ایک مغرب زدہ سوڈانی عالم نے اس کا جواب دیتے ہوئے اپنے مقالے میں دو وجہیں بیان کیں۔

(۱) اسلام نے غلامی کو جائز رکھا ہے جس کے وجہ سے دنیائے کفر کو اسلام سے عداوت اور نفرت پیدا ہو چکی ہے۔

(۲) اسلام تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے اس کے باعث بھی یورپ اسلام سے بدظن ہو گیا ہے۔

سوڈانی عالم کے بیان کردہ نام نہاد وجوہ کے رد کا شرف پاکستانی علماء کو حاصل ہوا۔ مولانا مفتی محمود نے تعدد ازواج اور مولانا غلام غوث ہزاروی نے غلامی والے حصہ پر بحث کی۔ ان دنوں علماء نے جس طرح وہاں اسلام کا حق نمائندگی ادا کیا علماء اسلام آج تک اس کو یاد کرتے ہیں۔ (۱۰۰)

یہ کانفرنس اٹھارہ دن تک جاری رہی۔

مولانا مفتی محمود کے مصر کے اس پہلے دورہ کے بارے میں ڈاکٹر احمد حسین کمال نے جو تاثرات بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

جنوری ۱۹۶۳ء میں جامعہ ازہر کے ریکٹر کی طرف سے مولانا غلام غوث ہزاری اور حضرت مولانا مفتی محمود کو ازہر میں قائم ہونے والے ایک جدید اسلامی شعبہ کی تقریبات میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی۔ ۵ مارچ کو یہ دونوں حضرات اور ان کے ساتھ مولانا محمد یوسف بنوری، قاہرہ تشریف لے گئے۔ اس دورہ میں مشرقی پاکستان کے مولانا تاج الاسلام بھی شریک تھے۔ مصر و حجاز کے اس دورہ نے جمعیت علماء اسلام کی آواز کو پاکستان سے باہر ملکوں تک پہنچایا۔ قائدین جمعیت کے اس دورہ کے اثرات بہت دور رس اور گہرے نکلے اور مستقبل کے واقعات پر اس کا اچھا اثر پڑا۔ بالخصوص عرب ملکوں کی پالیسی پاکستان کے بارے میں تبدیل ہونے لگی۔ جس میں اب تک پاکستان کی حکومتیں اور سیاسی پارٹیاں ناکام رہی تھیں۔ (۱۰۱)

مولانا مفتی محمود کا مصر کا دوسرا دورہ بھی مجمع البحوث الاسلامیہ کے اجلاسوں میں اور

اس کے بحث و مباحثہ میں شرکت کے پروگرام کے تحت ہوا۔ اس دورہ کی دعوت بھی حکومت مصر نے دی تھی۔ ڈاکٹر احمد حسین کمال، مفتی صاحب کے مصر کے دورہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

حکومت مصر کے زیر اہتمام جامعہ ازہر قاہرہ نے علماء اسلام کی ایک بین الاقوامی کانفرنس بلائی جس کے انعقاد کی تاریخیں مئی ۱۹۶۵ء میں مقرر کی گئی تھیں۔ اس کانفرنس میں حصہ لینے کی دعوت حضرت مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاری کو بھی

موصول ہوئی۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اس دعوت پر قاہرہ تشریف لے گئے۔ دنیا بھر کے جید علماء کرام کے درمیان وقت کے دینی، سیاسی اور سماجی مسائل پر اسلامی نقطہ نگاہ، تبادلہ خیال کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ علماء کے اتنے اہم اجتماع میں مولانا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاری نے جن افکار اور خیالات کا اظہار کیا۔ اس سے پاکستان اور پاکستان کے علماء کا عرب علماء کی نظروں میں بہت زیادہ وقار بڑھ گیا۔ جمعیت کے دونوں قائدین کانفرنس کی مصروفیتوں سے فارغ ہو کر دیار حبیب کی زیارت کے لئے گئے۔ اور جون ۱۹۶۵ء میں یہ دونوں حضرات وطن واپس تشریف لے آئے۔ (۱۰۲)

مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری سالانہ کانفرنس کی وہ قرارداد جو ”خاندانی منصوبہ

ہندی“ کے خلاف پاس ہوئی اور جس کے پیش کرنے میں مولانا مفتی محمود نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کو ”ترجمان اسلام“ نے نقل کیا ہے۔ اس قرارداد کی چالیس ملکوں کے سو سے زائد علماء نے اتفاق رائے منظوری دی تھی۔ قرارداد کے الفاظ یہ ہیں۔

ان الاسلام رغب فی زیادة النسل تقوی الأمة الاسلامیة اجتماعیا واقتصادیا و حربیا و تزیدھا عزة و منعة لا یصح شرعا وضع قوانین تجبر الناس علی تحدید النسل بأی وجه من الوجوه (۱۰۳)

ترجمہ: یعنی اسلام نے اولاد و نسل کی زیادتی اور کثرت کی ترغیب دی ہے کیونکہ کثرت نسلی سے امت اسلامیہ اجتماعی، اقتصادی اور جنگی لحاظ سے مضبوط ہوگی۔ اور اس کی عزت و وقار میں اضافہ ہوگا۔ ایسے قوانین بنانا شرعی طور پر صحیح نہیں جس میں لوگوں کو برتھ کنٹرول پر کسی نہ کسی طرح سے مجبور کیا جائے۔

تیسری دفعہ آپ نے ۱۹۶۶ء میں مصر کا دورہ کیا۔ ترجمان اسلام میں ہے۔

قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حکومت مصر کی دعوت پر ۲۹ ستمبر ۱۹۶۶ء کو قاہرہ تشریف لے گئے آپ وہاں مجمع البحوث الاسلامیہ کے سالانہ اجلاس اور دوسری تقریبات میں شرکت فرمائیے۔ جامعہ

ازہر کے اساتذہ اور دوسرے شیوخ سے بھی موجودہ زمانہ میں نئے پیدا شدہ اسلامی مسائل کے بارہ میں بات چیت کریں گے۔ (۱۰۴)

مفتی صاحب مصر کے چوتھے دورہ پر جولائی ۱۹۷۱ء میں گئے۔ وہاں پر آپ نے جامعہ ازہر کے زیر اہتمام اجلاسوں میں شرکت کی۔ مصر کی آزادی کی سال گرہ میں مصری حکومت کی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے۔ اور اسکندریہ میں وزیر اوقاف حکومت مصر کی دعوت پر ۷۳ ملکوں کے طلبہ سے خطاب کیا۔ لیبیا بھی گئے۔ اور سعودی عرب میں دس دن قیام کیا۔ آپ کے چوتھے دورہ مصر کے بارے میں جناب محمود شام صاحب لکھتے ہیں۔

۱۲ جولائی ۱۹۷۱ء کو مصری حکومت کی دعوت پر قاہرہ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے خرچ پر لیبیا اور سعودی عرب کا دورہ کیا اور عمرہ بھی ادا کیا۔

مفتی صاحب کی وہاں کیا مصروفیات رہیں۔ اس کے بارے میں محمود شام صاحب رقمطراز ہیں۔

اس دورہ کی دعوت انہیں جامعہ ازہر کی سپریم کونسل برائے اسلامی امور کے ڈائریکٹر نے دی تھی۔ وہ ۱۲ جولائی ۱۹۷۱ء کو قاہرہ پہنچے۔ مصر میں وہ اٹھارہ روز رہے۔ جب مصر اپنی آزادی کی سالگرہ منا رہا تھا۔ یوم آزادی کی تقریب میں دونوں حضرات (مولانا مفتی محمود، مولانا ہزاروی) کو خصوصی دعوت دی گئی۔ صدر سادات نے اڑھائی گھنٹے تک ایک نہایت اہم اور تاریخی تقریر کی۔ مفتی صاحب نے بتایا کہ قاہرہ میں مختلف علاقوں اور بہت کچھ دیکھنے کے بعد وہ اسکندریہ گئے۔ جہاں وزیر اوقاف ڈاکٹر توفیق عویض کی صدارت میں مصر میں زیر تعلیم ۷۳ ملکوں کے طلبہ کا اجتماع منعقد ہو رہا تھا۔ اس اجتماع میں مفتی صاحب کو بھی تقریر کی دعوت دی گئی۔ ایک ہفتہ لیبیا میں قیام کیا۔ سعودی عرب میں انہوں نے دس روز تک قیام کیا۔ (۱۰۵)

۱۹۷۱ء کا سال پاکستان کی تاریخ کا بہت ہنگامہ خیز سال تھا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے بعد ملکی صورت حال بہت پیچیدہ ہو چکی تھی۔ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے رجحانات کافی حد تک اثر

زیر ہو چکے تھے۔ وہاں کے سیاسی رہنما مغربی پاکستان کے زیادتیوں کو بہانہ بنا کر علیحدگی کی تحریک چاہ رہے تھے۔ انڈیا کی حکومت ان کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ اور وہ پاکستان کو کمزور کرنے کے ارادے تھے۔ اس اعتبار سے یہ سال پاکستان اور پاکستانیوں کے لئے بہت ہی کٹھن تھا۔ باہر کی دنیا میں عموماً اور مسلمان ممالک میں خصوصاً اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ ان کو اصلی صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔ مفتی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے حب الوطنی کے جذبہ کے تحت مصر اور لیبیا کے علاوہ دیگر ممالک کا دورہ بھی کیا۔ اس سلسلے میں جناب محمود شام صاحب رقمطراز ہیں۔

۱۲ جولائی ۱۹۷۱ء کو مولانا مفتی محمود جمعیت علماء اسلام کی طرف سے دور کئی وفد لے کر

مشرق وسطیٰ کے دورہ پر گئے۔ وفد میں مولانا مفتی محمود کے علاوہ مولانا غلام غوث

ہزاروی اور حاجی غلام محمد شامل تھے۔ حکومت کی طرف سے اس وفد کو کوئی سہولت

مہیا نہیں کی گئی۔ اس وفد کا مقصد بھارتی پروپیگنڈے کا جواب، مشرقی پاکستان کی صحیح

صورت حال کا بیان اور مسلم ممالک کے اتحاد کی کوشش تھا۔ اس پروگرام میں مصر،

لیبیا، سوڈان، شام، لبنان، سعودی عرب اور کویت کا دورہ شامل تھا۔ اس وفد نے

عربوں کو مشرقی پاکستان کی صحیح صورت حال سے آگاہ کیا۔ (۱۰۶)

مولانا مفتی محمود صاحب ایک جتید عالم دین کے ساتھ ساتھ ایک بال بصیرت سیاست دان

بھی تھے۔ عرب دنیا سے تعلقات کو آپ نے وہاں دینی خیالات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ اور

پاکستان کے بارے میں ہندوستان کے زور دار پروپیگنڈے کی وجہ سے وہاں جو منفی تاثر پایا جاتا تھا۔

اس کے اثرات کو مٹانے اور پاکستان کے تشخص کو اجاگر کرنے کی بساط بھر کوشش کی۔

ڈاکٹر فضل الرحمن کے گمراہ کن نظریات کی مخالفت میں قائدانہ کردار

مولانا مفتی محمود کی ساری تگ و دو اور جدوجہد کے بارے میں مولانا زاہد الراشدی جو

تجزیہ کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

مولانا مفتی محمود کی جدوجہد میں سب سے نمایاں اور روشن پہلو ان کی دینی حمیت و غیرت ہے کیونکہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان، جید عالم دین اور اکابر علماء دیوبند کی فکری و عملی وراثت کا امین ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اسلام کی سر بلندی، پاکستان میں اسلامی نظام کی عملداری اور غیر اسلامی قوانین، روایات اور اقدار کی بچ کئی رہا۔ ان کی عمر بھر کی محنت اور تگ و دو کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ انہوں نے پاکستان میں مروجہ فرنگی قوانین کی تفسیح اور اسلامی قوانین کی عملداری کی جدوجہد میں جمعیۃ علماء اسلام متحدہ جمہوری محاذ، پاکستان قومی اتحاد اور نظام العلماء، پاکستان کے پلیٹ فارم پر قائدانہ کردار ادا کیا۔ (۱۰۷)

مولانا مفتی محمود کی زندگی کی تمام جدوجہد اور تگ و تاز کا اگر تفصیل کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو مولانا زاہد الراشدی صاحب کا تجزیہ بالکل حقیقت ہے۔ مفتی صاحب نے اپنی دینی غیرت و حمیت کا مظاہرہ بار بار کیا ہے خاص کر جناب محمد ایوب خان صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی صدارت کے دور میں اور اسکے قائم کردہ اداروں کی طرف سے غیر اسلامی قوانین کے اجراء کی کوششوں کی مخالفت میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ اور اس وقت تک نہ خود چین سے بیٹھے اور نہ ہی حکومت وقت کو چین سے بیٹھنے دیا۔ جب تک حکومت کے تمام مخالف اسلام منصوبوں کو خاک میں نہیں ملایا۔ جب دور ایوبی میں ”عاکلی قوانین“ کا نفاذ کر دیا گیا۔ تو مفتی صاحب نے اسمبلی کے فلور پر چاروں ائمہ اور فقہ جعفریہ کی رو سے ان کے کتابوں کے حوالہ دے دے کر خلاف اسلام ثابت کیا۔ عوامی اجتماعات میں بھی اس کی بھرپور مخالفت کی۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ مولانا عبد القادر آزاد نے لکھا ہے۔

۱۹۶۶ء میں ”جشنِ مستر آن“ کے نام سے وزارت قانون حکومت پاکستان نے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ جس میں اس دور کے سینئر وزیر خواجہ شہاب الدین نے اسلامی اقدار کے خلاف ایک ”ترقی پسندانہ“ تقریر کی اس وقت ملک میں ایوب

خان کے بعد وہ دوسرا درجہ رکھتے تھے۔ مفتی محمود نے ان کو اس تقریب میں آڑے ہاتھوں لیا۔ ان کی تقریر کے خلاف اتنی مؤثر اور بلا دینے والی تقریر کی کہ ان کو سٹیج پر اپنے الفاظ واپس لینے پڑے۔ وہ علم کے فنی اور استدلال کے دینی انسان تھے۔ ان اوصاف کے ساتھ ساتھ جرأت اور استقلال کی نعمت سے بھی مالا مال تھے۔ اس لئے جہاں دلائل اور جرأت کا معرکہ ہوتا وہاں وہ سب سے پہلی صف میں نظر آتے۔ اور معرکہ کے بعد دیکھا جاتا تو وہ فاتح نظر آتے۔ (۱۰۸)

جناب محمد ایوب خان کے دور صدارت میں اسلام اور اس کی تعلیمات و احکامات کو نئے سانچے میں ڈھالنے کے لئے جو اقدامات کئے گئے۔ ان میں ایک ایسے ادارہ کا قیام بھی تھا۔ جس کے ذریعہ سے یہ مذموم مقصد پورا ہو۔ اس کے لئے انہوں نے ”ادارہ تحقیقات اسلامیہ“ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اور دوسرا اقدام یہ کیا کہ اس ادارہ کی سرپرستی ایسے شخص کی سپرد کر دی جو ان کے ناپاک عزائم کی تکمیل ان کی خواہش کے مطابق کر سکتا تھا۔ اس نے دین کے مسلمہ اصولوں اور متفقہ مسائل کو جس طرح متنازعہ بنانے کی کوشش کی۔ اس سے متعلق مولانا سعید الرحمن علوی رقمطراز ہیں۔

قیام ملک کے بعد برسرِ اقتدار طبقہ نے جس طرح اپنی نوازشات سے اسلام کو نوازا ہے۔ وہ اس نظریاتی مملکت کے بسنے والے مسلمانوں کے لئے ایک المیہ سے کم نہیں ہے۔ لیکن انقلابی حکومت (دور ایوبی) نے توحہ کر دی اور رسی سہی کسر پوری کر ڈالی۔ اس حکومت نے جہاں دیگر ”کارہائے نمایاں“ سرانجام دئے وہاں اس کا ایک بہت بڑا کارنامہ ”اسلامی تحقیقاتی ادارہ“ کا قیام ہے۔ اس ادارہ کا مقصد یہ ظاہر کیا گیا کہ نئے تقاضوں کے پیش نظر اسلام کو ڈھالا جائے گا۔ گو خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ اس دارے کی سرپرستی جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کے سپرد کی گئی۔ موصوف اپنے زمانہ تعلیم سے ہی مذہب کے متعلق اچھے نظریات نہ رکھتے تھے۔ آخر یہودی اساتذہ کے منظور نظر ہو گئے۔ وہ انہیں بیردن ملک لے گئے پوری طرح تیار کر کے واپس بھیج دیا۔ واپسی پر

حکمرانوں کے ”زمرہ خواص“ میں شامل ہو گئے۔ اب وہ آئے دن ملت اسلامیہ کے نازک مذہبی جذبات سے اس طرح کھیلتے رہتے ہیں کہ توبہ بھلی۔ شراب و سود کی حلت، ایک مرد کے مقابلہ میں ایک عورت کی شہادت کا جواز، زکوٰۃ عبادت نہیں ٹیکس ہے۔ معراج افسانہ ہے۔ مشینی ذبیحہ کا جواز۔ وقس علیٰ ہذا۔ (۱۰۹)

”ادارہ تحقیقات اسلامی“ کے کیا عزائم تھے۔ ان میں بعض کا ذکر تو جناب علوی صاحب نے کر دیا ہے۔ ان کے دیگر خلاف اسلام عزائم کے بارے میں جناب عبدالکریم عابد تحریر کرتے ہیں۔ کہ

اس وقت حکومت اسلام کا ایک ”ماڈرن ایڈیشن“ تیار کرنے کی کوشش میں تھی۔ اور اس سلسلے میں ایک ”ادارہ تحقیقات اسلامی“ قائم کیا گیا تھا۔ اور ڈاکٹر فضل الرحمن کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ”ادارہ تحقیقات اسلامی“ نے سود کے جواز میں ۵۲ صفحات پر مشتمل کتابچہ شائع کیا۔ اور یہ فتویٰ جاری کیا کہ مشینی آلات کے ذریعہ ذبح کئے جانے والے جانور حلال ہیں۔ اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور ذبیحہ کسی مسلم یا غیر مسلم کا ہو جائز ہے۔ اس ادارہ نے رسالت، نبوت امامت، خلافت، اجتہاد، استنباط اور نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، کے بارے میں نئے فتویٰ جاری کئے۔ اور نیا اسلام پیش کیا جس میں کہا گیا تھا۔ کہ قرآن میں صرف تین وقت کی نماز کا ذکر ہے۔ باقی دو وقت کی نمازیں بعد میں شامل کی گئی ہیں۔ اور زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے عبادت نہیں۔ (۱۱۰)

اپنے مذہب و عزائم کی تکمیل کے لئے ڈاکٹر فضل الرحمن نے ”ادارہ تحقیقات اسلامی“ کے زیر اہتمام ایک ”بین الاقوامی کانفرنس“ ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ فروری ۱۹۶۸ء کو راولپنڈی کے ”انٹرنیشنل ہوٹل“ میں طلب کی۔ جس میں مصر، شام، فلسطین، سوڈان، تیونس، یمن، ایران اور تاشقند کے علماء تشریف لائے تھے۔ پاکستان کے علماء میں سے مولانا شمس الحق افغانی، مولانا مفتی محمود، مولانا مفتی محمد شفیع کراچی اور مولانا محمد یوسف بنوری مدعو تھے۔ اس کانفرنس کی مکمل

کارروائی کے بارے میں جناب مولانا سعید الرحمن علوی نے ایک مضمون لکھا ہے۔ اور مولانا محمد تقی مہنی صاحب نے اس اجلاس کی مکمل روداد لکھی ہے۔ جو محرم الحرام ۱۳۸۸ھ کے ”البلاغ“ کے شمارہ میں چھپی ہے۔ مولانا سعید الرحمن علوی کا مضمون ”ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور“ میں شائع ہوا ہے۔ علوی کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے۔

بحث و مباحثہ کے باضابطہ اجلاسوں میں سے پہلا اجلاس اسی دن ۱۰ فروری (شام ۶ بجے سے ۸:۳۰ بجے تک ہوٹل کے ہال میں ہوا۔ صدر اجلاس مفتی اعظم فلسطین تھے۔ نائب صدر ایس اے رحمان نامزد چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان اور ڈاکٹر حسین نصرانی تھے۔ اس اجلاس کا موضوع تھا ”اسلام میں عقل کا مقام“۔ جعفر شاہ پھلواڑی کی شخصیت سے کون ناواقف ہے۔ مقالہ پڑھتے ہوئے انہوں نے حدود و قیود سے بے نیاز ہو کر سب کچھ کہہ دیا۔ انتہایہ کہ انہوں نے کہا کہ جب حضرت عمرؓ بنی اسرائیل کے فیصلے بدل سکتے ہیں تو ہم ان کے کیوں نہیں بدل سکتے؟ اس پر ہنگامہ ہوا۔ مولانا بنوری اور مولانا مفتی محمود نے مقالہ خواں کو ٹوکا۔ پیچھے سے کسی صاحب نے ان حضرات کو ٹوکا۔ تو مفتی محمود صاحب نے فرمایا ہم صدر اجلاس سے مخاطب ہیں۔ ان حضرات نے اصرار کیا کہ ہمیں جواب کا موقع دیا جائے۔ جسٹس رحمان صاحب نے ٹالنے کی کوشش کی۔ لیکن مفتی صاحب کے اصرار پر صدر اجلاس جناب مفتی امین الحسینی نے یقین دلایا۔ تب ہنگامہ ختم ہوا۔

مولانا علوی صاحب نے چشم دید گواہ کی حیثیت سے یہ ساری کارروائی حوالہ قلم و قرطاس کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اس کے بعد سوڈان کے عالم مندوب جناب السید یوسف الخلیفہ ابو بکر نے ڈھا کہ مشرقی پاکستان کے ابوالہاشم صاحب، مصر کے الدکتور حب اللہ، اور پاکستان کے مولانا محمد یوسف بنوری سب نے اپنے اپنے مقالات میں جعفر شاہ پھلواڑی کے مقالہ میں ظاہر کئے گئے خیالات کی تردید تفصیل کے ساتھ قرآن و سنت اور ائمہ مجتہدین کے بیان کے

کردہ اصول کی روشنی میں کی۔ آخر میں صدر اجلاس نے جب مفتی محمود کو اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ چونکہ مقصد حل ہو چکا ہے اس لئے اب تقریر کی ضرورت نہیں۔ (۱۱۱)

اسی کانفرنس میں جناب معسود صاحب ناظم اوقاف مغربی پاکستان نے بھی مقالہ پڑھا جو اشتراکیت کی تبلیغ و تائید اور انفرادی ملکیت کے خلاف تھا۔ اور وہ اس کو عین اسلام کی تعلیمات کے مطابق قرار دے رہا تھا۔ اور بڑے جارحانہ انداز میں علماء کرام کو چیلنج کر رہا تھا کہ وہ ان کے دلائل کا جواب دیں۔ اس وقت بھی مولانا مفتی محمود صاحب ہی تھے جنہوں نے ان کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ان کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اور اس کو ایسے مسکت جواب دیا کہ وہ لا جواب رہا۔ مولانا محمد تقی عثمانی نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

اس کانفرنس میں اس وقت کے ناظم اوقاف صاحب نے جو مقالہ پڑھا وہ اشتراکیت کی تبلیغ و تائید پر مشتمل تھا۔ اور اس میں بڑے جارحانہ انداز سے علماء کو چیلنج کیا گیا تھا کہ وہ ان دلائل کا جواب دیں۔ مقالہ چونکہ انگریزی زبان میں تھا۔ اس لئے بیشتر علماء اس کے مشتملات سے بے خبر تھے۔ اس موقع پر ضرورت تھی کہ علماء کی طرف سے کوئی مؤثر شخصیت حقیقت حال کو واضح کرے۔ حسن اتفاق سے اس وقت پاکستان کے معروف علماء میں سے حضرت مولانا مفتی محمود کے سوا کوئی ہال میں موجود نہیں تھا۔ احقر اور برادر م مولانا سمیع الحق صاحب اس موقع پر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں گئے۔ اور انہیں مقالہ کے اہم اجزاء سے آگاہ کیا۔ حضرت مفتی صاحب یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور مناقشہ کے لئے صدر سے وقت طلب کیا۔ چنانچہ انہیں وقت دیا گیا۔ اور انہوں نے ایسی برجستہ اور فاضلانہ تقریر فرمائی جس سے فضا بدل گئی اور شکوک و شبہات بڑی حد تک دور ہو گئے۔ (۱۱۲)

یہ بات نہایت قابل تحسین ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمن اور اس کے دیگر ہم خیال بزم خویش دانشوروں کے خلاف اسلام نظریات کی مخالفت میں بہت علماء اور بزرگان دین نے اپنی

مابھر کوششیں کیں۔ اور مسلمانوں کو ان کے مفسدانہ خیالات سے محفوظ کیا۔ اس کے ساتھ ہی جرائد و رسائل کا کردار بھی کسی پر مخفی نہیں۔ یہاں تک کہ حکومت نے بادل ناخواستہ ان کے مطالبہ کو مان لیا۔ اور فضل الرحمن کو ملک بدر کیا۔ لیکن ان سب کے باوجود اس سلسلے میں مولانا مفتی محمود صاحب نے قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ جناب اکرام القادری صاحب اس بارے میں ہلکار خیال کرتے ہیں کہ

ایوبی دور میں ہی ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن نے جب ملت اسلامیہ کے مسلم عقائد و نظریات کے برعکس اپنی طرف سے اسلام میں بیوند کاریاں اور مشکافیاں شروع کیں تو ڈاکٹر فضل الرحمن کے خلاف اٹھنے والی تحریک میں مفتی محمود نے شاندار کردار کا مظاہرہ کیا انہوں نے علمی اور سیاسی دونوں محاذوں پر ڈاکٹر فضل الرحمن پر گرفت کی تاکہ حکومت کو جھکنا اور فضل الرحمن جیسے شاطر کو ملک بدر ہونا پڑا۔ (۱۱۳)

اور یوں ملک و ملت کو اس عظیم فتنہ سے محفوظ کر لیا گیا۔ اور یہ سب مانتے ہیں کہ اس فتنے کی سرکوبی میں قائدانہ کردار مولانا مفتی محمود صاحب اور انکی جماعت جمعیت علماء اسلام کے علماء اور کارکنوں نے ادا کیا۔ اور یہ بات بھی آپ کے عظیم کارناموں اور دینی خدمات کے سلسلے میں ایک عظیم کارنامہ اور عظیم خدمت شمار کی جاتی ہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

مشن ملتان کے خلاف تحریک کی قیادت اور گرفتاری

مولانا مفتی محمود، تعلیم و تعلم اور جماعتی و سیاسی مصروفیات کے علاوہ اخلاقی اور سماجی برائیوں کے خلاف بھی ہمیشہ برسر پیکار رہتے تھے۔ رقص و سرور اور ناچ گانے، عریانی و فحاشی اور اخلاق باختگی پر مشتمل حکومتی کوششوں کے خلاف آپ کی خدمات اور اس کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتیں بھی آپ کے عظیم کارناموں میں سے ہیں۔

نومبر ۶۶ء میں ملتان کی انتظامیہ نے حکومتی تعاون سے ”جشن ملتان“ کے ہم رقص و سرود اور ناچ گانے کا پروگرام بنایا جس کے خلاف مفتی صاحب نے ملتان کی سطح پر احتجاجی تحریک شروع کرنے کا اعلان کیا۔ ملتان کے مختلف مسالک کے علماء اور دیندار طبقہ کو اس تحریک کے لئے آمادہ کیا۔ جمعہ کی اجتماعات میں اس کے خلاف قراردادیں منظور کرائیں۔ احتجاجی جلوس نکلا۔ جس کے نتیجے میں مفتی صاحب کے ساتھ دس دیگر ساتھیوں کو حراست میں لیا گیا۔ اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ملتان کی سطح پر احتجاجی تحریک نے ملکی سطح پر احتجاجی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ ”ترجمان اسلام“ میں ہے۔

قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور ان کے رفقاء کی گرفتاری پر جمعہ کے روز لاہور اور دیگر شہروں کی قریباً تمام مساجد میں احتجاجی قراردادیں پاس کی گئیں۔ اور حکومت کے اس رویہ پر نہایت غم و غصہ کا اظہار کیا گیا جو اس نے پاکستان کے عوام کے احتجاج کے باوجود جشن ملتان کی پشت پناہی کی ہے۔ (۱۱۴)

اس سلسلے میں مولانا عبد الکریم عابد اظہار خیال کرتے ہیں۔

ایوب خان کے زمانے میں ہماری مغرب زدہ بیوروکریسی ملک میں آرٹ اور کلچر کے نام پر عریانی اور فحاشی کو فروغ دینے کے لئے کوشاں تھی۔ مفتی صاحب نے اس کے خلاف بھی محاذ قائم کیا۔ حکومت کی جانب سے ایک ”جشن ملتان“ منانے کا اعلان ہوا تھا۔ اور اس جشن میں رقص و سرود، عریانی و فحاشی کا بازار گرم کیا گیا تھا۔ مفتی صاحب نے اس کے خلاف احتجاج کے لئے جلوس نکالا۔ پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اور اس گرفتاری پر ملک بھی میں غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔ (۱۱۵)

”مفتی صاحب اور ان کے دیگر دس ساتھیوں کو ۱۲ نومبر کو غیر مشروط پر رہا کر دیا گیا تھا۔ ان کے خلاف مقدمات واپس لے لئے گئے تھے۔ اس سے قبل انہوں نے ضمانت پر رہا ہونے سے انکار کر دیا تھا۔“ (۱۱۶)

جشن ملتان مقررہ تاریخوں کو منایا جانا تھا۔ مگر مفتی صاحب اور دیگر علماء کی احتجاجی تحریک کی وجہ سے عوام نے اس میں بہت کم دلچسپی لی تھی۔ جس کی وجہ سے اوپر سے حکومتی مداخلت پر اس کو وقت سے قبل ختم کرنے کا اعلان کرنا پڑا تھا۔ ترجمان اسلام میں ہے ”اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ حکومت نے ملتان انتظامیہ کی غلطی کو محسوس کر لیا۔“ (۱۱۷)

جناب اکرام القادری صاحب نے رقص و سرود اور ناچ گانے کے اس پروگرام کے خلاف مفتی صاحب کی کوششوں کو آپ کے کارہائے جلیلہ میں سے شمار کیا ہے۔ وہ ایک مضمون ”دینی تحریکات اور مولانا مفتی محمود“ میں رقمطراز ہیں کہ ”اسی دور میں ملتان قلعہ پر رقص و سرود کی نمائش کے اہتمام کا خاتمہ بھی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کارہائے جلیلہ میں شامل ہے۔“ (۱۱۸)

مولانا مفتی محمود کا دینی و مذہبی جماعتوں کے اتحاد میں فعال کردار

مولانا مفتی محمود ”اتحاد بین المسلمین“ کے علمبردار تھے۔ فرقہ وارانہ تعصب سے دور

اور مذہبی، جماعتی بنیادوں پر تفریق و امتیاز کے سخت خلاف تھے۔ آپ کے بیانات ہمیشہ ایسے مباحث سے پاک ہوتے تھے۔ جو اختلافی ہوں۔ یا جس سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو۔ آپ ہمیشہ اس کوشش میں ہوتے تھے کہ بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود جن مسائل پر ان جماعتوں میں اتفاق ہے ملک و ملت کے مفاد کے پیش نظر کم از کم نکات پر آپس میں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ ہو۔ خاص کر مذہبی تنظیموں کو آپ اس ضمن میں بار بار دعوت دیتے رہتے تھے۔ ملکی مسائل کے پیش نظر آپ کئی دفعہ اس میں کامیاب بھی ہوتے تھے۔ بعض متفقہ مسائل پر ان تنظیموں کو آپس میں بٹھا کر ان میں اتحاد کی صورت پیدا فرمادیتے تھے۔ اس ضمن میں مولانا تاج محمود صاحب رقمطراز ہیں۔

ویسے تو ان کے اور بھی بہت سے قابل فخر کارنامے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک ان کا سب سے بڑا زیادہ قابل تحسین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس گئے گزرے دور میں بھی علماء، طلباء اور ملک کی دینی طاقتوں کو متحد کیا اور پھر اس بلے میں روح پھونک کر اُسے زندہ حقیقت بنا دیا۔ (۱۱۹)

آپ مذہبی اختلافات، اختلافی مباحث کو نہیں چھیڑتے تھے۔ اور اپنے کارکنوں کو بھی اس بات کی ہدایت کرتے۔ کہ وہ اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی جدوجہد کو ان لا حاصل مباحث میں صرف نہ کریں۔ مولانا قاری سعید الرحمن تحریر فرما ہیں۔

تعصب سے نفرت تھی۔ سیاسی میدان میں انہوں نے کبھی فرقہ وارانہ اختلافات کو اہمیت نہیں دی۔ مذہبی اختلافات کو وہ ملک و قوم کے لئے نہایت خطرناک سمجھتے تھے۔ اس لئے اپنی تقریروں میں کبھی بھی اختلافی مباحث کو نہیں چھیڑتے تھے۔ اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ جو لوگ ملک میں مذہبی منافرت پھیلانے کی کوشش کرتے ان کے لئے فرماتے ”یہ ان کی کوتاہ نظری ہے۔ پاکستان جب بنایا گیا تھا تو مسلمانوں میں کوئی مذہبی تفریق نہیں تھی۔ اور تحریک پاکستان میں ہر مکتب فکر کے لوگ شریک تھے۔ اگر مذہبی اختلافات سامنے آتے تو پاکستان کبھی بھی نہ بن سکتا۔ مولانا قاری سعید الرحمن صاحب نے آگے چل کر لکھا ہے۔

ہمیشہ کے لئے جب بھی ملک پر کڑا وقت آیا تو قوم کے وسیع تر اتحاد کے ذریعہ سے مسائل کا حل ڈھونڈا گیا۔ اور اب بھی ملک کے ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ ”اتحاد بین المسالک“ کی ضرورت و اہمیت کو سمجھا جائے۔ وہ لکھتے ہیں۔

آپ فرماتے۔ ملک پر جب بھی کڑا وقت آیا تو قوم کے وسیع تر اتحاد کے ذریعہ سے مسائل کا حل ہوا۔ تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

جب تک مذہبی تفریق یا مسلکی اختلافات کو بالائے طاق نہیں رکھا جائے گا۔ ملک ترقی نہیں کر سکے گا۔

مولانا سعید الرحمن صاحب، مفتی صاحب کے بارے میں سردار عبدالقیوم خان سابق صدر وزیراعظم آزاد کشمیر کے وہ الفاظ لکھتے ہیں۔ جو انہوں نے ”اتحاد بین المسلمین“ کے علمبردار کی حیثیت سے ان کو خراج تحسین کے طور پر پیش کئے ہیں۔ قاری صاحب تحریر فرما ہیں۔

مفتی صاحب کے اس بلند کردار کے بارے میں مجھے سردار عبدالقیوم خان صاحب کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں۔ ہم مفتی صاحب کی اس لئے عزت نہیں کرتے کہ وہ ذیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے ہیں یا صوبہ سرحد کے رہنے والے ہیں۔ یا ایک جماعت کے سربراہ ہیں۔ یا یہ کہ وہ دیوبندی ہیں۔ بلکہ اس لئے عزت کرتے ہیں کہ وہ ایک غیر متعصب اور ”اتحاد بین المسلمین“ کے علمبردار عالم دین ہیں۔ (۱۲۰)

وہ تعصب سے نفرت کرتے تھے۔ وہ تنگ نظر اور محدود سوچ و فکر والے نہیں تھے۔ بلکہ برداشت والے اور وسیع النظر تھے۔ اس ضمن میں قاری نورالحق قریشی ایڈووکیٹ صاحب لکھتے ہیں کہ

وہ اپنے مذہبی و سیاسی خیالات میں کسی تعصب تنگ نظری اور محدود سوچ کے قائل نہیں تھے۔ مذہبی نظریات کے لحاظ سے وہ اشیاء کے عظیم دینی درگاہ، دارالعلوم دیوبند کے خوشہ چینوں میں سے تھے۔ مگر بایں ہمہ وہ کسی دوسرے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے کو برا بھلا نہیں کہتے تھے اور نہ ہی فتویٰ بازی سے کسی کو مطعون کرتے تھے وہ نہایت حوصلہ مندی، تدبیر، رواداری اور متانت سے گفتگو کے عادی تھے۔ وہ مسلمانوں میں مروجہ مناقشت سے کوسوں دور تھے۔ (۱۲۱)

مفتی صاحب کی ذات دین و سیاست کا ایک حسین امتزاج تھی۔ آپ اتحاد و یکجہتی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے بارے، مولانا سید الحق صاحب رقمطراز ہیں۔

ان کا وجود ایک ایسا خضر راہ تھا جو ہر نازک دور میں قوم کو رہنمائی کا پیغام دیتا تھا۔ ان کی ذات ایک ایسی روشن قندیل تھی۔ جو تاریک ترلحات میں روشنی کا مینار ثابت ہوتی تھی۔ دینی طاقتوں کے لئے ان کی شخصیت مرکز ثقل کی حیثیت رکھتی تھی۔ جہاں تک تمام ملکی قوتیں کھینچی ہوئی چلی آتی تھیں۔ ان کی دلاویز شخصیت دین و سیاست کا ایک حسین امتزاج تھی جسے پاکستان کے تمام علاقوں میں قومی اتحاد و یکجہتی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ان کی ذات میں قدرت نے ایسی بے بہا صفات جمع کر دی تھیں جنہوں نے ان کو عہد حاضر کی تاریخ ساز شخصیت بنا دیا تھا۔ (۱۲۲)

مولانا سمیع الحق صاحب کے الفاظ ہیں کہ (مفتی صاحب) پاکستان کے تمام علاقوں میں قومی اتحاد اور یکجہتی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ یہ بعینہ حقیقت ہے۔ اس اعتبار سے اس میں ذرا برابر شک نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ مختلف سیاسی اور دینی تنظیموں کے وسیع تر اتحاد کے ہمیشہ داعی اور علمبردار رہے ہیں۔ مشہور سیاستدان، بابائے جمہوریت نوابزادہ نصر اللہ خان نے آپ کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے۔

مفتی صاحب کا تعلق اگرچہ مسلمانوں کے ایک مکتب فکر سے تھا لیکن ان میں فرقہ وارانہ تعصب قطعاً نہیں تھا۔ ہر مرحلے پر ان کی کوشش رہی کہ قومی اور ملتی مقاصد کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کی مختلف سیاسی اور دینی تنظیموں کا وسیع تر اتحاد ہونا چاہیے۔ (۱۲۳)

جناب پروفیسر غفور احمد صاحب نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان و سابق ممبر قومی اسمبلی کراچی، جو بھٹو کے ساتھ مذاکرات میں مفتی صاحب کے وفد کے ممبر تھے۔ مفتی صاحب کے غیر متعصبانہ رویہ اور مزاج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فردی اور فقہی اختلافات کو حد سے بڑھانے کے سخت خلاف تھے۔ کسی دوسرے فرقے سے تعلق رکھنے والے کے پیچھے انہیں نماز پڑھنے سے گریزاں نہیں دیکھا۔ اور تو اور ایک دن انہوں نے میری موجودگی میں مولانا نورانی صاحب سے کہہ دیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی بنیادی نوعیت کا اختلاف نہیں ہے۔ فقہی معاملات میں ہمارا اور

آپ کا موقف یکساں ہے۔ پھر کیوں نہ ہم ایک مشترکہ جماعت کی تشکیل کر لیں۔ مفتی صاحب یہ کہہ رہے تھے تو بالکل سنجیدہ تھے۔ لیکن انہیں کوئی مثبت جواب نہیں ملا۔..... یادداشت پر بے حد زور ڈالنے کے باوجود میں کوئی چیز ان کے خلاف نہیں ڈھونڈ سکتا۔ انہیں کبھی ایک جماعت کے لیڈر کے طور پر بات کرتے نہ سنا۔ وہ ہمیشہ سب کے رہے سب ہی کے نظر آئے۔ انہیں حلیف سیاسی جماعتیں مشترکہ متاع سمجھتی تھیں اور لاریب وہ تھے بھی۔ (۱۲۴)

اس سلسلے میں پاکستان کے مشہور عالم دین، مولانا نور الہدیٰ صاحب آپ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود، اتحاد کے معاملے میں خاصے فراخ دل واقع ہوئے ہیں۔ اور اس معاملے میں انہوں نے بعض دفعہ اپنے احباب کی ناراضی کی بھی پرواہ نہیں کی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی وغیرہ جو ان سے علیحدہ ہوئے اسکی وجہ بھی یہی اتحاد تھا۔ مگر آپ نے اتحاد کے لئے انفرادی مفادات کو اکثر قربان کیا۔ (۱۲۵)

کسی دوسرے کی خوبیوں کا اعتراف ایک عمدہ کمال ہے۔ اور یہ اعتراف کرنے والے کی شخصیت کی وسعت قلبی اور فراخ دلی کا ایک تین ثبوت ہے۔ مفتی صاحب کی خوبیوں اور کمالات کا اعتراف جہاں آپ کے ہم مسلک وہم مشرب کرتے ہیں۔ وہاں ایسے حضرات بھی کرتے ہیں۔ جو نہ تو سیاسی طور پر آپ کے ہم جماعت ہیں۔ اور نہ مسلکی اعتبار سے آپ سے متفق ہیں۔ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب مشہور اہل حدیث رہنما ہیں۔ اور ایک دانشور کی حیثیت سے ایک اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ مفتی صاحب کے بارے میں وہ معترف ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مولانا مفتی محمود عرف عام میں حنفی مسلک تھے۔ لیکن یہ نسبت نہ صرف یہ کہ تعصب اور معروف حد بندی سے پاک تھی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا دل ایک اہل حدیث کے لئے اتنا ہی گہوارہ محبت تھا جتنا حنفی کے لئے۔ اور وہ درحقیقت مسلک ولی اللہ کے مطابق اس قسم کی امتیازات کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ (۱۲۶)

مشہور شیعہ عالم اور سیاسی رہنما جناب علامہ ع، ع کراروی صاحب مفتی صاحب کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مفتی صاحب سے (میرے تعلقات کا) تحریک ختم نبوت کے دوران آغاز ہوا۔ ”تعلقات“ کا لفظ اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ ان کے ساتھ رسمی لگاؤ نہیں تھا۔ دلی قرب تھا۔ ان کے ساتھ میری دلی قربت کا سبب ان کی وسعت نظری اور وسعت قلبی تھی۔ وہ عقائد کے اختلافات کو عقائد کی حد تک رکھتے تھے۔ ان اختلافات کو سیاسیات میں لانے کے قائل نہیں تھے۔ ان کا دل بہت بڑا تھا۔ اور اس دل میں اختلاف کے ساتھ رواداری بھی موجود تھی۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ مسلمانوں کے اختلافات کم ہوں اور ان کے درمیان زیادہ سے زیادہ محبت و رواداری کی فضا پیدا ہو۔

علامہ ع، ع کراروی صاحب ایک اور مضمون میں انہی خیالات کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

یقیناً مرحوم کتب دیوبند کے جید عالم دین تھے۔ ان کے مخالفین کا کہنا ہے کہ وہ مذہبی تعصب کا شکار تھے۔ لیکن مجھے کئی بار مرحوم کی معیت میں اٹھنے بیٹھنے اور سفر کا اتفاق ہوا۔ کسی لمحہ میں نے مغارت محسوس نہیں کی۔ اور نہ ان کی زبان فیض ترجمان سے ایسا کوئی جملہ گوش گزار ہوا۔ جو دوسرے افراد مکاتب کے لئے دل آزار یا باعث تنفر ہو۔ (۱۲۸)

۱۹۷۶ء میں بعض مقامات پر فرقہ وارانہ کشیدگی کے کچھ روح فرسا واقعات ہوئے۔ تمام محب وطن حضرات نے اس پر تشویش کا اظہار کیا۔ اور اس کو پاکستان اور مسلمانوں کے لئے نہایت نقصان دہ قرار دیا۔ اور یہ نہ صرف پاکستان کی بدنامی کا باعث بنے بلکہ ملک میں امن و امان کی کوششوں کو بھی نقصان پہنچا۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ان حالات کی وجہ سے بہت پریشان رہے۔ آپ نے اپنی تقریروں اور اخباری بیانات میں عوام الناس کو فرقہ وارانہ کشیدگی سے باز

کی بار بار اپیل کی۔ اور اپنی جماعت کے کارکنوں کے نام ”خصوصی ہدایت“ کے نام سے

رات میں بیان شائع کرایا جو یہ ہے۔

ملک کے مختلف حصوں سے فرقہ وارانہ اختلافات کی بنیاد پر جھگڑا اور مناظرہ بازی کی جو خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ وہ افسوسناک ہیں۔ اور میں پورے ملک میں جمعیت علماء اسلام کے تمام ارکان کو سختی کے ساتھ ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس فرقہ وارانہ جنگ میں کسی جگہ فریق نہ بنیں اور نہ کسی قسم کا حصہ لیں۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس نوعیت کی کشیدگی کو روکنے کی سعی کریں۔ مفتی صاحب نے کہا کہ ملک میں اتحاد و یکاگت کی فضا کو قائم رکھنا، ملک و ملت کے مفاد کے پیش نظر انتہائی ضروری ہے۔ اور جمعیت علماء اسلام اس سلسلے میں اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گی۔ (۱۲۹)

آپ نے ”خصوصی ہدایت“ میں جمعیت علماء اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کے ایک فیصلہ کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی جماعت کے ارکان کو یہ بھی بتایا ہے کہ مجلس شوریٰ نے تمام بے شہروں میں علماء پر مشتمل کمیٹیاں بنادی ہیں۔ اور ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اپنے شہر میں دیوبندی، بریلوی، اہل، حدیث اور دیگر فرقوں کے علماء کرام سے گفت و شنید کر کے جلد از جلد اس کی رپورٹ مرکزی دفتر کو بھیج دیں تاکہ آئندہ کالانچہ عمل ان رپورٹوں کی روشنی میں طے پایا جاسکے۔

اس جذبہ کے پیش نظر آپ نے ایک بار ۱۹۶۶ء میں دینی جماعتوں اور تنظیموں کو ”متحدہ اسلامی محاذ“ کی تنظیم میں جمع کیا تھا۔ جس میں آپ نے فعال کردار ادا کیا تھا۔ اس کا پہلا نمونہ ۲۸، ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء کو لاہور میں ہوا تھا۔ متحدہ اسلامی محاذ میں جمعیت علماء اسلام، مجلس احرار، مجلس تحفظ ختم نبوت، جمعیت اہل حدیث، تنظیم اہل سنت، جمعیت اتحاد القراء اور مولانا کوثر ہاڑی کی ”انجمن تحفظ پاکستان“ شامل تھیں۔

شیخ حسام الدین امیر مجلس احرار اسلام پاکستان اس کے صدر منتخب ہوئے اور مولانا غلام غوث ہزاروی اس کے ناظم بنے جبکہ اس کے داعی مولانا مفتی محمود تھے۔ (۱۳۰)

۱۹۷۰ء میں کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کی دعوت پر انہیں جماعتوں اور ممتاز افراد اُمت کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا۔ کہ ”متحدہ دینی محاذ“ قائم کر کے اسلامی اقدار کی حفاظت اور مخالف اسلام سرگرمیوں کے سدباب کے لئے مشترکہ جدوجہد کی جائے۔ مولانا مفتی محمود صاحب کو اس محاذ کا صدر اور جمعیت علماء پاکستان کے مولانا سید محمود شاہ گجراتی کو اس کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں آپ ہی کا قائدانہ کردار سب سے نمایاں رہا۔ تمام دینی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے مرزائیت کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ نہ صرف شہروں، قصبوں تک بلکہ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں تک اس مطالبہ پر متفق کرنا اور قومی اسمبلی سے باہر اور اندر فعال کردار ادا کرنا آپ کا ایک عظیم تاریخ ساز کارنامہ ہے۔ اسمبلی کے اندر آپ نے اُمت مسلمہ کے ترجمان کا کردار ادا کیا۔ اور قومی اسمبلی سے یہ منوالیا۔ کہ مرزائیت خلاف اسلام فرقہ ہے۔ اسلام اور مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ وہ پاکستان میں ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جناب اکرام القادری صاحب آپ کی تحریک میں قائدانہ کردار کے بارے میں لکھتے ہیں۔

۷۴ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو آپ پیش پیش تھے۔ اس تحریک کی قیادت کا سہرا تو مولانا محمد یوسف بنوری کے سر تھا۔ مگر قومی اسمبلی میں ختم نبوت کا معرکہ مولانا مفتی محمود لڑ رہے تھے۔ ناموس سرکار عالم مصلیٰ علیہ السلام کے لئے دن کا چین اور رات کا آرام تہج کر رکھ دیا تھا۔ وہ عوام سے رابطہ رکھتے لاکھوں کے اجتماعات سے خطاب کرتے۔ علماء اور قانون دانوں سے مشورہ کرتے۔ اور دوسری طرف قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے موجودہ امام مرزانا صبر پر گرفت کرتے۔ بالآخر وہ اس تحریک میں کامیاب و سرفراز ہوئے۔ (۱۳۱)

اسی طرح بھٹو حکومت کی طرف سے عام انتخابات میں دھاندلی کے خلاف جو تحریک چلی جو بعد میں ”تحریک نظام مصطفیٰ“ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ جس کی قیادت مذہبی جماعتوں کے پاس رہی اور جس میں اکثر قربانیاں بھی دینی جماعت کے کارکنوں نے پیش کی۔ اس تحریک کے صدر اور روح رواں بھی مولانا مفتی محمود تھے۔ ملک کی تمام دینی جماعتوں اور سیاسی تنظیموں کو ایک مقصد کی خاطر متحد رکھنے کی وجہ بھی تمام جماعتوں کا آپ کی قیادت پر بھرپور اعتماد تھا۔ اس سلسلے میں جناب اکرام القادری صاحب یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

بھٹو حکومت کی طرف سے عام انتخابات میں تاریخی دھاندلی کے خلاف اور جمہوریت کی بحالی کے لئے جو تحریک اٹھی آخر کار وہ ”نظام مصطفیٰ تحریک“ میں بدل گئی۔ اور اس کی قیادت کی سعادت مولانا مفتی محمود کے حصہ میں آئی اس دور میں مولانا مفتی محمود نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی علامت اور عامۃ المسلمین کے دلوں کی دھڑکن بن کر ابھرے۔ آپ کی ایک ایک خوبی تحریک نظام مصطفیٰ کے افق پر آفتاب نیم روز بن کر مستنیر و فروزاں ہوئی اور آپ کی جرأت، اولوالعزمی، شجاعت، بسالت، فراست و حقیقت رسی اور قوت فیملہ و معاملہ فہمی کی دھاک خاص و عام کے دلوں پر بیٹھ گئی۔ تحریک نظام مصطفیٰ میں مختلف اتار چڑھاؤ۔ نشیب و فراز اور مد و جزر آتے رہے مگر آپ نے جس دور اندیشی سے قوم کی رہنمائی کی وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ (۱۳۲)

جناب اکرام القادری کے ان الفاظ کے مطابق کہ تحریک نظام مصطفیٰ میں بہت اتار چڑھاؤ، نشیب و فراز اور مد و جزر آئے حضرت مفتی صاحب نے نہایت تدبیر، اصابت رائے اور اتحاد کے جذبہ کے ساتھ ان حالات میں قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ حتیٰ کہ جب بعض رہنماؤں کی غلط اندیشی کی وجہ سے انہوں نے اپنے رویہ سے ”قومی اتحاد“ کو نقصان دینا چاہا۔ تو بھی مفتی صاحب اتحاد کے داعی و علمبردار رہے۔ بلکہ ان کی منت و سماجت کرتے رہے کہ وہ ان حالات میں قوم میں انتشار کا باعث نہ بنیں۔ ڈاکٹر محمد یاسین کلسی جزا نوالہ لکھتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب فیصل آباد میں مولانا مفتی محمود کو استقبال دیا گیا تو مفتی صاحب نے اپنی ساری تقریر میں اتحاد اور اتفاق پر زور دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر آج ہم میں اتحاد نہ رہا۔ تو ہم نظام مصطفیٰ کی منزل سے بہت دور ہو جائیں گے۔ میں قومی اتحاد سے الگ ہو جانے والی جماعتوں سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنے سربراہوں کو اتحاد کے لئے مجبور کریں۔ اگر مجھے ان کے رویے میں کچھ لچک معلوم ہوئی تو میں خود منت سماجت کرنے کے لئے ان کے گھروں پر جانے کے لئے تیار ہوں۔ (۱۳۳)

مولانا مفتی محمود صاحب کی ہمیشہ یہ کوشش رہی تھی کہ عملی زندگی میں اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر دینی جماعتوں اور تنظیموں کو اتحاد کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اور اس اتحاد کے ہمیشہ داعی اور علمبردار رہے۔ اور اپنے کسی قول و عمل سے کبھی بھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کہ اس کے رویہ سے اتحاد کو نقصان پہنچے۔ آپ کا اتحاد کا یہ جذبہ اور اس کے لئے دوسری جماعتوں کے رہنماؤں کی منت سماجت تک کرنے کا ارادہ صرف اس لئے تھا۔ کہ اس مملکت خداداد پاکستان میں دین اسلام کا مکمل نفاذ ہو۔ تاکہ پاکستان کے مسلمان اپنی آزادی کے مقاصد سے بہرہ ور ہوں۔ اور ملک میں امن و امان اور حقوق انسانی کا پورا پورا تحفظ ہو۔ اسلام کے نفاذ کے معاملہ میں آپ یہاں تک بھی فرماتے تھے کہ پاکستان میں ۹۰ فی صد آبادی حنفی المسک ہیں۔ لیکن اگر ارباب حکومت یہاں مذاہب اربعہ میں سے کسی فقہ کو بھی نافذ کر دے ہمیں قبول ہے۔ مولانا نور محمد صاحب نے مفتی محمود صاحب کی ”وسعت نظری“ کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے۔

ایک مجلس میں حضرت مفتی صاحب نے پاکستان میں نفاذ اسلام کے حوالہ سے فرمایا ”میں نے ارباب حکومت پر واضح کیا کہ تم لوگ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے جو کہتے ہو کہ ہم کس فرقہ اور مسلک والوں کا اسلام نافذ کر دیں۔ ہم تو اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں مگر یہ مولوی لوگ آپس میں متفق نہیں ہوتے وغیرہ وغیرہ۔ میں نے انہیں بتایا کہ

مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے اگر تم درجہ اباحت تک کوئی قانون بنا دو تو بھی ہمیں قبول ہو گا۔“ (۱۳۴)

اس سے متعلق آپ کا ایک اور قول ہے جس میں ایک طرف ملک پاکستان میں اسلام کے مکمل نظام کے نفاذ کی آپ کی شدید خواہش کی جھلک اس میں نمایاں ہے۔ دوسری طرف موجودہ انگریزی نظام سے نفرت کا اظہار ہے اور تیسری طرف آپ کی وسعت قلبی اور اتحاد کے جذبہ کا مظہر ہے۔ مولانا نور الہدی صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود نے زندگی بھر دین کو اہمیت دی۔ ان کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس ملک میں اسلامی نظام آجائے۔ ایک دفعہ آپ نے کہا کہ میرے نزدیک پوری دنیا کی بادشاہی سے بہتر وہ جگہ ہے۔ چاہے وہ چند گز کا ٹکڑا کیوں نہ ہو جہاں پر اسلامی نظام مکمل طور پر موجود ہو۔ اس چند گز کے لئے بھی قربانی دیں گے۔ ایک بار کسی محفل میں کسی نے پوچھا کہ ملک میں فقہ حنفی نافذ ہو یا فقہ جعفری؟ آپ نے سوال کرنے والے کی طرف دیکھا اور کہا افسوس کی بات ہے۔ تم لوگ بتیس سال تک انگریزی نظام کے تحت چپ رہے۔ اب جب ذرا کچھ اسلامی نظام کی امید ہوئی ہے تو فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ پر لڑائی کر رہے ہو۔ فقہ حنفی ہو یا فقہ جعفریہ کم از کم اس نظام سے تو بہتر ہو گا جو اس وقت انگریزی اور بے دینی نظام کی صورت میں یہاں رائج ہے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ سب لوگ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے متحد ہو جائیں۔ (۱۳۵)

دینی و تعلیمی اصلاحات و قوانین کا احراء

مولانا مفتی محمود نے یکم مئی ۱۹۷۲ء کو جمعیت علماء اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی کے درمیان معاہدہ کے نتیجے میں شمال مغربی سرحدی صوبہ (N.W.F.P) کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے حلف اٹھایا تھا جبکہ صوبہ کا گورنر نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما جناب ارباب سکندر خان خلیل تھے۔ جنہوں نے مفتی صاحب سے حلف لیا تھا جمعیۃ نیپ معاہدہ کی رُو سے صوبہ بلوچستان میں

جمعیت علماء اسلام کے تعاون سے وہاں نیشنل عوامی پارٹی نے حکومت بنائی تھی۔ جبکہ اس وقت مرکز اور پنجاب و سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومتیں تھیں۔ شروع میں یہ ایک سہ فریقی معاہدہ تھا۔ پیپلز پارٹی بھی اس کا حصہ تھی۔ لیکن صوبوں سے متعلق بعض شقوں پر اختلاف کی وجہ سے پیپلز پارٹی اس معاہدہ سے علیحدہ ہوئی تھی۔ جبکہ جمعیت نیپ کے معاہدہ کی رُو سے مرکز سے متعلق شقوں پر عملدرآمد پیپلز پارٹی کو بھی کرنی تھی۔

جمعیت نیپ کے آپس کی حکومت سازی میں تعاون، جمعیت علماء اسلام کی طرف سے پیش کردہ شرائط پر ہوئی تھی۔ دیگر امور کے علاوہ اس میں وفاق کی سطح پر دستور سازی کے مرحلہ میں اسلامی مطالبات کو دستور پاکستان کا حصہ بنانے اور صوبائی سطح پر اسلامی قوانین کے اجراء میں جمعیت علماء اسلام کے ساتھ تعاون و ہمنوائی بھی شامل تھی۔ اس ضمن میں جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب یوں اظہار خیال کرتے ہیں کہ

مولانا مفتی محمود نے جمعیت علماء اسلام کے قائد کی حیثیت سے موقع کی نزاکت کا اچھی طرح اندازہ کر لیا۔ اور تعاون کے لئے جو شرائط عائد کیں۔ ان میں وفاق میں دستور ساز اسمبلی میں دستور پاکستان کی ترتیب و تدوین کے دوران اسلامی امور میں جمعیت سے تعاون اور صوبہ میں اسلامی قوانین و احکام کے نفاذ کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ (۱۳۶)

مولانا زاہد الراشدی کی اس تحریر میں جمعیت نیپ معاہدہ میں جمعیت کی طرف سے عائد شدہ شرائط اور نیپ کی طرف سے ان پر عملدرآمد میں بھرپور تعاون اور ہمنوائی کی یقین دہانی کا ذکر ہے۔ چونکہ جمعیت علماء اسلام نے ۱۹۷۰ء کا الیکشن ہی اسی نعرہ پر لڑا تھا۔ اور یہی بات یعنی اسلامی آئین و قوانین کا نفاذ ہی اس کے منشور کا بنیادی نکتہ تھا۔ اس لئے صوبہ سرحد میں مفتی صاحب نے حکومتی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کچھ اہداف مقرر کئے۔ جس کے بارے میں مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب کچھ یوں رقمطراز ہیں۔

مولانا مفتی محمود نے سرحد کی وزارت اعلیٰ قبول کر کے اپنے تین اہداف مقرر کئے۔

- (۱) سرحد کی فضا کو زیادہ سے زیادہ اسلامی بنانا اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنا۔
- (۲) پس ماندہ علاقوں کو ترقی دینا اور ان کو ضروریات زندگی فراہم کرنے کی جدوجہد کرنا۔
- (۳) صوبہ کے عوام کے لئے وزیر اعلیٰ ہاؤس کا دروازہ کھلا رکھنا اور اس کے مسائل کو سننا اور حل کرنا۔ (۱۳۷)

مفتی محمود صاحب نے جمعیت نیپ معاہدہ کے شرائط اور اپنے مقرر کردہ اہداف کے حصول کے لئے جو جدوجہد کی وہ آپ کا آپ کی ساڑھے نو ماہ کی مختصر سی مدت میں حکومتی اصلاحات کے اعتبار سے ایک تاریخ ساز کردار ہے۔ جناب نعیم آسی اس سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود نے یکم مئی ۱۹۷۲ء کو صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ پاکستان کی تاریخ میں اس اعتبار سے یہ پہلا خوشگوار تجربہ تھا کہ ایک صوبے کی حد تک سبھی اقتدار ایک عالم دین کو ملا۔ اور اس عالم دین نے قوم کو مایوس نہ کیا۔ مولانا مفتی محمود نے اس خیال کو باطل ثابت کر دکھایا کہ علماء حکومت کی نہیں مسجد کی چیز ہیں۔ انہوں نے ساڑھے نو ماہ کی مختصر مدت میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ انہوں نے نہایت تیزی کے ساتھ اپنے منشور پر عملدرآمد کیا۔ ان کے اصلاحات اس قدر موثر، تعمیری اور زور دار تھے کہ ملک بھر میں ان کی صدائے بازگشت سنی گئی اور قوم ان کے لئے سراپا تحسین بن گئی۔ (۱۳۸)

مفتی صاحب نے صوبائی حکومت کو حاصل آئینی اختیارات کے اندر رہتے ہوئے صوبائی قوانین میں شریعت اسلامیہ کے مطابق ترمیم و اضافہ کے لئے جید علماء اور ماہر قانون دانوں پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا۔ جس کا اعلان وہ خود ”ختم نبوت کانفرنس“ لاہور میں ۱۳ جون ۱۹۷۲ء کو کرتے ہیں۔ وہ اپنے اس خطاب میں فرماتے ہیں۔

میں جسٹس دلا تاہوں کہ صوبائی حکومت کی حیثیت سے آئین کی ص ۱۱ میں جتنے اختیارات
 ہوں گے۔ ہم ان اختیارات کو ملاتی برائیوں اور غیر اسلامی قدروں کو ختم کرنے کے
 لئے پورے طور پر استعمال کریں گے۔ اور میں آج آپ کے سامنے ایک "بورڈ" کا
 اعلان کرتا ہوں۔ پانچ کئی بورڈ جن میں تین جید فقہی افسر علماء اور دو ماہر قانون دان
 اسلامی ذہن رکھنے والے پانچ آدمیوں کے بورڈ کا میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ (۱۳۹)

ایسے تو مولانا مفتی محمود نے یکم مئی ۱۹۷۲ء کو صوبہ سرحد کے وزارت اعلیٰ کا خط
 اٹھانے کے بعد جو اہم اعلانات کئے۔ ان میں یہ بھی تھا۔ "صوبائی قوانین کو کتاب و سنت سے ہم
 آہنگ کرنے کے لئے علماء اور ماہر دینی قانون کا بورڈ قائم کیا جائے گا۔" (۱۳۰)
 ۲۰ جولائی کو جید علماء اور ماہرین قانون پر مشتمل یہ بورڈ قائم کر دیا گیا۔ اس کے بعد
 میں روزنامہ "مشرق" پشاور نے جو خبر لگائی وہ یوں ہے۔

حکومت صوبہ سرحد نے صوبہ میں رائج قوانین کا جائزہ لینے اور انہیں اسلامی تعلیمات
 قرآن کریم اور سنت نبوی کے مطابق ڈھالنے کی غرض سے پانچ ارکان پر مشتمل علماء
 بورڈ قائم کر دیا ہے آج یہاں صوبائی وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمود نے اعلان کرتے ہوئے
 کہا کہ انہوں نے اس سال جون میں اسمبلی کے اجلاس میں ص ۴۴ سے جو عدویہ تیار
 انہوں نے پورا کر دیا ہے۔ مولانا مفتی محمود نے کہا کہ صوبہ کے تمام موجودہ قوانین کو
 اسلامی قوانین میں بدل دیا جائے گا۔ اور ایسا کرتے وقت یہ بورڈ اس امر کا انتہائی خیال
 رکھے گا کہ اسلام کے مختلف فرقوں کے شخصی قوانین کو قطعاً بھجڑا جائے بلکہ ان
 قوانین کو پورا تحفظ دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ علماء کا یہ بورڈ
 لوہا اور پختہ حنفی مسلک کی بنیاد پر تیار کرے گا۔ لیکن جہاں کہیں بھی ضروری ہو ایسے
 بورڈ مانگی، مثلاً غنی اور حنفی مذہب سے بھی رجوع کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ علماء کا یہ
 بورڈ مختلف قوانین کے بارے میں ایک ایک کر کے اپنی رچ رمت پیش کرے گا۔ جس
 کے بعد اسے ارکان کی منظوری کے لئے اسمبلی میں پیش کیا جائے گا۔ اس بورڈ کے

سربراہ وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمود ہوں گے۔ بورڈ کے دیگر ارکان میں شیخ التفسیر جیامہ
 اسلامیہ بہاولپور مولانا شمس الحق الحقانی، شیخ الحدیث، ربانی و محترمہ رحمہ اللہ اسلامیہ
 کراچی مولانا تھریج سہ بنوری مہائی کوہستان، بارہوی ویشن پشاور کے صدر مسٹر عبد الغنی
 فیک اور صوبہ سرحد کے قانونی اور پارلیمانی امور کے وزیر خان امیر زادہ خان قلیہ
 صوبائی محکمہ قانون کے میجر فری بورڈ کے سکریٹری ہوں گے۔ (۱۳۱)

اس بورڈ کے متعدد اجلاس ہوئے جن میں ایک اجلاس کی کارروائی کا راقم الحروف کو بھی
 حضرت مفتی محمود کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمن (جب اس وقت ہم دونوں دارالعلوم نظامیہ
 کوئٹہ تک میں زیر تعلیم تھے) کی محبت میں سننے کا اتفاق ہوا اس اجلاس میں چوری کی مقدمہ اور
 پور کی سزا سے متعلق قوانین زیر غور تھے۔ بورڈ نے اپنا کام کافی حد تک مکمل کر لیا تھا۔ مگر سزا
 کو بعد فروری سے ۱۹۷۲ء میں آپ کو بلوچستان حکومت کی برطرفی کے خلاف احتجاجاً اپنی وزارت سے
 مستعفی ہونا پڑا اور قوانین میں ترمیم کا کام مکمل نہ ہو سکا اور نہ ہی وہ منظوری کے لئے اسمبلی میں پیش
 کئے جاسکے۔

آپ نے اپنی وزارت کے دور میں جن دیگر اسلامی دینی اصلاحات و قوانین کا اجرا کیا
 وہ درج ذیل ہیں۔

شراب پر پابندی

یکم مئی ۱۹۷۲ء کو گورنر ہاؤس پشاور میں حلف اٹھاتے ہوئے آپ نے شراب پر مکمل
 پابندی کا اعلان کیا، آپ نے اعلان کیا۔

آج سے شراب کی تیاری اس کی فروخت اور اس کا بیٹا ممنوع قرار دیا گیا ہے شراب کی
 فروخت کی تمام لائسنس آج سے منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔ کسی بھی شخص کو شراب
 رکھنے اور استعمال کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہوگی کسی اور عمل یا ملک میں شراب نہیں

انجی ہائے کی۔ اس سلسلے میں صوبائی حکومت کو ایک قانون کی تیاری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ جو جلد ہی نافذ کر دیا جائے گا۔ (۱۳۲)

"۱۵" مئی ۱۹۷۱ء کو امتحان شراب کا قانون صوبہ بھر میں نافذ کر دیا گیا۔ (۱۳۳)

شراب پر پابندی کے اعلان کو نہ صرف پاکستانی عوام نے سراہا بلکہ بیرون ملک کے مسلمانوں کے رہنماؤں نے بھی اس پر آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ پہلا قدم تھا جو معاشرہ کی اصلاح کی نیت سے اٹھایا گیا تھا۔ ذاکٹر احمد حسین کمال اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ

ناہم مفتی صاحب نے صوبہ سرحد میں حکومت کی زمام سنبھالنے ہی شراب پر پابندی مانگ کر دی۔ ان کے اس اقدام کا چارے ملک میں زبردست غیر متقدم کیا گیا۔ بیرون ملک کے سرکردہ مسلمانوں نے بھی خراج تحسین پیش کیا۔ اور برطانوی اقتدار کے قیام کے وقت سے آزادی کے حصول کے ۲۵ سال گزر جانے کے بعد پاکستان کی حکومت کا یہ پہلا قدم تھا۔ جو اسلام کی طرف اٹھایا گیا تھا اور جو ایک زبردست معاشرتی اصلاح کا اقدام بھی تھا۔ (۱۳۴)

جوئے پر پابندی

جوہر ایک نہایت قبیح فعل ہے۔ شراب کے ساتھ جوہر بھی تمام برائیوں کی اصل ہے۔ تمام برائیاں ان دو برائیوں سے پھوٹی ہیں۔ ان دونوں کی تباہ کاریوں نے کئی قوموں کو کھلتی و دھکتی سے دوچار کیا ہے۔ اور اس بات پر تمام موافق و مخالف مؤرخ متفق ہیں۔ اور وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ایسی قیامتوں کے سدباب کے لئے جو اقدامات کئے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔

سود پر پابندی

اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کے مضر اثرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اس کی حرمت کی وجوہات بھی ذکر کر دی ہیں۔ قرآن حکیم نے اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال جبکہ سود کو حرام قرار دیا ہے۔

أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا۔ (۱۳۵)

حلال کیا اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو اور حرام کیا سود کو۔

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ اسلام کے نام پر عظیم قربانیوں کے نتیجے میں سرحد میں آئے والے ملک پاکستان میں جہاں شراب کی کوئی ممانعت نہیں تھی وہاں جوہر پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ بلکہ ان دونوں کا کاروبار سرکاری سرپرستی میں ہو سارا۔ شراب پر پابندی کے فوراً بعد جوہر پر پابندی بھی پاکستان کے ایک صوبہ میں ہی سب سے پہلے ایک عالم دین وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمود نے لگائی۔ جناب محمد نعیم آسی لکھتے ہیں کہ "یہ اعزاز بھی قدرت نے مولانا مفتی محمود کی قسمت میں لکھا تھا۔ جنہوں نے "انگور کی بیٹی" کے ساتھ "بوس کے بیٹے" کو بھی پابند کر دیا اور ہر نوع کا جوہر صوبہ سرحد کی حد تک قانوناً حرام قرار پایا۔ (۱۳۵)

جوئے پر پابندی کا آرڈیننس یکم اگست ۱۹۷۲ء کو جاری کیا گیا۔ جوئے پر پابندی کے بارے میں روزنامہ "مشرق" پشاور نے اپنے ۲۲ اگست ۱۹۷۲ء کے شمارہ میں مفتی صاحب کے حوالے سے یہ خبر شائع کی کہ "انہوں (مفتی محمود) نے کہا کہ آج ہی ایک اور آرڈیننس بھی جاری کیا گیا ہے جس کے تحت صوبہ سرحد میں ہر مقام پر ہر قسم کی قمار بازی ممنوع قرار دے دی گئی۔ اور اس سلسلے میں ہمیں نے جو وعدہ کیا تھا وہ بھی پورا کر دکھایا ہے۔" (۱۳۶)

سود اور جو امداد ایسی معاشرتی قہاقتیں ہیں جن کے نئے اثرات میں افراد کے ساتھ پوری قوم بھی خیر و برکت سے محروم رہ جاتی ہے۔ مولانا عبدالحق کے الفاظ ہیں۔

دنیا کی تاریخ کفالت والے۔ قوموں کے عروج و زوال کی داستان پڑھ لیجئے۔ پر پیغمبر اور مصلح کی تعلیمات سامنے لائے۔ وہ باتوں کے بارے میں کامل اتفاق رائے اور اعلانِ فکر طے گا کہ جوئے کے باعث فرد حرکت سے اور سوامی حیثیت کے سبب قوم برکت سے محروم ہو جاتی ہے۔ جوئے سے فرد ذہنی افکال اور سوامی قومی حیثیت افکال میں مبتلا رہتی ہے۔ (۱۳۸)

مولانا مفتی محمود صاحب نے صوبہ سرحد میں سودی لین دین پر پابندی لگا دی۔ یہاں تک کہ حکومت زمینداروں کو جو تقاضی قرضے جاری کر کے اس پر ان سے سود لیتی تھی۔ ان پر سود کی معافی کا اعلان کر دیا۔ روزنامہ ”مشرق“ پشاور کے مطابق، ”صوبہ سرحد میں سود ختم کر دیا گیا اور آئندہ مالی سال سے تقاضی اور دوسرے قرضوں پر سود نہیں لیا جائے گا۔“ (۱۳۹)

مفتی صاحب نے ملکی معیشت کو اسلامی خطوط کی راہ پر لگانے کے لئے صوبہ سرحد میں پچھلے تقاضی قرضوں پر سود معاف کر دیا۔ اور آئندہ بلا سود تقاضی قرضے جاری کرنے کا حکم دیا۔ اس اعلان سے صوبہ سرحد کے زمینداروں نے ٹکھ کا سامنا کر لیا۔ کیونکہ تقاضی قرضوں پر دو گنے سود نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔ (۱۵۰)

چیز ایکٹ

چیز کی رسم ایک معاشرتی ناسور ہے۔ چیز کی عدم دستیابی کی وجہ بہت سی نوجوان لڑکیاں نکاح کرنے کے قابل نہیں سمجھی جاتی اور سسک سسک کر زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ چیز کے بغیر کوئی ان کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ مولانا مفتی محمود صاحب نے دیگر معاشرتی برائیوں کی طرح چیز کی لعنت سے بچھڑنے کے لئے بھی قانون سازی کا سہارا لیا۔

مفتی محمود صاحب کے اس اقدام کو بہت سراہا گیا۔ اور اس وقت کے اخبارات نے اس اقدام پر آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ علماء اور دانشوروں نے مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ سرحد حکومت کی طرح چیز پر پابندی لگائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی حکومت نے بھی ایک آرڈیننس کے ذریعہ چیز پر پابندی لگا دی۔ سخت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

برصغیر کے مسلمانوں میں چیز کی موجودہ رسم ہندوؤں کے رسم رواج سے درآمد ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے لاتعداد خاندانوں کو مصائب کا شکار بننا پڑتا ہے۔ اور بے شمار لڑکیاں معاشرہ میں اپنا مستقبل تباہ کر رہی ہیں۔ اس رسم نے اسلام کے سادہ رسم عقد کو ایک گستاخانہ بار بار دیا ہے۔ ہاشمہ حکومت سرحد کا یہ اقدام معاشرہ کی ایک اہم اصلاح کا حامل ہے اور ہمیں امید ہے کہ جلد ہی دوسرے صوبوں میں اس اقدام کی پیروی کی جائے گی۔ (۱۵۱)

”مولانا مفتی محمود صاحب کی یہ بھی دلی خواہش تھی کہ چیز کو ایک مقررہ حد تک پابند کیا جائے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ حق مہر کے لئے بھی ایک حد مقرر کی جائے۔“ (۱۵۲)

روزنامہ ”مشرق“ پشاور کے ۱۳ مئی ۱۹۷۲ء کے شمارہ میں اس سلسلے میں آپ کا بیان شائع ہوا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ”چیز کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے حق مہر بھی اپنی مرضی سے مقرر کرنے کے علاوہ طریق کار کو ختم کیا جائے۔ اور ایک مقررہ حد سے زیادہ حق مہر مقرر کرنے پر پابندی لگا دی جائے گی۔“ (۱۵۳)

۱۳ مئی ۱۹۷۲ء کے روزنامہ ”مشرق“ پشاور کے مطابق مولانا مفتی محمود نے اعلان کیا کہ ”صوبہ سرحد میں مقررہ حد سے زیادہ چیز دینے پر پابندی لگا دی جائے گی۔ جبکہ ۲۳ جون ۱۹۷۲ء کو سرحد اسمبلی نے چیز پر پابندی کا قانون منظور کیا۔“ (۱۵۴)

۱۱ جون ۱۹۷۲ء کو گورنر صوبہ سرحد کے ایک آرڈیننس کے ذریعہ سے مقرر ہوئے
زیادہ جتن دینے پر پابندی لگا دی ہے۔ جہیز کی نمائش بھی نہیں کی جاسکے گی۔ خلاف ورزی کرنے
والے کے لئے دس ہزار روپے جرمانہ کی سزا رکھی گئی۔ (۱۵۵)

احترام رمضان آرڈیننس

رمضان کا مہینہ ایک نہایت متبرک اور قابل احترام مہینہ ہے۔ مسلمان اس مہینے میں
اللہ تعالیٰ کی فاضل عبادت کا نہایت اعتنا اس سے ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود
بعض بد بخت کھلم کھلا اس مہینے کی بے حرمتی کا اہتمام کر کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح
کرتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنے دور حکومت میں احترام رمضان کا آرڈیننس جاری کر کے ایسے
لوگوں کی حوصلہ شکنی کے اسباب بنائے جو رمضان المبارک کا احترام پامال کرنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ جناب اشفاق ہاشمی لکھتے ہیں۔

جمعیت کے جنرل سیکرٹری مولانا مفتی محمود نے صوبہ سرحد میں احترام رمضان کا
آرڈیننس نافذ کر کے رائج صدی کی پاکستانی تاریخ میں ایک نئے اور روشن باب کا اضافہ
کیا۔ مفتی صاحب نے صوبہ سرحد کے تمام ضلعوں کو ماہ رمضان کے متبرک دنوں میں
بند رکھنے کا حکم جاری کیا۔ اس کی خلاف ورزی پر ایک ہزار روپے جرمانہ اور دو ماہ کی قید یا
دونوں سزائیں ایک ہی وقت میں جاری کرنے کا اعلان کیا۔ (۱۵۶)

اس سلسلے میں جناب گل تائب چترالی رقمطراز ہیں۔

اگرچہ اسلام میں جہیز نہیں لیکن جب مولانا مفتی محمود صاحب وزیر اعلیٰ بنے تو معاشرتی
حالات کچھ ایسے تھے کہ لوگ باوجود مسلمان ہونے کے اسلامی احکامات کا احترام نہیں
کرتے تھے۔ اور رمضان المبارک میں سرعام روزہ کھایا جاتا تھا۔

وہ آگے غم آسی کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں۔

مفتی صاحب نے ایک آرڈیننس نافذ کر کے رمضان المبارک کے احترام میں صوبہ
سرحد کے تمام ہوٹل بند رکھنے کا حکم دیا۔ خلاف ورزی کی سزا ایک ہزار روپے جرمانہ
اور دو ماہ کی قید یا ایک ہی وقت میں دونوں۔ (۱۵۷)

رمضان المبارک میں کھلے عام کھانے پینے کے بارے میں مولانا مفتی محمود کی صوبائی
گورنمنٹ نے ایک آرڈیننس جاری کیا۔ روزنامہ "مشرقی" پشاور کے مطابق یہ آرڈیننس ۲۲
دسمبر ۱۹۷۲ء مطابق ۱۳ شعبان المعظم کو جاری کیا گیا۔ (۱۵۸)

پرہیزگوشیاں

اسلام نے عورت کو ایک بلند معاشرتی مقام عطا فرمایا ہے۔ اسلام سے قبل عورت کو جتنا
ہلاکت و ذلت کا حق دار ٹھہرایا جاتا تھا۔ ان کو مظالم کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ اور اس کو محنت و بد بختی کی
حاصلت قرار دیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کو اتنا ہی اونچا مقام عطا کیا۔ اس کے حقوق کو تحقیر کر کے
اس کی ادائیگی کو بھی ایسے ہی لازم قرار دیا۔ جس طرح عورت کے ذمہ مرد کے حقوق کی ادائیگی کو
لازم بتایا ہے۔ اسلام نے اس کو عزت و وقار دیا ہے۔ اس کو گھر کی چار دیواری سے باہر کی ذمہ
داریوں سے مستثنیٰ قرار دے کر گھر کی پاسبانی اور بچوں کی پرورش کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔
مگر مغربی تہذیب کی اندھی تقلید نے جہاں دوسری اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی
غریبوں کو جنم دیا ہے وہاں عورت و مرد کے اختلاف و بے نیابتی بھی عام ہوئی ہے۔ مشرقی عورت میں
شرم و حیا ہوتی تھی۔ اس مادی ترقی نے عورت سے شرم و حیا۔ غیرت اور حمیت اسلامی کی پیادہ
اس کے بدلنا سے اتار دی ہے۔ اور اس کو شمع محفل بنا دیا ہے۔ یہ تمام صورت حال مولانا مفتی محمود
کے سامنے تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے دور حکومت میں ایک اہم اقدام یہ کیا کہ عورتوں کے
لئے پردے کو لازمی قرار دیا۔ جناب اشفاق ہاشمی صاحب کے بقول۔ "مفتی صاحب نے عورتوں

کے حقوق کے لئے اور مردوزن کے کھلے اختلاط اور عورتوں کی بے تحاشی سے پردوش پانے والی خرابیوں کی روک تھام کے لئے صوبہ سرحد میں خواتین کے لئے پردہ لازم قرار دیا۔ (۱۵۹)

اس ضمن میں محمد نعیم آسی کی کتاب میں ہے کہ "مفتی صاحب کو خدا نے اقتدار دیا تو انہوں نے خواتین کے لئے پردے کا اہتمام ضروری قرار دیکر اپنی نیکیوں کی فہرست میں حرم اضافہ کر لیا۔" (۱۶۰)

جمعہ کی تعطیل کی سفارش

برصغیر میں انگریزی اقتدار نے جہاں مسلمانوں کے دیگر شعائر کو مٹانے کی کوشش کی ان میں جمعہ کی تعطیل کی جگہ اتوار کی تعطیل بھی شامل ہے۔ اتوار کا دن عیسائیوں کی عبادت کے لئے مخصوص دن ہے۔ اس دن وہ گر جائیں وہاں میں عبادت کے لئے جاتے ہیں۔ ملک کی آزادی کے بعد تقاضا یہ تھا کہ انگریزی اقتدار کی تمام علامات کو مٹا دیا جاتا۔ مگر یہ قسمتی سے پاکستان کا اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو انگریز کے پردہ و پردہ تھے۔ ان کو دین اسلام اور اس کے شعائر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انگریز کی جبروت کو وہ سب سے بڑا کمال اور ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہوئے تھے۔ مفتی صاحب صوبہ سرحد میں برسر اقتدار آئے تو اگرچہ ان کے اختیارات محدود تھے۔ بڑے دار تعطیل و فاتی مسئلہ تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے جمعہ کی تعطیل کے لئے جدوجہد کی۔ اشتیاق ہاشمی لکھتے ہیں کہ (مولانا مفتی محمود نے) "لہذا کامیاب میں یہ مل پاس کر لیا تھا کہ صوبہ سرحد میں تعطیل اتوار کی بجائے جمعہ کو منانے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔" (۱۶۱)

اردو کو سرکاری و دفتری زبان قرار دینا

پاکستان ایک کثیراللسانی ملک ہے۔ اس لحاظ سے ملکی یکجہتی کے لئے کسی ایسی زبان کو سرکاری اور دفتری حیثیت دینا ضروری ہے جو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ اسی حقیقت کے پیش نظر بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے دھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اساتذہ سے ۲۴ مارچ ۱۹۴۷ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "اگر پاکستان کے مختلف حصوں کو باہم متحد ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے۔ اور وہ میری رائے میں اردو اور صرف اردو ہے۔"

مولانا مفتی محمود نے اسی ضرورت کے پیش نظر صوبہ سرحد کی سرکاری اور دفتری زبان اردو قرار دیا۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۷ء کو آپ نے اعلان کیا کہ "صوبہ سرحد کی سرکاری زبان اردو ہو گی۔" (۱۶۲)

"جبکہ ۱۰ جون ۱۹۴۷ء کو صوبائی حکومت نے اس مسئلے میں آرڈیننس نافذ کیا۔" (۱۶۳)

مشہور کالم نویس جناب سید ابورقہ والی لکھتے ہیں کہ "ایک اور اہم کارنامہ صوبہ سرحد میں اردو کو سرکاری زبان قرار دینا تھا۔ ایک حکم کے ذریعہ تمام سرکاری خط و کتابت اور دفتری کام اردو میں کر دیا گیا۔" (۱۶۴)

سرکاری لباس

انگریز کی تہذیب و تمدن کے اثرات میں یہ تھا کہ ہماری قوم اپنی غلامانہ ذہنیت کی بدولت اپنی تہذیب سے برگشتہ اور انگریزوں کی تہذیب کی دلدادہ بنی۔ انگریزوں کی لباس کو اپنے لئے قرار دینا لباس سے متفرق رہی۔ جس نے بھی انگریزی زبان سیکھ لی انگریز کی لباس میں نظر آنے

لگے جبکہ عام لوگ علاقائی لباس میں ملیں ہوتے تھے۔ اس طرح ایک طبقہ احساس بالاترقی اور دوسرا طبقہ احساس کمتری کا شکار رہا۔ جس سے طبقاتی تقسیم نے جنم لیا۔ اور دونوں میں ایک دوسری اجنبیت اور نفرت سی رہی۔ مولانا مفتی محمود صاحب نے شلو اور قمیص کو سرکاری لباس قرار دیا جس سے عام لوگوں اور بااختیار طبقے میں مساوات کی صورت پیدا ہو گئی اور نجد کی جگہ قریب نفرت کی جگہ دوستی و محبت نے لے لی۔ اور اس طرح مفتی صاحب نے غلامانہ ذہنیت پر مغرب کاری لگا دی۔ آپ نے اس بارے میں جو حکم نامہ جاری کیا وہ یہ تھا کہ۔ "تمام گریڈ مان گزیٹڈ افسر شلو اور قمیص پہنا کریں۔ اور یہی سرکاری لباس ہو گا۔" (۱۶۵)

تعلیمی اصلاحات

مفتی صاحب کو بحیثیت وزیر اعلیٰ اگرچہ محدود اختیارات حاصل تھے۔ لیکن اس کے باوجود اپنی مختصر مدت دور حکومت میں آپ نے نوجوان نسل کو اسلامی تعلیم سے روشناس کرنے کے لئے جو اصلاحات کئے وہ صوبہ سرحد سے ناخواندگی کو دور کرنے میں اور تعلیم کو عام کرنے میں بہت مفید واقع ہوئے۔ اور تعلیمی ترقی ہی کسی ملک کی ترقی و استحکام کا باعث ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں مفتی صاحب نے جو اصلاحات کیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- (۱) یونیورسٹیوں اور کالجوں میں داخلہ کے لئے قرآن حکیم کا ناظرہ اور نماز پڑھنے کو شرط قرار دیا۔
- (۲) ایک سال میں ایک سائنس اور پرائمری سکول قائم کرنے کا اعلان کیا۔
- (۳) ایک سو سے زائد پرائمری سکول اور مل سے ہائی گارڈ بنایا۔
- (۴) کھاجی اور کرک میں نیا انٹر میڈیٹ کالج بنایا اور کئی مراعات میں ڈگری کالج۔
- (۵) کوہاٹ میں گریڈ انٹر کالج کی منظوری۔

(۱) قیام و اسٹیشن خان کے ڈگری کالج میں پوسٹ گریجویٹ کی کلاسز کا اجراء اور یونیورسٹی کے قیام کی جدوجہد۔

(۲) پشاور میں جیالونی کے مضمون پر ریسرچ کے لئے ایک تخصیص کا سرگرم

(۳) ایک سال میں نادار ذہین طلباء کے لئے ۲۳ لاکھ کے وظائف کا اعلان۔

(۴) صوبہ سرحد کے ۱۹۱ اسکول میں عربی ٹیچر، ریاضیات ٹیچر اور قاری ٹیچر کی پوسٹوں پر علماء کی تقرری (۱۶۶)

یہ وہ اہم اقدامات ہیں جو آپ نے تعلیمی پروگرام کی کو دور کرنے کے لئے کئے۔ اور صوبہ سرحد کے دور دراز علاقوں تک تعلیمی سہولتوں کو پہنچانے کا پروگرام بنایا۔

آپ نے اپنے مختصر سے دور حکومت میں دینی اسلامی اصلاحات اور قوانین کا نفاذ کرنے کے لئے عہد کر دیا کہ ایک عالم دین کو اگر اقتدار موالہ کیا جائے تو وہ بہتر طریقے سے یہ ذمہ داری اہم دے سکتا ہے۔

آئین کی تشکیل اور اسلامی وفات شامل کرانے میں کامیاب کردار

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد یہ ملک ۱۹۵۶ء تک بطور کسی آئین دستور کے "سہ زمین بے آئین" رہا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد ایسے طالع آزمائوں کے ہاتھ میں اس ملک کا نام اقتدار رہا۔ جو صرف اپنے ذاتی اقتدار اور ذاتی اختیارات کو دوام دینے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کو ملک و ملت اور عوام کے مسائل و مشکلات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور نہ ہی ملکی عزت و وقار ان کے پیش نظر تھا۔ آپس کی ریشہ دانیوں نے ان کو اس قابل ہی نہ رہنے دیا کہ وہ ملک و ملت کے مفاد اور عزت و وقار کے بارے میں کوئی اقدامات کرتے۔ اقتدار کی دہشت اور اندرون خانہ سازشوں نے اس ملک کو ایک کھلوٹا بنا دیا تھا۔

جوناٹا ایلوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا۔ ۱۹۵۶ء کا آئین اس اعتبار سے ایک نیک شگون تھا کہ ملک پہلا دستور ملا۔ جبکہ وہ بھی ملک پاکستان کے عزت و وقار اور ترقی و استحکام کا باعث نہ بن سکا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۵۸ء میں جناب فیض مارشل محمد ایوب خان نے مارشل لا نافذ کر کے اس آئین کو منسوخ کر دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد جنرل ایوب خان نے ۱۹۶۲ء کا آئین نافذ کیا۔ علماء اور دیندار طبقے کو جیسے ۱۹۵۶ء کے آئین کے بارے میں تحفظات تھے۔ ایسے ہی ۱۹۶۲ء کا آئین بھی ان کی تائید حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ اس میں بھی ایسی خامیاں رکھ دی گئی تھیں۔ جو دینی تقاضوں کو پورا نہیں کرتی تھیں۔ ۱۹۶۹ء میں ایوب خان کے مستعفی ہونے اور اقتدار آمدنی چیف جناب جنرل یحییٰ خان کے حوالہ کرنے کی صورت میں وہ آئین بھی منسوخ کر دیا گیا۔ جنرل یحییٰ خان نے اپنے دور کے مطابق عام الیکشن کرائے۔ لیکن ان کی اقتدار کی ہوس نے ملک پاکستان کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرانے اور جنگ ویش کے قیام کی صورت میں پاکستان سے اسکی علیحدگی کی صورت میں ملک کو بے عقد ویا۔ اس کے بعد مغربی پاکستان کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ عام الیکشن میں مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کرنے کی وجہ سے اس کی حکمرانی جناب ذوالفقار علی بھٹو کے حوالہ کی گئی۔ شروع میں انہوں نے ملک کو عبوری آئین دیا۔ جس کی رو سے وہ سول مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے صدر مملکت بنے اور مستقل آئین کے لئے انہوں نے کمیٹی بنادی۔ اس کمیٹی کے دیگر ارکان کے علاوہ مولانا مفتی محمود بھی اس کے رکن نامزد ہوئے۔ مولانا مفتی محمود کے اس کمیٹی کے رکن ہونے سے اسلامی جماعتوں اور جمہوری قوتوں کو کافی اطمینان حاصل ہوا۔ اور یہ اعتماد ہمارے مفتی محمود صاحب کی موجودگی میں کمیٹی کی سفارشات یقیناً اسلام، مسلمانوں اور ملک و ملت کے مفاد میں مرتب کی جائیں گی۔ ان دنوں لاہور سے ”لیگل ریمڈر“ کے نام سے ایک ہفت روزہ شائع ہوتا تھا۔ جو سیکولر ذہنیت کا ترجمان ہوتا تھا۔ اس کی جنگ وہ جمہوری اقتدار کے احیاء کے لئے ہوتی تھی۔ اور اس لحاظ سے بعض اوقات بعض مضامین میں بھٹو صاحب اور اس کی طرز فکر انی پر تنقید بھی کرتا تھا۔

اس سخت دوز میں مولانا مفتی محمود کے دستور کی تشکیل میں کردار کے حوالہ سے درج ہے کہ ”مولانا مفتی محمود نے نہ صرف اسلامی زاویہ نگاہ سے پاکستان کے دستور کی تشکیل میں کردار ادا کیا بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ جمہوری بنانے میں بھی مفتی محمود کا بڑا حصہ ہے۔“ (۱۶۷)

آپ کے اسی کردار کے بارے میں تمام اسلامی اور جمہوری طبقوں نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ گل نایاب چترالی لکھتا ہے کہ ”مولانا مفتی محمود نے حقیقی جمہوری دستور کے لئے صرف قومی و سیاسی حلقوں کی توقعات کو پورا کیا بلکہ اپنا ”پارٹ“ اس خوبصورتی سے ”پلے“ کیا کہ بچے پرانے سب ان کی صلاحیتوں کے معترف ہو گئے۔“ (۱۶۸)

یہی گل نایاب چترالی صاحب نے چند صفحے آگے چل کر ایک دفعہ پھر ۱۹۷۳ء کی آئین کی تشکیل میں لفظانہ کردار ادا کرنے کے سلسلے میں آپ کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے اور قلم از ہیں۔

۱۹۷۳ء کا آئین ایک اسلامی اور جمہوری آئین تصور کیا جاتا ہے اس کو اسلامی اور جمہوری بنانے میں مولانا مفتی محمود کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے آئینی کمیٹی کے ایک رکن کی حیثیت سے اور اسمبلی کے اندر ایک پارلیمانی لیڈر ہونے کی حیثیت سے آئین سازی کے لئے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ آئین سازی کے سلسلے میں مولانا مفتی محمود کی خدمات تاریخ پاکستان میں ہمیشہ سنہادی حروف سے لکھی جائیں گی۔ (۱۶۹)

پاکستان کی آئین سازی کے اس مرحلہ میں آپ کو بڑے بڑے قانونی اور آئینی ماہرین نے ملے مگر خیر حتمین پیش کیا ہے۔ جناب محمود علی قصوری صاحب جو کہ جنگ آزادی کے مشہور رہنما جناب مولوی عبدالقادر قصوری کے صاحبزادے ہیں۔ پاکستانی سیاست میں فعال کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ زندگی کا اکثر حصہ جناب ”عبدالولی خان کی جماعت میں مرکزی جمہوریوں پر فائز رہے۔ بعد میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی میں شامل ہوئے۔ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب

ہوئے۔ وفاقی وزیر قانون بنے۔ ملک کے چوٹی کے ماہر قانون و آئین تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ نے مفتی صاحب کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

مغربی سیاست میں ان کے ساتھ چلنے کا اتفاق ہوا تو میں ان کی کجلیت کا دل سے محترم ہو گیا۔ دوران بحث کوئی مسئلہ پیش آتا تو کسی سی انجمن آئن پڑتی تو بیش ان کا تاخیر تدبیر ہی اس کا گرہ کشا ہوتا۔ ۱۹۷۱ء کا آئین نافذ اس پر بحث کا مرحلہ آیا تو مفتی صاحب نے تقریباً ۲۰ بجے تک اس کے حسن و قبح پر لکھا۔ لکھنے پر ہی کہ کاشیں نے بھی راتوں میں اٹھ لی دہلی۔ دو ٹاپ سمجھو ریت کے سر نہیں تھے۔ وہ قانون کی بالا دستی، بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ (۱۷۰)

۱۹۷۱ء کے آئین میں اسلامی دفعات کی شمولیت میں سب سے مؤثر کردار آپ کا ہے اس کے لئے آپ نے عقلی دلائل و شواہد پیش کرنے کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ آپ نے پوری صلاحیتیں صرف کر کے دیگر علمبرداروں کو قائل کیا۔ اور حکمرانوں سے ان باتوں کو منوانے میں کامیاب رہے جو ایک دستور آئین کو ایک اسلامی مملکت کے دستور و آئین کے لئے بنیادی دفعات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ کہ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ ایک تقریر میں آپ فرماتے ہیں۔

اس ملک کے لئے طے ہے کہ اس ملک کا آئین اسلامی ہو گا اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا ملک اسلام ہے۔ اس وجہ سے گریز کیوں کیا جائے۔ عبوری آئین میں بھی ان دفعات کو شامل کرنے پر ہم نے زور دیا تھا لیکن عبوری آئین میں ہم نے لکھا وہ تمام صلاحیتیں صرف نہیں کی تھیں جنہیں ہم آج مستقل آئین کے لئے صرف کریں گے۔ دو آگے فرماتے ہیں۔

میرے محترم دوستو! لیسیا کے دستور کو پڑھو۔ تمام لے دستور میں دیکھو مصر کے دستور میں دیکھو۔ یہ دو ملک ہیں جس کو پاکستان میں بہت سے لوگوں نے کافر کہا تھا۔ لیکن ان ممالک کے ساتھ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ملک کا دین اسلام ہے۔ اور اگر

تمام دنیا نے اسلام کے ساتھ میں اسی بات کا واضح اعتراف کیا جاسکتا ہے کہ مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہے تو پاکستان کے آئین میں بھی اس کا اعتراف کرنا چاہیے۔ سمجھنا ہوں کہ پاکستان، اسلام کے نام سے معرض وجود میں آیا ہے۔ مصر، شام، لیبیا، عراق اور سعودی عرب مسلمان ممالک ہیں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور ہم نے اسلام کے نام پر ملک بنایا ہے اگر دو دین اور دولت ملک کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں۔ تو ہم کیوں نہیں کرتے؟ (۱۷۱)

اس وقت ہفت روزہ ”چٹان“ لاہور کے نمائندہ جناب لواز رضا کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے فرمایا، ”ستور پاکستان بناتے وقت ہم نے کوشش کی تھی کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا جائے۔“ (۱۷۲)

مولانا مفتی محمود ایک عالم دین تھے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی فراست و بصیرت اور عقل و دانائی سے بھی نوازا تھا کہ آئینی و قانونی امور پر بھی آپ کو کھل دسٹر حاصل تھا۔ ایسے ہی ملکی معاملات اور حکومتی امور کے لحاظ سے بھی آپ ایک بہترین حکمران ثابت ہوئے تھے۔ آپ خود ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ ”میں نے سالہا سال نوادہ کی وزارت کے دوران کئی کئی کے بغیر مثالی حکومت کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک عالم دین دوسرے سے بہتر حکومت کر سکتا ہے۔“ (۱۷۳)

۱۹۷۱ء کے آئین کی تشکیل میں آپ کے کردار اور اس میں اسلامی دفعات کی شمولیت کے بارے میں مولانا محمد اکبر شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان مفتی صاحب کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ظاہر حق کے اس نمائندہ نے اسلام کے کارکنانیت مؤثرانہ از میں پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اگرچہ ان کے نزدیک مولوی سلطان کا ایک حقیر عنصر ہے لیکن وہ ملکی معاملات چلانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب ان بے دین طاقتوں

گو جو پارلیمنٹ کے اندر اٹھا دے وہ حق کی علمبردار تھیں لہذا جسے ہٹے فرمایا کرتے تھے
 "اسمبلی کے اندر میری موجودگی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کے خلاف
 کوئی کاروائی، کوئی قانون سازی نہیں ہو سکے گی۔ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبے سے
 رہنمائی حاصل کر رہا ہوں جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ "اینقص دین اللہ و
 ادا حق"۔ (۱۷۳)

مولانا زاہد ارشدی صاحب ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلامی دفعات کو شامل کرنے کے
 بارے میں مولانا مفتی محمود صاحب کی خدمات کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

مثلاً ۵۶ء کے آئین اور ۷۳ء کے آئین پر ایک نظر ڈالئے۔ دونوں کے درمیان جہاں
 جہاں فرق ہے اس پر نشان لگائے۔ اور پھر حقائق و واقعات کے حوالے سے ان امر
 کی پیمائش کیجئے کہ ۵۶ء کے آئین کو ۷۳ء کے قالب میں اچالنے میں سب سے زیادہ
 کس کی کوششوں کا دخل ہے۔
 مفتی صاحب مرحوم نے آئین میں مسلمان کی تعریف، صود اور وزیراعظم کے
 مسلمان ہونے کی شرط اور قرآن و سنت کے متصادم قوانین نہ بننے کی ضمانت کو ضروری
 قرار دیا تھا۔ اور وہ اسے عامر کے مطابق مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۹۷۹ء اور ۸۳ء
 کے آئین میں شامل کرانے میں کامیاب رہے۔ (۱۷۵)

۱۹۷۳ء کے آئین میں صراحت کے ساتھ یہ موجود ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف
 مروج قوانین کو سات سال کے اندر تبدیل کر کے ان کو قرآن و سنت کے مطابق کیا جائے گا۔
 اس وعدہ کو آئین کا حصہ بنانے میں بھی مولانا مفتی محمود نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ ملت رولہ
 "چٹان" کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے کہا۔

استور بنانے وقت یہ بھی فیصلہ ہوا کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکے
 گا۔ قرآن و سنت کے خلاف مروج قوانین کو سات سال کے اندر لازماً اسلام کے مطابق

بنایا ہو گا جس کی شکل یہ ہو گی کہ اسلامی مشاورتی کونسل ہر سال ایک رپورٹ پیش
 کرے گی۔ اور اس رپورٹ کو اسمبلی میں زیر بحث لایا جائے گا۔ (۱۷۶)

۱۹۷۳ء کے آئین کو مکمل اسلامی دستور تو نہیں کہا جاسکتا۔ مگر ایک تو اس آئین کی خوبیاں
 یہ ہے کہ یہ تمام سیاسی و جنمادوں کی اتفاق سے منظور کیا گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ اس میں دیگر دستاویز کے
 مقابلہ میں بہت سے اسلامی دفعات کو شامل کیا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ اس میں یہ
 وعدہ کیا گیا تھا کہ سات سال تک تمام خلاف قرآن و سنت دفعات کو اسلام کے مطابق بنائے جائیں
 گے۔ اور یہ کارنامہ بھی مولانا مفتی محمود کا تسلیم کیا جاتا ہے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۳ء میں قائدانہ کردار

مولانا مفتی محمود نے قادیانیت کے خلاف اور اس گمراہ فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار
 دینے میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۷۳ء کی قادیانیت کے خلاف تحریک میں آپ کو ایک سال
 بعد کی مزا ہوئی تھی۔ آپ نے عربی میں "المنتہی القادیانی من ہوا" کے نام سے ایک
 رسالہ بھی لکھا ہے جو کہ "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ انہوں نے
 کیم ۱۹۷۲ء کو صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے حلف اٹھایا تو ان کے علم میں یہ بات لائی
 گئی کہ مرزائیوں نے ایبٹ آباد میں "گرمائی ربوہ" بنانے کے لئے ایک وسیع و عریض رقبہ حاصل
 کر لیا ہے مفتی صاحب نے گورنر صوبہ سرحد اور ہاب سکندر خلیل سے مشورہ کے بعد ایک
 نوپنچس جلدی کر لیا کہ صوبائی حکومت کسی کی نجی ملکیت کو بحق سرکار ضبط کر سکتی ہے اس سے
 فرض یہ تھا کہ اس طریقے سے مرزائیوں کو وہاں سے بے دخل کر دیا جائے گا اور بھی اس آرڈیننس
 کی سیاسی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ان کی اپنی جماعت کے بعض ذمہ دار عہدہ داروں نے اس کو
 غیر شرعی حکم قرار دے کر اس کی واپسی کا مطالبہ کر دیا جو انہیں لے لیا گیا لیکن اسکے بعد کیا ہوا اور

مرزاہیوں کو کس طرح وہاں سے بے اقل کر دیا گیا قانون و حکام نہ دکھاسکا جو غلطی سے کر دیکھایا۔ حالی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما، ہفت روزہ "لولاک" مفصل آباد کے مدیر مولانا جمیل محمود ایک تفصیلی مضمون میں مفتی محمود کے "ہجرات" مکتوبات ہیں وہ لکھتے ہیں۔

پانچواں جرم۔ اور وہ یہ کہ اہل بیت آباد کے متصل جی حیدر آباد اور مرزا آباد سرکاری اسکولوں کی ملی بھگت سے ایک وسیع و عریض رقبہ کرائی دیا جانے کے لئے حاصل کر لیا گیا تھا۔ پنجاب میں ریلوے کی بہر نواح کامیابی اور کامرانی کے بعد اب صوبہ سرحد میں ریلوے نے ان کا تعاقب غیر ترقیاتی پانٹ اور نہ ہی جنوں رکھنے والے پٹھانوں نے اسے خواہ مخواہ غیرت و حمیت کے خلاف سمجھ کر ان وحالے جلاؤا اور قبائلی نبوت پٹھانوں میں پڑنے والے کالے میں کامیابیت ہو سکی اس جرم کو بھی مفتی صاحب ہی کا جرم قرار دیا جاتا تھا۔ (مولانا جمیل محمود۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام آباد، ۱۷ جون ۱۹۷۹ء)

۱۹۷۹ء کی تحریک میں بھی آپ نے قاعدہ اہل کردار ادا کیا ہے۔ قومی اسمبلی میں آپ ہی نے امت مسلمہ کے ترجمان اور وکیل کی حیثیت سے مرزاہیوں کے دونوں گروپوں (قادیانی اور دیوبندی) پر جرج کر کے قومی اسمبلی سے ان کے کھر کا فیصلہ حاصل کیا تھا اور ان کو غیر مسلم اقلیت دلوایا تھا۔ اس سلسلے میں مبلغ ختم نبوت مولانا منظور احمد پھوٹی رقبہ نظر آ رہا ہے۔

۱۹۷۹ء میں جب قادیانیوں کے خلاف ایک عوامی تحریک چلی جس کے نتیجے میں ایک مجلس عمل کی تشکیل ہوئی۔ جس کے سربراہ حضرت محمد رفیع جتوئی تھے جب اس عوامی تحریک کے نتیجے میں یہ مسئلہ اسمبلی میں پہنچا تو اسمبلی میں جلد ہی طرف سے قادیانی نہیں میں کھل اور کامیاب قاعدہ کی حضرت مفتی صاحب مرحوم نے فرمائی اور مرزا ناصر پر ایسی جرج کی کہ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ آج بھی اپنی اپنی مظلوموں میں مفتی محمود صاحب کی مضبوط گرفت کا ذکر کرتا ہے مفتی محمود صاحب کی اسمبلی کے اندر کامیاب وکالت کے نتیجے میں قومی اسمبلی نے منفق طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت

قرار دیا۔ اس تاریخ ساز فیصلہ میں مفتی صاحب کی خدمات جارج کے اوراق میں سننے کی حروف سے نہیں مانگی ہیں۔ (۱۷ جون ۱۹۷۹ء)

اس ضمن میں مقالہ نگار نے آپ کے بارے میں ایک مضمون میں قومی اسمبلی میں قادیانیت کے خلاف امت مسلمہ کے ترجمان کی حیثیت سے آپ کا انتخاب اور آپ کی طرف سے مرزاہیوں پر جرج اور پھر اس کے نتیجے میں مرزاہیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا آپ کا عظیم کارنامہ قرار دیا ہے۔ اور اس کارنامہ کو حضرت مفتی محمود صاحب آخرت کے بارے میں اطمینان کماؤت قرار دیتے ہیں۔

۱۹۷۹ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی حضرت مفتی محمود صاحب نے سارے ملک میں اسمبلی کے اندر اور باہر امت مسلمہ کی قوب ترجمانی فرمائی۔ اسمبلی میں آپ کو سارے مسلمان ممبروں کی طرف سے ترجمان منتخب کیا گیا۔ انہوں نے مرزاہیوں کے قاعدوں کو لایا ہے کہ دیا۔ قادیان قادیان کو قوت استدلال سے مرزاہیوں (قادیانی اور دیوبندی) کے کفر پر قائل کر لیا اور آئین میں مفتی صاحب کی کوشش اور شب و روز کی دوزد صوبے اور سرحدی افسانہ ہو جس کی وجہ سے اس عظیم فتنہ کی جڑیں ال گئیں۔ حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مرزاہیوں کو باقاعدہ حکومت سے غیر مسلم اقلیت تسلیم کر دیا کہ آخرت کے بارے میں اطمینان ہو گیا ہے۔ (۱۷ جون ۱۹۷۹ء)

جناب پروفیسر محمود احمد کا بیان ہے۔ "تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران بھی قومی

اسمبلی کے اندر اور باہر مفتی صاحب بڑے سرگرم رہے ان کی بصیرت نے ان کے علم نے اور ان کی محنت نے ہمارا مسئلہ ساتھ دیا۔" (۱۷ جون ۱۹۷۹ء)

مولانا مفتی محمود نے اگر ایک طرف قومی اسمبلی کے ایوان میں اس فتنہ عظیمہ کے خلاف امت مسلمہ کے ترجمان اور وکیل کی حیثیت سے بھرپور کردار ادا کیا۔ تو دوسری طرف ملک بھر میں اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ چلانے اور اس سلسلے میں عوامی بیداری کی مہم میں بھی

آپ نے مؤثر کردار ادا کیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حضرت مولانا خلیفہ خان صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں۔

لیکن پارلیمانی مذاہب و دشمنان ختم نبوت کی شکست سنی صاحب کے یہ علمی سیاسی اور فکری کوششوں کا نتیجہ تھی۔ صرف یہی نہیں کہ وہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں سے آنٹی جنگ اور قادیانی جماعت کے سربراہ سے علمی مباحثوں میں مصروف رہے۔ قومی ملاحظہ ہو انگریز و تقریر و خطابت کے ذریعے ملت اسلامیہ کے دلوں کو گرم کیا اور جہیوں کو بیدار کرتے رہے۔ اس سلسلے میں ملک میں ہونے والے تمام اہم جلسوں میں وہ بخش بخش شریک ہوئے۔ (۱۸۰)

مولانا سید عبدالجید ندیم صاحب، مفتی صاحب کے ختم نبوت کی تحریک سے ۱۹۷۱ء میں کامیاب کردار کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

پھر تحریک ختم نبوت میں آپ کی قائدانہ خطابت نے تحریک میں جان و آل دی۔ کہ پوری قوم سر بکھن ہو کر میدان میں آئی۔ بالخصوص پارلیمنٹ میں مرزا ناصر نے کئی بھڑے قادیانی نبوت کے حق میں دلائل دیئے تو حضرت مفتی صاحب نے بول بلی تقریر میں دلائل اور ایجن سے اس کے بھڑے کو بے نقاب کیا۔ اور چند منٹوں میں اسمبلی ہل جائیوں سے گونج اٹھی کیونکہ مفتی صاحب نے قرآن و سنت اور اجماع امت اور منطقی استدلال سے مرزا ناصر کا ایسا کامیاب تعاقب کیا تھا کہ اس کے لئے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ بالآخر حکومت وقت کو مفتی صاحب کے دلائل کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور فیصلہ ہو گیا کہ مرزا غلام احمد اور اس کے پیروکاروں کا مسلم برادری سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱۸۱)

جناب اکرام القادری صاحب سابق مدیر ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور لپٹے ایک مضمون بعنوان "مولانا مفتی محمود کی دینی تحریکات" میں آپ کے تحریک ختم نبوت میں کامیاب جدوجہد کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

۱۹۷۱ء میں تحریک ختم نبوت ملی تو آپ پیش پیش تھے۔ اس تحریک کی قیادت کا سہرا تو مولانا محمد یوسف بنوری کے سر تھا مگر قومی اسمبلی میں ختم نبوت کا مسرکہ مولانا مفتی محمود لڑ رہے تھے۔ ہمسویں برکار دو عالم کے قیام کے لئے دن کاٹیں اور رات کا آرام چھوڑ کر کھڑے رہے۔ ۱۹۷۱ء سے رابطہ رکھتے۔ لاکھوں کے اجتماعات سے خطاب کرتے۔ علماء اور قانون دانوں سے مشورہ کرتے اور دوسری طرف قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے موجودہ و نام مرزا ناصر پر گرفت کرتے۔ بالآخر وہ اس تحریک میں کامیاب و سرخوار ہوئے۔ اور مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ آنے والا سورج ضرور نکلے گا کہ مفتی محمد و ان کی تحریک کی کامیابی میں کتنا حصہ ہے۔ (۱۸۲)

مشہور شیعہ رہنما مولانا علی غفصتر کردوی (ع دمع کردوی) تحریک ختم نبوت میں آپ کی کامیاب مساعی کو ان الفاظ کے ساتھ خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

۱۹۷۱ء میں جب تحفظ ختم نبوت کی تحریک ابھری۔ اور ان تحریک محترم مرحوم منظور علی غفصتر کی مساعی سے مولانا مفتی محمود کے قریب ہونے کا اتفاق ہوا۔ اس قربت سے مجھے ان کو سمجھنے کا موقع ملا۔ تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں مرحوم کی خدمات جلیلہ اور جدوجہد غلاصانہ نیز قومی اسمبلی میں ملت مسلمہ کی نمائندگی قابل فراموش کارنامے ہیں۔ یہی وہ جن انتم میں تھے۔ جنہوں نے میرے دل و دماغ کو متاثر کیا۔ (۱۸۳)

فائدہ کار یانیت کی سرکوبی میں مولانا مفتی محمود کا عقیم کردار رہا ہے۔ اس فائدہ کے حاقب میں آپ نے اپنی علمی، فکری اور قائدانہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اسمبلی کے تمام ارکان کی رائے کو اپنے ساتھ شامل کر کے ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا دیا۔ اور "توقید ختم نبوت" کو آئینی تحفظ فراہم کیا۔ دینی خدمات کے اعتبار سے یہ کارنامہ جہاں آپ کی اخروی سعادت کا ذریعہ ہے وہاں یہ آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ بھی ہے۔

پاکستان کے مغرب میں واقع ملک افغانستان کا پاکستان کے ساتھ کئی حیثیتوں سے بہت قریبی تعلق ہے۔ دونوں اسلامی ملک ہیں۔ دونوں مذہبی، نسلی و قسبی رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں یہاں تک کہ ایک ملک دوسرے ملک کے حالات سے لاقطع نہیں رہ سکتا یہ قسمی ہے کہ دونوں طرف کے حکمرانوں نے زمینی حقائق کے برعکس بیٹے و بیٹوں ملکوں میں اختلافات کو اپنے ہواوی ہے اور اتحاد و اتفاق کے مواقع کو ہمیشہ ضائع کیا ہے دوسری طرف دونوں ملکوں کے قوم کے رشتے بہت مضبوط ہیں دونوں طرف سرحد سے ملنے والوں کے رہنے والوں کی زبان ایک ہے ثقافت ایک ہے۔ روایات ایک ہیں حتیٰ کہ مسائل و مشکلات بھی مشترک ہیں اس لئے قدرتی طور پر دونوں کا ایک دوسرے کے حالات سے متاثر ہونا ایک فطری امر ہے۔

افغانستان اپنے کل وقوع کے اعتبار سے ہمیشہ بڑی طاقتوں کی دلچسپیوں اور مرکز میل کا مرکز رہا ہے یہی وجہ ہے کہ جب جہول واد کے اقتدار کا خاتمہ کر کے وہاں کے بعد دیگرے حکمرانوں نے اقتدار پر قبضہ جمانے کی کوشش کی تو ہر حکمران کی پشت پر روس کی حکومت ہوتی تھی اور اسی کی مدد و تعاون سے اقتدار کی دوسری کٹی جا رہی رہتی تھی۔ آئیں میں ہزار اختلاف کے باوجود یہ حکمران ایک بات پر ان کا ہر حال میں اتفاق رہا تھا کہ افغانستان سے مذہبی قوتوں علماء و علماء اور دین دار لوگوں کا خاتمہ کر دیا جائے کیونکہ روس اور افغانستان کے حکمران سب سے زیادہ خطرہ داخلی سے محسوس کرتے تھے۔ روس کے اشارے اور اس کی غوثیوں کی لئے ہر حکمران نے مذہبی قوتوں پر عرصہ حیات نگ کر دیا تھا۔ ان کو جیلوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ ان کو وہاں سے اٹھا کر قلاب کر دیا جاتا تھا زندہ و مردہ گور کر دیا جاتا تھا۔ ان حالات میں بعض لوگ جانیں بچا کر پاکستان اور قبائلی علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے جس کی وجہ تین قسم کے شرعی مسائل سامنے آئے تھے

حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہاں سے جان بچا کر یہاں پناہ لینے والے شرعی لحاظ سے مہاجر ہیں؟ پاکستانیوں اور قبائلیوں کا ان لوگوں کے ساتھ تعاون کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ مفتی صاحب کا احساس دل ان حالات سے بہت پریشان تھا۔ افغانستان کے مسلمانوں کے بارے میں ان کی تشویش اور اندیشے بجا تھے۔ چنانچہ ان کے قریبی ساتھی اور سابق اعلیٰ وزیر جناب محمد خان ایکنی مفتی صاحب کے اضطراب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

مگر اس طرح سوچا مفتی محمود ہر صفت شخصیت کے مالک تھے اور ان کی قرینت کی سعادت خزانہ کی کے مختلف اداروں میں متحد و پیلوں سے متاثر کیا لیکن جو آخری بات انہوں نے میرے ذہن پر نقش کیا وہ افغانستان کے مسلمانوں کے بارے میں ان کی تشویش اور اضطراب تھا۔

میری فرست میں ان کی زندگی کو خطرہ کرنے میں افغانستان کے حالات کا بہت اعلیٰ تصور ممکن ہے کہ یہی سب سے بڑا سبب تھا مفتی محمود صاحب کے اہل و عیال پر افغانستان پر پاکستان کے مسلمانوں کے اہل بیت چھلے رہے تھے۔ (۱۸۳)

اور خاص کر جب افغانستان پر روسی فوجوں نے یلغار کر دی اور بے تحاشا ہندو لوگوں کو قتل کرنا، قید میں ڈالنا شروع کیا وہی فوجوں کی وہاں مداخلت جتنی افغانستان کے لئے خطرناک تھی وہی پاکستان کی سالمیت اور خود مختاری کے لئے بھی شدید خطرہ تھی ان حالات میں مفتی صاحب کی پریشانی بہت افزوں رہی۔ چنانچہ خان محمد اشرف خان کے بقول۔

افغانستان پر روسی حملے کے بعد بڑے بے چین رہے تھے اور افغانی عبادین کے جہاد آزادی کو پاکستان کی تحفظ کی جنگ قرار دیتے تھے اور ایک سرگرمی کی طرف ہر روز کی خطرے کا مقابلہ کرنے کے پوری قوم کو حکم کر کے افغان عبادین کے ساتھ یہ شہاد جہاد کی شرکت کی تمنا کرتے تھے۔ (۱۸۵)

مفتی صاحب کے تحریک قومی اتحاد کے سیاسی رفیق اور مشہور مسلم لیگی رہنما جناب
چوہدری ظہور الہی نے لکھا ہے۔ "افغانستان کے بارے میں مفتی صاحب کی رائے دیگر تمام
محامات کی طرح واضح اور دونوک تھی اور اس کو افغانستان میں جارحیت کا سرکب سمجھتے تھے اور
پاکستان کی سالمیت کے لئے خطرہ! ان کے اس موقف میں کسی لمحہ بھی تبدیلی نہیں آئی۔" (۱۸۱)
روسی افواج کی افغانستان پر یلغار نے عام افغانوں کے لئے موباء اور وہاں کے علماء اور
ویداد طبقے کے لئے خصوصاً جو پریشانیوں کھڑی کر دیں وہ انسانی سوچ سے بالاتر ہیں۔ شرعی لحاظ سے
وہاں جو سوالات پیدا ہوئے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ مفتی صاحب نے ان حالات میں عالموں،
عامیوں کے خلاف جنگ کو شرعی جہاد قرار دیا۔ اور یہ فتویٰ سب سے پہلے آپ نے دیا وہاں سے
قرار اختیار کر کے پاکستان اور قربہ و جوار کے علاقوں کی طرف کوچ کرنے والوں کو مہاجر ٹھہرایا۔
اور مقامی لوگوں پر ان کی مدد و تعاون اور ان کو ٹھکانہ فراہم کرنا شرعی طور پر لازم ٹھہرایا۔

مفتی صاحب نے افغانوں کی مدد کے لئے اس وقت پاکستانی قوم میں پوری بیداری پیدا
کی اور ان کو افغان بھائیوں کی مدد کے لئے تیار کیا جبکہ اس وقت سرحد و بلوچستان میں قوم پرست
رہنما جو کہ اس سے قبل مفتی صاحب کے سیاسی حلیف رہ چکے تھے برعکس موقف رکھتے تھے اور ان
کی وجہ سے افغان مہاجرین کو بعض مقامات پر مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑا تھا۔ چنانچہ ان حالات
کے بارے میں حمزہ ایم۔ اے رقم طراز ہیں۔

افغانستان میں روسی فوجی مداخلت پر انہوں نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا افغان عوام
سے کوئی اور ملی رشتہ کی وجہ سے خصوصاً ان کے دکھ درد کو دیکھنا دکھ تصور کیا اور ان کی ہر
حقیقی عملی مدد کے لئے ہر لمحہ کوشش رہی۔ حالانکہ سرحد اور بلوچستان میں ان کے
بعض دیرینہ سیاسی رفیق اس مسئلہ پر ان سے شدید اختلاف رکھتے تھے۔ (۱۸۷)
ان حالات پر تفصیلی روشنی جناب مولانا زاہد ارشدی نے ذیل ہے۔

اور ملکی سالمیت کے لئے دوسرا بڑا مرحلہ افغانستان کی روسی مداخلت کے بعد سے
اور پیش ہے۔ افغانستان پر روس کی چڑھائی اور منظم افغانیوں کی لاکھوں کی تعداد میں
ہجرت کے بعد سرحد و بلوچستان کے بعض ایسے سیاسی عناصر جو یہ مفتی محمود سے بہت
بقدرت جن سے ساتھ مولانا مفتی محمود اور ان کی رعایت کا فائدہ کا قلعی رہا ہے۔ لیکن
مفتی محمود نے ان پر اسے دیکھا، لی پر اس کے طریقے صرف روسی جارحیت کی کھلم کھلا
خبر مت کرتے ہوئے افغان مہاجرین کو خوش آمدید کہا بلکہ ان پر اسے سیاسی و فکری کو بھی
اسلام دلایا کہ ان کا یہ پڑھنا سنا کی روحانی مہمان نوازی کے مطابق نہیں ہے اور یہ
بات سوارج کو تسلیم کرنا چاہئے گی کہ روس کو افغانستان میں مداخلت کے بعد سرحد اور
بلوچستان سے جس غیر مقدس کی توقع تھی اس کے راستے میں مولانا مفتی محمود کی جہاد
جبرک شخصیت کا کافی مہم و کلاکت سن گئی اور وہاں کو بروقت مدد نہ ہو گیا کہ سرحد اور
بلوچستان کے بارے میں اس کے بعد اس کے ہی خواہشوں کی۔ پھر ان حقائق
پر جی نہ نہیں۔ (۱۸۸)

اس کے علاوہ مفتی صاحب نے روسی جارحیت کا راستہ روکنے کی تدبیر شروع کر دیں۔
ایک قوت مندوں نے پاکستان کی تمام سیاسی و دینی اور جماعتوں کو اس عظیم خطرے کے پیش نظر منظم
کرنے کی کوششیں شروع کر دیں وہ سرانہمیں نے افغانستان میں موجود مجاہدین کی تنظیموں میں
وجود اختلافات کو ختم کر کے ان کو متحد کر کے روسی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی ان میں حوصلہ اور
جست پیدا کر دی۔ چنانچہ پاکستان کے عظیم رہنما اور مفتی صاحب کے سیاسی رفیق جناب نواز زادہ
محمد خان تحریر کرتے ہیں۔

جب روسی افواج افغانستان میں جارحیت کا ارتکاب کر کے وہاں داخل ہوئیں تو مفتی
صاحب نے اپنی روایات کے مطابق اسلامیات پاکستان کی تمام سیاسی اور دینی تنظیموں کو
اس عظیم خطرے کے پیش نظر متحد کرنے کی کوشش کی اس سلسلے میں کہ اپنی والدہ اور
والدین کی وصیت کو مدنظر رکھ کر ان کے شہر میں اجتماعات منعقد کئے گئے۔

مفتی صاحب اپنی پورے سالانہ اور پیداری کے پدموں ان سب اجتماعات میں شریک ہوتے
اند کی کی آخری سانس تک استقامت کے ساتھ ملی فریضے سے عہدہ و آہستہ کی
کوشش کرتے رہے۔ (۱۸۹)

افغانستان میں موجود مجاہدین کی تنظیموں میں اتحاد کی صورت پیدا کرنے کے بارے
میں قاری سعید الرحمن نے لکھا ہے۔

افغانستان کے مسئلے میں مفتی صاحب کا نہایت اہم اور سخت متاثرہ تھا اور وہی قسط کو
انتہائی جادہ جانتا اور عالمانہ اقدام قرار دیتے تھے۔ افغان مجاہدین کی حمایت کے لئے
انہوں نے اندرون اور بیرون ملک اور بے گئے (تہائی پوری) اور غصہ کے پدموں اور
اور علاقوں تک گئے۔ افغان مجاہدین کے لئے وہ ان میں اتحاد کے لئے کئی بار چلائے
ان کے مکر میں گئے اور انہیں اتحاد کے لئے قائل کیا۔ آخر ان کی یہ کوششیں سب
فجہ محبت ہو گئیں چاہے ظاہر کی طور پر اس اتحاد کا کرپٹ کوئی اور لے لیکن اس
اتحاد میں مفتی صاحب کی کوششوں کو جلائے عمل تھا۔ (۱۹۰)

خلاصہ بحث

مولانا مفتی محمود کی تمام تر جدوجہد کا مقصد یہ تھا کہ دین اسلام کی سر بلندی و قوم کے
ہر فرد کی انفرادی و اجتماعی زندگی اور ملک کے جملہ شعبوں میں اپنی عوام کی کار فرمائی اور دینی
تعلیمات کو قوت و تکیہ حاصل ہو۔

ملک میں دو دفعہ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۴ء میں تحفظ ختم نبوت کی تحریکیں چلیں۔ آپ نے
ان دونوں تحریکوں میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ قبل کی صورتیں برداشت کی تھیں۔ ۱۹۵۳ء کی
تحریک ختم نبوت کی ناکامی کے بعد جمیع علماء اسلام کی تحلیل میں آپ کا نمایاں کردار و ہاشم کی
صورت میں آپ نے دیگر اکابرین کے ساتھ پاکستان بھر کے علماء کو ایک اپنی مذہبی اور سیاسی
پیش قدم پر جمع کر کے ان میں اتحاد کی قوت پیدا کر دی تھی۔ اس باب میں ان کو موصوفی ملایا گیا
ہے اتحاد عیدین و رمضان کے لئے روایت جلال کے مسئلہ پر ملک بھر کے علماء کا اجتماع کر دیا۔ اور
اہم علماء کی طرف سے ایک متفقہ فیصلہ کا مرتب کر دیا اور پھر حکومت وقت کے سامنے اس اہم مسئلہ
کے حل کی صورت پیش کر دی۔ جب ملک کو ۱۹۵۶ء کا آئین ملا۔ تو یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ یہ آئین
بالکل اسلام کے مطابق ہے اور اس میں کوئی شیئ کوئی دفعہ خلاف اسلام نہیں۔ مفتی صاحب نے
ایک کمیٹی بنا کر اس کا شیئ وارہ دفعہ وارہ جائزہ لیا۔ اور ۱۹۵۶ء کے آئین پر تنقیدات و ترمیمات
کے نام سے ایک کتابچہ لکھا۔ اور ان لوگوں کے پروپیگنڈے کا مسکت جواب دیا۔ ساتھ ساتھ اس
میں ترمیمات بھی پیش کیں۔ کہ اگر ان ترامیم کو اس میں شامل کر دیا جائے تو یہ "اسلامی آئین"
نہ ہو گا۔

آپ نے ملتان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سو سال پورے ہونے پر جہاد کا نعرہ سن
 منعقد کی جس میں انہوں نے جنگ آزادی کے مجاہدین کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور موجودہ نسل کو
 انہیں کے نقش قدم پر چل کر ملک و قوم کی آزادی کے لئے قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کی سعی کی۔
 باب ۱۲ میں تفصیل کے ساتھ بانو ال ملحق صاحب کی امنی اخلاقیات سے بحث کی گئی
 ہے جو انہوں نے عوام میں اور قومی اسمبلی میں ایوب خان کے دور میں نافذ شدہ عائلی قوانین کے
 خلاف کئے گئے اقدامات کی صورت میں انجام دیا۔

آپ کا ایک عظیم دینی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملک بھر کے دینی مدارس کو "وقف
 المدارس العربیہ" کی صورت میں منظم کیا۔ ایک نصاب اور ایک نظم کی صورت میں ان میں
 اتحاد کی صورت پیدا کی۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں جدید دینی مسائل کے بڑے بڑے چیلنج سامنے آئے۔ ہامد ازہر
 مصر نے جدید مسائل پر بحث اور مفقہ فیصلہ کے لئے "مجمع السحوت الاسلامیہ" کی تشکیل
 کی جس کے اجلاسوں میں انیابھر کے مسلمان علماء و مفتیین کو اظہار خیال کی دعوت دی جاتی تھی
 مفتی صاحب تین اقد ان اجلاسوں میں شرکت فرما چکے ہیں۔ اس باب میں آپ کی "مجمع
 السحوت الاسلامیہ" میں شرکت اور وہاں آپ کی دینی سرگرمیوں سے بحث کی گئی ہے۔
 مدد ایوب خان کے دور میں ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے ادارے "اسلامی تحقیقاتی
 کونسل" کے ممبران پر وگرام کو مفتی صاحب اور دیگر علماء نے ناکام بنادیا۔ اور ان کی ایک نہ چلنے
 دی۔ اس سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

آپ نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ دینی و دنیاوی بنامتوں میں اتحاد کی قطار قرار
 رہے۔ تاکہ وہاں اویسیت کے سیلاب کے سامنے سد تسلیم کی ضرورت نہ ہو۔ مختلف حالات میں آپ کی

یہ سلی کامیاب رہی ہے اور اسی اتحاد میں آپ کا قائم ان کردار رہا ہے۔ اس باب میں اس سے بھی
 بحث کی گئی ہے۔

۱۹۷۲ء میں آپ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے۔ آپ نے ۱۹ ماہ کے محنتور ورنیہ میں جو
 کارکنی ہر قطعی اصلاحات نافذ کیں۔ وہ ملک و قوم اور صوبہ کے لئے بہت مفید اور بروقت خدمات
 بریں۔ آپ کی ان اصلاحات کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

۱۹۷۶ء کے آئین میں جتنے بھی اسلامی دفعات کو آئین کا حصہ بنایا گیا ہے۔ ان میں مفتی
 صاحب کا نمایاں کردار رہا ہے۔ آئین کی تشکیل میں کیا کیا مشکل مراحل پیش آئے۔ ان سب
 کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

باب ۱۲ میں جہاد افغانستان کے بارے میں بھی آپ کے مؤقف کو واضح کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

- (1) نور الہدی، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۱
- (2) اشرف، عبد الرحیم، حکیم سہیل، "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۸
- (3) نور الہدی، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۱
- (4) ظہیر، احسان الہی، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۱
- (5) اسفندیار، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۱
- (6) بھوری، محمد ایوب، سید، مولانا روزنامہ "افاق" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹
- (7) مفتی محمود، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۷۷
- (8) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عبد سار قیادت۔ ص ۷۷
- (9) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۳۵۔ مکتبہ "تبیر" لاہور۔ ۱۹۷۰ء
- (10) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر عبد سار قیادت۔ ص ۳۹
- (11) خان محمد، خواجہ، مولانا تحریک ختم نبوت۔ حوزہ بہ منزل۔ ص ۸۷ خانقاہ سرحدیہ کندیان، میانوالی
- (12) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۳۳
- (13) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۳۶
- (14) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۳۶
- (15) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۳۸، ۳۳۳

- (16) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۳۹، ۳۳۸
- (17) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۵۰
- (18) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۵۲
- (19) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۵۷، ۳۵۶
- (20) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۶۰
- (21) جانباز مرزا، حیات امیر شریعت۔ ص ۳۶۱، ۳۶۰
- (22) عبد اللطیف، قاضی، مولانا ماہنامہ "تربیان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۸
- (23) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ بخت روزہ "تربیان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۶
- (24) تاج محمود، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۴
- (25) عبید اللہ، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۳
- (26) محمد اکبر، مولانا تذکار محمود۔ ص ۱۸۶
- (27) قادری، اکرام، بخت روزہ "تربیان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۸، ۱۳۷
- (28) روحانی باری، محمد موسیٰ، مولانا ماہنامہ "تربیان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۳
- (29) قاسم، ظفر احمد، مولانا ماہنامہ "تربیان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۰۴
- (30) نور محمد، مولانا ایضاح المقال فی رویۃ الہلال۔ ص ۱۳۔ جامعہ دارالعلوم، اناجوتلی وزیرستان۔ ۲۰۰۰ء
- (31) نور محمد، مولانا ایضاح المقال فی رویۃ الہلال۔ ص ۱۳

- (50) شجاع آبادی، محمد اسماعیل۔ خطبات محمود۔ جس کے سب سے مکتبہ سلیمانہ، مکتبہ بانو اور نشاط کالونی لاہور کیسٹ۔ بار دوم ۲۰۰۱ء۔
- (51) بنوری، محمد ایوب، مولانا مابنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر ۱) ص ۱۱۵
- (52) بنوری، محمد ایوب، مولانا مابنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر ۱) ص ۱۱۶
- (53) بنوری، محمد ایوب، مولانا مابنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر ۱) ص ۱۱۶
- (54) بنوری، محمد ایوب، مولانا مابنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر ۱) ص ۱۱۶
- (55) انور، عبید اللہ، مولانا مابنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر ۱) ص ۱۱۸
- (56) حامد میاں، سید، مولانا ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱) ص ۸۷
- (57) عبید اللہ، مولانا مابنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر ۱) ص ۸۷
- (58) عبدالکریم، قاضی، مولانا مابنامہ "تہجد" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱) ص ۶۶-۶۷
- (59) خان محمد، خواجہ، مولانا مابنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر ۱) ص ۱۱۴
- (60) انور، عبید اللہ، مولانا مابنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مولانا مفتی محمود نمبر ۱) ص ۱۱۹

- (32) نور محمد، مولانا۔ ایضاح القتال فی ردیۃ الہدال۔ ص ۱۳۔
- (33) ملتان، محمد شفیع، مفتی، مولانا۔ فیصلہ علماء متفقہ ردیۃ الہدال۔ ص ۲۔
- (34) ملتان، محمد شفیع، مفتی، مولانا۔ فیصلہ علماء متفقہ ردیۃ الہدال۔ ص ۲۔
- (35) ملتان، محمد شفیع، مفتی، مولانا۔ فیصلہ علماء متفقہ ردیۃ الہدال۔ ص ۲۔
- (36) ملتان، محمد شفیع، مفتی، مولانا۔ فیصلہ علماء متفقہ ردیۃ الہدال۔ ص ۲۔
- (37) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳ ص ۲۳۔
- (38) مفتی محمود، مولانا۔ فتاویٰ مفتی محمود۔ ج ۳ ص ۲۳۔
- (39) نور محمد، مولانا۔ ایضاح القتال فی ردیۃ الہدال۔ ص ۱۵۔
- (40) بنالوی، ریاض۔ روزنامہ "مشرق" لاہور (۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء)۔
- (41) عابد، قطب الدین، مولانا۔ مفتی محمود سے ملنے۔ ص ۱۱۳۔ مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی۔ ۲۰۰۳ء۔
- (42) شبیر کوٹی۔ انوار الحسن۔ جس بڑے مسلمان۔ ص ۵۵۳۔ مکتبہ رشیدیہ، ۳۲، شاہی مارکیٹ لاہور۔ طبع چہارم ۱۹۸۳ء۔
- (43) عابد، قطب الدین، مولانا۔ مفتی محمود سے ملنے۔ ص ۱۳۹، ۱۳۰۔
- (44) محمد اکبر، مولانا۔ تذکار محمود۔ ص ۱۸۴۔
- (45) محمد اکبر، مولانا۔ تذکار محمود۔ ص ۱۸۴۔
- (46) خان محمد، خواجہ، مولانا۔ تحریک ختم نبوت۔ منزل بہ منزل۔ ص ۴۹۔
- (47) عابد، قطب الدین، مولانا۔ مفتی محمود سے ملنے۔ ص ۱۳۰۔
- (48) عابد، قطب الدین، مولانا۔ مفتی محمود سے ملنے۔ ص ۱۳۱۔
- (49) عابد، قطب الدین، مولانا۔ مفتی محمود سے ملنے۔ ص ۱۳۱۔

- (61) پیر ائی، گل نایاب مولانا مفتی محمود کی سیاق و سباق کی۔ ص ۶۰، ۱۰۱ اور العلوم محمدیہ ص ۱۰۱
- (62) قادیانی، الدین، بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳۸
- (63) مفتی محمد امجد، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳۸
- (64) محمد امجد، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳۸
- (65) اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۶ ستمبر ص ۱۰۱ تا ۱۰۲ قادیانی بکس خانہ لاہور
- (66) آسی، محمد نعیم، مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات) ص ۱۳، ۱۴
- (67) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲ (جنوری ۱۹۷۱ء)
- (68) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (69) محمد امجد، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴
- (70) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر، عہد ساز قیادت ص ۱۰۱
- (71) محمد امجد، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴
- (72) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر، عہد ساز قیادت ص ۱۰۱
- (73) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر، عہد ساز قیادت ص ۱۰۱
- (74) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (75) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (76) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (77) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲

- (78) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر، عہد ساز قیادت ص ۱۰۱
- (79) آسی، محمد نعیم، مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات) ص ۱۳، ۱۴
- (80) آسی، محمد نعیم، مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات) ص ۱۳، ۱۴
- (81) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (82) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (83) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (84) مفتی محمود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (85) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر، عہد ساز قیادت ص ۱۰۱
- (86) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر، عہد ساز قیادت ص ۱۰۱
- (87) انور شاہ، محمد، مفتی، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (88) آسی، محمد نعیم، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (89) قسیم، محمد مسعود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (90) قسیم، محمد مسعود، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (91) اسفندیار، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (92) آسی، محمد نعیم، مولانا بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (93) محمود شام، بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (94) محمود شام، بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲
- (95) محمود شام، بخت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳، ۱۴ ج ۱۱، ۱۲

- (96) مفتی محمود، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ ج ۱۸۔ ش ۳۳
- (97) محمود شام۔ مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۴۰۰
- (98) نکسوی، مسکن الدین، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳
- (99) کلاچوی، عبد الکریم، قاضی، مولانا ۵۰ ماہار۔ "تبرہ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۴۰
- (100) آبی، محمد نعیم، مولانا مفتی محمود۔ ص ۷۷
- (101) کمال، احمد مسکن ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۹۶، ۹۵
- (102) کمال، احمد مسکن ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۷۷
- (103) مفتی محمود، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ ج ۹۔ ش ۳۲ (۴۴ نومبر ۱۹۶۱)
- (104) مفتی محمود، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ ج ۹۔ ش ۳۷ (۳۰ جنوری ۱۹۶۱)
- (105) محمود شام۔ مفتی روزہ "انبارِ جہان" کراچی۔ (اگست ۱۹۷۱)
- (106) محمود شام۔ مفتی روزہ "انبارِ جہان" کراچی۔ (اگست ۱۹۷۱)
- (107) راشد فی الزادہ، مولانا حضرت مولانا مفتی محمود۔ رحمت کی نظر میں۔ ص ۱۵۸
مکتبہ دیوبند محلہ جٹلی قصہ خوالی پشاور۔ ۲۰۰۱ء
- (108) آزاد، عبد القادر، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۴۰
- (109) علوی، سعید الرحمن، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ ج ۱۱۔ ش ۳۳
فروری ۱۹۶۸ء
- (110) حامد، عبد الکریم مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹۰
- (111) علوی، سعید الرحمن، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ ج ۱۱۔ ش ۳۳
فروری ۱۹۶۸ء

- (112) علی، محمد آبی، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۲
- (113) قادری، واکریم، مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۹
- (114) مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ج ۹۔ ش ۳۵ (۲۵ نومبر ۱۹۶۱)
- (115) حامد، عبد الکریم، مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۹۰
- (116) مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ج ۹۔ ش ۳۵ (۲۵ نومبر ۱۹۶۱)
- (117) مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ج ۹۔ ش ۳۵ (۲۵ نومبر ۱۹۶۱)
- (118) قادری، واکریم، مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۹
- (119) جناح محمود، مولانا صاحبانہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۳
- (120) علوی، سعید الرحمن، مولانا صاحبانہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۷۶
- (121) قریشی، نور الحق، مولانا ایڈوکیٹ۔ مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص ۱۳۱
- (122) سراج الحق، مولانا صاحبانہ "قوی ڈائجسٹ" (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۴۹
- (123) نصر اللہ خان، نواز اور صاحبانہ "قوی ڈائجسٹ" (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۶
- (124) حضور محمد پیر، فیصلہ صاحبانہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۹۱
- (125) نور امیدی، مولانا صاحبانہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۱
- (126) اشرف، عبد الرحیم، حکیم، روزنامہ "وفاق لاہور" (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۵
- (127) کراروی، علی قاضی، مولانا صاحبانہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۰
- (128) کراروی، علی قاضی، مولانا صاحبانہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۰

- (129) مفتی محمود، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ج ۱۹۔ ش ۱۰
- (130) مفتی محمود، مولانا مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ج ۱۹۔ ش ۱۲
- (131) قادری، اکرم۔ مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۹
- (132) قادری، اکرم۔ مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۳۹، ۱۴۰
- (133) گھسی، محمد یاسین، ڈاکٹر۔ مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۳۳۹
- (134) نور محمد، مولانا، تذکار محمود۔ ص ۱۱۱
- (135) نور الہدی، مولانا، سائنس "قومی ڈائجسٹ لاہور" (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۱۵۱
- (136) راشدانی، زاہد، مولانا، تذکار محمود۔ ص ۱۶۳
- (137) قاسمی، ضیائی، مولانا، تذکار محمود۔ ص ۱۷۱
- (138) آسی، محمد نعیم۔ مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۲۱۹
- (139) مفتی محمود، مولانا، مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۵۵۵
- (140) روزنامہ "مشرق" پشاور۔ ج ۵۔ ش ۲۶۳ (۲ مئی ۱۹۷۲ء)
- (141) روزنامہ "مشرق" پشاور۔ ج ۵۔ ش ۳۳۳ (۲۱ جولائی ۱۹۷۲ء)
- (142) روزنامہ "مشرق" پشاور۔ ج ۵۔ ش ۲۶۳ (۲ مئی ۱۹۷۲ء)
- (143) روزنامہ "مشرق" پشاور۔ ج ۵۔ ش ۲۶۷ (۶ مئی ۱۹۷۲ء)
- (144) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۱۵۰
- (145) آسی، محمد نعیم۔ مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات)۔ ص ۱۸۰

- (146) روزنامہ "مشرق" پشاور۔ ج ۶۔ ش ۲ (۲ اگست ۱۹۷۲ء)
- (147) القسیر آن الحکیم ۲: ۷۵
- (148) عبدالخالق، مولانا، امام کابے تاج بادشاہ ص ۳۱
- (149) روزنامہ "مشرق" پشاور۔ ج ۵۔ ش ۲۷۲ (۱۱ جون ۱۹۷۲ء)
- (150) آسی، محمد نعیم۔ مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات)۔ ص ۱۸۳
- (151) مفتی روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (۱۴ جون ۱۹۷۲ء)
- (152) روزنامہ "مشرق" پشاور (۱۶ مئی ۱۹۷۲ء)
- (153) روزنامہ "مشرق" پشاور (۱۱ جون ۱۹۷۲ء)
- (154) روزنامہ "مشرق" پشاور (۲۳ جون ۱۹۷۲ء)
- (155) روزنامہ "مشرق" پشاور (۱۱ مئی ۱۹۷۲ء)
- (156) ہاشمی، اشفاق، محمد۔ مفتی محمود کا دور حکومت۔ ص ۲۳۔ "سینئر پبلیکیشنز، نھان پارانہ"
- 10-۲ مرکز اسلام آباد۔ اشاعت: ستمبر ۲۰۰۳ء
- (157) چترالی، گل نایاب۔ مفتی محمود کی سیاسی زندگی۔ ص ۲۲۴
- (158) روزنامہ "مشرق" پشاور (۲۳ ستمبر ۱۹۷۲ء)
- (159) ہاشمی، اشفاق، محمد۔ مفتی محمود کا دور حکومت۔ ص ۲۳
- (160) آسی، محمد نعیم، مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات)۔ ص ۱۸۳
- (161) ہاشمی، اشفاق، محمد۔ مفتی محمود کا دور حکومت۔ ص ۳۲
- (162) روزنامہ "مشرق" پشاور (۱۱ مئی ۱۹۷۲ء)
- (163) روزنامہ "مشرق" پشاور (۱۱ جون ۱۹۷۲ء)
- (164) قندلانی، انور، سید۔ درویش سیاستدان۔ ص ۵۱

- (184) اچکزئی، زمان خان، محمد۔ روزنامہ "وقاق" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۲۱
- (185) خان اشرف خان۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۵۳
- (186) عسکری، چوہدری۔ روزنامہ "وقاق" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۱
- (187) حمزہ ایم۔ اے۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۹۷
- (188) راشدی، آزاد، مولانا۔ روزنامہ "وقاق" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۲۹
- (189) نصر اللہ خان، نواز اور۔ ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۸۲
- (190) سعید الرحمن، قادری، مولانا۔ ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۷۶

- (165) آسی، نعیم محمد۔ مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات)۔ ص ۱۷۹
- (166) ہاشمی، اشفاق محمد۔ مفتی محمود کا دور حکومت۔ ص ۳۱، ۳۰
- (167) ہفت روزہ "سپیل ونسڈ" لاہور (۲۴ مارچ ۱۹۷۲ء)
- (168) چترالی، گل نایاب۔ مفتی محمود کی سیاسی زندگی۔ ص ۲۳۲
- (169) چترالی، گل نایاب۔ مفتی محمود کی سیاسی زندگی۔ ص ۲۷۳
- (170) قصوری، محمود علی، میاں۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۷

- (171) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۵۳۸
- (172) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۳۳۸
- (173) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۶۶
- (174) محمد اکبر، مولانا۔ تذکار محمود۔ ص ۱۸۸
- (175) راشدی، آزاد، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۶۷، ۱۶۸
- (176) راشدی، آزاد، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۳۳۸
- (177) یحییٰ، منظور احمد، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۷۷، ۷۸
- (178) اکبری، عبد الکلیم۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۳۹۳، ۳۸
- (179) غفور احمد، ای، قیصر۔ ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۹۱، ۹۲
- (180) خان محمد، خواجہ، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۱۲
- (181) تدیم، عبد المجید، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۸۱
- (182) قادری، آرام۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۲۹
- (183) کرار دینی، حفیظ، علامہ۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)۔ ص ۱۷۷

کلیات میں آپ کا مقام

مفتی صاحب نے شروحات سے لے کر سیاسی وابستگی کا جو مقصد متعین کیا تھا۔ آپ کی کام سرگرمیاں اسی مقصد کے گرد گھومتی رہیں۔ یہاں تک کہ سیاسی لحاظ سے آپ کو ملکی سطح پر ایک اعلیٰ مقام ملا۔ جس کا اعتراف آپ کے تمام اہم معاصر علماء اور سیاستدان کرتے رہے۔ مولانا عبید اللہ انور صاحب رقمطراز ہیں۔

مفتی صاحب سے سیاسی اختلاف اس وقت ۱۱ جب ۱۹۵۸ء میں والد بزرگوار حضرت مولانا احمد علی صاحب دینی بی بی بی بی شریف نے گئے۔ اور مفتی صاحب کو اپنا قائم مقام بنائے۔ ایک صاحب کشف اور عارف ہائے اسی کا اپنی منہ کے لئے آپ کو منتخب کرنا چاہا اور انھوں نے انھیں نظر کے نزدیک مفتی صاحب ایک نہایت عمدہ اور بہادر معزز سیاستدان کی حیثیت سے متعارف ہو گئے۔ (۱)

مولانا عبید اللہ انور کے بقول حضرت لاہوری جی طرف سے مفتی صاحب کو جو اعتماد ملا۔ حقیقیہ مفتی صاحب کے کمالات کا اعتراف ہے۔ اپنے بزرگوں کی طرف سے یہ اعتماد مفتی صاحب کے لئے اعزاز سے کم نہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب نے مفتی محمود کی وفات حشر سے آیات پر جو بیان جاری کیا تھا اس میں وہ مفتی صاحب کی طبیعت کے ساتھ ساتھ آپ کو ایک مخلص سیاستدان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "مولانا مفتی محمود، دارالعلوم دیوبند کے جن فیض یافتگان میں سے ہیں جنہوں نے ایک زندہ جاوید سار سچا قدم کر کے بڑا نام پایا۔ وہ ایک جدید عالم دین اور مخلص سیاستدان تھے۔" (۲)

برصغیر پاک و ہند کے مایہ ناز عالم دین، بین الاقوامی شہرت یافتہ مفسر حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی، مفتی محمود کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ "عالم اسلام

باب چہارم

سیاسی خدمات

میں مولانا مفتی محمود کا نام ایک اسلام کے عظیم کمال کی صورت میں معروف ہوا۔ پاکستان میں اسلام کے لغات کے لئے ان کی خدمات سب سے پہلے وقف سے لکھی جائیں گی۔ (۳)

مفتی صاحب کی طبیعت اور آپ کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف بین الاقوامی سطح پر کیا گیا اور دنیا اسلام کے بڑے رہنماؤں، مقتدر قوتوں نے اس کا بار بار اعتراف کیا ہے۔ جلالہ الملک پاسبان حرم خالہ بن عبدالعزیز فرماندارائے سعودی عرب، مفتی صاحب کی وفات پر ایک پیغام میں اور شہر فرماتے ہیں۔ "الشیخ مفتی محمود سے چند لغات کی صحبت نے مجھے بے حد متاثر کیا ان کی علمی اور اصلاحی خدمات اہل اسلام کے لئے سرمایہ حیات ہیں۔" (۴)

فضیلہ الشیخ محمد منقوت السقا، امینی سربراہ اور رابطہ عالم اسلامی مکتبہ نکرہ نے مفتی صاحب کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف کچھ یوں کیا ہے۔

مفتی صاحب مرحوم براہِ شریعہ اسلام کے اعلیٰ عظیم اور تبحر عالم دین تھے۔ مرحوم نے پاکستان میں اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے دانے عمار کو منظم کرنے کے حلیے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ترقی و احکام اور سلامتی و وحدت کے لئے انتھک جدوجہد کی۔ (۵)

رابطہ عالمی اسلامی کے جنرل سیکرٹری جناب محمد علی الخیر کان بھی آپ کے خدمات کے معترف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "مفتی صاحب عالم اسلام کے ممتاز کالم تھے جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کی ہوئی تھی۔" (۶)

آپ کے ہم عصر سیاست دانوں نے بھی آپ کی علمی و ملی سطح پر خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے بانی ارکان میں سے ایک اہم نام جناب غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب کا ہے جو وعد میں نگران وزیراعظم بھی بنے تھے۔

مولانا مفتی محمود ایک ممتاز مذہبی و سیاسی کالم، ممتاز رہنما اور جمہوریت پسند انسان تھے۔ ان کی وفات ملک کے لئے عظیم نقصان ہے۔ مرحوم اپنی زندگی میں اسلامی

بھولوں اور جمہوریت کے گارڈ کے لئے جنگ کرتے رہے۔ مولانا مفتی کی تحریک میں برطانوی حکمرانوں کے خلاف صفِ اول کے رہنماؤں میں شامل تھے۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے سیاسی اور مذہبی لحاظوں پر نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ (۷)

دور ایوبی کے ایک اہم سیاسی رہنما جو بعد میں جمہوری قوتوں کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک بن گئے۔ جناب چوہدری ظہور الہی صاحب وہ حضرات مفتی صاحب کی خدمات کو ان الفاظ میں فریخِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ "مولانا مفتی محمود نے مجھے مذہب اور سیاست کے حوالے سے امداد و رہنمائی مفتی صاحب کی وفات کے بعد ملک ایک عظیم کالم اور محب وطن سیاسی رہنما سے محروم ہو گیا ہے۔" (۸)

جناب رہنما ذوالفقار علی بھٹو، جناب مفتی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں۔ مولانا مفتی محمود کی حق گوئی، بے باکی و بلند نگاہی اور قوتِ تجزیہ سے حالات کو مفہوم کی روشنی میں دیکھنے کی صلاحیت ان کی چیزیں ہیں کہ قوم کے اہل ارادے طبقے و جماعتی کے لئے ان کی طرف دیکھتے تھے۔ موصوفی سیاست سے لگی کو اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن بصیرت، اخلاص سے کسی طبقے کو منافات نہیں ہو سکتا۔ (۹)

قومی اتحاد کے رہنماؤں میں ایک اہم رہنما جناب سردار شیدہ بابر خان مراد کی ہیں۔ جو عزت مفتی صاحب کے بہت قریب رہے ہیں۔ اور تحریک بحالی جمہوریت میں مفتی صاحب کے بڑے بڑے تحریک میں شریک رہے ہیں۔ وہ آپ کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ "مولانا مفتی محمود کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے آزادی کے لئے جان بھرنے والی ہر تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ آخر وقت تک قوم کو متحد کرنے کے لئے سرگرم رہے۔" (۱۰)

جناب پروفیسر غفور احمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل تھے جبکہ مفتی صاحب قومی اتحاد کے صدر تھے۔ پروفیسر صاحب و جناب ذوالفقار علی بھٹو کے

ماتحتہ اور اس کے لئے قومی اتحاد کی ٹیم تھی۔ لیکن تھے، حضرت مفتی صاحب کے بہت قریب
 دست تھے۔ وہ مفتی صاحب کے بارے میں ایک کتاب میں، قلمبراز تھے۔ مولانا مفتی محمود صاحب
 قدیم اساتذہ تھے۔ ان میں طرفہ مضبوطا کا تھا۔ ان کے سنی و سیدہ حقیقہ کی مائی تو سکون سے بیٹھے اور
 پھر نمونہ دل سے اس کا جواب دیتے اور معترضین کو مطمئن کر دیتے۔ (۱۱)

بابائے جمہوریت اور پاکستان کے عظیم سیاست دان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
 لکھتے ہیں۔ "مولانا مفتی محمود نے سرحد میں وراثت طویل کا رواج دیا۔ یہ مثال قائم کر دینی تھی
 کہ ایک بور یہ فٹین عالم وین ایک جو یہ جمہور کی معاشرے میں حکمران کے قرائض کو اپنی ذمہ داری
 سوا کی اور وہ دینی کے باوجود بطریق امن پلا سکتا ہے۔ (۱۲)

عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اور جمہوریت کے خلاف تحریک، مولانا جمہوریت کے
 اہم رہنما مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "مولانا مفتی محمود
 سیاسی مسلک اور سوچ ان کی اصلاح اور سائنس تھی کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کے بعد اس پر شک و شبہ وقت کا
 ارتکاب نہیں کرتے تھے۔ (۱۳)

پاکستان کے مشہور ماہر قانون، سپریم کورٹ کے جج نواز وکیل، مساتذہ و ذریعہ قانون مولانا
 محمود علی قصوری صاحب مفتی محمود کی سیاسی خدمات کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔
 مولانا مفتی محمود کی وقت سے ملک ایک عظیم ہمنامہ عروج پر تھا۔ مولانا صاحب اور ان کا انتقال
 پاکستان کے لئے ایک سانحہ ہے۔ مرحوم ایک عظیم انسان اور صاحب اختتام قدر
 تھے۔ انہوں نے جس اختتام سے جملہ کے استبداد کا مقابلہ کیا۔ وہ تاریخ کے
 صفحات میں درخشاں باب کی حیثیت سے محفوظ رہے گا۔ یہ عالمی سیاست کے اس اچھالی
 جازک سونہرے دن کا ہم سے گھڑا ہوا تھی۔ ایک ایسا ملک تو اس کے سب سے بڑے کامیابیوں کا
 ابتدائی ضرورت تھی۔ (۱۴)

پاکستان کی سچے سچے اس وقت جو سیاسی رہنما قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے
 تھے۔ مفتی صاحب کے ساتھ متحدہ محاذوں پر جن کامیابیوں نے کام کیا ہے۔ اور انہوں نے
 قربت سے مفتی صاحب کی شخصیت، آپ کی علمی و عملی قابلیت اور سیاسی فہم و فراست کا مشاہدہ کیا
 ہے۔ ان کا آپ کی شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنا اور آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرنا
 بلا حقیقت حال کے بالکل موافق ہے۔ اس میں حقیقت کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔

مفتی صاحب نے سیاست کی راہی میں قدم ہر کھلا۔ لیکن سیاست برائے سیاست یا
 سیاست برائے اقتدار کے قائل نہ تھے۔ وہ ایک عظیم مشن کے لئے سیاست کے میدان میں آئے
 تھے۔ اور وہ شروع میں ہندوستان کو انگریز غاصب و عالم کے پنجے استبداد سے آزادی دلانا تھا۔ اور
 پھر پاکستان کے بعد اس ملک میں نفاذ اسلام تھا۔ مولانا زہرا امرا اللہ کی نے آپ کے بارے میں
 ایک مضمون میں آپ کی سیاسی حیثیت کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

سیاست نہ مذہبی ہر حضرت مفتی محمود صاحب کا ۱۱ صحت چھوڑ دی ہے۔ انہوں نے
 سیاست کو مشغلہ اپنی یا آئی ہے۔ سیاسی نہیں منظر میں کاروبار کے طور پر نہیں بلکہ مشن اور
 فریضہ کے طور پر اختیار کیا۔ اس کا حق اور ان کے دکھاوے ان کا شمار ملک کے مقتدر
 اور کامیاب سیاست دانوں میں ہو سکتا ہے۔ ان کی سیاسی قیادت لاکھوں ان کے معاصرین
 شیخ ریاض الدین نے بھی بیان کیا۔ (۱۵)

مفتی صاحب کو پاکستان کی سیاست میں نہایت اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ آپ صوبائیت سے
 بالاتر ہو کر وفاق پاکستان کی نمائندگی کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے آپ پاکستان کے پاروں
 صوبوں میں یکساں مقبول رہے۔ ایک عالم دین اور مفتی کے علاوہ تمام صوبوں میں آپ کو سیاسی
 قائد کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا۔ جاری نور الحق ایڈوکیٹ سابق صدر رٹ سرکٹ بار ایڈوکی
 جی ملتان، قلمبراز ہیں۔

مولانا مفتی محمود غازی پٹیل اور شاید آخری ایہ تھے جو شمال مغربی سرحدی صوبہ سے تعلق رکھنے کے باوجود پاکستان کی بنیاد پر مسلم لیڈ رہائے گئے۔ جن کی قیادت پر چاروں صوبوں کے مقتدر سیاسی رہنما مفتی تھے۔ پنجابوں کو پنجاب نے بطور قائم کبھی تسلیم نہیں کیا۔ میر افتخار خان اور ولی خان کی مثالیں سامنے رکھتے خان عبدالغفور خان کو پنجابوں نے بھی اپنا قائم تسلیم نہیں کیا۔ جبکہ مفتی صاحب نے پنجاب سے عام انتخابات میں حصہ لیا کیونکہ وہ عالم دین اور مذہبی رہنما بھی تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں مذہبی انتخابات کے سلسلہ میں ہر شیئر اقریب اور دُشمنی تک پہنچا پڑا تھا۔ عام پنجابی مفتی صاحب کو پٹھان کہہ کر اور پنجابی زبان سمجھتا تھا۔ مفتی صاحب کو ایک عالم دین کی حیثیت سے پنجاب میں بہت زیادہ احترام ملے اور انہیں پنجاب نے مذہبی عالم کے ساتھ ساتھ سیاسی قائم بھی تسلیم کر لیا۔ (۱۶)

مفتی صاحب کو سیاسی معاملات سلجھانے میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ سیاسی مسائل کو بصیرت سے حل فرماتے تھے۔ ہمیشہ جمہوری ذہن سے سوچتے تھے۔ ہمیشہ بلند عزائم رکھتے تھے۔ اور قوم کو بھی خود داری اور خود انحصاری کی تلقین کرتے تھے۔ قادی سعید الرحمن اپنے ایک مضمون میں اس سلسلے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مفتی صاحب کو سیاسی معاملات میں خدا اور بیستہ حاصل تھی۔ انہیں سیاسی مسائل یا مسئلہ میں شرکت کے لئے کسی تیاری و توجہ کی ضرورت نہ ہوتی۔ سیاسی مسائل کو بڑی آہستگی سے حل فرماتے۔ پاکستان قومی اتحاد نے ہندو حکومت کے ساتھ مذاکرے کے لئے جو ٹیم مقرر کی تھی۔ اس کی قیادت بھی ان کے ہوتے تھی۔ ملک اس وقت ایک ہلکا سا دور سے گزر رہا تھا۔ مفتی صاحب نے اپنی اعلیٰ سیاسی بصیرت اور کردار سے مذاکرات کے دوران قوم کی نمائندگی کا صحیح حق ادا کیا۔ وہ عام میں کن حالات میں بھی ایسی مایوسی نہیں ہوتے تھے۔ ان کے عزائم ہمیشہ بلند رہے۔ سیاسی امور میں ہمیشہ جمہوری ذہن سے سوچتے تھے۔ اور ملک میں اسلامی اقدار کے نفاذ کے ساتھ ساتھ

جمہوری عمل اور جمہوری اصولوں کو پھیلانا چاہتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ سیاسی عمل کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد قوم کے سیاسی شعور میں خود اعتمادی و کھلی آواز کی۔ (۱۷)

مولانا مفتی محمد مجتہد صاحب مرکز علوم اسلامیہ منصورہ لاہور جماعت اسلامی کے مرکزی رہنما ہیں۔ آپ کا شمار ہوتا تھا۔ سیاسی لحاظ سے وہ جماعت اسلامی سے وابستہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مفتی صاحب کے سیاسی مقام کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

پاکستان کی سیاست میں مفتی محمود صاحب مرحوم کا رول انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ ان کی دینی زندگی ایک دینی رہنمائی کی حیثیت سے مندرجہ ذیل آتی تھی لیکن پاکستان کے سیاسی حالات کی دیگر کوئی نہ انہیں سیاست کے میدان میں لاکھڑا کیا۔ انہوں نے اس میدان میں تہارت اور خدمات سر انجام دی ہیں۔ ان کا یہ کوئی کم کرپٹ نہیں ہے کہ پاکستان کی تمام سیاسی اور مذہبی تنظیموں نے ان پر اعتماد کیا۔ اور ان کی رہنمائی میں اسلام اور جمہوریت کی تشکیل کو ایک خاص مقام تک پہنچایا۔ ان کو یہ مقام ان کی اپنی اور سیاسی بصیرت، بلند ہوشیاری، بلند اخلاق اور حسن معاملت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ تمام جماعتوں کے کارکنوں کے ساتھ برائی کی بجائے معاملہ آسان بات نہیں ہے۔ مفتی محمود مرحوم کافی حد تک اس خصوصیت کے حامل تھے۔ اور اپنی گفتگو اور طریق عمل میں جماعتی وقایت کو حامل نہیں ہونے دیتے تھے۔ (۱۸)

مولانا مفتی محمود صاحب کے سیاسی مقام کے بارے میں آپ کے ساتھ مرحوم وراثت کے درمیان قاسم العلوم ملتان میں دوسرے دینے والے جید عالم دین، آج کل کے درمیان قاسم العلوم ملتان کے مفتی الہیہ، مولانا محمد اکبر صاحب کی رائے یہ ہے۔

وہ عمومی اور بین الاقوامی سیاست میں اپنی خصوصیات کے حامل تھے۔ سیاسی معاملات میں ان کی ایک گھڑی بونی دے ہوتی تھی۔ تاہم ان کے ساتھ ساتھ سب اور دینی

معاملات میں نہایت پختہ اور متعصب تھے۔ ان کے ہاں کچھ ضابطے اور حدود مقرر تھے۔ جن پر سختی سے کاربند رہتے۔ (۱۸)

انفیرا کے اعلیٰ دانشور اور مذہبی و سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک جناب شمس تبریز خان صاحب نے مفتی صاحب کے سیاسی مقام کے بارے میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں لکھتے ہیں کہ مفتی صاحب نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کے ایک اعلیٰ اور عظیم سیاست دان تھے۔ دین و سیاست دونوں کے ماہر اور اسلامی طرز حیات اور اسلامی نظریہ حکومت و سیاست کے علمبردار تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود برصغیر ہند پاک کی نہیں بلکہ عالم اسلام میں اسلامی سیاست و قیادت کا ایک زندہ مثال اور نمونہ تھے۔ انہوں نے اپنے قابل قدر طرز عمل سے دین و سیاست کی تفریق کا نظریہ بالکل باطل کر دیا تھا۔ ہر پاکستانی کو معلوم ہونی چاہیے کہ قوت و احکام بخشا تھا۔ (۲۰)

آپ کی سیاسی بصیرت اور تدبیر کی وجہ تھی کہ آپ نے قومی اتحاد کی تحریک کو ہر وہ چیز حیا یا ملک کی تمام سیاسی قوموں کو اپنے ساتھ ملا دیا اور ان میں اتحاد کی روح پیدا کی تھی۔ اور نہایت جرأت و بہادری کے ساتھ اسی وقت کے حالات کے اعتبار سے قوم کی تہذیبی و فطریہ انتہام و یا تقابلاً اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ ایک پوری لشکر عالم دین قوم کی قیادت و سیاست کی بھرپور صلاحیت و اہلیت رکھتا ہے۔ مولانا گنڈا احمد مظاہری ر قطر از ہیں۔

مفتی محمود نے اپنی سیاسی بصیرت، تدبیر اور اہلیت کا ہر ثبوت دیا کہ انتہائی دانشمندی سے اس اتحاد کو برقرار رکھا۔ انتہائی تدبیر سے تحریک کو آگے بڑھایا۔ بڑی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے مصلحتوں سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور یہ ثابت کر دیا کہ مسجدوں میں رہنے والے پوری لشکر سیاسی بات گرا جانتے ہیں۔ ان میں بات کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ تحریکوں کی قیادت کر سکتے ہیں۔ وہ قوموں کی تھکر

کا قیصلہ کرنے کی تہذیب سے آگے نہیں ہیں۔ وہ انہوں کا کلام متوجہ کرنے کی اہلیت میں کسی سے پیچھے نہیں۔ (۲۱)

مفتی صاحب کی قابلیت و اہلیت اور سیاسی تدبیر و فراست ہی کا نتیجہ تھی کہ آپ نے نہ صرف اپنی معاملات میں قوم کو قیادت فراہم کی بلکہ سیاسی قیادت بھی آپ کے حصار میں آئی۔ مذہب و سیاست دونوں کا اجتماع آپ کی ذاتی اور صنف میں ایک اعلیٰ کمال کی حیثیت سے موجود تھی۔ آپ کے ساتھ قومی اتحاد کی تحریک میں شریک رہنا جناب خان محمد اشرف خان رحمانی کا تحریک پاکستان آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم ہر قوم و ملت کی سب سے بڑی نمونہ تھے۔ وہ اسلامی معاشرے کے مطابق صحیح معنوں میں دین و دنیا دونوں کا وقت ایک عظیم مذہبی عالم اور اعلیٰ ترین سیاسی بصیرت کے حامل تھے۔ ہندو مسلم کے کسی اور جگہ نہیں (ایک وقت) یہ مقامات موجود نہیں۔ اگر کوئی مذہبی رہنما ہے۔ تو سیاسی بصیرت، مفقود اور سیاسی رہنما ہے۔ قوم سب سے بڑی وجہ تھی کہ مفتی صاحب کی بھرپور صلاحیت اور پختہ قیادت سے کروڑوں عوام کو متاثر کیا۔ (۲۲)

مولانا مفتی محمود اپنی سیاسی تدبیر، اصابت رائے اور وسعت نظم کی وجہ سے چاروں سطحوں میں انتہائی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے جاتے تھے۔ انہوں نے کبھی حالات سے فائدہ اٹھا کر ذاتی اغراض کو کبھی متنبہ نہیں بنایا۔ آپ نے ہمیشہ خلافتِ اعلیٰ اور انسانی تعصبات سے بالا ہو کر ملک کے اتحاد کے بارے میں سوچا اور امت مسلمہ کو فرقہ واریت اور گروہ بندیوں سے بچانے کی کوشش کی۔ جناب حمزہ ایم۔ اے ر قطر از ہیں۔

سیاسی اور مذہبی رہنما کی حیثیت سے انہوں نے پاکستان کے اتحاد اور سالمیت کے لئے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ دینی اور جہاد میں آبرو و اعلیٰ خان کی پشت سے منتخب ہونے کے بعد وہ کھلے اپنے مصلحت پر مبنی کی بجائے ملک کی نمائندگی کرتے

سب سے زیادہ عقل کے تھانے ان کی وجہ سے ماحولی اور انسانی خصوصیات پر ان پر چڑھنے کے لئے
 سارا کچھ نظر آتا ہے۔ اتنی سیدہ کم خطرہ اور غرضی اور کو جو اندیشہ سیاست میں ان خصوصیات
 کو حیرت ہوا ہے کہ سیاسی سہارے کے حصول کی فکر میں لگے رہے۔ لیکن منہجی فکر
 صاحب جیسے انسان دوست اور سچے عالم آراء نے حالات کی جانچ لگی کے باوجود ملی
 یکجہ گت اور پاکستان اور پاکستانی قوم کے مفاد کو فریضہ سمجھا۔ سیاسی تحریکوں کی فکر صرف
 سے بہت زیادہ آہستہ مسئلہ کو فرقہ اور گروہ بندی کے زہر پھیلانے سے بچانے کے لئے
 اور تو مصروف رہے لیکن وجہ یہ کہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں انہیں اچھی
 عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ (۲۳)

سیاسی میدان میں ملحق صاحب کو اپنی "صاف دامنی" کی وجہ سے نہایت اہم و حاصل
 تھا۔ ملک کے ملکی اور سیاسی رہنماؤں کی نگاہوں میں ان کو عزت و احترام کا مقام حاصل تھا۔
 یہ سب کچھ ان کی بے لوثی اور قناعت پسندی کی وجہ سے تھا۔ مولانا زاہد ارشد کی صاحب کے حوالہ
 اور غرضی حضرت مولانا ملحق محمود ایک روایتی "سیاسی رہنما" نہیں بلکہ تحریک دینی انہی
 کے باشندے، نماز کے اور پاکستان کے اتحاد اسلام کی جدوجہد کے ایک اہم شخصیت کا تھے۔
 جس کا ان سے لپٹی سیاسی قوت کو محدود اور کم کرنے کے باوجود اپنے مقاصد کے لئے
 کامیابی کے ساتھ استعمال کیا۔ اس میں جہاں ان کی ملکی شہرت، سیاسی توجہ اور اثر
 سب سے بڑی اور طاقتور اثرات کا نمایاں حصہ ہے۔ وہاں میرے نزدیک سب سے بڑا اثر
 ان کی اس اخلاقی برتری کا ہے کہ وہ کسی حکومت یا سیاسی قوت کے اس دور پر
 احسان مند نہیں تھے کہ اس سے اپنے دشمن اور پروگرام کی بات کرتے ہوئے انہیں
 کوئی جواب یا کاروائی نہ ہو۔ وہ بے لوث اور قناعت پسند سیاسی رہنما تھے اسی صاف
 دامنی کی وجہ سے انہیں ملک کے ملکی اور سیاسی شخصوں کا اعتماد حاصل تھا اور اسی
 اعتماد نے ان کے لئے جتنی طاقت اور کامیابیوں کی راہ ہموار کی جو ان کی زندگی کے نمایاں
 اور اہم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ اتحاد اسلام کی جدوجہد کی قیادت کا آج کے دور میں ایک
 صحیح اور آئینہ ملی تصویر تھے۔ (۲۴)

جناب ریاض ریلوی مشہور صحافی تجربہ نگار اور فکری نگار ہیں۔ انہوں نے "لیڈران
 کرام" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے مولانا مفتی محمد صاحب کا تذکرہ بھی
 کیا ہے۔ اور ان کی شخصیت اور ادارہ اور طرز حیات سے تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

وہ نامور علماء و محدث تھے نام لیا اور دین کے اس عائد سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں
 نے دین اور سیاست دونوں میں ہمہ گیر آگاہی اور علم حاصل کیا۔ تقویٰ و تصوف اور اجتہاد
 کے خلاف بینہ پر ہوئے ہوئے قیود و بند کی صورتوں میں راحت پسندی۔ منہجی فکر
 نے وجہ بد میں اپنی اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان بہرہوں سے ملک و قوم کی بساط

سیاست کا بھی سبق لیا۔ اور جہد و عمل میں کوچہ سب سے اوجیز علماء ہند سے اہمیت ہو گئے۔
 اور انگریز و ستیہ کے خلاف سہم کہ میں وہ قناعت پسند رہے۔ ملحق محمود علماء و محدث
 کے مافی فکر کے حامل ہوتے تھے باعث علم و ادب پر کم اور محترم پر زیادہ اہم کرتے تھے۔
 یہی وجہ ہے کہ انگریز کے علماء و ان کی جدوجہد۔ رباہ و درویشوں کو ان کا اعتراف اور ان
 اہم و اراکوں کے خلاف ایسا دلایاں دہا۔ ان کی قدر و منزلت مسلم اہل علم اور لوگوں کی
 نسبت مسئلہ کہ اٹل محرم اور متوسط طبقہ میں زیادہ شدت سے کی جاتی ہے۔ وہ عام آدمی
 کی سی ہو کر ہاں کے حامل ہیں۔ بظاہر راحت پسند نظر آتے۔ مگر ان کی پائندگی سے وہ حتی
 کے شدید اثرات کا وہ فائدہ ہیں۔ ان کی سیاست کا نقطہ امتیاز اسلام کی سرپرستی کے ساتھ
 ساتھ عام انسانوں کی معاشی حکمرانی سے نجات اور انسانی رائے کی انہیں عزت و
 شرف کا مقام دہانے کی جدوجہد ہے۔ ان کی ذات کہیں تکلیف کا اور کہیں
 عزت و احترام کا اصل حقدار نہیں رہتی یہ

..... سادگی اور معاشی لگاوت سے وہ ایک پسماندہ طبقہ کے تعلق رکھتے ہیں کوئی جانیو
 ہے نہ زمین۔ وہ نہ قاسم العلوم (مکملان) کے شیخ الحدیث اور ریکہ کے دشمن اور ان
 کے دوست اور پاکستان کے لیڈران کرام میں صف اول کے رہنما ہیں۔ (۲۵)

یوپی (انڈیا) میں کلام لکھنے والی دونوں بیویاں ملا رہی تھیں۔ اگرچہ طالب علمیں ہیں

جماعت کی میر سڈی تک کام کیا تھا۔ عموماً کاموں میں سرگرم رہا۔ (۲۸)

ایک اور اثر وہ ہیں بھی آپ اپنی سیاست سے دلچسپی سیاسی تربیت اور جن عظیم
بزرگوں سے آپ متاثر ہوئے ان کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

لکھنؤ طالب علم میں مجھے مولانا حسین احمد مدنی مفتی کفایت اللہ اور مولانا سید فخر الدین

جیسے بزرگوں سے شرفِ نیاز حاصل رہا۔ اور اپنی دہلی کے تھے جن سے میں متاثر ہوا

میر تقی میر سے اور میر اسحاق شہورائی سے۔ ان کا مکتبہ انصاریہ ہے۔ ۱۹۳۳ء کے

انتخابات میں میں نے طالب علم کی حیثیت سے کام کیا۔ (۲۹)

۱۹۳۳ء کے انتخابات میں جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ نے مشترکہ طور

پر یوپی میں مسلم یونین بورڈ کے نام سے حصہ لیا تھا۔ مفتی صاحب نے ایک طالب علم کی حیثیت

سے انتخابی مہم کے سلسلے میں مراد آباد کے دیہاتوں میں جا کر جمعیۃ علماء ہند کے امیدواروں کے حق

میں مہم چلائی تھی۔ اور بیشتر مقامات کا پیدل سفر کیا تھا۔ سید عمر ان شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمد علی سیاحی زندہ گی کا آغاز مولانا طالب علم سے ہوا۔ اور ان تعلیمی آپ

نے جمعیۃ علماء ہند میں شمولیت اختیار کی۔ اور ۱۹۳۵ء میں ۱۹۳۵ء ایکٹ کے تحت ۲۰ نے

۱۱ انتخابات میں جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کی مشترکہ انتخابی مہم جو

یوپی میں مسلم یونین بورڈ کے نام سے جاری تھی۔ سارے یوپی میں کام کیا۔ اور مشتر

مقامات کا پیدل سفر کیا۔ (۳۰)

مولانا مفتی محمود نے ایک طالب علم کی حیثیت سے دیگر طلباء کو بھی اس طریق

متوجہ کیا۔ ان کی سیاسی تربیت کی ایک سیاسی نظم میں منظم کرنے کی جدوجہد شروع کی۔ دینی

مدارس میں ان دنوں حضرت شیخ الہند کی زیر سرپرستی مولانا عبید اللہ سندھی کی شب و روز محنت

سے جمعیۃ انصار ایک منظم پلیٹ فارم تھی۔ مولانا مفتی محمود نے اس پلیٹ فارم سے اپنے آپ

کو بہت لکھا۔ اور دیگر طلباء کو منظم کرنے کی جدوجہد کی۔ جناب محمد فاروق قریشی رقمطراز ہیں۔

دہلی (مفتی محمود) سے دور طالب علم میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی مراد آباد

میں طلباء کو منظم کرنے کی جدوجہد کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ جس قوم کے طلباء منظم و

متحد ہو جائیں اس کی آنے والی نسل از خود منظم منظم ہو گی۔ جمعیۃ انصار کے نام سے

طلباء کو منظم کرنے کی کوشش سے انہوں نے عملی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ اس انتخابی

نظم کے بانی حضرت شیخ الہند اور مولانا محمد علی صاحب نے نامور اور انتخابی شاعر مولانا

عبید اللہ سندھی نے جنہیں عام طور پر امام انتخاب کیا جاتا ہے۔ (۳۱)

مولانا مفتی محمود کی سیاست میں حصہ لیتے وقت مشترکہ ہندوستان کے کیا حالات تھے۔

وہ وقت یہ ملک کن حالات سے دوچار تھا۔ آزادی پسند قوتیں کیا کر رہی تھیں؟ اور وہ کس طرح

انگریزی سامراجی طاقت کو بے بس کر کے اس ملک سے نکل جانے پر مجبور کرنے کے لئے تدابیر

پر توجہ اختیار کر رہی تھیں؟ اور جنگ عظیم دوم نے برطانیہ کی طاقت و قوت کو چیلنج کر کے کس

تک اس کے پنجہ دستہ اور کواہیلا کر دیا تھا؟ ان تمام حالات پر جناب علیہ الحفظ بن عبد العزیز ایک

بدلتی تصویر پیش کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ یہ وہ حالات تھے جن کی وجہ سے مولانا مفتی محمود

نے ہرے جذبہ اور جوش و خروش سے کام لے کر دیگر آزادی پسند قوتوں کے ساتھ آپ بھی

فریاد آزادی کی اس جدوجہد میں مصروف کار ہو گئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

۱۹۳۷ء کا زمانہ تھا۔ امام الہند مولانا مفتی محمد علی سیاحی اور ان کے اتحادیوں کا انگریزوں کے صدر

انڈیا انگریزوں اور ان کے ہمنواؤں کے مقابلہ میں وطن پرستوں کے قاتل تھے۔ کاروان

حریت اپنی منزل مقصود کے قریب تھا۔ بس فرنگی اقتدار کی گرتی دیوار کو آخری دھکا

دینے کی ضرورت تھی۔ علماء حق انگریزی فوج میں بھرتی کے حرام ہونے کا فتویٰ پہلے ہی

صادر فرما چکے تھے۔ جرمنی کے رولف منظر نے پہلے پہلے کر کے "برطانوی شیر"

نو انہما کہ یہ اقلہ تحریک آزادی کی شدت کے باعث نو آبدیات پر رطلے کی گرفت
 اور اصل پر پٹی تھی۔ جمیع علماء ہند نے صدر فوج العرب، الخیم مولانا سید حبیب الرحمن
 پہلے ہی بغاوت کے الزام میں دس ایس آر خدان تھے۔ غیر ملکی اشتہارے انکی
 کے لئے کا تحریک سے صدر مولانا ابوالکلام آزاد نے "ہندوستان چورنگ" تحریک
 اعلان کر دیا۔ اس تحریک سے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی کڑواہٹ تھی۔ جس میں
 کا تحریک کی ابتدا پر کسانوں نے حکومت کو ٹیکس واپس کر دیا اور لکھنؤ سپت سے سربراہ
 انہما کہ یہ اپنے گاؤں میں "مور ان پشپا ستی" کا نام کر دیا۔ سرکاری کرنی
 بائکات کر کے مال کے بدلے مال کا حکام شروع کر دیا۔ محنت کشوں نے ملے۔
 قبیلے میں اور سرکاری محکموں میں ہڑتال کر کے حکام حکومت محفل کو اٹھایا۔
 پر یہ لاوارثم کر دی۔ فوج پاروں نے آئینہ اوس سے لیکن دیں تو کہ کر کے ہر ایک
 اور ہر سے برطانوی ریشموں سے لہنا وہ یہ لکھا لیا اور سورج قرعہ میں سربراہ لکھی
 شروع ہو گئی۔ مسلح افواج میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ ہندوستانی چورنگ پوری ہندوستان
 "ہالی" ہو گیا۔ ہندوستان کا پورا پورا "انگریز غاصبہ" ہندوستان سے اٹل ہوا۔ کے
 شکار۔ غروں سے گونجے۔

کو یوزحاکم و یا قلم تحریک آزادی کی شدت کے باعث نوآبادیات پر برطانیہ کی گرفت
 ڈرواٹھیل پڑ چکی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کے صدر شیخ العرب والہجم مولانا سید مسکن احمد مدنی
 پہلے ہی بغاوت کے الزام میں پکڑے گئے اور ان تھے غیر ملکی استبداد سے آزادی
 کے لئے کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد نے "ہندوستان چھوڑو" تحریک کا
 اعلان کر دیا۔ اس تحریک سے ہندوستان میں برطانوی حکومت مل کر رہ گئی۔ تین سال
 کانگریس کی اہل پڑکھوں نے حکومت کو فیس مال گزاری اور کانگریس سے سرخ
 انکار کر دیا۔ اپنے گاہکوں میں "نور ان پمپ سٹیشن" قائم کر دیں۔ سرکاری کرنسی کا
 بانچکات کر کے مال کے بدلے مال کا نظام شروع ہو گیا۔ محنت کشوں نے ملے۔
 فیکٹریوں اور سرکاری محکموں میں ہڑتال کر کے نظام حکومت "مفل" کر دیا۔ طاقت ور
 پرہیزوار کم کر دی۔ بیچاروں نے انگریزوں سے لین دین ترک کر کے امپریل بینک
 اور سرے برطانوی بینکوں سے اپنا روپیہ نکال لیا اور سرورج قرضہ میں سرمایہ کاری
 شروع ہو گئی۔ مسلح افواج میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ یہ سب کچھ چند سالوں میں
 "ہائی" ہو گیا۔ ہندوستان کا چھپو "انگریز جاسوس! ہندوستان سے نکل جاؤ" کے نعرے
 شکاف نعروں سے گونجنے لگے۔

عبدالحفیظ ابن عبد العزیز نے اس وقت ہندوستان کے حالات کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

لکھتے ہیں۔

اس عظیم الشان تحریک میں جمعیۃ علماء ہند سرحد کے ایک اعلیٰ عہدیدار مولوی محمود بھی پہلے
 جنبہ ہرجوش و فساد سے اپنے وقت کی سب سے بڑی ماسٹر فلٹاقت برطانیہ کے خلاف
 "مہر و فک" ہے یہی مولوی محمود بعد میں مفتی محمود کے ہم سے معروف ہو گئے۔ (۳۲)

مفتی محمود صاحب نے دوران تعلیم اپنی متحدہ سیاسی سرگرمیاں جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ
 فارم سے جاری رکھیں۔ اور دیگر طلباء کو بھی "فعال" رکھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بھی آپ
 نے تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔ سید عمران شاہ کے

جنوری ۱۹۴۳ء میں آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی تو "ہندوستان چھوڑو" کی تحریک زوروں
 پر تھی آپ نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ (۳۳)

اس ضمن میں جناب محمد فاروق قریشی رقمطراز ہیں۔

مولانا مفتی محمود نے مفتی تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد صوبہ سرحد خصوصاً اپنے علاقے
 میں ترویج دین کے ساتھ ساتھ سماجی خدمت اور سیاسی بیداری کے لئے جدوجہد شروع
 کی۔ قومی سیاست میں انہوں نے ۱۹۴۲ء میں قدم رکھا تھا جب "لش سامراج" کے
 خلاف "ہندوستان چھوڑو" تحریک شروع ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ اپنے اوق و فکر
 کے مطابق ملت اسلامیہ کی خدمت اور ہندوستانی کافر جاسوسوں کے خلاف (۳۴)

مفتی صاحب اس وقت اپنی سیاسی سرگرمیوں کے متعلق خود ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں
 کہ ۱۹۴۲ء میں جب پورے ہندوستان میں برطانوی سامراج کے بانچکات کی مہم چلائی گئی تو ہم نے
 اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس وقت جمعیۃ علماء ہند کی آل انڈیا کونسل کارکن اور سرحد میں
 جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر تھا۔ (۳۵)

مفتی صاحب کے آغاز سیاست اور ان دنوں ہندوستان کے حالات کے بارے میں

مولانا محمد اکبر صاحب نے بھی اچھا تجزیہ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

حضرت مفتی محمود صاحب اہل طلبہ علمی سے ہی علماء حق کے قافلہ کے ساتھ سیاسی
 جدوجہد میں مصروف مل رہے۔ اس دوران آپ نے سیاسیات کا وسیع مطالعہ کیا۔ مارچ
 ۱۹۴۳ء میں جب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت انتخابات ہوئے تو سیاسی
 صورت حال اور علاقائی ذرائع کو دیکھتے ہوئے یوپی (انڈیا) میں جمعیۃ علماء ہند نے مسلم
 لیگ کے ساتھ انتخابی سمجھوتہ کیا۔ حضرت مفتی صاحب ان دنوں مدرسہ قاسم شاہی
 حیدرآباد میں شیخ ابوبکر مولانا محمود حسن کے مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا فخر الدین سے
 درس حدیث کا شرف تلمذ حاصل کر رہے تھے۔ آپ نے اس الٹیشن کے دوران شیخ
 الاسلام حضرت حسین احمد مدنی کے زیر نگرانی ایک رسالہ کی حیثیت سے بھرپور حصہ

ایمان مفتی صاحب نے اپنی سیاسی جدوجہد کا آغاز ۱۹۴۲ء میں آزادی سے قبل جمعیۃ علماء
 ہند کے پلیٹ فارم سے کیا۔ ہندوستان میں علماء کی ایک مؤثر اور محرک جماعت تھی۔
 ۱۹۴۲ء میں حضرت مفتی صاحب نے اپنے اظہار کے حکم پر مشہور تحریک ”ہندوستان
 چھوڑو“ میں حصہ لیا۔ جو آخری متعدد تحریک تھی۔ جس میں تقریباً ۳۰۰ مسلمان
 اور ہندو پابند سلاسل ہوئے۔ اسی تحریک کے نتیجہ میں حضرت مفتی صاحب جمعیۃ علماء
 ہند کی مجلس عاملہ کا رکن اور آل انڈیا جمعیۃ علماء ہند کے کونسلر منتخب ہوئے۔ یہ آپ نے
 یہ اعزاز شخص تین سال کی عمر میں حاصل کیا۔ ۱۹۴۵ء میں جب یورپ کی جنگ ختم
 ہو گئی اور ہندوستان کی آزادی کا گزیر ہو گئی۔ تو نئے حکمرانوں نے ۱۹۴۶ء میں
 انتخابات کا اعلان کر دیا۔ پنانچہ اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب ۱۹۴۶ء میں سہارنپور
 کی تاریخی کانفرنس میں سرحد جمعیۃ کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے اور اپنے
 اظہار کے ساتھ اس انکیشن میں بھرپور حصہ لیا۔ (۳۶)

آپ کے سیاسی مقاصد و اہداف

مولانا مفتی محمود کی سیاست صرف دین کی سر بلندی اور علماء کلمۃ اللہ کے لئے تھی آپ
 کی تمام سرگرمیاں اپنی احکامات کے تحت ہوتی تھیں اور آپ کی زندگی کا مقصد اور نصب العین
 یہی تھا کہ مملکت خداداد پاکستان میں ہر مسلمان کو توفیق حاصل ہو۔ ملک کے لئے بننے والی تمام
 پالیسیاں خواہ اس کا تعلق تعلیم سے ہو معیشت سے ہو عدالت و تجارت سے ہو یا پارلیمنٹ سے ہو ان
 سب میں دین اسلام کی کار فرمائی ہو اور یہ تمام نظام ہائے حیات دین اسلام کے تابع ہوں تاکہ
 ایک ایسا پر امن معاشرہ تشکیل پاسکے۔ جس میں زندگی کے تمام طبقات کو اپنی احکامات پر عمل کر
 کے سب کو برابر مواقع اسہولت حاصل ہوں اور ان کے تمام مسائل و مشکلات اللہ تعالیٰ
 کے پسندیدہ دین دین اسلام کی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں حل ہوں۔

مفتی صاحب کے جوش نظر سیاست میں حصہ لےنے کا مقصد اولین یہی تھا ان کے تمام
 مقاصد انکرات اور اصلاحوں کا یہی مقصد تھا ان کی اپنی پوری زندگی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا
 رہنے میں گزری اور اپنے جماعتی کارکنوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے اور غفلت کی
 صورت میں باقاعدہ ان سے باز پرس بھی کرتے۔ اس مقصد کے لئے وہ ہر قربانی دینے کے لئے ہر
 وقت تیار رہتے تھے۔ اور اپنی جذبہ وہ اپنے تمام شاگردوں، متعلقین اور جماعتی کارکنوں میں بیدار
 کرنے کی سعی کرتے رہے۔ مولانا مفتی صاحب (کراچی) لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود کی پوری زندگی اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ تھی۔ ان کی سب سے بڑی
 خواہش اور کوشش یہی تھی کہ پورے پاکستان میں اسلام پر اسے عالم اسلام میں اسلام کو عملی
 طور پر رائج اور نافذ کر دیا جائے۔ ان کے نزدیک سب سے بڑی اہمیت اسلام اور اسلامی
 تعلیمات کو حاصل تھی۔ اور وہ اس سلسلے میں کسی قسم کی سستی یا نرمی برداشت نہیں
 کرتے تھے۔ اپنے کارکنوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا نظم دیتے اور پھر ان سے
 ان پر عمل نہ کرنے کی صورت میں باز پرس بھی کرتے تھے ایک بار فرمایا کہ اگر یہ
 نہ اس اور عاتقین اسلامی نظام کے خلاف دلائل و کلمات نہیں کی تو ہم ان کی قربانی سے بھی
 دریغ نہیں کریں گے۔ (۳۷)

”شریعت کو نیشن“ کو جو احوال سے خطاب کرتے ہوئے مفتی صاحب نے فرمایا ”میں
 اپنی سے کہتا ہوں کہ حکومت ہمارے حوالہ کر دو۔ اگرچہ ماہ میں مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ نہ
 کر دیں تو ہمیں چھائی پر لگا دو۔“ (۳۸)

ایک انٹرویو میں وہ خود اپنی سیاست کے مقصد کو متعین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پاکستان
 میں اسلامی نظام کا نفاذ ایک عالم دین ہونے کے سلسلے سے یہ میری ذمہ داری ہے۔ وہ کہتے ہیں۔
 جب تک پاکستان میں عمل اسلامی نظام قائم نہیں ہو جاتا میں اس وقت تک اپنی جدوجہد
 جاری رکھوں گا۔ ایک عالم دین ہونے کے سلسلے میں مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ

میں اسلام کے خلاف فتنے والی ہر آواز کو چیلنج کروں۔ اور قرآنی اقتدار کو ہر سطح پر واضح کرنا ہوں۔ (۳۹)

اور یہ سطحی بات نہ تھی جو جذبات کے درمیان آکر آپ نے کیہ دی تھی۔ یہ میں حقیقت ہے کہ آپ کی ساری زندگی اور اس کی تمام سرگرمیاں اس مقصد کے لئے تھیں۔ یہ آپ کی زندگی کا ایک اہم اور سب سے مقدم مشن تھا۔ وہ جمہوریت کے بھی اس درجہ قائل تھے کہ وہ عوام کو اقتدار کا حق دیتا ہے۔ جمہوریت ہی انتخابات کے ذریعہ عوامی رائے کو تقویت دیکر اس کے نمائندوں کو اقتدار کے ایوانوں تک پہنچاتا ہے۔ اس لئے مفتی صاحب انتخابات میں حصہ لیتے رہے اور جمہوری نظام کو اپنے نصب العین کے حصول کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ اس سلسلے میں آپ ایک تقریر میں اپنے نصب العین اور اس کے حصول کے لئے جمہوریت اور انتخابات کو ایک ذریعہ کے طور پر قبول کرنے کی بات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

انتخابات کا اصل مقصد مضبوط جمہوری حکومت کا قیام ہے اس کے لئے ہم سیاسی قوت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اقتدار کا حصول اپنی مقصد حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہمارا مقصد نظام مصطفیٰ کا قیام ہے اسی مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ وہ نظام حیات ہے جو خالق کائنات نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ۱۶ ام کے مسائل کا حل فراہم حکمت کا قیام ہے اور جمہوریت کے قیام کا مقصد قانون کی بالا دستی، عوام کی خوشحالی اور ہر قسم کے استعمار کا حتمی خاتمہ ہے۔ یہی وہ علماء اسلام ہر قسم کے استعمار سے پاک اسلامی نظام کی حامی ہے۔ (۴۰)

مفتی صاحب سیاست کو عین دین سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک دین و سیاست میں کوئی دوئی نہ تھی۔ بلکہ وہ سیاست کو دین ہی کا ایک اہم شعبہ سمجھتے تھے۔ اور جس طرح دین کے تمام احکام اور تمام شعبوں پر عمل کرنا لازم ہے۔ اسی طرح سیاسی جدوجہد بھی جو دین کے نفاذ اور دینی احکامات کے اجراء کے لئے ہو اس کو لازم اور فرض جانتے تھے۔ ایک بیان میں آپ فرماتے ہیں۔

سیاست نئی قسم کی ہوتی ہے ملک میں ایک اکھاڑ بچھاڑ کی سیاست ہے ایک الیکشن کی سیاست ہے۔ ایک عملی حفاظت اور استحکام کی سیاست ہے۔ میں آج آپ کے سامنے ملک کی حفاظت اور استحکام کی سیاست بیان کرتا ہوں۔ اور یہ ہر مسلمان پر ضروری اور فرض ہے۔ میں ایک نئے ہی آؤں ہوں۔ میرے نزدیک مذہب و سیاست ایک ہیں۔ (۴۱)

قیام پاکستان کے وقت قوم کو جو نعرہ دیا گیا تھا وہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" جس کا واضح مقصد یہ تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام و نفاذ ہو گا۔ اسلامی اقتدار و شعائر کو تحفظ حاصل ہو گا۔ اس میں حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو گی۔ قرآن و سنت کی حکمرانی ہو گی۔ اور پھر اس نیک مقصد کے لئے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں نے وہ عظیم قربانیاں دیں جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ لاکھوں جانیں اس کی نذر کر دی گئیں۔ عرصہ تیس لاکھیں۔ جانداریں ترک کر دیں چریں۔ آبادی کے انتقال نے بہت سے مسائل کو جنم دیا۔ اور یہ سب کچھ اس خاطر ہوا کہ پاکستان کی صورت میں ایک اسلامی مملکت کا قیام ہو گا۔ جہاں دین اسلام کو حاکمیت حاصل ہو گی لیکن یہی برسرِ اقدار طبقات نے جو کھیل کھیلے۔ اقتدار کے حصول کے لئے جن سازشوں اور ریشہ واریوں سے کام لیا گیا۔ جس کی وجہ سے پاکستان کے قیام کا مقصد پیش پشت ڈال دیا گیا۔ اور کئی مہل گزرنے کے باوجود آزادی کے مقصد سے چشم پوشی کی گئی۔ علماء حق نے برسرِ اقدار طبقے کو سہلت بھی دی کہ شاید وہ آزادی کی صورت میں قوم کو جن مشکلات سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ ان پر قابو پانے کے لئے ان کو ایک مدت چاہیے لیکن اس سے فائدہ نہ اٹھایا گیا۔ بلکہ ان کے عزائم ہی ایک اور رنگ میں ظاہر ہونے لگے۔ تو علماء حق کو چند سال کی خاموشی کے بعد پھر اپنا فرض نبھانے کے لئے میدانِ عمل میں کودنا پڑا جن میں مولانا مفتی محمود بھی تھے۔ بلکہ علماء حق کو ایک عظیم مساعیہ میں ملنے کے لئے جو حضرات پیش پیش تھے ان میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ اور آپ ہی

نے اجتماع کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اور ملتان میں جہاں آپ مدرسہ کا اسم العلوم میں مدرسہ مفتی تھے۔ یہ اجتماع گرایا۔ اور نئے مزارعہ کے ساتھ علماء کی صف بندی کی۔ جناب قادری شیر افضل ر قطر اڑیں۔

حضرت مفتی صاحب کا پہلا دور آخری مقدمہ الیٰرض مقدمہ میں دین اسلام کا عملی نفاذ تھا۔ حضرت مفتی صاحب کی سب سے بڑی آرزو اور خواہش تھی کہ مسلمانان پاکستان نے تحریک پاکستان کے دوران خدا تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر ہمیں طبع و دھن مل گیا تو لا الہ الا اللہ محمد و آلہ کا عملی نفاذ کر کے دم لیں گے۔ حضرت مفتی صاحب کو یہ فکر بھی ہمیشہ دامن گیر رہی ہے جو قوم اللہ سے وعدہ کر کے ایک جج یا ججی بنے۔ ہمارے بچے کے بعد اس وعدہ کو پورا نہیں کرتی تو خدا کے نیک و غضب سے وہ قوم بچ نہیں سکتی۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی قوم اور فکر ان کو اس وعدہ کی طرف ہمیشہ متوجہ کیا۔ (۳۲)

اور یہی بات مولانا محمد طیب کشمیری صاحب بھی کرتے ہیں۔

جس فرض اور مقدمہ کے لئے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا اور اس کے حصول کے لئے انھوں مسلمانوں کی جانیں قربان ہوئی تھیں۔ اس مقدمہ کی تکمیل کے لئے شریعت محمدی کو مکمل طور پر عملاندہ کرنا ان کے یہاں سب سے زیادہ اہم امر تھا۔ نیز ملک کی سالمیت، جمہوریت کا تحفظ، سوشلزم، کیر نام اور سرمایہ دارانہ نظریات کی شدید مخالفت یہ بھی ان کے نزدیک اہم امر تھا۔ حضرت مفتی صاحب یہ چاہتے تھے کہ یہاں کے لوگ، اسلامی قوانین کے تحت اپنی زندگی بسر کریں۔ وہ ہر معاملہ اور زندگی کے ہر شعبے میں صرف اور صرف اسلام کی رہنمائی حاصل کریں۔ اور اس فرض اور مقدمہ کے حصول کے لئے مفتی صاحب آخر تک کوشاں رہے۔ (۳۳)

مفتی صاحب کی اسلام سے وابستگی ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ اور سیاست میں کردار ادا کرنے کی وجہ بھی وہی بتاتے تھے۔ کہ اس سے بھی ہمارا مقصد صرف اسلام ہے۔ خواہ وہ کسی بھی طریقے اور جس راستے سے بھی آئے۔ ایک مرتبہ فرمایا۔

نفاذ اسلام کے معاملہ میں میں غیر سیاسی ہوں۔ خواہ اسلام اور اس سے آئے یا نیچے سے آئے ہم اسے قبول کر رہے ہیں۔ خواہ وہ دین تو نبی آئے یا پذیر یہ سول انتخاب یا انتخاب سے کسی بھی طریقے سے آئے ہم اسے قبول کر رہے ہیں۔ اس کا حق مقدم کریں گے۔ ہمارا مقصد حیات دین اسلام اور نفاذ اسلام ہے۔ (۳۴)

ایک بیان میں آپ نے انتخابات میں حصہ لینے کا مقصد بھی یہی بتایا۔ کہ ہمارا اس سے مقصد اس ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ ہے۔ نہ کہ برسر اقتدار آکر میٹل، مشرت کا حصول۔ وہ کہتے ہیں۔ ہم انگلینڈ اس لئے نہیں لڑ رہے کہ ہمیں حکومت ملے گی یا برسر اقتدار آکر میٹل مشرت سے رہیں گے۔ بلکہ ہم اس لئے انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں کہ جب ہمارے ہاں حکومت آئے گی تو ہم اس ملک میں اسلامی قوانین کو نافذ کریں گے۔ اور قوم کی خدمت دلاؤ لیکن مقصد ہو گا۔ (۳۵)

اس عقیم مقدمہ کے لئے آپ نے ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ اور قوم کو بھی اس کے لئے آمادہ کیا۔ مولانا غلام اکبر سلیمانی لکھتے ہیں کہ مفتی محمود صاحب فرمایا کرتے تھے۔

افغان کوہین کے معاملہ میں سخت ہونا چاہیئے اگرچہ اس میں جان ہی نہ ہلے جاتی ہے اس لئے صدر ایوب خان کے دور حکومت سے جنرل محمد ضیاء الحق کے دور حکومت تک وہمیشہ اسلام کے نفاذ اور جمہوریت کی بقاء کے لئے لڑتے رہے اور گاہ بگاہ نمایاں انجام دیتے جس کو کہ جی دنیا تک بھلا یا نہیں جاسکتا۔ (۳۶)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ آپ نے اپنی سیاست کے مقصد کو پیشاور بلوچستان میں "سیرت کا نفرنس" سے ملنے والے کو خطاب کرتے ہوئے بیان کیا۔ فرمایا۔

آج کل عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ غلطی سیاست کا دین اور جناب نبی کریم ﷺ کی سیرت سے کوئی تعلق نہیں سیاست الگ ہے۔ دین الگ ہے۔ لیکن میں آپ پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ سیاست اگر دین کے تابع ہو، اگر دین کی روشنی میں سیاست کا کاروبار ہو جائے، اگر سیاست کے اصول دین کی رہنمائی میں طے پائے ہوں۔ تو وہ سیاست بھی دین ہے۔ اسے دین سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔
آپ نے مزید فرمایا۔

میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ ہماری سیاست وہی ہے جو دین کے تابع ہو۔ ہم اس سیاست کے قائل ہیں جسے دین کی روشنی میں تیار کیا جاتا ہے اور دین سے لاجعلی سیاست سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ (۱۷)

مفتی صاحب، تحریک ولی اللہی کے نمائندہ اور ترجمان تھے۔ آپ اسی تحریک اور اس سے متاثر اساتذہ کے شاگرد اور زیر تربیت رہے تھے۔ اور اسی تحریک کے اعلیٰ روایات کے امین تھے۔ آپ نے وطن کی آزادی کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور قیام پاکستان کے بعد آپ کی تمام تر جدوجہد کا مقصد اس ملک میں اسلامی نظام کا قیام اور اس کے قوانین پر عملدرآمدی رہا۔ مولانا زاہد الراشدی لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب ایک عالم دین کے طور پر اس انگریزی تحریک کے نمائندہ اور باشعور رہا تھے جسے ولی اللہی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس نے اس خطہ اور ضلع میں مسلمانوں کے دینی تقاضوں، علوم و روایات اور ثقافت و تمدن کے تحفظ اور آزادی کے حصول کے لئے کم و بیش دو صدیوں پر محیط طویل جنگ لڑی اور دینی درجہ رکھنے والوں کے ساتھ ساتھ جیل کی کالی کو غوروں، پھانسی کے پھندوں اور میدان جہاد کے معرکوں کو بھی رونق بخشی۔ مفتی صاحب نے اس اور دیگر حریت سے تربیت حاصل کی اور انہی اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ وہ اپنے اساتذہ کے صرف علوم کے وارث نہیں تھے۔ بلکہ ان کی جدوجہد اور روایات کے عملی امین تھے۔ اور ان کی زندگی بھر کی محنت

جو اس بات پر گواہ ہے کہ انہوں نے اس ورثہ و ملامت کی حفاظت اور فتنے اعلیٰ نسل تک پہنچانے میں کوئی کمی اور کوتاہی اپنی استطاعت کی حد تک روا نہیں رکھی۔ مفتی صاحب کی جدوجہد کا سب سے بڑا اہداف اسلامی بنیاد پر پاکستان میں اسلام کا قیام اور اسلامی احکام و قوانین کی عمل درآمدی رہا ہے۔ انہیں امداد کی جس جگہ بھی فیصلہ کن موقع ملا ہے انہوں نے قیام اسلام کے لئے اس موقع کو استعمال کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور ایک ہوشیار سیاست دان کی طرح انہوں نے موقع کی نزاکت سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ (۳۸)

اور آپ کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے مقصد کے بارے میں مولانا منیر الحق کی بیان کردہ خیال کرتے ہیں۔

مفتی محمود کی سیاست ہے دین سیاست نہیں تھی۔ ان کی سیاست پر دین غالب تھا۔ وہ سیاست کرتے وقت، سیاسی فیصلے کرتے وقت اپنی مقاصد اور دینی تقاضوں کو اولیت دیتے تھے۔ ان کی سیاست برائے دین تھی۔ سیاست برائے دنیا نہیں تھی۔ ان کی پوری زندگی اس بات کا تقاضا پیش کرتی ہے۔ آج ماضی کے حالات سے جن علماء کا نام احترام سے لیا جاتا ہے ان میں مفتی محمود کا نام بھی شامل ہے۔ یہ ان کی روشن ضمیری اور بلند کردار کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے پیش نظر دینی اصولوں کو رکھا بھی بات انہیں سیاست دانوں میں ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ (۳۹)

آپ کی بھی کوشش رہی کہ اسلام کو نظریہ حیات کے طور پر دستور العمل بنائے۔ اور اس کے لئے آپ زندگی بھر جدوجہد کرتے رہے۔ جس میں تو آپ نے آرام کا خیال رکھا۔ اور نہ ہی لاکھرو حکیم کے مشورہ کو قبول کیا۔ بقول محمد یعقوب شیخ کے۔

اسلام کے نظریہ حیات پر آپ پہنچ چکے تھے۔ اس لئے ساری عمر قیام اسلام کے لئے کوشاں رہے۔ بڑھاپے اور بیماری میں بھی آرام، سکون کو ملحوظ نہ رکھا۔ حکیم اور ڈاکٹر بار بار آرام کا مشورہ دیتے مگر آپ نے بھی اس مشورہ کو رد و خوار کیا۔ نہ سمجھا اور

مسئلہ جدوجہد میں مصروف ہے۔ اپنی زندگی میں ملک میں خفاہ اسلام، کچھ پانچ تھے۔ اس لئے ہر حال میں اسلام کے نظریہ حیات کو اپنی قوم کا دستور العمل بنانے میں کوشاں رہے۔ اپنی زندگی کی انکی پاکیزہ نظریہ حیات کے مطابق گزاری۔ (۵۰)

طرز سیاست

مولانا مفتی محمود ایک جید عالم دین اور عظیم پیامہ کے مفتی و شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ سیاسی رہنما بھی تھے۔ چونکہ آپ اپنے سیاسی نظریات کے اعتبار سے "جہیہ علماء ہند" اور اس سے وابستہ اکابرین سے متاثر تھے۔ اور اس میں ان میں انہیں کے زیر تربیت رہ کر ابتدا میں ملک کی آزادی کی جنگ لڑی تھی۔ اور آزادی کے بعد پاکستان کے استحکام، نظریہ پاکستان کے فروغ اور پاکستان میں دینی اقتدار کی بالادستی اور شریعت کے خفاہ کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کا مقصد متعین کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے آپ سیاسی سمجھ بوجھ کے مالک اور سیاست کے میدان کے تقاضوں سے پوری طرح باخبر تھے۔ ایک مذہبی رہنما کی حیثیت سے آپ کی تمام سیاسی سرگرمیاں دین اسلام کی سر بلندی اور علماء کلمۃ اللہ کے لئے واقف تھیں۔ اور وہ دینی احکامات کے تحت ہوتی تھیں۔ وہ مملکت خداداد پاکستان میں ہر سطح پر دین کو فوجیت دینے کے لئے تنگ دور کرتے رہے۔ اور اس کے لئے علماء کو مدد اسی سے اور سچے ان طریقت کو خفاہوں سے میدان عمل میں لانے کے لئے سرگرم عمل رہے۔ جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔

مولانا مفتی محمود کا طرز سیاست اپنے اکابرین کی جدوجہد کی روشنی میں یہ تھا کہ وہ سیاست کو دین کا حصہ سمجھتے ہوئے اس میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ علم دین کو آپ نے ہمیشہ سیاست پر ترجیح دی تھی۔ اور اس کو کبھی بھی سیاست اور سیاسی سرگرمیوں کے مقابلہ میں مطلوب نہ ہونے دیا تھا۔ علماء احسان الہی عظیم لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے سیاست میں ایک انتہائی بلند مقام پانے کے باوجود سیاست کو ہمیشہ علم کا تحتہ نہ تھا اور جلتا۔ اور علم کو سیاست سے کبھی بھی مطلوب نہیں ہونے دیا۔ کبھی کبھی وہ ملکی سیاست اور سہ راہروں پر گفتگو کرتے ہوئے رنجیدہ ہو جاتے اور ویسے مواقع پر کہتے کہ اگر میں سیاست کو دین کا حصہ نہ سمجھتے ہوتے تو کبھی کا اس کو پتے سے نکل کر دوسرے میں جا بیٹھتا۔ (۵۱)

مفتی محمود نے سیاست کے ساتھ ساتھ دینی مدرسہ میں اپنی تعلیم و تدریس کے مشاغل کو بھی برہر جاری رکھا۔ اور اس میں سیاسی سرگرمیوں یا پارلیمنٹ میں کردار ادا کرنے کی وجہ سے کبھی اضمحلال نہ آنے دیا۔ اور کبھی اکابر علماء و یوبند کا طرز رہا ہے۔ مفتی صاحب دورہ حدیث کے طلبہ کو پڑھاتے اور بھرپور انداز سے حدیث کی تدریس کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے اور طلباء کو مطمئن کرتے تھے۔ مولانا گلزار احمد مظاہری و قسطنطنیہ۔

انہوں نے دین و سیاست اور دین و تدریس کو ایک ساتھ چلا دیا ایک طرف پارلیمنٹ میں قوی امور پر بحث کرتے اور دوسری طرف اپنے مدرسہ میں حدیث کے طالب علموں کو بھی اپنے چشمہ علم سے سیراب کرتے یہ کام معمولی نہیں غیر معمولی ہے۔ دورہ حدیث میں صرف حدیث کا ترجمہ کر کے طلباء کو مطمئن نہیں کیا جاتا بلکہ عقل اور دین کی بحث ہوتی ہے۔ اپنے مسلک کی ترجیح پر دلائل ہوتے ہیں وہ صرف مذاہب کے رد میں دلائل دیتے جاتے ہیں۔ پھر ان کا رد کر کے اپنے مسلک و عقیدہ کو مضبوط ثابت کیا جاتا ہے۔ علماء کے اعتراضات کے جوابات دیتے جاتے ہیں۔ یوں ہی اور سر نو حرم کی باتوں سے نوجوان علماء کو مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ مفتی محمود کو قدرت نے ذہانت کا جو ہر عطا فرمایا تھا۔ جس کے ثمر ہوتے یہ وہ ایک طرف قوی امور پر بحث کرتے اور دوسری طرف علم حدیث کے طالب علموں کی بھی تحققی دور کرتے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی کے بعد یہ پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے علم و سیاست کو ایک ساتھ چلا دیا۔ (۵۲)

یہی وجہ تھی کہ حضرت مفتی محمود نے اپنی سیاست کے مراکز مسجد و مدرسہ کو سمجھا
اور جہاں بھی جاتے مسجد ہی کو اپنی سرگرمی کا مرکز بناتے۔ علامہ احسان الہی علیہ السلام کے جہول
اس ملک میں ایک اور مغز داغ از بھی مفتی صاحب کو حاصل ہے اور وہ ان کی دین اور
علم دین سے محبت کا آئینہ دار ہے۔ وہ ۱۹۱۷ء سے ہے کہ انہوں نے سیاست کو مسجد سے دور
نہیں ہونے دیا بلکہ قریب لانے کا سبب بن گئے۔ ان کی اکثر میٹنگیں مساجد میں ہوتی
تھیں۔ حتیٰ کہ بیشتر شہروں میں ان کا قیام بھی مسجد کے کسی حجرے ہی میں ہوتا تھا اور
انہیں حجروں میں وہ اجلاس ہلاتے۔ ان کی صدارت کرتے اور قوم کی رہبری اور ہدایتی
کا فریضہ انجام دیتے۔ جس کے نتیجے میں رہبری اور ہدایتی کے لئے قوم کی ٹھہریں ان کی
طرف اٹھتی تھیں۔ (۵۳)

اپنے اکابرین کے طرز پر آپ کی سیاست، صاف ستھری اور ٹھہری ہوئی سیاست تھی۔
آپ نے اپنی سیاسی زندگی میں دوسرے سیاستدانوں کی طرح کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیا اور نہ
کبھی جھوٹ بولا۔ مولانا اسفندیار صاحب کا بیان ہے۔

یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ مولانا مفتی محمود نے زندگی میں کسی بھی
مرحلے پر غلط بیانی اور جھوٹ سے کام لیا ہو۔ حالانکہ آج کل سیاست میں اس بات کا
تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی سیاستدان سچ بھی بول سکتا ہے۔ اس کی بات وہ فعل
کسی نہ کسی مصلحت کا تابع سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مفتی صاحب نے سیاسی طے ہوں یا نام
نئی غلطیوں پر ہر جگہ سچ کو قوت دی اور کسی وقت بھی غلط بیانی کا سہارا نہیں لیا۔ بلکہ
کسی کے جھوٹ بولنے پر یہ حدیث ارشاد فرماتے کہ منافق کی علامتوں میں سے ایک
علامت جھوٹ بولنا ہے۔ (۵۴)

ان کی سچائی ہی کی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے سیاسی نظریات کی نہ تو کبھی تاویل کی اور
نہ ہی اس پر پشیمانی کا اظہار کیا۔ جس کو سچا اور مناسب سمجھا اس کا برملا اظہار کیا اور اس پر بحث
کئے۔ مولانا گلزار احمد مظاہری تحریر کرتے ہیں۔

مفتی صاحب کی عظمت کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے سیاسی نظریات کی
کبھی تاویل نہیں کی۔ نہ کہا کلمہ نکالا۔ کسی ساتھ فیصلے یا اقدار پر انہیں کبھی چھٹا
نہیں ہوا۔ کسی ساتھ بیان کی توجیہ کی ضرورت تھیں نہیں کی۔ جو بات جس وقت کہی
پوری ذمہ داری سے کہی۔ (۵۵)

اس ضمن میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لفظ
آتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

ان کے سیاسی نقطہ نظر اور طرز عمل سے خود کو کسی کو کتنا انکشاف رہا ہو لیکن یہ بات
واقعی طور پر ہے کہ جس موقف کو انہوں نے درست اور حق سمجھا اس پر انتہائی سخت
حالات میں بھی مضبوطی کے ساتھ جتے رہے۔ اور کسی قسم کا خوف یا مہدودیت کا
لاٹھی انہیں اپنے موقف سے حق نزل نہ کر سکا۔ وہ اگر چاہتے تو گزشتہ دور حکومت میں
بڑے سے بڑا منصب حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن جس موقف کو انہوں نے درست سمجھا
اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ (۵۶)

مفتی صاحب نہ صرف اپنے اختیار کردہ موقف پر مضبوطی سے قائم رہتے بلکہ اپنے
قوت استدلال سے اپنے مخالف کے قائل کرنے کا ہنر بھی جانتے تھے۔ اور مخالف کو آپ کے
موقف کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہتا۔ بقول مولانا زاہد ارشدی کے۔ ”وہ اپنے موقف پر سختی کے
ساتھ قائم رہتے تھے۔ اور اسکے حق میں دلائل و براہین کا انبار لگانے کے ساتھ ساتھ حالات اور
جو وجہ کو اس طرح ترتیب دیتے تھے کہ مخالف کو اسکے موقف کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہ
رہتا۔“ (۵۷)

یہ بھی ہماری سیاست کا الیہ ہے کہ بعض دفعہ جماعتی کارکن اپنے رہنما پر اس قدر خاوی
ہو جاتے ہیں کہ ان سے اپنی مرضی کے فیصلے کروا لیتے ہیں جن کی وجہ سے بعد میں جماعتی رہنما کو

وضاحتیں کرنی پڑتی ہیں۔ مفتی صاحب کا طرز سیاست کی یہ بھی ایک خصوصیت اور امتیاز تھا کہ آپ اپنے مقامی اصحاب اور کارکنوں پر نہایت کنٹرول رکھتے تھے۔ مولانا بکسر اور احمد مظاہری لکھتے ہیں۔

عام طور پر سیاسی اور مذہبی قائدین نے بکسر کن جہانوں پر حاوی ہوتے ہیں کہ بہت سے فیصلے اپنی مرضی کے مطابق ان سے کروا لیتے ہیں اور بہت سے کام کر گزرتے ہیں۔ جن پر بعد میں انھیں وضاحتیں کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کہ فلاں کام ان کی مرضی کے بغیر ہو گیا ہے جس کا انہیں علم نہیں تھا۔ مفتی صاحب کو اپنے کارکنوں پر بہت کنٹرول حاصل تھا۔ ان سے کارکنان ملک کے جسے وہ دیکھ رہے تھے اور دیکھنا بھی اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کروا سکتے تھے۔ (۵۸)

مفتی صاحب سیاسی بالغ نظری کے ساتھ ساتھ ”حب الوطنی“ کی سیاست کرتے تھے۔ اپنے وطن اور ملک سے محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کی تمام تر سیاسی سرگرمیاں اپنے ملک سے محبت کے پیش نظر تھیں۔ حکمرانوں سے اختلاف بھی ایک محدود دائرے میں رہ کر کرتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کر ”حب الوطنی“ پر حرف آنا تو قدم بڑھک لیجے تھے۔ قاری سعید الرحمن صاحب جو کہ بیرون ملک ایک سفر میں آپ کے شریک سفر رہے ہیں وہ تحریر کرتے ہیں۔

ملکی سیاست کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سیاسی امور پر مفتی صاحب کی گہری نظر تھی۔ بیرون ملک اور ہاں کے دوروں پر بات محسوس ہوتی کہ مفتی صاحب کو ملک کے حالات سے کماحقہ آگاہی ہوتی تھی۔ لیکن ان کی حب الوطنی کا کمال تھا کہ پاکستان میں حکومت سے اختلاف کے باوجود بیرون ملک اختلافی مسائل پر گفتگو نہ کرتے۔ (۵۹)

آپ کی حب الوطنی کے بارے میں جناب نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب قنطر از ہیں۔ ان کی سیاسی اہمیت اور حب الوطنی کا اس سے بڑا ثبوت نہیں فراہم کیا جاسکتا کہ باوجود اس حقیقت کے وہ ان وقت کی مرکزی حکومت کے غیر جمہوری اقدامات کی وجہ سے اس اصول میں اتنا دور سے حرم ہونے لگے تھے۔ اور اس کی وجہ سے رنج اور سختی کا شکار

بالکل فطری امر تھا۔ لیکن جب آئین سازی کا مرحلہ آیا تو ملک کو سیاسی استحکام بخشنے کے لئے اس صورت سے بھی تعاون کرنا مناسب سمجھا۔ (۶۰)

حب الوطنی کی صفت سے موصوف ہونے کے باوجود دنیا میں کہیں بھی کسی پر غلبہ ہوتا تھا۔ مظلوم کی حمایت کے لئے کمر بستہ رہتے۔ نسلی تعصب یا علاقائی تعصب کی بنیاد پر کسی دوسری نسل یا علاقہ کو اپنے سے کمتر سمجھنا اور ان کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرنا جو نسلی تعصب پر مشتمل ہو۔ مفتی صاحب ضرور اسی پر احتجاج بلند کرتے۔ اس سلسلے میں قاری سعید الرحمن مفتی صاحب کے ساتھ فریقہ کے دورے کے بارے میں بتاتے ہیں۔

ملاقات فریقہ میں تمام کے دوران جب انہوں نے کالے گورے کی تفریق کو اس طرح واضح اور صریح دیکھا کہ کالے نہایت سہمی کے عالم میں ہیں تو بڑا کچھ ہوا اس وقت کے وزیراعظم کو جب پاکستان کی اس عظیم شخصیت کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ملاحقہ فریقہ میں ہیں تو اس نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ وہاں کے میزبانوں نے اس کا انتظام بھی کر دیا تھا۔ لیکن جب مفتی صاحب نے ان میزبانوں کو اپنے جوابات سے آگاہ کیا کہ میں اس ملاقات میں سب سے پہلے نسلی تعصب پر اور گوروں کی طرف سے کالوں پر مظالم کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ تو وہاں کے لوگوں نے مجھ کو ایسا کہ اگر یہ ملاقات ہو گئی تو شاید آئندہ پاکستان کے علماء اور اس میں ملاقات پیش آئیں چنانچہ ملاقات کا یہ پروگرام ختم کر دیا گیا۔ (۶۱)

مفتی صاحب کی سیاست اصولوں پر مبنی تھی۔ ان سے دوسرے موافقہ گوارا نہیں کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ وزارت علیا کا منصب چھوڑ دینا یہ صرف اصولی موقف پر آپ کے ڈٹ جانے کی وجہ سے ہوا تھا۔ آپ کا موقف یہ تھا کہ بلوچستان کی وزارت کو غیر آئینی اور غیر جمہوری طریقے سے کیوں معزول کر دیا گیا ہے۔ جب تک اس کو بحال نہیں کیا جاتا میں استعفیٰ واپس نہیں لوں گا۔ اور آپ مرکزی حکومت کے

مقابلے میں ڈٹ گئے تھے۔ اور دنیا کو بتا گئے تھے۔ کہ علماء، اقتدار اور حکمرانی کے بھگتے نہیں ہیں۔
اصولوں کی پاسداری بڑی بات ہے۔ اور اس کے لئے ہم ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔ قاری نور الحق صاحب لکھتے ہیں۔

ملک کی سیاست کی بنیادیں اصولی پر ہی ہے سیاست دانوں نے محض اقتدار کی خاطر راتوں رات پارٹیاں پھوڑیں یا نئی پارٹیاں بنوائیں اقتدار کی خاطر سالہا سال کے تعلقات کو خیر باد کہا۔ مگر اقتدار کی کرسی سے چٹنے رہے۔
..... بہر حال ایک ایسے ماحول میں جہاں خمیر فرشتی اور بے اصولی کا کاروبار عروج پر ہو۔ ایک ایسا عالم سیاست ان بھی سامنے آتا ہے۔ جو ملک کے ایک اور صوبے میں جمہوری اصولوں کی پامالی دیکھ کر احتجاج کے طور پر اپنی وزارت علیا سے استعفیٰ دے دیتا ہے۔ اسے پارلیمنٹ وزارت سے استعفیٰ دینے کی درخواست کی جاتی ہے۔ مگر اس کا موقف یہ ہے کہ پارلیمنٹ کی آئینی جمہوری وزارت کو غیر آئینی طریقے سے کیوں ختم کیا گیا ہے؟ کیا پاکستان کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ کہ کسی وزیر نے صرف اصول کی خاطر جمہوریت کی بنیادیں اچھا کے لئے اور غیر آئینی اقدام کے خلاف اس قدر بھرپور احتجاج کیا ہو؟ وزارت دس دس دوسرے صوبے کی ہو اور استعفیٰ کسی اور صوبے کا وزیر اعلیٰ دے۔ (۶۳)

مفتی صاحب کی اصولی سیاست ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے بیٹ جمہوری اداروں کے استحکام کے لئے کام کیا۔ قاری نور الحق صاحب اس سلسلے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود کی سیاست صاف، شفاف اور بے دھار کردار کی حامل تھی۔ انہوں نے جمہوری اداروں کے استحکام میں بھی انہیں غلط پر کام کیا۔ جمہوری اداروں کو محض تقریروں ہی سے استحکام نہیں بخشتا بلکہ عملی طور پر اس کی سرپرستی کی۔ گویا اقتدار کی کرسی پر قارئین تھے۔ تب بھی انہوں نے صحیح معنوں میں جمہوری اداروں کو محض تقریروں ہی سے استحکام نہیں بخشتا بلکہ عملی طور پر اس کی سرپرستی کی۔

..... گویا اقتدار کی کرسی پر قارئین تھے۔ تب بھی انہوں نے صحیح معنوں میں جمہوری اداروں کی حفاظت کی۔ اختلاف رائے کو برداشت کیا۔ آزادی، اسے کا احترام کیا۔ تحریر و تقریر پر کوئی پابندی قائم نہیں کی۔ کوئی ترجیح قائم نہیں کیا۔ ذی ہندو کے تحت کسی کو نظر بند نہیں کیا۔ (۶۴)

مفتی صاحب نے عام سیاست دانوں سے بہت کر سیاست کے میدان میں انتہائی سادگی کا مظاہرہ کیا۔ آپ کے رہن سہن کے تمام طریقے سادگی کی تصویر تھے۔ عام لوگوں سے ملاقات کے لئے ہر وقت آپ کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن اور جلوت و خلوت میں یکسانیت تھی۔ آپ تکبر سے کوسوں دور رہتے تھے۔ آپ غریب پر درشت تھے۔ قاری سعید الرحمن صاحب رقمطراز ہیں۔

مفتی محمود نے جب سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے تو اس بلند عہدے پر بولنے کے باوجود انتہائی سادگی کا مظاہرہ کیا۔ تکبر اور رعونت آپ سے کوسوں دور تھے۔ وزارت علیا کے دوران آپ کے رہن سہن، طرز ملاقات، اسلوب معاشرت میں ذرا بڑا فرق نہ آیا۔ شاید مفتی صاحب اس وزیر اعلیٰ تھے جو اپنی سرکاری مصروفیات کے باوجود سیکڑوں افراد سے روزانہ ملاقات کرتے۔ مہمان نوازی کا بھی دوا تھا۔ ان پر قرار رہا جو پٹانوں کی روائت میں شامل ہے۔

سیاست میں ان کی کامیابی کے سبب میں ان کی غریب پروری، سادگی، مظلوم نام سیاسی لیڈروں کی منافقت چاروں سے الگ تھا کہ ہر ظاہر و باطن کی یکسانیت تھی۔ (۶۵)

مفتی محمود کی طرز سیاست کے بارے میں قاری نور الحق صاحب نے خوب تبصرہ کیا ہے۔ وہ اپنے ایک مضمون میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود ایک مستعد عالم دین، ایک باقار اور قائد مفتی، دینی فرائض سے لے کر سبکدوش کی ادائیگی کرنے والا انسان، موعظ جہاد پسند، غیثت پرستی سے کوسوں دور۔ دیہات کا باشندہ اور کھل پنہانوں کی سی سادگی رکھنے والا آدمی، اجڑی و بٹی ہر قسم کے

نفاذ سے ہر شخص، سید ان سیاست میں قدم رکھتا ہے تو سیاست میں پہلی بار سید
 پیمبر کی رہائے سادگی و غلم میں، مخالفت کی بجائے ثمرات، تحوت اور قرآن کی عین
 صداقت و راستاری کو متخاف کرتا ہے۔ قول کے بجائے عمل کی تصویر پیش کرتا
 ہے۔ جذبات کی بجائے دلائل کی زبان سے بات کرتا ہے۔ مخالف پر آواز دے کر
 جڑ سے اکڑوا دیتی ہے، غلو و غم کو مٹا دیتا ہے اور جھوٹے دلائل کو مٹا دیتا ہے اس کا
 احترام سے سامنے لیتا ہے۔ ان کی سیاست کو انتقام و حالات کی روشنی میں ملاحظہ کرتے اور
 اسے صحیح کرنے کی بجائے مذاکرات کی دعوت دیتا ہے۔ یہ عجیب سیاست ان سے جس
 سے مریض اپنے مخالف کو بر سر عام گولی نہیں دیتی۔ اس سے مخالفت کا دامن ہاتھ سے
 نہیں چھوڑتا انہوں نے کئی تحریکیں چلائی ہیں۔ بعض کی قیادت بھی کی۔ مگر یہاں سے کہ
 انہوں نے مجمع کو دیکھ کر غور کیا۔ فہمیں و آفریں ان کو آپ سے باہر نہ کیا۔ یا کسی
 مخالف کے لئے کوئی تمغہ افتخار یا لقب استعمال کیا ہو۔ (۱۵)

مفتی صاحب ایک معتدل سیاست دان تھے۔ انتہائی جذباتی ماحول میں بھی اپنے جذبات
 کو قابو میں رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے کارکنوں اور ممالک کے جذبات کو بھی اعتدال میں رکھتے
 تھے۔ انہوں نے کبھی بھی ان کا کہنا کہ خطا استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اگر ایسا موقع
 آیا بھی تو ایک مشفق مری کی طرح ان کے جذبات کو نرم کرنے کی بجائے ان کو سچے دل سے اس کے
 گوشہ نشین کی ہے۔ پھر قادی نور الحق کے۔

ان جذباتی فرائض کو مطلقاً نہیں دیکھتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اعتدال کی راہ
 پر لانا ایک نیکو و اعتدال سے کم نہیں ہے۔ مفتی محمد صاحب ایک معتدل
 سیاست دان تھے۔ ان کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے وہ جذبات سے باری تھے جو جذبات ضرور
 رکھتے تھے مگر ان کے جذبات ہمیں اعتدال کی راہ سے نہ ہٹا سکتے۔ (۱۶)

مفتی صاحب کا طرز سیاست یہ رہا کہ آپ نے اپنی جماعت کے مشورے جو بھی
 سیاسی مؤقف اپنایا پھر کیسے ہی حالات پیش آئے ہوں آپ اس سے پیچھے نہیں ہٹے۔ نہ کبھی

اس سے سر مو احراف کیا ہے۔ آپ کی حیثیت اپنے اکابرین کے خیالات و نظریات کی ترجمان
 تھی۔ اپنے اکابر کی مشن سے لگاؤ حد درجہ تک رہا۔ ان کے فلسفے اور ان کے طریق کار کو ہر مقام اور
 ہر سطح پر پیش فرمایا۔ اس میں آپ نے کبھی مصلحت کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کدواہت کی۔ قاضی
 بہ الدلیف لکھتے ہیں۔

آپ کا عمل تھا کہ پناہ نصیب المؤمن پیش کرنے اور اپنے مشن کی تکمیل میں کبھی کوتاہی
 نہ تھی اور نہ ہیست سے کام نہیں لیا۔ مسجد ہو یا بازار ہو، قصہ میں سینگ ہو یا جلسہ عام،
 اسٹبل ہو، اج ان کو یا حزب اختلاف کی مجلس، حکومت ہو یا نیشنل آپ کی زبان پر قال اللہ
 و قال المرسل کے راز سے ہوتے۔ آپ کو یہ کمال شاید مولانا عبید اللہ سندھی کی
 تعلیمات اور حضرت لاہوری کی رفاقت سے محسوس ہو کہ وہ بڑے بڑے لیڈروں سے
 محروم نہیں رہتے تھے۔ اور ہر ایک کے سامنے قلند شاہ ولی اللہ اور شیخ الہند کے
 طریق کار کو بڑے غور اور سربلندی سے پیش فرماتے تھے۔ (۱۷)

طرز سیاست کے اعتبار سے مفتی صاحب کی زندگی اور اس کے شب و روز کی سیاسی کا مطالعہ
 کیا جائے تو یہ بات از خود سامنے آ جاتی ہے کہ ان کی تمام سیاست، سیاسی سرگرمیاں مذہب کے ماتحت
 تھیں وہ دین و سیاست کے امتحان کے نہ صرف متوند تھے۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ دین کو سیاست پر
 چڑھ کر کھلے جھڑت کے مشہور صاحب علم، قلم جناب شمس تبریز خان اپنے ایک مضمون میں مفتی
 صاحب کے سیاسی رویے اور طرز سیاست کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود مرحوم کی کارناموں سے ہماری زندگی ان سب باتوں کے لئے درس
 عبرت و بصیرت ہے جو عصر حاضر میں اسلام کی سچائی اور اثر و رسوخ کو برقرار رکھنا ہے۔
 اسلامی نظام کے کلی نظام و قیام کے لئے سرگرم عمل ہیں ان کی زندگی و اس حریز سے
 علماء کو ہم اور طلبہ و حضرات کے لئے خاص سبق دیتی ہے۔ کہ انہوں نے اپنی زندگی میں
 دین و سیاست کا کیا جو شکر ادا کیا۔ جس میں اعتدال و توازن قائم رکھنا آئیں و
 چہرہ شیش و آئین اور جام و سدا سے بیک وقت کھیلنے کا حکم رکھتا ہے۔ انہوں نے دین

کو ہمیشہ سیاست پر حاوی و حاکم رکھا اور دوزخ کی سب سے بڑی محافل میں دین و مذہب اور کتاب و سنت سے رجوع کرتے۔ صحیح یعنی حزن اور اسلام کے کمرے عرفان و شہر کے سبب ان میں وہ اولوالعزمی و عالی ہستی، فراست و اساتد رائے اور قیادت و سیاست کے ایسے جو ہر نمایاں اور بڑے جوہر و مہمان کی زیرین میراث ہیں۔ (۸۶)

علماء حق کے قافلے کے ہر راہرو کا سیاست کے میدان میں بھرپور کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تمام سرگرمیاں، تمام تنگ و دو دین کی سر بلندی کے لئے ہوتی ہے۔ وہ دین کو سب پر حاوی و حاکم دیکھنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے تمام عبادات پر مکمل عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور اس میں ذرا بھر غفلت بھی گوارا نہیں کرتے۔ مولانا مفتی محمود کی انہی صفات کے بارے میں جناب عبدالرشید ارشد صاحب لکھتے ہیں۔

عام طور پر قیادت کے لئے تین صفات کو لازمی قرار دیا جاتا ہے ذہانت، دیانت، استقامت لیکن اسلامی قیادت کے لئے ان تینوں سے زیادہ ضروری عبادت ہے۔ منظور و مرحوم مفتی صاحب کی صفات کے ساتھ جو حق و صفت سے بھی منصف تھے۔ اور یہ چاروں صفات مفتی صاحب کی ذات میں برابر پائی جاتی تھیں۔ بلکہ ایک ایک کو ملحد و ملحدہ دیکھتے تھے تو ایک دوسرے سے بڑی ہوتی نظر آتی تھی۔

اور یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان کی بڑی تحریکوں کو اس وقت کامیابی حاصل ہوئی جب ان کی قیادت ایسے مردان حق کے ہاتھ میں آئی جو مندرجہ بالا صفات کے حامل تھے۔ یہ دو تحریکیں ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ سے یاد کی جاتی ہیں۔ (۸۷)

مولانا مفتی محمود، مشہور عالم دین اور مفتی دین حسین کے باوصف آپ ایک عوامی سیاستدان تھے۔ ہمیشہ عام لوگوں میں گھرا رہتا ان کو اچھا لگتا تھا۔ جب صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے تب بھی آپ کی ملاقات ہر خاص و عام کے لئے عام ہوتی تھی۔ عوام کے مسائل و مشکلات کے بارے میں سوچنا ان کے حل کے بارے میں عوام ہی سے رائے طلب کرنا اور ان کے حل کی طرف

تمام گویا آپ کی طبیعت عامیہ تھی۔ قصص، تکلف اور بناوٹ سے آپ کی ذہنی یا لکھ پاک تھی۔ وہ آپ ایک عوامی سیاستدان کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ مولانا محمد اکبر صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب میدان سیاست کے ایسے شاہ سوار تھے۔ جو فرائضی سیاست کو بخوبی جانتے تھے۔ وہ ان کے ہر راہ کو بڑی خوب صورتی اور لچکاہٹ سے بڑا نہ حکمت عملی کی ذہنیت کے ساتھ روکتے اور لطف منکرانہت کے ساتھ اس کو ایک نوکیلا شتر مار دیتے انہوں نے اپنی سیاسی روش کو پرتھک ٹھٹھنے کی بجائے عوامی بنادیا تھا۔ (۸۸)

قاری نور الحق صاحب آپ کے طرز سیاست کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی سیاست میں خدمت کے جذبہ سے کام لیا ہے۔ سیاست ان کا پیش نہیں تھا۔ یہی وجہ کہ خدمت مفتی ہے جس کے بغیر افہام و تفہیم، مذہب و انکسار اور اسلام میں شرکت کے لئے وقت اور بھاری لڑائی کوئی چیز حائل نہ لگاتار نہ تھی۔ (۸۹)

مفتی صاحب، سیاسی شعور رکھنے والے ایک نہایت بالغ نظر سیاستدان تھے۔ آپ نے آت، عزم و استقامت اور قوت و فراست کے مالک تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کی شخصیت میں ایک توانا پائا جاتا تھا۔ آپ کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ کردار کی چنگی آپ میں کوٹ کوٹ اہری ہوئی تھی۔ بقول مولانا محمد اکبر کے۔

حضرت مفتی صاحب نے ساری ذہنی پاکستان کے نظریاتی توفیق کی جنگ لڑی تھی اقتدار کے فروغ، جمہوریت، جمہوری اداروں کی نشوونما اور اسلامی نظام حیات کے نفاذ کے لئے نہایت عمدہ و اختیارات کے باوجود جس برأت، عزم و استقامت اور قوت و فراست سے پیش قدمی کی وہ آپ کے سیاسی شعور اور سیاسی بالغ نظری کا نتیجہ تھی۔ ان کی شخصیت میں توانا، صحت اور کردار کی چنگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (۹۰)

مفتی محمود کا طرز سیاست وہ تھا جو اسے اپنے اکابرین سے ورثہ میں ملا تھا۔ جن کی زیر تعلیم و تربیت وہ کر آپ نے اپنے خیالات کو جلا بخشی تھی۔ ان کے اکابرین سیاست میں بھی

شرافت، دیانت، سادگی اور اصول پرستی کے ساتھ گامزن رہے۔ اور اپنے وقت کی سیاست کو کچھ زیادہ متاثر کر دیا تھا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ان اکابرین کی ان روایات کو اور طرز سیاست کو طاق نسیان کی نذر کر دیا گیا تھا۔ مفتی صاحب نے سیاست کے میدان میں ان روایات کو پھر سے

زندہ کر دیا تھا۔ مولانا زاہد امجدی صاحب اس سلسلے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مفتی صاحب مرحوم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے پاکستان کی سیاست میں جو ایک عرصہ سے سادگی، اصول پرستی، شرافت اور دیانت سے نا آشنا ہو چکی تھی۔ انہیں سبھی اصولوں کو اپنی سیاست کی بنیاد بنایا اور ملحدوں کو اس واضح سے بجایا کہ حق پرستی کی روایات ایک بار پھر نئے وجود سے شرف ہو کر دنیا کے کھتے کا جہر مر نہیں۔ (صفحہ ۱۰)

آپ نے ایک دفعہ اپنے رفقاء کار کے مشورے سے جو بھی موقف قائم کیا۔ پھر اسی پر نہ

صرف سختی سے کار بند رہے بلکہ اس کو منوانے کے لئے اپنی تمام قوت صرف کر دی۔ پھر ایسا ہی

خود تو قومی سیاست کے دھارے میں جذب نہ ہوئے۔ اس وجہ سے آپ نے عزائم پر اگر کام کی طرف

موڑنے کی کوشش کی۔ اور بہت دفعہ اس میں آپ کامیاب بھی رہے۔ مولانا زاہد امجدی لکھتے ہیں۔

مرحوم نے قومی سیاست کے دھارے میں شامل ہو کر خود کو اس میں جذب نہیں کر

دیا۔ بلکہ وہ اس دھارے کو اپنے عزائم و مقاصد کی طرف موڑنے میں کامیاب بھی رہے

تھے۔ اور اگر آپ آج سے پچیس سال قبل کی قومی سیاست کا قانونی قومی سیاست سے

موازنہ کر سکتے تو آپ کو ان نمایاں تبدیلیوں کے پس منظر میں مولانا مفتی محمود اور ان

کے رفقاء کی جدوجہد جھلکتی ہوئی نظر آئے گی۔ مفتی صاحب مرحوم کی جدوجہد کاسب

سے تباہ کن پہلو یہ ہے کہ انہوں نے جو رائے قائم کی سوچ سمجھ کر قائم کی پھر اس پر نہ

صرف پوری استقامت کے ساتھ پختہ رہے بلکہ بالآخر اسے منوا کر ام لیا۔ (صفحہ ۱۱)

مفتی صاحب اپنے سیاسی خیالات میں ہر تہائی وسیع، الطرف و اربعہ ہوئے تھے۔ وہ وسعت نظری اور رواداری کے قائل تھے۔ وہ مسلمانوں میں مذہب و مسلک کے اعتبار سے مناقشت سے کوسوں دور تھے۔ قاری نور الحق قریشی کے بقول۔

وہ اپنے ہی سیاسی خیالات میں کسی تعصب، عصب، نظری اور محدود سوچ کے قائل

نہیں تھے۔ نہ ہی نظریات کے لحاظ سے وہ ایشیاء کی عظیم دینی اور سماجی اور اعلیٰ و بلند

کے خوش چینوں میں سے تھے مگر ہاں بہرہ و کسی دوسرے مسئلہ فکر سے تعلق رکھتے

والے کو برا بھلا نہیں کہتے تھے۔ اور نہ ہی فتویٰ ہادی کی آڑ میں کسی کو مظلوم کرتے

تھے۔ وہ نہایت حوصلہ مند تھے۔ تاہم رواداری اور محنت سے گفتگو کے مادی تھے۔ وہ

مسلمانوں میں مروجہ مناقشت سے کوسوں دور تھے۔

..... سیاسی محاذ پر بھی مفتی صاحب نے کسی کو سیاسی مخالفت کی

وجہ سے ملک و قسطنطنیہ، وطن و قسطنطنیہ، قسطنطنیہ کے طعنہ نہیں دیئے۔ (صفحہ ۱۲)

مفتی صاحب عوامی سیاست دان تھے۔ آپ ایک خاص المیہ کی بجائے عوام کی سیاست

کرتے تھے۔ عوام کے مسائل کے حل کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو

”پاپی یازو“ کا حامی خیال کیا جاتا تھا۔ جناب حمزہ الیم۔ اے صاحب لکھتے ہیں۔

بعض لیڈر ان سیاسی و مذہبی مسائل کا ذکر کرتے وقت ملک کی عام آبادی کے مسائل کو

بالکل نظر انداز کرتے ہیں یا نہ کرنا گوارا نہیں کرتے۔ لیکن مفتی صاحب اپنی لچ

جہاں یا بازار میں غریبوں اور ملک کی عام آبادی کے مسائل زیر بحث لاتے اور ان کے

مسائل کے حل پر زور دیتے۔ اسی وجہ سے ان کی سیاست میں انہیں پاپی یازو کا حامی تصور

کیا جاتا تھا۔ (صفحہ ۱۳)

بلکہ اسی عوامی سیاست اور حردوروں، کسانوں کے مسائل کے حل پر زور دینے کی وجہ

سے آپ کو ”سوشلسٹ عالم“ کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ اور اس میں خوش پیش وہ جاگیر دار، سرمایہ

دار اور ان کے حامی علماء تھے۔ جو حردوروں، کسانوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کے لئے

طرح طرح کے حربے استعمال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء کے الیکشن کی فضا کچھ ایسی بنی کہ ان محروم طبقات میں کافی بیداری پیدا ہوئی تھی۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے اس کو اپنے حق میں نقصان دہ خیال کیا تھا۔ پھر انہوں نے بعض علماء کی خدمات حاصل کی تھیں۔ جنہوں نے ایک فتویٰ جاری کیا تھا۔ جس پر ایک سو تیرہ علماء کے دستخط تھے۔ لیکن مفتی صاحب نے اس فتویٰ کو مسترد کر دیا تھا۔ مفتی محمود کے اس فتویٰ کے استر واد کا وہ اثر ہوا کہ پھر کسی طبقے نے ان کے اس فتویٰ کو پذیرائی نہیں بخشی اور وہ فتویٰ اپنی ہی موت آپھر گیا۔ اس سلسلے میں قاری نورالحق کہتے ہیں۔

اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کے بارے میں ان کا موقف یہ تھا کہ جو لوگ اقتصادی نظریات کی حد تک سوشلزم کا لفظ استعمال کرتے ہیں انہیں کافر نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ ۱۹۷۱ء میں جن ایک سو تیرہ مفتیوں کا فتویٰ شائع ہوا تھا مفتی صاحب نے اس کفر کے فتویٰ پر دستخط نہیں کئے تھے۔ بلکہ اس فتویٰ کو بائیں فتویٰ قرار دیدیا جس سے ملک کے پے ہوئے طبقے یعنی مزدوروں اور کسانوں کی نگاہ میں مفتی صاحب کے بارے میں بڑا احترام پیدا ہوا۔ اور ملک میں واحد عالم دین تھے۔ جنہیں لاکھوں اور کروڑوں فریوں کی حمایت اور دعا حاصل تھی۔ انہوں نے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ سیاست کے خلاف بھرپور کام کیا۔ اور مزدوروں کے ہمارے اس قدر کام کیا۔ کہ جاگیردارانہ ذہنیت رکھنے والے بعض اسلام پسند قسم کے علماء مفتی صاحب اور مولانا غلام غوث پر ارمی کو سوشلسٹ علماء کے نام سے یاد کرتے تھے۔ (۷۷)

مفتی صاحب کا طرز سیاست اپنے اکابر علماء دیوبند کی سیاست کا آئینہ دار ہے۔ وہ نہ کسی جابر کے سامنے جھکے ہیں۔ اور نہ کبھی اپنے خمیر کا سودا کیا ہے وہ ہمیشہ کل حق کہتے تھے۔ وہ کبھی بھی اپنے مقصد سے نہیں بٹے اور نہ ان کو ہٹایا جاسکا تھا۔ وہ پاکستان میں اسلامی کے نفاذ کے زبردست داعی تھے۔ اور انہوں نے عوام کو یہ شعور بخشا تھا کہ وہ اس مقصد کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار

رہیں۔ اور یہ حق اگر انہیں زیر دستی لینا پڑے تو ان سے بھی گریز نہ کیا جائے۔ مولانا غلام اکبر علیہی تحریر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مفتی صاحب نے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ مولانا غلام اکبر! ہم ایسے لوگ نہیں ہیں کہ کسی کے سامنے ٹھیکس یا کسی لالچ میں آئیں یا کسی کے ہاتھوں استعمال ہوں یا اپنے خمیر کو بیچ دیں۔ ہم نے جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہہ دیا ہے اور جب ہمیں مجبور کیا گیا کہ ہم ان کی ہر بات پر لبیک کہیں اور دست باغی ہزار تھیں اور ہمارے حاصل کر لیں۔ تو ہم نے ان کا یہ کہنا سننے سے انکار کر دیا تھا کہ صوبہ سرحد کی وزارت علیا کو چھوڑ کر سیاست کرو یا کہ ہم یا خمیر ہیں اور کسی کے ہاتھ نہ دیا۔ میں ہرگز آنے والے نہیں اور نہ ہی ہمیں اقتدار کی ضرورت ہے۔ وہ ایک ایسی شخصیت تھی جنہوں نے حالات کا رخ بدل دیا اور اس اور انش منٹ انسان نے اپنے فخر کو بلا مشابہت پر ترجیح دی۔

نہ سچ و تخت میں نہ فخر و پہا میں ہے جو بات مرد قلندرانی یاد رکھیں ہے ایک ان ہم وہ فرائض رکھنے جیسے تھے فرماتے تھے۔

غلام اکبر! انبارِ حشر سے اُدھر ہو جائے لیکن میں اپنا مشن چھوڑنے کے لئے قلعہ تیار نہیں ہوں۔ اور آخر وقت تک اسلام کی سر بلندی کے لئے لڑتا رہوں گا۔ اور اسلام کی راہ میں اپنی زندگی گزار دوں گا۔ کبھی کبھی وہ فرمایا کرتے تھے کہ قوم کو ہم نے یہ بات سمجھا دی ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا ہے اور اس ملک میں اسلام کے نواہد چھو اور نہیں رہے سکتا۔ اور یہ بھی قوم کو سمجھا دیا ہے۔ کہ اپنے حق کے لئے خود کا شش کر۔ یہاں تک کہ غاصب سے اپنا حق زبردستی واپس لے لو۔ اور نتیجہ سے بے پروا ہو کر خود کو بے فکر مستقبل پر وہ غیب میں مستور ہے۔ (۷۸)

مولانا مفتی محمود نے اپنے اکابرین کے طرز سیاست کے مطابق سیاست کے میدان میں ہر لحاظ سے حالات کے مطابق انہوں نے سیاست میں نہایت مثبت اثرات مرتب کئے تھے۔ اور اس سلسلے میں قائدِ کردار ادا کیا تھا۔ مفتی صاحب کی شخصیت آپ کے اعلیٰ کردار اور آپ کے

طرز سیاست کے اثرات جو پاکستانی سیاست پر مرتب ہوئے اس میں علماء کا سیاست میں حصہ لینے اور اس میں غالب حیثیت سے کردار ادا کرنا ہے۔ آپ کی وفات پر روزنامہ "جسارت" کراچی نے مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو فکر انگیز ادارہ یہ لکھا تھا اس میں ہے۔

اپنے عہد و اہانت میں انہوں نے قرون اولیٰ کے مسلمان حکمرانوں کی سی دینیات و ایمان کا مظاہرہ کیا۔ اپنی مجموعی سیاسی زندگی میں انہوں نے ایک چیز بہت واضح طور پر ثابت کی کہ قدیم اسلامی طرز کی درگاہوں کے فارغ التحصیل علماء و محدثین نے دنیا کی انتہائی شیطانی جہوں کی فتنوں میں حزب اختلاف کے پلیٹ فارم سے یا ان حکومت کے اندر بہ مشورہ اور دیانتدارانہ سیاست چلانے کی پوری اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ مولانا مفتی محمود کی شخصیت کے ساتھ علماء پاکستان میں پہلی بار سیاسی تحریکات پر غالب آئے اور ان کی موجودگی نے سیاست کے انداز، اطوار، اور غرض بدل دئے اور پھر ان ہی کی قیادت میں برصغیر کی ۸۰ سالہ جدید تاریخ کی سب سے زیادہ پرچہ کش اور دلاور انگیز تحریک "تحریک نظام مصطفیٰ" چلی۔ (۷۹)

آپ نے ایثار و خلوص، سچائی اور ایمان داری، عزم و ثبات، جرأت و استقامت کے ساتھ اسلامی طرز حیات کی بالادستی کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اور پاکستان کی سیاست پر نہایت دیرپا اور مثبت اثرات چھوڑے اس لئے آج بھی ان کو عزت و احترام سے نہ صرف یاد کیا جاتا ہے بلکہ ان کے بے لوثی، اور اندیشی اور معاملہ جہی کے صفات کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ بھارت کے مشہور عالم، ادیب اور تجزیہ نگار جناب شمس تبریز خان لکھتے ہیں۔

انہوں نے سیاست و حکومت میں مذہب و اخلاق، ایثار و خلوص، سچائی اور ایمان داری کو از سر نو رونق دینے کی کوشش کرتے دم تک جاری رکھی۔ پاکستان میں اسلامی جمہوریت کی بحالی ان کی سیاست کا مظہر اسے امتیاز تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے کوشش اور موانع و حکومتوں میں اپنی سرگرم اور یادگار خدمات سے دریغ نہیں کیا۔ اور اپنے ان نیک مقصد اور کار خیر کے لئے خلوص و ایثار کے ہر معیار پر پورے اترے۔ ان کی

موسم و مہلت اور جرأت و استقامت کو کوئی تحریک و ترقیب اور تجدید و تہیہ حرکت نہ کر سکی۔ حکومت اور حزب اختلاف کی ہر سطح سے انہوں نے فکر و حق چلنے و کھلنے اور عاقبت و حکمت کے ہر دور میں انہیں اسلامی طرز حیات، طریقہ کار اور نظریہ حکومت و سیاست کی بالادستی کے لئے غلمانہ سہائی جاری رکھی۔ ان کی اس ناقابل فراموش، دلاور، آفرین، ہمدانی اور ہمدردانہ خدمات کے پیش نظر بعض پاکستانی احباب کا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ "مولانا مرحوم کی وفات سے چودھویں صدی ہجری کا آخری چہرہ اٹھ گیا۔"

آگے چل کر جناب شمس تبریز خان لکھتے ہیں۔

معاملہ فنی، اور اندیشی اور تحریکی ذہن کے سبب، سیاسیات سے ہمیشہ دلچسپی رہی۔ مگر یہ دلچسپی کسی مادی غرض پر نہیں بلکہ ملی مصالح اور بے غرضی پر مبنی تھی۔ (۸۰)

آپ نے سیاست میں جس طرز کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ اخلاقیات پر مبنی تھی۔ ان کی کوششیں تھیں اور سیاسی پلیٹ فارم کو بھی اس کے لئے استعمال کرتے رہے کہ ملک سے بے حیائی، فاشی، عریانی و غیر وہ اخلاقیوں کا خاتمہ ہو وہ ملک کے نوجوانوں میں مردانہ صفات اور بہادریات جذبات کی تشکیل اسلامی اقدار اور تقاضوں کے مطابق چاہتے تھے۔ وہ نسلی اور صوبائی تعصب کے مٹی تخت خلاف تھے۔ مولانا اسفندیاریوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

کے ملک میں بے حیائی، عریانی، فاشی، و قس و سرور، شراب نوشی، زنا کاری اور تمام مخرّب اخلاق اور کو خلاف قانون دینے کے لئے اسی طرح جدوجہد کرتے تھے۔ جیسے ایک بزرگ کامل اپنے حلقہ اقلات میں اپنے معتقدین و متوسلین کے ترقی و فلاح کی کوشش کرتا ہے۔ ملک کے نوجوانوں میں مردانہ صفات، بہادریات جذبات اور اعلیٰ اسلامی اقدار پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے۔

صوبائی اور نسلی تعصب کو ایک عظیم مصلح کی طرح ختم کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ مفتی محمود کی

سیاست کی بنیاد دینا پڑی تھی۔ سیاست میں جو بعد پیدا ہو گیا تھا حضرت مفتی صاحب کے مسائل سے ختم ہو گیا۔ (۸۱)

اس حلقے میں آپ کے طرز سیاست کے بارے میں مولانا محمد اکبر صاحب لکھے ہیں۔

ان کا ملزم سیاست، حضرت مدنیؒ کی طرح معتدل حد مفتی صاحب کی ساری زندگی کی

مسائلِ جمیلہ میں دین اور سیاست ہم سفر اور قدم بدم ہے اور ایکہ حق پرست

سیاستہ الن اور عارفانہ رنگ لئے ہوئے تھے دین کے بغیر سیاست کو تبلیغ بہت

نصرت کرتے تھے۔ آپ نے مریات میں اپنی بیٹی کی تختہ بند کی کرنی بھی مہربانی

بے دماغی یا کبر و غرور کو آلودہ نہیں کرتے۔ یہ جو ایک فطرتی (Genious) شخصیت

کی خصوصیات میں سے ہے۔

سیاسی احوال سے کبھی ٹکڑا جڑ نہیں گیا جو دین کی نفی کا باعث بنتے تھے۔ انہوں نے

سب سے بڑا دھوکہ دینا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے خلاف (۸۶)

مولانا محمد اکبر صاحب نے مفتی صاحب کے طرز سیاست کے بارے میں اس سے پہلے

کچھ یوں اظہار خیال کیا ہے۔

۱۰۔ مثنوی اور جین الاقوامی سیاسیات میں ذی اثر خصوصیات کے حامل تھے۔ سیاسی

حوادث میں انسانی ایک ٹکھری ہوتی رہے ہوتی تھی تاہم ان کے ساتھ ساتھ مذہب

اور دینی معاملات میں نیابت دینے اور منتخب شخص کے ہاں کچھ ضابطہ اور حدود

مقرر تھے۔ جن پر ختمی سے کار بند رہے۔ (۸۳)

سیاسی جماعتوں کے اتحاد میں آپ کا کلیدی کردار

مولانا مفتی محمود امجدی اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے "اتحاد بین المسلمین" کے

داغی رہے۔ اور وہ اتنا ہی گومزول کے حصول کے لئے سب سے زیادہ موثر ذریعہ سمجھتے رہے۔

دیوبند کے بنیادی مطالبات کے لئے انہوں نے ہر دینی جماعتوں اور مذہبی تنظیموں کو اتحاد

کی دعوت دی ہے۔ اور انکی کوشش رہتی تھی کہ آپس کے اختلافات کو فراموش کر کے اسی

محمد کے لئے ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کو یکمشت قرار دیا جائے۔ اور مقابلہ قوتوں کو

گفتے وہ چار کرو یا جائے۔

آپ کی دینی دہ ہی جماعتوں اور تنظیموں کو اتحاد کی لڑی میں پرونے کے بارے میں

آپ کا اصرار کا تاثر کرو آپ کی دینی خدمات کے نقصان میں ہو چکا ہے۔ یہاں یہ کوشش کی جائے گی

۶۔ نصاب، جرائد اور تنظیموں کو قریب آنے کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں۔ ان

لاپڑے جیہ سالہ

منہ محمد رسول اللہ : رسول اللہ شریف - سید المرسلین

مولانا سی محمد اید بہارت و ناصرف اور و ناصرف

نے سیاسی معاملات میں بھی بھی غف نظر کی اور عصب سے کام نہیں لیا ہے۔ بلکہ آپ اپنے ساتھ

دیگر سیاسی قوتوں کو بھی ملانے کی سعی فرماتے رہے ہیں۔ ملک میں جب بھی اہم مسئلہ اور حالات

وہیں آتے تو تمام سیاسی جماعتوں اور قوتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے جو آواز مہم

ہے اس لیے اچھٹی وہ انہی کی ہوتی تھی۔

قائم پاکستان سے پہلے "مجلس احرار اسلام" کے مرکزی رہنما اور قیام پاکستان کے بعد

یہ اختلاف کے غلط فہم سے کردار ادا کرنے والے اور

ہماری دعا ہے کہ یہ سب کاموں میں کامیاب رہیں اور ان کے لئے ہم دعا کرتے ہیں۔

پلیٹ، بہاریت ۵۰ خطاب پاسے والے خطاب واپس اور سرالہ خان صاحب: اس کتاب

انتخاب کے لئے

جس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کے جتنے بھی مکاتب فکر ہیں

انہیں مسجد کرنے کے لئے جس وسعت قلب اور وسعت فہم کی ضرورت ہے ۱۱ مفتی

صاحب میں بوجہ اتم موجود تھی۔ انہوں نے بیسٹ تحریکات سے ملنے ہو کر اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہاں قسمنیت کی تحریک کے دوران اس اسی طرح مختلف سیاسی جماعتوں کو بنیادی اقدام پر متحد کرنے کے لئے بھی مفتی صاحب جتنی سعی و مشہد کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ (۸۴)

قاری نور الحق قریشی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "مولانا مفتی محمود کی سیاست میں ایک پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ وہ جمہوریت، دروداداری اور ملک کے سنگین مسائل کے حل کے لئے مذاکرات اور گفت و شنید پر یقین رکھتے تھے۔" (۸۵)

مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جو فہم و فراست، فضل و بصیرت اور سیاسی فہم سے نوازا تھا۔ انہوں نے اس سے کتنا حد فائدہ حاصل کیا۔ اور انہیں اوصاف سے کام لیکر آپ نے اپنی قیادت میں متضاد نظریات کی حامل افراد و جماعتوں کو یکجا کیا۔ ان کی قوت میں کئی کمزوریاں کر کے ان کی اجتماعی صلاحیتوں کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے نہایت خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا۔ مولانا جان محمود صاحب لکھتے ہیں۔

ملک اور قوم کو جو دربر ریت سے بچانے کے لئے قوم کے مختلف طبقے، مختلف نظریات کی حامل جماعتوں کے درمیان اور ان کے سربراہان، مساجد کے امام، شیوخ، شیعوں کے علماء، مدد کیوں کے حامی، فرقہ پرستوں کے مخالفین اور ملی مفاد پر کام کرنے والے متحدہ افرادوں کے، شاہکار ان کی قیادت میں دیکھئے ہو گئے۔ ملک کی ہر شاخ میں اس قدر وسیع اتحاد اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا اور اسی طرح قیام پاکستان کے بعد کسی قومی رہنما کی قیادت میں ایسے انسان اسلامی نظام کے خلاف کی جنگ لڑنے کے لئے یکجا نہیں ہوئے۔ علاوہ انہیں یہ ہمارے دور کی واحد مثال ہے کہ اس قدر متضاد نظریات کے حامل افراد کو متحد و مطمئن رکھتے ہوئے آخر دم تک ان سے کام لیا گیا۔ ان کی صلاحیتوں کو ایک اعلیٰ مقصد کے لئے انتہائی خوبصورت طریقے سے استعمال کیا گیا۔ اگر یہ ۱۹۴۷ء ہے تو یہ ۱۹۷۲ء

مفتی محمود کو مل چکا ہے اور حق یہ ہے کہ مفتی محمود اپنی زندگی بھر اسلامیت و مسیحیت کے لحاظ سے اس ملک میں کم از کم اس اعزاز کے مستحق تھے۔ (۸۶)

مولانا گنبد احمد مظاہری نے لکھا ہے کہ مفتی محمود کی قیادت میں قومی اتحاد کی صورت میں تمام مذہب و سیاسی جماعتوں کی اتحاد کا یہ واقعہ ہے۔ کہ تمام سیاسی قیادت کے ساتھ ساتھ مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں کا ایک عالم کی قیادت میں متحد ہو کر کام کرنا ایک واحد مثال ہے۔ اس سے پہلے بھی اتحاد ہوتے رہے مگر وہ علماء غیر عالم کی قیادت میں متحد ہوتے تھے۔ یہ علماء کا ایک عالم کی قیادت کو تسلیم کرنے کی منفرد مثال ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔

مفتی صاحب کی بعض خصوصیات سے نہ صرف ممتاز بلکہ مرعوب بھی تھا۔ ان خصوصیات میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس سے قبل ہمارے جتنے اتحاد ہوئے ان کا محور بیس ہی کوئی غیر عالم رہا ہے کسی عالم دین کی قیادت میں کبھی بھی کوئی اتحاد نہیں ہوا۔ چنانچہ اگر اتحاد نہیں ہوا۔ علماء بیس کسی نہ کسی غیر عالم کی قیادت میں جمع ہوئے اور کام کیا۔ بلکہ تاریخ کے بعض دور میں ایسے وسیع تر اتحاد کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ نہ صرف مسلم فرقوں کے درمیان اتحاد کی بات ہو بلکہ اس سے بڑھ کر غیر مسلم قوموں کے ساتھ بھی اتحاد کی تاریخ بکلی بے گنی۔ اور اس سے "ظلم اتحاد دینی" سامنے آتا ہے لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ عالم نے کسی عالم دین کی قیادت میں جمع ہو کر کوئی تحریک چلائی یا تحریک میں حصہ لیا ہو۔ یہی سچ تاریخ کا یہ منفرد واقعہ مفتی محمود کے دور میں وقوع پذیر ہوا اور انہیں غلط سے بھی پہلی بار یہ منظر دکھا کہ تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے ذمہ دار ایک عالم دین کی قیادت میں جمع ہو کر عہد حاضر کی سب سے بڑی آمریت کے خلاف جدوجہد ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ پہلا واقعہ تھا کہ تمام شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک بیس قدر متحد ہو گئے۔ تمام جماعتوں نے اتحاد کیا اور اس اتحاد کا کام مفتی محمود کو نبایا گیا۔ (۸۷)

مفتی محمود اتحاد کے معاملے میں بہت ہی فراخ دل رہے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے سامنے جو اعلیٰ مقاصد تھے وہ بغیر اتحاد کے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اور نہ ان تک پہنچا جاسکتا تھا اس لئے بعض اوقات ان کو اپنے احباب کو بھی ناراض کرنا پڑا مگر انہوں نے اس کی بھی کوئی پروا نہیں کی۔ آپ کی اتحاد کے بارے میں فرارخ دلی کے بارے میں مولانا نور الہدیٰ لکھتے ہیں۔ ایک بار کسی محفل میں کسی نے مفتی صاحب سے پوچھا کہ ملک میں خود مختار قائد ہوا تو حضرت؟ آپ نے سوال کرنے والے کی طرف دیکھا اور کہا افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگ تیس سال تک انگریزی نظام کے تحت چپ رہے جب جب آزادی اسلامی نظام کی امید ہوئی ہے تو قائد حنیف اور قائد جعفر یہ پر بھرائی کر رہے ہو۔ قائد سخی اور قائد جعفر یہ ہم دو کم اس نظام سے تو بہتر ہو گئے۔ جو اس وقت انگریزی اور بے دینی نظام کی صورت میں یہاں رائج ہے اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ سب لوگ اسلامی نظام کے نظام کے لئے متحد ہو جائیں۔ مولانا مفتی محمود اتحاد کے معاملے میں عباس فرارخ دل واقع ہوئے تھے۔ اور اس معاملے میں انہوں نے بعض اوقات اپنے احباب کی ناراضگی کی بھی پروا نہیں کی۔ (۸۸)

تحریک قومی اتحاد کی بحریہ و قیادت کے بعد جب بہن حکومت کے ساتھ آپ کی سربراہی میں مذکورات کا سلسلہ شروع ہوا تو مذکورات آخری مرحلے میں تھے۔ کہ اس وقت کے بری افواج کے سربراہ جناب قیاد الحق نے فوج کی حمایت و تعاون سے ملک کی باگ اور سنبھالی۔ اور حالات نے ایک یازم اختیار کر لیا۔ ان حالات میں انہیں سیاسی جماعتوں نے قومی اتحاد سے ملحدگی اختیار کر لی تو ان حالات سے اور سامنے کر بعض سیاسی رہنماؤں کی اس عظیم اتحاد سے ملحدگی نے آپ کو بہت رنجیدہ کر لیا۔ آپ فرماتے تھے کہ "قوم نے ہم پر اتحاد کی وجہ سے اعتماد کیا تھا۔ شیخ کے بھروسے ہوئے انہوں کی طرح سیاسی رہنماؤں کا الگ الگ کام کرنا، قوم کے اتحاد اور اتحاد کو چھین پھینکنا، اور قوم ایسے لوگوں کو کبھی بھی مخالف نہیں کرے گی۔ (۸۹)

ملہ کی سیاسی بیداری میں آپ کا بنیادی کردار

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں ملہ کرام کا بہت واضح اور جاندار کردار رہا ہے۔ یہاں چوتھیں مسلمان حکمرانوں کے ساتھ بہت سے ملہ اور مصلحین آئے ہیں۔ اور یہاں دینی علوم کی شناخت اور عوام کی اصلاح میں کارہائے نمایاں انجام دے چکے ہیں۔ مسلمان حکمرانوں کے دربار میں ان کو عزت و وقار کا مقام حاصل تھا۔ تمام دینی شعبہ جات خصوصاً شعبہ فقہائے ائمہ کے سربراہ تھے اور اس سلسلے میں ان کی رائے، مشورہ، تجویز کو فوقیت حاصل ہوتی تھی۔ درس و تدریس، اقامہ اور مساجد کی امامت کے عہدے حکومت کی طرف سے ان کے وظائف مقرر ہوتے تھے۔ معاشرہ میں بھی ان کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عوام الناس روزمرہ کے مسائل و مشکلات میں انہیں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ان کو ایک اعتماد حاصل تھا۔ انگریز کے یہاں آنے کے بعد آہستہ آہستہ علماء کرام کی حیثیت کو ختم کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئی تھیں۔ ان کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح حربے استعمال کئے گئے تھے۔ ان کو عوام کی نظروں سے گرانے کے لئے غلیظ پروپیگنڈا کیا گیا۔ ان کی طرف سے تسمیہ کی گئیں۔ دینی علوم کے حصول کے مقابلہ میں عصری علوم کی ترقیب شروع کر دی گئی۔ علماء اور مذہبی رہنماؤں کو بدنام کرنے اور ان کی حقارت کے لئے روزمرہ محاورات کو عام کر دیا گیا۔ اور عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی گئی کہ یہ طبقہ کسی کام کا نہیں ہے۔ بلکہ یہ معاشرہ کے ناتواں کندھوں پر ایک معاشی بوجھ ہے۔ خاص کر حکومتی ذمہ داریوں کی یہ بالکل صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتا اور یہ اس قابل نہیں ہے کہ وہ عوام کے مسائل و مشکلات کے حل کرنے میں کوئی کردار ادا کر سکیں۔ اور اس کے لئے خاص اس طبقہ کو استعمال کیا گیا جو انگریز نے اپنے مراعات سے نواب

سرخان، خواتین اور مختلف خطابات دیکر پیدا کیا تھا۔ اور جس نے اس سلسلے میں "شاہ سے زیادہ شاہ کے وفاداروں" کا کردار ادا کیا تھا۔

ان حالات میں بھی علماء حق کا قائل اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نام لیاؤں اور حضرت شاہ ولی اللہ کے جبر و کاروں نے جان و مال کی قربانیوں سے تاریخ آزادی کی کتاب میں روشن باب کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور اس قافلہ حریت کے دیگر اکابرین و قائدین سے ہوتا ہوا دارالعلوم دیوبند کے بانیان اور وابستگان نے قائلہ حق کی قیادت سنبھالی ہے۔ اور دینی و مذہبی علوم و روایات اور اسلامی ثقافت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ملک سے انگریزوں کے انخلاء کے لئے ایک طویل جدوجہد کا سرچشمہ بن گئے ہیں۔ بلکہ اس میدان میں قربانیوں کی عظیم روایات قائم کی ہیں۔ اور یہ انہی آزادی کے متوالوں کی قربانیوں، قید و بند کی صعوبتوں اور جانبہ اداؤں کی ضابطگی کی صورت میں نقصانات کو ادا کرنے کا نتیجہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انگریز کی غلامی سے ہر صغیر پاک و بزرگ کو آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا۔ آزادی کا سورج طلوع ہوا۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کا حصول ممکن ہو گیا۔ جس کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ اس ملک کے حصول کے پیچھے بھی ایک طویل جدوجہد کی داستان ہے۔ اس کے لئے ایک تحریک چلی تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے قائد اعظم محمد علی جناح اور دیگر عظیم مسلمان رہنماؤں کی قیادت میں یہ ملک منفرد شہود پر آیا ہے۔ تحریک پاکستان کے لئے مسلمان قوم کو جس اعزہ پر متحد کیا گیا تھا۔ وہ نعروں پر تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" جس کا واضح مقصد یہ تھا کہ اس ملک میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ہوگی۔ قرآن و سنت کو بالا دستی ہوگی اور ملک کے اقتدار سے لیکر عام افراد کی زندگیوں تک میں شریعت اسلامیہ کی کارفرمائی ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات و ارشادات کے مطابق قوم کی

حرفی کے اصول ملے ہوئے تھے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں شرعی احکامات کو اولیت و فوقیت حاصل ہوگی۔ لیکن ہائے افسوس ایسا نہ ہو سکا۔

مسلمانوں کی تمام امیدوں کا خون کر دیا گیا۔ دین و شریعت کو نہ اُتی بنا دیا گیا۔ نظام حکومت سے لیکر نظام معیشت، نظام تعلیم، نظام عدالت میں دینی احکامات کو اجنبی بنا دیا گیا۔ اور ان کے لئے زندگی کو انگریز کے چھوڑے ہوئے ورثہ کے طور پر سنبھال لیا گیا۔ جو غلاموں کے لئے بنائے گئے تھے۔ آزادی کے بعد بھی وہی غلاموں کے لئے بنائے گئے نظام ہائے زندگی کو جاری و ساری کر دیا گیا۔ اگر کہیں شریعت کی بالا دستی کی بات اٹھتی یا اس کا مطالبہ کیا جاتا۔ تو اس کو درخور اعتناء سمجھا جاتا۔ اور ان آواز اٹھانے والوں کی آواز کو دبا دیا جاتا۔ ان پر پھر سے بٹھادیںے جاتے۔ علماء کرام اور مدارس کے بارے میں انگریز نے جو ذہن بنایا تھا۔ پاکستان کی حقدار قومیں بھی انہیں خیالات کی حامل تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ علماء ایک قوت بنیں۔ اور جن کو عوام میں پذیرائی حاصل ہو۔ اور علماء و دینی طبقات اسی انتظار میں تھے۔ کہ پاکستان کے بعد اُن پر قابض قوتوں کو موقع فراہم کیا جائے کہ انہوں نے تحریک پاکستان کے وقت عوام کو جو غرور دیا تھا۔ پاکستان کے حصول کے جو مقاصد متعین کئے تھے۔ ان پر عمل درآمد کا ان کو موقع ملنا چاہیے تاکہ ان پر اتمام حجت ہو سکے اور کل وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں قانون سازی اور دستور سازی کا موقعہ نہیں دیا گیا۔

ان حالات میں بعض علماء کرام نہ صرف یہ کہ اپنے مدارس و مساجد اور خانقاہوں تک محدود ہو کر رہ گئے۔ بلکہ انہوں نے حق کی آواز بلند کرنے کا فریضہ تک ترک کر دیا۔ اور حالات کی دہمکی پہنے گئے۔ ان سے حق کوئی و جہاں کی اور جرأت و بہادری کی وہ صفات و خصوصیت ہو گئیں جو ان کے اکابر کے اوصاف تھے۔

ان حالات میں چند ایک علماء نے عقلیت کے اس شعور کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا اور حالات کو بدلنے کے لئے میدانِ عمل میں کودے۔ ان میں مولوی محمود بھی تھے جو بعد میں مولانا مفتی محمود کے نام سے عالمگیر شہرت کے مالک بنے انہوں نے دیگر اکابر علماء کے ساتھ مل کر جمیہ علماء اسلام کے نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی۔ اور ملک کے کونے کونے میں موجود علماء و ذہنین اور پیرانِ عظام سے رابطے کئے۔ اور ان کو اپنے فرائض کی طرف متوجہ کیا۔ اور سیاسی عمل میں ان کو شرکت کی دعوت دی۔ مفتی صاحب کے اس اقدام سے علماء اور دیندار طبقے میں ایک بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ ۱۹۴۲ء کے الیکشن میں آپ قومی اسمبلی کے ڈیرہ اسماعیل خان سے ممبر منتخب ہوئے جبکہ ضلع ہزارہ سے صوبائی اسمبلی کی ایک نشست مولانا غلام غوث ہزاروی نے جیتی۔ اور یوں پاکستان کی قومی اسمبلی اور مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی میں علماء کی نمائندگی ان دو بستوں کو حاصل ہوئی۔ جنہوں نے اپنے جاندار کردار کے ذریعہ قوم کی بہترین نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ اور حکومت وقت کے لادینی اقدامات کا نہایت جرأت سے مقابلہ کیا۔ ان رہنماؤں کی اس بے مثال کارکردگی کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ عوام و خواص کے ذہنوں میں ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہوا جو علماء کے بارے میں انگریز اور ان کے ہمنواؤں نے پیدا کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ بلکہ اس سے علماء کے عزت و احترام میں اضافہ ہوا۔ اور خاص کر جب مفتی صاحب نے ۱۹۴۷ء کے عام انتخابات میں ذوالفقار علی بھٹو کو ڈیرہ اسماعیل خان کی قومی اسمبلی کی سیٹ پر تیرہ ہزار ووٹوں کی برتری سے شکست دی جبکہ دو دیگر پانچ نشستوں پر کامیاب رہا تھا۔ اس سے مفتی صاحب کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی اور پھر جب ۱۹۵۷ء میں صوبہ سرحد کی وزارتِ خلیا کا منصب آپ نے سنبھالا۔ آپ نے اپنی وفادار ت غلیا کی نہایت مختصر یعنی نو مہینوں کی مدت میں یہ بات ثابت کی۔ کہ علماء بہترین منتظم بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور وہ اپنی فہم و فراست اور تدبیر و بصیرت سے حکومت کرنے کی نزاکتوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کو قوتِ فیصلہ بھی حاصل ہوتا ہے اور وہ بہترین حکمران بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ عصری علوم کے حامل افراد

سے فیصلہ کرنے اور فیصلہ منوانے کی بہتر پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ آپ کی ان بصیرت اور اقدامات اور کردار کے بارے میں مولانا ضیاء القاسمی رقمطراز ہیں۔

آپ میں فکابرِ علماء و مد کا یہ بہ گہرا اور شادابی آفت کے فکر کی صلابت اور شہداء و سائیں شہید کے قافلہ کے ہونہار جرات اور معرفت مدنی کے لشکر کے سپہ سالار ہونے کے جوہر کھل کر نظر آنے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ پورے ملک کے علماء حق نے آپ کو جمیہ علماء اسلام کا قائد، قافلہ سنان کا نڈی خواں اور سپہ سالار منتخب کر لیا۔ آپ نے اپنی حد از احکامیتوں سے علماء کو ام کو پھر سے ہدایت گیارہ سے سرشار کر دیا۔ اور علماء کو ام کو دسی راست پر گھڑا لیا جو ان کے مطابق اور انکار کا راستہ تھا۔ پاکستان میں جب علماء کو ام کا وجود ایک سوچا گئی اسکیس کے مطابق گلی بنا یا تھا۔ مفتی صاحب نے اسے ایک نمبر اور عظمتوں کا امین اور اسلام کی عظمت، نشاۃ ثانیہ، دین و یاجن کی چٹکتی ہوئی روشنی سے سجایا پاکستان روشن ہو گیا۔ اخبارات و ریاض مدنی و دینی و سائنسی و ہر اچھے اور اچھے علماء سے گھیرے ہوئے تھے ان کے پاس اب علماء کے کام پر روشن فہم اور ادارے اور انکی سوچ اور فکر کو پاکستان کی تعمیر میں شامل کرنے کے لئے راستے دی جانے لگے۔ مفتی صاحب نے علماء اور قدیم دانشوروں میں باہمی مشاورت اور سوچ کا اور (الذوالفقار) اور اسلام کی روشنی جدید طبقے کے دہوں میں اتارنے کی پوری کوشش کی۔ یہی وجہ تھی کہ مفتی صاحب قدیم و جدید میں یکساں مقبول تھے۔ اور ان کی مجلس میں جہاں علماء اور عوام اپنی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے وہیں تجدد و نگار، سماجی و طلبہ، سیاسی رہنما اور مختلف مذاہب فکر سے متعلق ملی رہنما بھی اکٹبا لیٹے آتے تھے۔ (۹۰)

مفتی صاحب نے اپنے سیاسی کردار کے ذریعہ علماء کو ام کے احساسِ کسرتی کو ختم کر دیا۔ اور ان میں سر اٹھا کر چلنے کی جرأت و ہمت پیدا کر دی اور ان میں ملتِ اسلامیہ کی قیادت و سیادت سنبھالنے کی اہلیت پیدا کر دی۔ محمد فاروق قریشی لکھتے ہیں کہ

مولانا مفتی محمود بھی ایک مولوی تھے۔ سیدھے سادے ماحول میں نشوونما پانے والے انہوں نے سب سے پہلے علماء کو منظم کیا۔ اور اپنی استحکام و جدوجہد سے معاشرہ میں علماء کرام کے وقار کو واضح کیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ملت اسلامیہ نے قیادت و سیادت علماء کے لئے وقف کر دی۔ اور عملاً تسلیم کیا کہ دراصل قیادت کے جج و قاضی علماء ہی ہیں۔

یہاں قطعاً سرشتِ انجمن کے واسطے ہے گواہ

غور سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ یہ سرائی مولوی سے تعلق ہے جو احساس کثرتی کے مرض میں مبتلا معاشرے کے سرمایہ داروں و زمینداروں اور صاحبانِ اقتدار کی بے کفایت پر چین سائی کر تیار ہے۔ یہ سرخسے بلستہ ہے اعلیٰ و ارفی ہے۔ مفتی صاحب نے علماء کا وقار بحال کرنے کے لئے کارہائے جلیلہ سرانجام دیئے علماء میں احساس کثرتی کو ختم کر کے معاشرے کے دوسرے طبقات کے سامنے لا دیا۔ (۹۱)

اس ضمن میں عبیدالکریم عابد صاحب لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود کی ذاتِ بلند علماء کے لئے ہامٹ افکار تھی۔ ان کی شخصیت نے یہ ہیبت کیا۔ کہ علماء اس بیسویں صدی میں بھی طاقت و حکمت رکھتے ہیں۔ اور وقت کے حکمرانوں سے ٹکر لے سکتے ہیں۔

..... تیار مغرب اور ملکہ ہمیشہ بہتیار ہا کہ عمارے ملک
سیاست کا فہم نہیں لیکن مفتی صاحب نے ساری دنیا کو بتا دیا کہ آج سے علماء غیر معمولی سیاسی بصیرت کے حامل ہیں۔ (۹۲)

مفتی صاحب نے اپنے اسلاف کے طرزِ سیاست کو انہیں کی روایات کے مطابق زبردستی کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں علماء و دیندار طبقے کو ایک مدبرانہ قیادت فراہم کی۔ انہوں نے اپنی شب و روز محنت سے علماء اور دینی حلقوں سے متعلق لوگوں کو میدانِ عمل میں لانے کی ان کو بلا دکھائی اور باطل قوتوں کے سامنے ان کو مقابلے کے لئے کھڑا کیا۔ مولانا قائم الدین کے بقول

انہوں نے جمہوری اور سیاسی جدوجہد کا ایک تاریخی ولولہ انگیز دور سے آغاز کیا انتہائی ناسمجہ حالات میں اسلامی اور جمہوری روایات کو خالصتاً بھارت سے بچانے کے لئے بڑا بڑا آتے آتے منہ نہ کر دیا اور انہیں اپنے اسلاف کے باوقار کردار و روایات کو زندہ کرتے ہوئے مدبرانہ قیادت کے ساتھ علماء اور دینی حلقوں کو مساجد اور مدارس سے باہر نکال کر نظامِ اسلام کے قیام کے لئے باطل قوتوں کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ (۹۳)

جناب اشفاق ہاشمی صاحب اس وقت کے حالات کے تناظر میں مفتی صاحب کی خدمات جلیلہ میں سے اس خدمت کہ اس نے سیاسی میدان میں علماء کے وقار میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ علماء کا سنگِ راج کرنے کا بھی آپ ہی باعث بنے لکھتے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب سیاست اور صحیحیت پر مخصوص مقادیر کا حامل یہ مولانا ہی اقتدار کا پیدا کردہ بلند مسئلہ ہو گیا اور اسلام و جمہوریت، انسانی حقوق اور معاشی آزادی کے حامل افراد اور جماعتوں پر قدمنیں لگادی گئیں اور علماء دین (جو ہر مغیر کی سیاست کا اہم عنصر تھے) کا ملک کی سیاست سے اثر ختم کر دیا گیا۔ اور انہیں محض مساجد و

مدرسوں اور خانقاہوں تک محدود کر دیا گیا۔ تو مولانا مفتی محمود پہلے شخص تھے جو نہایت ناسمجہ حالات مابین وسائل اور پروپیگنڈائی بھٹیادوں سے تکی دست ہوتے ہوئے علماء کی سیاسی اہمیت کو ملک بھر میں تسلیم کروانے سیاسی میدان میں علماء کی کاسٹ پھر سے رائج کرنے اور ملک میں اسلام کو باقی اور قائم رکھنے کے لئے ۱۹۵۱ء میں سکندر مرزا کی صدارت کے دور ان سیاسی شجاعت پر نہایت آہستگی اور توازن سے نمودار ہوئے۔ (۹۴)

مفتی صاحب نے اپنے عمل سے علماء کو یہ حوصلہ دیا کہ وہ پوری قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے علماء میں جرأت پیدا کی۔ اور ان میں یہ حوصلہ پیدا کیا کہ وہ عالم و جابر حکمرانوں کو اقتدار سے محروم بھی کر سکتے ہیں۔ مولانا غلام اکبر سلیمانی لکھتا ہے۔

والی عظیم المرتبت انسان نے قوم پرست بات واضح کر دی کہ علماء کرام صرف سرمایہ کی
اندامت اور خطابت کے لئے نہیں بلکہ روحانی قوم کی رہنمائی بھی کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ
علماء سید ان میں اعلیٰ آئیں تو کسی بھی نظام و جہاز کو حکمت سے پیچھے ہٹا سکتے تھے۔ (۹۵)

صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے دنیا کو یہ یاد کرالیا کہ علماء حکومتی اور پارلیمان
کو بھی احسن اور بہتر طریقہ سے انجام دے سکتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور کالم نگار، تجربہ کار پور
صحافی جناب شمس تبریز صاحب یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

اپنے عہد و اوقات میں انہوں نے قرآن اولیٰ کے سلطان حکمرانوں کی بی پرواہی و شہرت
کا مظاہرہ کیا اپنی نجومی سیاسی زندگی میں انہوں نے ایک ہیج و اشیخ حور پر محبت کی کہ
قدیم اسلامی طرز کی درس گاہوں سے فارغ التحصیل علماء میں یہ دنیا کی انتہائی شایع
جمہوری فضا میں حزب اختلاف کے ذریعہ نام سے یا ان حکومت کے اندر جو شہرہ ان
اور یا متحدہ اراکہ سیاست چلانے کی پوری اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ (۹۶)

اور جب آپ نے دیکھا کہ سرکاری مداخلت کی وجہ سے ایک صوبہ کی صورت چلانے کو
مشکل بنا دیا گیا ہے اور یہ کہ اس وقت کی سیاسی قوتوں کو ایک عالم دین کی حکومت برداشت نہیں ہو
رہی۔ اور اسکی پالیسیوں اور حکمت عملی کی بدولت صوبہ کے امن و امان کا مشہلی ہو جان سے عظم
نہیں ہو رہا تھا۔ تو ایسے حالات میں مفتی صاحب نے وزارت کی کرسی کو لایا مار دی۔ اور یوں علماء
کی عزت کی لائن اکھ دی۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ علماء و ذہانتیں صرف قوم کی خدمت کے جذبہ
کے لئے لیتے ہیں۔ اور جب وہ سمجھتے ہیں کہ قوم کی خدمت کا موقع نہیں دیا جا رہا۔ تو وہ اس کو لایا
مار دیتے ہیں۔ ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

میں نے کبھی اقتدار کو لایا مار کر لوگوں کے ہاتھوں سے طلب کی دیکھی ہے۔ لیکن
میں نے علماء کے ہاتھ کو خط و کتابت اگر میں ہر طور پر اقتدار سے چھوڑ دیتا تو کبھی

کہتے؟ علماء کے اندر جن کا فرضی شاندار اور روشن ہے لوگ ان کے متعلق کیا کہتے
تھیں کہ انہوں نے ہمارے اندر کو ان کے آئینہ میں دیکھ لیا۔ (۹۷)

اور آپ کا یہی معنی کر دیا تھا کہ علماء نے بھی آپ کو رہنما و رہبر اور ہمارا تسلیم کیا۔ اور آپ
کی قیادت و سیادت کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ مولانا محمد اکبر۔ قنطر از ہیں۔

حرم و عمل کے اس پہلو کے سامنے اہل علم و فضل و ہمارے ہمارے فخر کا کامٹ کھتے تھے
وہ وقت کے ان علماء اور محققین کے سر تھیل تھے جن کی علمی و سیاسی خدمات پر عالم
اسلام فخر کا تھا۔ علم و دانش کے اس بحر نگار اس کا علمی اور سیاسی مقام وقت کے علماء اور
سیاست دانوں کے لئے قابل رشک تھا۔ ان محرم و شخصیت نے علماء کو سیاست کے امور
بتائے مگر ہمیں سے کئی مہماتوں کو اپنی قیادت سے لیا۔ (۹۸)

مولانا مفتی محمود پارلیمنٹ میں

مولانا مفتی محمود جمہوری عمل پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی جماعت بھی جمہوری سوچ
رکھنے والی جماعت ہے۔ انہوں نے ہمیشہ سیاسی عمل کے ذریعہ اسمبلیوں تک پہنچنے کی کوشش کی
ہے۔ انکیشن نمونہ کی ڈی ممبروں کے ذریعہ ہو، خواہ "ایک آدمی ایک ووٹ" کے ذریعہ ہو۔
عدالتی طرز حکومت اور پارلیمانی۔ انہوں نے ہمیشہ انتخابی سیاست کے ذریعہ قیادتوں کے
انتخابات کے عمل میں حصہ لیا ہے۔ فیملہ مارشل محمد ایوب خان نے ملک کو ایک جدید آئین دیا۔
وہ اس میں قومی اسمبلی اور دو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات گائی۔ ڈی ممبروں کے ذریعہ انتخاب کا
اعلان کیا۔ چونکہ اس نئے آئین کے تحت سیاسی جماعتوں پر پابندی تھی اس لئے امیدوار ذاتی
لیٹیوں پر انتخابات میں حصہ لے سکتے تھے۔ مولانا مفتی محمود نے قومی اسمبلی کی سیٹ پر ذریعہ
ایکمل خان کی واحد نشست سے انکیشن لڑا اور ایک کے ساتھ تمام مخالف امیدواروں کی صفائیں
دیا کر اگر کامیاب ہوئے۔ یہ انکیشن اپریل ۱۹۷۱ء کے الیکشن میں ہوئے۔ جبکہ ۱۹۷۱ء کی الیکشن

کا اعلان ہوا۔ مفتی صاحب کے انتخاب سے دینی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ڈاکٹر احمد حسنی کمال لکھتے ہیں۔ "ظاہر ہے کہ اسمبلی کے ایوان میں خالص کتاب و سنت کی آواز بلند ہونے کے مواقع پیدا ہو گئے۔ اور تاریخ کا ایک نیا باب لکھا جاتا ممکن ہو گیا۔ ملک کے دینی حلقوں کے لئے یہ کامیابی زبردست خوشی کا موجب بنی۔" (۹۹)

اس ضمن میں جناب اشفاق ہاشمی صاحب رقمطراز ہیں۔

"مفتی صاحب ملی وسائل اور ذرائع اطلاع کی فراہمی نہ ہونے کے باوجود عالی ہمت، استقامت، مصمت، منہجی اور توازن و تسلسل سے سیاسی فرائض کو نبھاتے ہوئے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۲ء کے مارشل لا کے دور میں انتخابات میں ذرا سا میل خان سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں مفتی صاحب کی کامیابی اس لحاظ سے پاکستان کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی کہ اس سے ایک جانب تو اسلام کے حادی عناصر کے حوصلے دوچند ہوئے اور انہیں اسلامی نظام کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے مواقع میسر آئے اور دوسری جانب علماء جو ملک کی سیاسی زندگی سے کٹ چکے تھے ایوان ہائے حکمت اور سیاست میں ان کی نمائندگی نظر آنے لگی اور اسمبلی کے ہم ان میں کتاب و سنت کی آواز بلند ہونے لگی۔" (۱۰۰)

مولانا ظفر احمد قاسم لکھتے ہیں۔

۱۹۶۲ء کے انتخابات میں مفتی صاحب کی کامیابی اس لحاظ سے پاکستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس سے ایک طرف تو سحر و ان اسلام کے حوصلے بلند ہوئے دوسرے ایک فقید الممتد اور صاحب بصیرت سیاست دان کے ذریعہ ملک کی سیاسی زندگی سے کٹے ہوئے علماء کی اسمبلی میں نمائندگی ہونے لگی۔" (۱۰۱)

جون ۱۹۶۲ء کے شروع میں قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا۔ مفتی صاحب نے پہلی ہی اجلاس میں حلف برداری کے موقع پر حق کا بول بالا کر دیا۔ اور ایوب خان کے غیر جمہوری، غیر اسلامی اور آمرانہ دستور کے خلاف بغاوت کر دی۔ مفتی محمود صاحب نے حلف کے ان الفاظ کہ

دستور کو باقی اور قائم رکھوں گا کے ساتھ اضافہ کر دیا۔ کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم دستور کو اس کا قول رکھیں گے۔ بلکہ اس دستور کے تحت حاصل اختیارات کو بروئے کار لا کر ان میں جو یہاں ہوں گی ان کی نشاندہی کر کے قرآن و سنت اور جمہوری اصول کے تحت اس میں ترمیم و تنسیخ کریں گے۔ مفتی صاحب کی اس تحریک و تجویز کو سپیکر قومی اسمبلی جناب مولوی تمیز الدین نے باقاعدہ اسمبلی کی کارروائی میں درج کرنے کی اجازت دے دی۔ جناب اشفاق ہاشمی لکھتے ہیں۔

"مفتی صاحب نے قومی اسمبلی کے اختیاری اجلاس میں رسم حلف و قاری کے موقع پر ہی ایوب خان کے غیر جمہوری، غیر اسلامی اور آمرانہ دستور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور حلف کے اس جملہ کے بعد "دستور کو باقی اور قائم رکھوں گا۔" ان الفاظ کا اضافہ کیا "اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس کو جوں کا قول قائم رکھیں گے بلکہ اس دستور کے ایسے ہونے اختیارات کو بروئے کار لا کر ان جملہ خرابیوں اور غامضیوں کی جو کتاب و سنت یا جمہوری لحاظ سے اس میں ہوں گی ان میں ترمیم و تنسیخ کریں گے۔"

اشفاق ہاشمی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"مفتی صاحب کے یہ الفاظ حلف کی کارروائی میں باقاعدہ درج ہوئے اس معمولی سی کارروائی سے مفتی صاحب کی نکتہ آفرین، سیاسی بصیرت اور ذرا اندیشی کا اظہار ہوتا ہے۔ قومی اور ملی مسائل پر آپ کی سوچ کی گہرائی اور وسعت کا پتہ چلتا ہے۔" (۱۰۲)

۱۳ جولائی ۱۹۶۲ء کو قومی اسمبلی نے سیاسی جماعتوں کی تشکیل و احیاء کا قانون منظور کیا اور ان کو اپنی تنظیم و تشکیل کی آزادی دی۔ اس سے قبل جو سیاسی رہنما گرفتار تھے ان کو رہا کر دیا گیا۔ سیاسی جماعتوں پر سے پابندی ہٹانے کے لئے اس قانون کی منظوری کے موقع پر مفتی صاحب نے جو تقریر کی وہ نہ صرف ایک تاریخی یا دگار کی حیثیت سے یاد کی جاتی ہے بلکہ علماء کے لائحہ کی حیثیت سے جس طرح اسلام کے کارکنی نمائندگی کی وہ ایک مؤثر نمائندگی تھی۔

جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال کے بقول۔

بارشیل لاء حکومت کی قائم کردہ ملکی قومی اسمبلی کے اس پہلے اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمود نے بحیثیت امیر الہدایہ اسے جو تقریر کی وہ نہ صرف ایک سرگرمی یاد رکھ رہے بلکہ اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ علماء حق کے اس نمائندہ نے کس موثر طریقے سے اسلام کے کار کو ملکی مرتبہ ایک ایسے ایوان میں پیش کیا جس سے ایوان کے نزدیک مولوی صاحب کا ایک حقیر عنصر ہے اور جو اسے کبھی خاطر میں نہیں لایا۔ (۱۰۳)

مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی کے اجلاس میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ اور موقعہ بخوبی کوئی ایسی تجویز اور کوئی ایسی تحریک ضرور پیش کرتے جو غیر اسلامی قوانین کے منسوخ کرنے کے مطالبہ اور اسلامی احکام کو قانونی حیثیت دینے پر مشتمل ہو کر قیامی تھی۔ انہیں دونوں قومی اسمبلی میں یہ تجویز پاس کرائی گئی۔ کہ ملک میں موجود قوانین کو کتاب و سنت سے ہم آہنگ کیا جائے۔ تو اس وقت کے وزیر قانون جسٹس (ریٹائرڈ) محمد منیر نے جواب دیا کہ موجودہ قوانین کو کتاب و سنت کے مطابق کرنا حکومت کے لئے بہت مشکل ہے تو اس پر مفتی صاحب نے تحریک التواء کا نوٹس دیا۔ کہ وزیر قانون کے اس بیان سے زبردستی مایوسی پیدا ہوئی ہے۔ مفتی صاحب نے اس تحریک پر تقریر کرتے ہوئے حکومت وقت کے خوب لئے لئے۔ (۱۰۴)

۱۹۶۲ء کے بجٹ پر مفتی صاحب نے تفصیلی تقریر کی جس میں انہوں نے آئینی مسائل سے بحث کی۔ اس میں غلامیوں کی اشد مذمت کی۔ آپ نے ملک میں اسلامی احکامات کے تحت قوانین کی تفصیل کا مطالبہ و ہر ایسا۔ آپ نے اس بجٹ تقریر میں سود اور شراب پر پابندی کا مطالبہ کیا۔ خاندانی منصوبہ بندی کی تشہیر پر خرچ ہونے والی رقم کو انہوں نے تصبیح مال بتایا اور اس کی سخت مخالفت کی۔ آپ نے سود، شراب اور خاندانی منصوبہ بندی کے اجازت کی صورت میں اس بجٹ کو ایک لابی حکومت کا بجٹ قرار دیا۔ آپ نے اسی تقریر میں دینی مدارس سے بے اعتنائی کا سخت

نوٹس لیا۔ اور آخر میں انہوں نے اپنے حلقے وزیر اساماعیل خان کے مسائل کا ذکر کیا اور ان کے حل کے لئے مطالبات پیش کئے۔ جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب لکھتے ہیں۔

مفتی محمود نے مارچ کو ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں عائلی قوانین کو منسوخ کرنے کی تجویز کا نوٹس دیا اور اس مقصد کے لئے ملک بھر میں احتجاجی مہم جاری کی گئی۔ چنانچہ سارے ملک میں بڑے بڑے جلسے منعقد ہوئے علماء اسلام کے ذریعہ

اجلاس منعقد ہوئے ایکسپریس اور آرگن اسمبلی کو حضرات جیسے گئے۔ مارچ ۱۹۶۳ء کو ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس کے لئے مفتی محمود نے متعدد ملاقاتیں کیں اور اپنے ذریعہ اساماعیل خان کی ترقیاتی اسکیموں سے متعلق، عوامی مشربیات کے اسکولوں کے بارہمیں اور محلے ملازمین کی چھٹیوں کے بارے میں، اشتہار و تبلیغ کے منصوبے سے متعلق، بیج کی سہولتوں کے متعلق، لوٹ پر تصویر چھاپنے کے متعلق، ورنہ آمدنی کے بارہمیں لائسنسوں کے بارے میں، انوار کی قطعیل کے بارے میں، پاکستان کے قومی لباس کے متعلق، مدارس عربیہ کی حیثیت سے حقائق وغیرہ۔ (۱۰۵)

مارچ ۱۹۶۳ء کو ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کے اس اجلاس میں حکومت کی طرف سے ایک

نئی پیش ہو۔ جس کو "بنیادی حقوق سکائیم" دیا گیا تھا۔ اس بل میں مفتی صاحب نے متعدد ترامیم کا نوٹس دے دیا۔ اس میں ایک یہ تھا کہ اس بل میں یہ اضافہ کیا جائے کہ "کسی مسلمان کو سر نہ ہونے کی اور ارتداد کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی"۔ دوسری تجویز تعلیمی اداروں سے حقائق قومی۔ کہ بل میں یہ اضافہ کیا جائے کہ "تعلیمی اداروں میں خلاف اسلام تعلیم، تبلیغ نہیں ہوگی"۔ مگر مفتی صاحب کے ساتھ باجوہ دودھ کے حزب اختلاف نے جو اس وقت "اسلامی مساوی" کے نام سے کام کر رہا تھا حکومت کی طرف سے پیش کردہ بل کی جوں کی توں حالت میں رکھنے کے حق میں ووٹ دیا اور مفتی محمود صاحب کے ترامیم کی انہوں نے حمایت نہیں کی۔ اور بل نہ بھی آزادی کے نام پر ملک میں ارتداد کی اجازت دے دی۔

جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں۔

احکار میں ہونے والے مارچ ۱۹۶۳ء کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں پاکستان کے دستور میں ترمیم کا ایک نیا پیشہوا۔ یہ نیا بنیادی حقوق کے نام سے پیش کیا گیا تھا۔ اس میں متفقہ و صاحب نے مندرجہ ذیل ترمیمات کا نوٹس دیا۔ مذہبی آزادی کی دفعہ میں یہ بھی اضافہ کیا جائے کہ "کسی مسلمان کو مرتد ہونے کی اور ملک میں ارتداد کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔" تعلیمی اداروں کی دفعہ میں یہ اضافہ کیا جائے کہ "کسی تعلیمی ادارہ میں غلاف اسلام تعلیم و تبلیغ کی اجازت نہیں ہوگی۔" اور اسی طرح متعدد ترمیمیں اس نوٹس میں شامل تھیں..... اصولاً بنیادی حقوق کے لفظ سے کسی کو الگ نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس میں جو دفعات شامل کی جا رہی تھیں وہ مذہبی آزادی کے عنوان سے ارتداد کو جائز قرار دینے والی تھیں۔ ان دفعات کی موجودگی میں بنیادی حقوق کا نال ایک خطرناک چیز بن گیا تھا۔ (۱۰۶)

اُھا کہ کے اس اجلاس میں مفتی صاحب نے ”عالمی قوانین“ پر تفصیلی بحث کی۔ جو ”دینی خدمات“ کے عنوان کے تحت اس سے تفصیل سے بات کی گئی ہے۔ ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں۔

قوی اسکی کے احاک کے اہلاس میں پھر ماضی قوانین پر لکھ ہوئی۔ یہاں بھی ملحق صاحب نے دلائل سے پر تقریر کی۔ اور نتیجاً ان کے کانہ اور سرکاری پارٹی کے لیڈر عبد العباد خان نے اعلان کیا۔ کہ آئندہ ہم علماء کے مشورہ سے ایک قریبی میں لائیں گے۔ اگرچہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ تاہم جمعیت نے ماضی قوانین کے خلاف اپنی مہم جاری رکھی۔ (۱۹۷۷)

آپ کے اس وقت قومی اسمبلی کے ایوان میں سرگرمی اور بھرپور حصہ لینے اور قاضی کر آئینی اور قانونی مسائل پر دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان پر دلائل سے بھرپور غفلت کا تمام طبقات نے سراہا۔ پارلیمنٹ میں کسی قانونی غلطی پر بحث و مباحثہ کا اپنا ایک طریقہ کار ہوتا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

454

مگر ہر پلینٹ کی اپنی روایات ہوتی ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی فراموشی اور قوت استدلال سے سب کو حیران کر دیا۔ خاص کر پرانے پارلیمنٹیرین آپ کے طرز استدلال سے بہت متاثر ہوئے۔ مولانا عبدالحکیم صاحب اسی پریوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

لیکن متقی مٹوانے جب قومی اسمبلی کی عام مباحث میں حصہ لیا تو جماعت کے بڑے بڑے قائد اور اہم ترین دانشور و محقق صرف انہیں پر کیا مضمون ہے قومی اسمبلی میں پرانے پارلیمنٹیرین بھی ان کے اولاک سے دم بخود ہوئے بغیر نہ رو سکے۔ انہیں حیرت تھی کہ ایک مدرسہ کا مولوی اسی قدر گماگ اور تجربہ کار سیاست دان سے کس طرح خیر و آقا ہے۔ لیکن ان کی تمام باتیں ایک طرف اور قومی اسمبلی میں عالمی قوانین کے عمل پر انہوں نے جو کچھ کہا وہ ایک طرف۔ انہی علمی نظاریات نے ملک اور جماعت میں ان کی ترقی کار واداء کھولا۔

..... قوی اسپرلی میں ان کلاس سے بڑا کارنامہ تھا، اسب غصہ کی نما سجد کی تھی۔

پارلیمنٹ کی جارج ٹاؤن میں دوپہلے فکس ہو چکی تھیں۔ جنہوں نے عائلی قوانین کے خلاف مذاہب
غیر کی آواز کو بلند کیا۔ قومی اسمبلی میں عائلی قوانین میں پر اپنی طویل تقریر میں انہوں
نے مذاہب غیر کی جس خوبصورتی سے نمائندگی کی وہ اپنی مثال آپ تھی۔ تقریر میں
انھانے گئے سوالات نے عائلی قوانین کے اربابِ ہست و کشاد کو دم بخود کر دیا۔ (۱۰۸)

مفتی صاحب نے قوی اسٹیبل میں اس اعتبار سے بھرپور کردار ادا کیا۔ کہ اکیلے علماء حق کی فلاح کی کرنے والے اس عالم دین نے دین کے خلاف ہر قانون سازی کی بساط بھر مخالفت کی۔ وہ حکومت کو بے بس کر دیا۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

اسمبلی کے اہل میری موجودگی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کے خلاف کوئی کارروائی، کوئی قانون سازی عمل نہیں ہو سکے گی۔ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبے سے راہ نمائی حاصل کر رہا ہوں جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ "اینقص الدین وانما حی"۔ (۱۰۹)

مارچ ۱۹۶۵ء میں ایوبی دور میں دوسرے انکیشن کرانے کا اعلان ہوا۔ مفتی صاحب نے جمیع علماء اسلام کی طرف سے اس اسمبلی میں ذریعہ اسماعیل خان کے قومی اسمبلی کی واحد نشست پر مقابلہ کیا۔ یہ انکیشن بھی بی۔ ڈی سنم کے تحت کرانے جا رہے تھے۔ چونکہ ایوب خان، مفتی صاحب کی طرف سے اسمبلی کے قلم پر حکومت کے مخالفت موقوف کو بھولے نہیں تھے۔ اس کے انتخابات میں مفتی صاحب کو کام بنانے کے لئے متعلقہ حکام کو خاص ہدایات دی گئیں۔ یہاں پر جس صوبائی سیٹ پر انکیشن لڑنے والے امیدوار سے تعاون کا معاہدہ ہوا تھا۔ اس نے جین وقت پر اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر دی۔ اور مفتی صاحب کو کام کر دیا گیا۔ مفتی صاحب خود کہتے تھے اس زمانے میں جہاں ہم لوگ دست مٹاتے جاتے تھے وہاں ہم سے پہلے پریس موجود ہوتی تھی۔ حلقہ کے بی۔ ڈی ممبر ان کو متعلقہ حلقوں میں طلب کیا جاتا تھا اور انہیں خوف دلایا جاتا تھا کہ اگر مفتی محمود صاحب ان کے علاقے سے کامیاب ہونے تو ان کی لڑائیں جھگڑا ہوگی۔ (۱۱۰)

اس انکیشن میں اگرچہ مفتی صاحب کو شکست سے دوچار کر دیا گیا۔ مگر آپ کی دینی و مذہبی خدمات اور اس سلسلے میں قوم کی رہنمائی سے آپ ایک لحظہ کے لئے بھی غافل نہیں رہے اور اسمبلی سے باہر اپنی جماعت کے مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کو جاری رکھا۔ اور اپنی جماعت کے کارکنوں کو بھی فعال رکھا۔ ایوب خان کے زوال کے بعد ملک میں جنرل یحییٰ خان کی مارشل لا کی صورت میں آمریت مسلط کر دی گئی۔ بالآخر عوام کی بھرپور تحریک کے بعد یحییٰ خان نے ملک میں عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔ ملک سے مارشل لا کے بنانے کا وعدہ کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں عام انتخابات ہوئے۔ ذریعہ اسماعیل خان کے قومی حلقہ سے مفتی صاحب کے مقابلہ میں چیلر پارٹی کے صدر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے بھی داخلہ لیا۔ اور مفتی صاحب کے مقابل آگئے۔ پانچ دیگر حلقوں سے انتخابات لڑے تھے۔ جس کی وجہ سے اس حلقے نے ایک بین الاقوامی حیثیت

اخذ کر لی۔ اور سب کی نظریں اس حلقے پر مرکوز رہیں۔ مفتی صاحب کی عوام میں پذیرائی اور جمیع علماء اسلام کے کارکنوں کی محنت کی بدولت جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب، مفتی صاحب کے مقابلہ میں اس حلقے سے شکست کھا گئے۔ جبکہ باقی پانچوں حلقوں سے کامیاب رہے۔

مفتی صاحب کا قومی اسمبلی کے ایوان میں یہاں بھرپور کردار رہا ہے۔ یہ ایک آئین ساز مدد اسمبلی تھی۔ اس کے پیش نظر ملک کے لئے آئین سازی تھی۔ مفتی صاحب اس ایوان میں اپنی جماعت کے چھ دیگر ارکان کے ساتھ اپنی جماعت کے پارلیمانی لیڈر تھے۔ آئین سازی کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی۔ اس میں مفتی صاحب بھی اس کمیٹی کے رکن چنے گئے۔ اور آپ کی دلچسپی اور تعاون کی وجہ سے ملک کو ۱۹۷۳ء کا آئین ملا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ چند مہینے پہلے بھٹو صاحب نے مفتی صاحب کے لئے صوبہ سرحد میں آپ کی حکومت کے دوران بڑی مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ یہاں تک بلوچستان کی حکومت کی یہ طرفی پر آپ نے بھی احتجاجاً استعفیٰ دے دیا تھا۔ اور معاملہ میں ابھی یہ نکلی موجود تھی۔ مگر مفتی صاحب نے ملک کے لئے آئین سازی کے اس تاریخی مرحلے میں قطعاً سختی سے کام نہیں لیا۔ اور بھرپور توجہ اور دلچسپی سے آئین سازی کے مراحل میں حصہ لیا۔ بہت سے ایسا دفعات جن کا تعلق بنیادی انسانی حقوق سے ہے۔ آئین میں ان کی شمولیت کا سہرا مفتی صاحب کے سر ہی سمیٹا ہے۔ جناب نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب قریب کرتے ہیں۔

اقتدار سے محروم ہونے کے بعد بھی مفتی صاحب کا کردار حب الوطنی اور اسلامی تقاضوں کے مطابق رہا۔ ایسا نہیں ہوا کہ وہ اس سختی کی وجہ سے ملکی تقاضوں کے نظر انداز کرتے چلا پڑے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ۷۳ء کے آئین کی تفصیل میں مفتی محمود صاحب نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا اگر کالعدم جمعیۃ علماء اسلام اور کالعدم نیشنل عوامی پارٹی اس مرحلے پر تعاون نہ کرتیں تو آئین بنانا ممکن نہ ہوتا۔ اس معاملہ میں مفتی محمود صاحب نے حکومت کے

نعمت ہو۔ یہ خود نگر اسلامی شخصیات اور اسلامی اقتدار کے دو تائید و ہیں۔ اور اگر

ان میں ہم نگر ہونے سے یہ سب امر کو مشاہدے میں ہوتے۔ (113)

اسمبلی کے ایوان میں آپ نے شروع میں مجموعہ علماء اسلام کے پارلیمانی لیڈر اور حزب اختلاف کے ایک اہم رکن کی حیثیت سے یہ ذمہ داری نبھائی جب ۸ فروری ۱۹۷۷ء کو پشاور یونیورسٹی میں بم کا دھماکا ہوا جس میں کئی قیمتی جانیں شہید ہوئیں جن میں پیپلز پارٹی کے صوبائی سربراہ اور سینئر وزیر حیات محمد خان شیرپاہ بھی تھے۔ حکومت وقت نے اس واقعہ قتل کی ذمہ داری قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خان عبدالولی خان کے بیٹے (اسفند یار ولی خان) اور اس کے دیگر رشتہ داروں اور جناب شیرپاہ کے سیاسی مخالفین پر ڈال دی۔ خان عبدالولی خان اور ان کے جماعت کے مرکزی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ان کی جماعت پر پابندی لگا دی۔ ولی خان کی گرفتاری کے بعد حزب اختلاف نے اپنی قیادت کی ذمہ داری مولانا مفتی محمود صاحب کو سونپ دی۔ آپ نے اپنے طویل پارلیمانی تجربے، متوازن سیاسی کردار اور حزب اختلاف کے جماعتوں سے ہمدردی کے ساتھ اپنا کام کی بدولت یہ ذمہ داری احسن طریقے سے انجام دی۔ جناب مفتی ہاشمی صاحب تھے۔

ملکی بحران نے تہذیب و تمدن اور موثر طریق سے ہر قسم کے خوف اور لالچ سے بے نیاز ہو کر آئین کی پامال کے خلاف اسمبلی میں بھرپور جنگ کی قانون کی حاکمیت اور جمہوری اقتدار کے فروغ پر ہمیشہ زور دیا اور حکومت کے مخالفانہ اقدامات کے خلاف ہر موقع پر آواز اٹھائی۔ (114)

یہاں تک کہ وہ مرحلہ بھی آیا کہ جب آئین میں جو تحریک کے لئے قومی اسمبلی میں طے لایا گیا۔ اور حزب اختلاف نے بھرپور انداز میں اس کی مخالفت کی تو قائد حزب اختلاف مولانا مفتی محمود سمیت حزب اختلاف کے دیگر ارکان کو زیر دست و خوار کے ذریعہ ایوان سے باہر دھکیلا دیا گیا۔ اور ان پر اسمبلی کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ لیکن ان سب کے باوجود مفتی محمود

صاحب نے قائد حزب اختلاف کا کردار نہایت سنجیدگی اور محنت سے ادا کیا۔ جو پارلیمانی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

۱۹۷۷ء کے الیکشن میں مفتی محمود صاحب نے دو حلقوں ذریعہ اسمبلی خان اور ذریعہ پڑی خان کی نشستوں سے حصہ لیا اور دونوں حلقوں سے بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے مگر ہندو حکومت کی دھاندلی کے خلاف جو ایک تاریخی تحریک چلی جس کے نتیجے میں انہوں نے اچھا ناٹک نشتر سے استعفیٰ دے دیا۔ ملک گیر احتجاجی تحریک کے نتیجے میں ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ اور جمہوریت کی بساط لپیٹ کر ملک کی باگ دوڑ ایک دفعہ پھر فوجی حکمرانوں کے ہاتھ میں آگئی۔

مولانا مفتی محمود کا پارلیمنٹ میں کردار ناقابل فراموش ہے۔ اسی کردار کی بدولت ملک کے تمام طبقات میں آپ کو مقبولیت و محبوبیت حاصل رہی۔ اور تمام جماعتوں کی طرف سے آپ کو اہلیت و تعاون حاصل رہا۔ حتیٰ کہ سیکولر ذہن رکھنے والی جماعتوں نے بھی جمہوری اقتدار کے تحفظ کے لئے آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ مولانا تاج محمود مفتی صاحب کے پارلیمنٹ کے اندر کردار کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

مفتی صاحب کے ملانے کے لوگ اس لحاظ سے قابل غور ہیں کہ انہوں نے ایک نیا موتی قوم کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے تین بار مفتی صاحب کو قومی اسمبلی کے لئے منتخب کیا۔ اور وہ بار ان کو اسی ایوان میں اسد اریاں بھٹے کا موقع ملا۔ قومی اسمبلی میں انہوں نے جو ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ قومی اسمبلی میں اسی کردار نے ان کی ذات کو ناقابل فراموش بنادیا۔ اسی کردار نے عمل کی بدولت ملک کے ہر طبقے میں ان کے خیالات کو پذیر دہی ملی۔ ہمیں سے وہ بہترین قائد کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ اس وجہ سے ان میں کھسکی کی پادش میں انہیں انھار کر باہر پھینکا گیا۔ اسی مقام پر کہہ سکتے ہیں کہ اس مرد مجاہد نے ظلم و ستم کا قلع قمع کرنے کا عہدہ کیا۔ اور آخر کار اسی ایوان کے

تھیں کی اعلیٰ کے لئے اپنے دور کے سب سے بڑے آمر جھوٹے نعرہ آواز دے رہے تھے۔
 جنگ میں انہوں نے صرف اسلام کی صداقت پر یقین رکھنے والی تمام جماعتوں کو یکسر
 ذہن کی غلطیوں کی بھی حمایت حاصل رہی۔ (۱۱۵)

آئینی مسائل کے ساتھ ساتھ آپ نے ہمیشہ موقع محل اور وقت کے تقاضوں کے
 مطابق اپنے حلقہ انتخاب ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے بنیادی مسائل کو اٹھایا ہے۔ خاص کر بجٹ کے
 اجلاسوں میں آپ نے تفصیل کے ساتھ نہایت زوردار طریقے پر حکومت کو ان مسائل کے حل
 کی طرف متوجہ کیا ہے۔

مستوطانوں کا اور اس کے روکنے کے لئے مفتی محمود کی کوششیں

تحریک پاکستان کی کامیابی کی صورت میں حکومت برطانیہ نے برصغیر پاک و ہند کو تقسیم
 ملک کے لئے جو کمیشن قائم کیا تھا۔ اس کے فیصلے کی روشنی میں پاکستان کے دو حصے مشرقی پاکستان
 اور مغربی پاکستان قرار پائے تھے۔ جبکہ ان دونوں حصوں کے درمیان ایک ہزار میل کا پٹلا اور
 درمیان میں ہندوستان کا ملک تھا۔ ان دونوں حصوں کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ایسے
 اقدامات کئے جائیں کہ ان دونوں حصوں کو محبت و الفت کے ساتھ رہنے کے لئے ضروری
 ہوتے۔ چاہئے تھا کہ اقتصادی اور معاشی لحاظ سے ان دونوں حصوں میں جو اقدامات اس کی
 مضبوطی کے لئے ضروری ہیں۔ مساوی طور پر ان میں دو مسائل تقسیم کر دئے جاتے تاکہ وہاں
 کے رہنے والوں کو احساس محرومی کا احساس نہ ہو۔ مساوی وسائل کی تقسیم کے ساتھ روحانی لحاظ
 سے ان دونوں حصوں کو مربوط بنانا بھی ضروری تھا۔ ایسے ہی اقدامات میں مساوی شرکت کے لئے
 بھی ان کو مواقع کا حصول لازمی تھا۔ فوج میں بیوروکریسی میں ایکی شرکت اس طریقے سے ہوتی
 کہ نہ تو ان کے باشندگان کو اور نہ ہی بیرونی مخالف قوتوں کو اس سلسلے میں مخالفت پر دیکھنے کا

بھیاد باجھ لگے۔ کوشش کہ یہ سب کچھ نہ ہو سکے اور یہ سب کچھ دیدہ و دانستہ کیا گیا۔ مشرقی پاکستان کو
 اپنے حصے سے محروم کر دیا گیا۔ ان کی نمائندگی کی حیثیت کو بھی کم وزن کر دیا گیا۔ اور یوں وہ
 آہستہ آہستہ احساس محرومی کا شکار کر دئے گئے۔ ان حالات میں انہوں نے اس سیاسی قیادت کو
 توجہ دہایت و تاثیر سے محروم کر دی جو ان کی محرومی کے ازالہ کی بات کرتی۔ اور اس قیادت کو انہوں نے
 اپنے خلاف سمجھا جو پاکستان کی اتحاد کی بات کرتی۔ مولانا مفتی محمود اور ان کی جماعت جمعیت علماء اسلام
 کی پیش یہ کوشش رہی کہ مشرقی پاکستان کے رہنے والوں کو بھی مساوی حقوق حاصل ہونے
 پائیں۔ اور ان دونوں بازوؤں کو متحد کرنے کے لئے ہر وہ اقدام کرنا چاہئے جو اس سلسلے میں
 ضروری ہو۔ ان کی احساس محرومی کو ختم کرنا چاہئے۔ تاکہ ان کو برابری کا احساس ہو۔ مشہور بات
 ”اتحاد جہاں“ میں آپ کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے۔ انٹرویو لینے والے مشہور صحافی جناب
 محمود شام ہیں۔ محمود شام کا سوال اور مفتی صاحب کا جواب درج ذیل ہے۔

سوال: مغربی اور مشرقی پاکستان میں یکجہتی نہ رکھنے اور دونوں بازوؤں کے مابین
 ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے سب سے موثر اقدام کیا ہو سکتا ہے؟
 جواب: میرے خیال میں اسلامی اخوت کے جذبات کو اجاگر کرنا، مشرقی اور مغربی
 پاکستان کے دونوں حصوں کے مسلمانوں کو اکٹھا رکھنے میں سب سے زیادہ معاون ثابت
 ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ دونوں حصوں کے لوگوں کو ضروریات زندگی سمجھانے میں کسی
 کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ جائے۔ نہ یہ کہ اقتصادی عدم مساوات کو دور
 کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھایا جائے۔ زبان کے اختلافات کی وجہ سے جو تہذیبی دونوں
 حصوں میں رہتے ہیں اس کو اسی طرح علم کیا جاسکتا ہے کہ عربی زبان کو پاکستان کی سرکاری
 زبان قرار دیا جائے۔ جسے چین ہے کہ پانچ برس کے عرصے میں لوگ بخوبی عربی بول
 سکیں گے اور کچھ نہیں سمجھیں گے۔ عربی زبان سے مسلمانوں کو ملی لگاؤ ہے۔ یہ کام اللہ کی

زبان ہے اس کے ساتھ سب مسلمانوں کی معیت ہے اسی لئے لوگ اس طرح جلو
مائل ہو گئے۔ (116)

اس بیان میں مفتی صاحب نے ان دونوں باتوں مغربی اور شرقی پاکستان کو متحد رکھنے
کے لئے جو تجاویز پیش کی ہیں۔ وہ یقیناً اس وقت کے اعتبار سے نہایت ضروری تھیں۔ لیکن
حکمرانوں کی غلط اندیشیوں نے ان کو اس طرف توجہ دینے یا کسی اقدام کرنے سے روک رکھا کہ
ان حالات میں جنرل یحییٰ خان نے عام الیکشن کا اعلان کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں دیگر سیاسی
پارٹیوں کے ساتھ جناب شیخ مجیب الرحمن کی عوامی لیگ نے چوٹیاں کی بنیاد پر یہ الیکشن لڑا
اور کل قومی اسمبلی کی (300) نشستوں میں سے 151 نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ سینوں پر جناب
کی وجہ سے الیکشن ملتوی کر دیئے گئے۔ واضح بات تھی کہ یہ سینیٹ بھی عوامی لیگ ہی کی تھی۔ اور
یوں ان کو مرکزی سطح پر واضح برتری حاصل ہو گئی۔ اور چاہیے تھا کہ ان کو حکومت سازی کی
حکومت دی جاتی۔ لیکن یحییٰ خان اور بھٹو کے اندرون خانہ گٹھ جوڑنے مشرقی پاکستان کے رہنے
والوں کو حکومت سازی کے حق سے محروم کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔

مفتی صاحب الیکشن کے بعد کے حالات کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔
گزشتہ انتخابات کو آج کے حکمرانوں نے ضرورت سے زیادہ اہمیت دی۔ اور انہیں فیصلہ
گن انتخابات قرار دیا۔ لیکن سب ان انتخابات کے نتیجہ میں مجیب الرحمن کو اکثریت
حاصل ہوئی۔ تو اس کو حکومت دینے اور اس کی سیاسی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کر
دیا۔ ان کا نتیجہ ملک و ملت ہونے کی صورت میں ملتے آید۔ اگر اس وقت وقت
مجیب کے حوالہ کر دیا جاتا تو آج شاید یہ درو سیاہ ہم نہ دیکھتے۔ لیکن یہ قسمتی سے ایک
طرح مجیب کی حق طلبی کی ضد تھی۔ دوسری طرف بھٹو صاحب کی دودھ اور ادا عظیم
اور اسماعیل کی منطق۔ ان کی ضد اور ان کے منطق کے ٹکرائوں میں ملک بے گیا۔

عوام بے گئی اور بے توجہ اور محبت بھی ہوتی نظر آ رہی ہے اور محسوس ہو رہا
ہے کہ "محبت ہم تھی جس کی گئی تیور کے گھر سے"۔ (117)

مفتی صاحب نے از حد کوشش کی کہ تمام سیاسی قوتوں کو ایسے فارمولے پر متفق کیا
جائے کہ جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو روکا جاسکے۔ اور یہ ملک متحد و متفق رہے۔
اور دونوں میں جو بعد پیدا کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس کو ختم کر دیا جائے۔ 118
ناہار اشدی نے اس وقت کے حالات اور مفتی محمود کی خدمات کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے
وہ لکھتے ہیں۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سب سے بزرگ اور سخت ترین مرحلہ 70 کے انتخابات سے لے کر
ستھڑا حاکم تک کا دور ہے۔ مشرقی پاکستان کی امانت کی بنا پر اس وقت غیر سے شیخ مجیب
رحمن کے پاس تھی۔ مشرقی پاکستان کے دو صوبوں پنجاب اور سندھ میں مسٹر بھٹو کی پیپلز
پارٹی اور دو صوبوں سرحد و بلوچستان میں جمعیۃ علماء اسلام اور نقش عوامی پارٹی کو اکثریت
حاصل تھی۔ مسٹر بھٹو نے مسٹر مجیب سے ساز باز کرنا چاہی جت ہو سکی۔ تو بھٹو نے قومی
اسمبلی کے ڈھاکہ سیشن (سہ ماہیج 1971ء) کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور لاہور کے جلسہ عام میں
اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا یہ (پیپلز پارٹی کا) رکن ڈھاکہ جائے گا۔ اس کی نالائقی تو ذرا
بائیگی گی۔ اس جلسہ میں مسٹر بھٹو نے اکثریتی پارٹیوں اور انہیں عدم اعتماد کا تہہ پیش
کر دیا۔ مسٹر بھٹو کی اس دھمکی کے باعث مشرقی پاکستان کے اقلیتی لیڈروں میں کھیر اٹت
پیدا ہوئی۔ مگر جمعیۃ علماء اسلام کی مجلس شوریٰ کے اجلاس کے بعد مولانا مفتی محمود نے دو
نوٹ اعلان کیا کہ ہم ڈھاکہ سیشن میں شرکت کریں گے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ڈھاکہ
سیشن کا بائیکاٹ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے مترادف ہے۔ مفتی صاحب کے
اس اعلان کے بعد دوسرے لیڈروں کو بھی حوصلہ ہوا۔ اور کئی جماعتوں نے ڈھاکہ
اجلاس میں شرکت کا اعلان کیا۔ جس سے سیاسی و بنیادی بات واضح ہو گئی کہ مشرقی
پاکستان کی سیاست پر مسٹر بھٹو کی واحد ایجاد و ادراک نہیں ہے۔ اور ان کے موقف سے

اس ملاقات سے حالات کی بہتری کے کافی امکانات پیدا ہو گئے تھے مگر نئی خان نے یکم مارچ کو، یو پیو پر اسمبلی کے اجلاس کے ملتوی ہونے کا اعلان کر دیا جس نے حالات کے بگاڑ میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔

ملک پاکستان کو وہ لخت کرنے میں جہاں انہوں نے اپنے مفادات کے حصول کے پیش نظر سرگرمی دکھائی وہاں ہندوستان کی حکومت نے بھی شروع میں درپردہ اور جب حالات کو اس نے اپنے حق میں سازگار بنا دیا تو کھلم کھلاہ اغتلا کی اور پاکستان کو متحدہ رکھنے کے موقف کو کمزور ثابت کرنے کے لئے نہایت زہرناک پروپیگنڈہ شروع کیا۔ جس سے کافی دوست ممالک بھی متاثر ہوئے۔ مفتی صاحب اور انکی جماعت نے ہندوستان کے مخالفانہ پروپیگنڈہ کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے دوست ممالک اور خاص کر عرب ممالک کے اور کے لئے ایک وفد بھیجے گا لیکن کیا۔ اس وفد کو حکومت کی طرف سے کوئی سہولت فراہم نہیں کی گئی۔ یہ وفد مولانا مفتی محمود مولانا غلام غوث ہزاروی اور بنوں کے حاجی غلام محمد پر مشتمل تھا۔ 26 اگست 1971ء کو یہ وفد مشرقی وسطیٰ کے کامیاب دورے سے گراچی واپس پہنچا۔ اس وفد کی ردا گئی اس کے مقاصد اور اس کے نتیجے کے بارے میں جناب نعیم آسی صاحب رقمطراز ہیں۔

اب مولانا مفتی محمود نے نئی خان کی ماتم و محیز بے بسی، یکمی توہ و تہ پر کرائے اور بولائی کے اوائل میں جمعیت علماء اسلام کی طرف سے ایک اور گئی وفد بکر مشرقی وسطیٰ کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ یہ ردا گئی 10 جولائی 1971ء کو عمل میں آئی۔ وفد میں مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی اور حاجی غلام محمد شامل تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکومت نے اس وفد کو کسی قسم کی سہولت فراہم کرنا قطعاً کورانہ کی۔ وفد کے مقاصد میں بھارتی پروپیگنڈہ کا جواب، مشرقی پاکستان کی صحیح صورت حال کا بیان اور مسلم ممالک کے اتحاد کی کوششیں شامل تھیں۔ مصر کے علاوہ لیبیا، سوڈان، شام، ایران، سعودی عرب اور کویت کا دورہ اس پروگرام میں شامل تھا۔ اس دورے میں جمعیت کے وفد

کو حامی کامیابی حاصل ہوئی۔ انہوں نے عربوں کو مشرقی پاکستان کی صحیح صورت حال بتائی۔ خاص طور پر بھارت کے توسیع پسندانہ عزائم کا پردہ چاک کرتے ہوئے انہیں اسرائیل کے عزائم سے ہم آہنگ کیا۔ لیبیا میں اس وفد کا بہت زیادہ غیر مقدم ہوت

وہاں کے اخبارات، یو پیو اور فی آئی نے اس وفد کو بہت اہمیت دی۔ (۱۲۰)

مفتی محمود نے ملک کو درپیش اس کٹھن اور سنگین مرحلہ میں حب الوطنی کا بھرپور ثبوت دیا۔ اور باوجود اس کے کہ وہ تحریک پاکستان اور اس کے نتیجے میں ملک کی تقسیم کے خلاف تھے لیکن جب ایک وفد یہ ملک معروض وجود میں آیا۔ تو پھر آپ نے اس کی ترقی و استحکام اور انفرادیتی کے لئے بہت زیادہ قربانیاں دیں۔ اور ان لوگوں سے جو تحریک پاکستان کا متحدہ اپنے پیرو ہوجاتے ہوئے اپنے آپ کو سب سے زیادہ محب وطن ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مفتی محمود اور ان کے رفقاء نے ان سے زیادہ حب الوطنی کا مظاہرہ کیا۔ شیخ مجیب الرحمن تو اصل میں مسلم لیگ تھے۔ اور تحریک پاکستان میں اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ مسٹر بہنو بھی اپنے دنوں کو یہ اعزاز دیتے ہوئے نہیں جھکتے تھے کہ ان کا پاکستان کے قیام میں برابر کا حصہ ہے۔ بلکہ یہی حاصر ملک کو وہ لخت کرنے میں پیش پیش تھے۔

نومبر ۱۹۷۱ء میں ہندوستان اور پاکستان کی فوجوں کے درمیان سرحدات پر بھڑپوں کا مسلحہ براہ گیا تھا۔ جس کا آغاز جون سے ہو چکا تھا۔ مشرقی پاکستان کے عوام بھی پاکستانی فوج کے خلاف تھے۔ ملک کے دونوں حصے ٹھکانے چکے تھے۔ اور یوں پاکستانی فوج کو شکست سے دوچار کر دیا گیا۔ پاکستان کے فوجی، غیر فوجی 92000 افراد کو قیدی بنالیا گیا۔ اور اس کے اگلے دن بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔

20 دسمبر 1971ء کو جنرل یحییٰ خان نے صدارت سے استعفیٰ دیا۔ اور حکومت ہینڈل

ہائی کے سربراہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے حوالہ کر دی۔ اور وہ ملک کے پہلے سول مارشل لا

ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ملک کے حکمران بن گئے۔ اس سے قبل صدر یحییٰ خان نے مسٹر نور الامین کو پاکستان کا وزیر اعظم اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ڈپٹی وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کے عہدہ پر متعین کیا تھا۔ جو وہ اس وقت اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل کے اجلاس میں شریک تھا اور وہاں اس نے جنگ بندی سے متعلق ہالینڈ کی قرارداد کو پھانسا تھا۔ وہاں سے یحییٰ خان نے ان کو بلا کر اقتدار ان کے حوالہ کیا۔

جب عوامی مطالبہ کے دباؤ پر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لئے فوجی وجوہات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن بنایا۔ جو اپنے چیئر مین محمود الرحمن کی وجہ سے محمود الرحمن کمیشن کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ تو دیگر ہندوؤں کی طرح مولانا مفتی محمود بھی اس کمیشن کے سامنے پیش ہوئے۔ اور کمیشن کے سوالات کے آپ نے جو جوابات دیئے وہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ آپ نے اس میں شیخ مجیب کی طرح اس سازش میں یحییٰ خان اور مسٹر بھٹو کو بھی اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اور اپنے پہلے سوال کے جواب میں آپ نے ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کے اعلامیہ کمیشن کے التواء کو اس کی بنیادی وجہ قرار دیا ہے۔

ملک کو درپیش مسائل کے حل کے بارے میں حکمت عملی

مولانا مفتی محمود ایک بہترین عالم دین اور مفتی اعظم کے ساتھ ساتھ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے سیاسی مفکر بھی ہیں۔ آپ نے اپنے جماعتی کارکنوں کو وقت کے تقاضوں کے مطابق ملک کو درپیش مسائل و مشکلات کے حل کرنے کے لئے جو نظریات، پالیسیاں، حکمت عملی اور ڈپلومیسی دی ہے۔ وہ واقعتاً ان مسائل و مشکلات کے حل کے لئے بر لحاظ سے بہترین ہیں۔ آپ نے ساری سیاسی زندگی میں ان مسائل و مشکلات کے حل پر زور دیا ہے۔ اور ان کا پرچار کیا ہے۔ اور کارکنوں کی ذہن سازی کی ہے۔ اس لحاظ سے آپ کو ”مفکر اسلام“ اور ”حکامہ جمیہ“ کے خطابات سے یاد

کیا جاتا ہے۔ مسائل خواہ تعلیمی ہوں، سماجی ہوں، سیاسی ہوں یا معاشی، وہ اعلیٰ ہوں یا غلامی تمام مسائل کے حل کے بارے میں آپ کی نظریات، خیالات اور ڈپلومیسی سے آج بھی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

انہیوں نے اپنی فراست و بصیرت اور رائد منشی اور اپنی مجاہدانہ زندگی سے انگریزوں کے دین و سیاست میں پیدا کردہ تفریق کو ختم کر دیا۔ آپ ملکی حالات اور مسائل و مشکلات سے ہماری طرح آگاہ تھے۔ اور آپ کی کوشش رہی کہ ملک سے ابتری کی یہ کیفیت، اور قومی سطح پر بڑھتی ہوئی لادینیت سے قوم کو نکالے آپ نے ملک کی جغرافیائی، سیاسی، تعلیمی، معاشی، معاشرتی بہتری کے لئے حتی المقدور جدوجہد کی۔ آپ ایک تقریر میں ملکی مسائل و مشکلات کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس کے حل کے بارے میں اپنی ڈپلومیسی بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

ہمارے یہاں بھی بے چینی اور بے روزگاری کے سامنے پھیلے ہوئے ہیں عوام میں غلام قسم کے سیاسی، اقتصادی و معاشی اور مذہبی کے مسائل کا تول کے نتیجے میں ہر طرف

بے چینی، بے امنی اور انتشار سر اٹھائے ہوئے ہیں جب تک ہم ان سب کا ازالہ نہیں کر لیتے۔ ایک بہتر مستقبل کی توقع نہیں کر سکتے۔ ہمیں پاکستان کی نئی نسل کو بے چینی اور بے روزگاری کے خطرات سے بچانا ہے۔ ہمیں سیاسی جبر اور ایات کا فائدہ کرنا ہے۔ ہمیں اقتصادی خدمات کے ایسے ماحول وہ کرنا ہے جنہاں سے بے چینی اور بے امنی کے

سامنے گھر سے ہوتے جا رہے ہیں۔ ان دونوں نقصان کو اسلامی احکام کے ذریعہ سے بہتر طریقے پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جب ایک بار ملک میں اللہ کی حاکمیت کا اصول نافذ ہو جائے گا۔ قرآن و سنت کے تمام احکام اور ارشادات دستور، قانون کی اساس قرار پائیں گے۔ اور ملک کے تمام گھٹے بھلے، بے ایمان اور فاسق و فیران احکام کی پابندی نافذ جاتی ہے۔ تو اس کے بعد کسی بھی گروہ کے لئے سیاسی جبر و بالادستی کے مواقع باقی نہیں رہیں۔ احکام کی رو سے ہر براہ منکلات سے لیکر ایک عام شہری تک اسلامی احکام کے اجر و

وہاں کی پابندی سے منشی نہیں رہ سکتا اور سب کی سب طور پر قانون کے سامنے جواب

دہن جاتے ہیں اس طرح تمام بد عنوانیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ (۱۲۱)

منشی صاحب اپنی شب و روز جدوجہد سے ملک سے تمام بد عنوانیوں اور افلاقیوں

کو واریوں اور طبقاتی تقسیم کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ تمام مسلمان

ملا بھائی بھائی بن جائیں اور ہر قسم کی تباہی اور اس کے نتیجے میں نظر میں اور پانچا قایل ختم ہوں۔

وہ اسی تقریر میں آگے جا کر فرماتے ہیں۔

ہم پاکستان کے طرب عوام، کسانوں، مزدوروں، طلبہ، طبوں اور قیام نو میں کوئی

سنگڑ لانا چاہتے ہیں یہاں پاکستان کے تمام مسلمان ملا بھائی بھائی نظر آسکیں اور یہ اس

وقت ممکن ہو سکے گا جب کہ سب آگے طور پر ملک میں خیر و برکت کے قیام کا

اس سے جائیں۔ خاتم النعمین علیہ السلام اور علقائے راشدین کے عہد کا اعلیٰ نمونہ اختیار

کر لیا جائے اور ملک سے سیاسی، اقتصادی اور سماجی حکم و جبر کا خاتمہ کر دیا جائے۔ (۱۲۲)

آپ ملک کے موجودہ تمام مسائل و مشکلات کا حل صرف اسلامی نظام میں بتاتے ہیں۔

آپ بتاتے ہیں کہ نہ صرف اخلاقی بلکہ ہماری اجتماعی مسائل کا حل بھی صرف اسلام سے ملتا

رہتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اجتماعی مسائل کا بنیادی حل ہمارے عقیدہ و یقین کا گزرا اور حلال

ہونا ہے۔ اور اس کا طلاق اسلام میں ہے جس سے عقیدہ و یقین میں استحکام آتا ہے اور غیر حلال

عقیدہ و یقین سے ایک مسلمان کے لئے زندگی کا ہر مشکل آسان اور ہر مصیبت راحت میں بدل

جاتی ہے۔ جس سے نہ صرف پاکستان کے مسائل حل ہونگے بلکہ عالم اسلام کے تمام مسائل و

مشکلات کا حل بھی اسی میں ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

سائنس، معیشت، امن و برائی، بھرت اور پورے یقین کے ساتھ یہ اعلان کر رہی ہیں کہ عہد

حاضر کے وہ مسائل جن سے انسانیت کو سچا بچا ہے ان کا حل اسلام میں موجود ہے۔

اور پاکستان جن مسائل سے دوچار ہے وہ بھی صرف اسلام کو اختیار کرتے حل

ہو سکتے ہیں۔ کل پاکستان جمعہ علماء اسلام، اول دن سے اس بنیادی اور اہم نکتہ پر روشنی

دینی آری ہے۔ سائنس کی تکنیکیوں کے ان اور انسانی فطرت کی انسانی بلکہ انسانی

کے ایک ایک مسئلہ کو ہر گز غور پر ملاحظہ کیا ہے۔ آج انسان کو کمرے اور درجہ کی

ضرورت ہے۔ اور انسانی حیات کے مسائل میں انسانیت کے مجموعی مفاد کا اہتمام رکھنا بھی

نہایت ضروری ہے۔ اسلام ان دونوں ضرورتوں کو جس خوبی و کمال کے ساتھ پورا کرتا

ہے اس کا اندازہ قرآن و سنت پر بسیر ملاحظہ ہی سے لیا جاسکتا ہے اسلام ان کو ایک

نہایت مستحکم اور خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ جس کے اثر سے ایک

مسلم انسان کی ہر مشکل حل ہوتی ہے اور اس سے جس سے جس سے جس سے جس سے جس سے

جانتے۔ اور انسانیت کے مجموعی مفاد کو اسلام میں اس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ایک

مسلم انسان سے کسی بھائی اور قاصد کے لئے اپنی محبوب سے محبت بڑھ کر قربان کر

دینے کا پابند ہے۔ ان مسائل سے حاملہ انسان سے ہی تمام مسائل کے حل کی توقع کی

جاسکتی ہے۔ اور پاکستان میں ہم مسلمان ان کا عملی مظاہرہ کر کے دنیا کو اس طرف متوجہ

کر سکتے ہیں۔ پاکستان میں جس حد تک مسائل کی یہی اہمیت ہے۔ (۱۲۳)

فلسفی مسائل

اسلام کو یہ منفرد مقام حاصل ہے کہ اس نے علم کو نہایت اونچا مقام عطا کیا ہے۔ اور

حاصل علم کی اہمیت ان کی ضرورت کو بہت واضح اور کلمات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اسلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور اس پر جو پہلی وحی نازل ہوئی ہو علم اور خاص کر علم بالقلم سے متعلق ہے۔

قرآن حکیم سر اپنا علم، حکمت ہے۔ اور جس نے اس سے تعلق جوڑا وہ سر اپنا علم بن گیا۔ قرآن حکیم

نے بتایا کہ آدم علیہ السلام اور بنی آدم کی دیگر مخلوقات کی فضیلت اور ترقی کا دار و مدار علم کی صلاحیت و

استعداد پر ہے۔ علم کو روشنی کہا گیا ہے۔ یہ جہاں ہوتی ہے وہاں جہالت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

علم کو نور اور جہالت کو ظلمت کہا گیا ہے کہ ایک علم ہی باقی تمام ظلمت پر غلبہ ہو کر رہتا ہے۔ موجودہ دور میں علم کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ آج قوموں میں وہی قوم سر فہرست ہے جس کے لئے علم کے دروازے کھلے ہیں۔ علم دین کا ہویا دنیا کا۔ دو چاند ٹالاتا ہے۔ دنیوی علم کو اگر اللہ کی معرفت اور اسکی مخلوق کے نفع میں استعمال میں لایا جائے۔ تو وہ بھی نور ملی نور ہو جاتا ہے۔ برصغیر ہندو پاک۔ پر تقریباً ڈھائی سو سال انگریز حکمران رہا۔ اس نے جہاں ہندوستان بھر کے وہ ذرائع اس کے رہنے والوں پر بند رکھے جس سے ان میں یہ ادبی آئے۔ آزادی کی خواہش پر ان چڑھے اور ملک اور اس کے رہنے والوں میں خوشحالی، استحکام اور ترقی کے باعث ہوں۔ اس نے ہندوستان کے ساتھ ہر دور بر اسلوگ لیا جو ایک غلام کے ساتھ ہر دور کھاجاتا ہے۔ اس اعتبار سے انگریز کو جب شروع میں یہاں پاؤں جمانے کا موقع ملا تو اس نے سب سے پہلے یہاں کی تعلیمی اور گاہوں اور ان میں تعلیم دینے اور تعلیم حاصل کرنے والوں کو اپنے علم و ستم کا نشانہ بنایا۔ انگریز نے اس غلام قوم کو تعلیم کا ایسا نظام اور انصاف مرتب کر کے دیا۔ جس کے بارے اس کے تشکیل کر دینے والے نے کہا کہ یہ ایسا انصاف تعلیم ہے کہ اگر ہندوستانوں کو انگریز نہ بنائے۔ لیکن ان کو ہندوستانی بھی نہیں رہتے دے گا۔ اور یہی ہو ایکھ انگریزوں نے کچھ ان کے ملازمین ہندوستانوں نے مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے ان کے عقائد و نظریات کو بکاڑنے اور ان کے دلوں سے آزادی کے جذبہ کو نکالنے میں انگریزوں کے دیے ہوئے نظام تعلیم کے ذریعہ بڑا کردار ادا کیا۔ اور مسلمانوں کے اندر ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جو شکل و صورت سے ہندوستانی ہیں مگر خیالات و نظریات اور طور اطوار کے لحاظ سے انگریز ہیں۔ اور یہی وہ مراعات یافتہ طبقہ تھا جس نے آزادی کی جدوجہد میں رکاوٹ ڈالی۔ اور آزادی کی تڑپ رکھنے والوں اور اس کے لئے قربانی دینے والوں کے راستے میں پتھر پھینچے۔ انکی وحشیانہ اور قومی غیرت کی جگہ انگریز کی بوت پائش اور انکی خوشامد نے لے لی۔ اور یوں خاص کر مسلمانوں کو طبقات میں تقسیم کر کے ان کی قومی ملی روح کو ان

کے قومی ملی وجود سے نکال دیا۔ اور ان کو بے جان لاش کر دیا۔ ایک طبقہ ایسا تھا۔ جو دینی علم سے بہرہ ور تھا جنہوں نے بڑی مشکل اور بڑی قربانیوں کے بعد اس کو سینے سے لگائے رکھا۔ اور وہی طبقہ آزادی کا سرخیل اور اس کے راستے میں اس کے حصول کے لئے قربانیاں دینے میں پیش پیش رہا۔ مسلمانوں کی قربانیوں کی بدولت اور دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں جب انگریز نے یہاں سے رخصت ہو کر ہندوستان چلا۔ اور ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ہندوستان اور پاکستان دو ملک معرض وجود میں آئے۔ تو پھر پاکستان کا سارا انتظامی ڈھانچہ انگریز کے دیئے ہوئے نظام کے مطابق چلایا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ تعلیم جو مسلمانوں کی میراث ہے۔ اس کو بھی انگریزی انصاف و نظام کے ماتحت کر دیا گیا۔ جس سے بڑے بڑے مسائل نے جنم لیا۔

مولانا مفتی محمود نے تعلیم کے اعتبار سے مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ اور ان کے حل کے بارے میں جو نقطہ چھی اختیار کیا ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ حوالہ جات کے ساتھ اس سے بحث کی جائے۔

مفتی صاحب کی طرف سے یہ تجویز بھی آئی ہے کہ تعلیم کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لئے فنی شعبہ کی حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے۔ اور اس کے لئے ٹیکس میں چھوٹ بھی دی جائے۔ تاکہ قوم کے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں جو رکاوٹیں ہیں ان کا خاتمہ ہو سکے۔ اور شرح تعلیم میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔ ایک انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں۔ "تعلیم اور خرافہ پرست کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کا آغاز ہو۔ اس مقصد کے لئے فنی شعبے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس کے لئے ٹیکس وغیرہ کی چھوٹ بھی دی جاسکتی ہے۔" (124)

مفتی صاحب نے اس ضرورت پر زور دیا ہے کہ تعلیم کا نظام ایسا ہو جو ہمارے نظریہ حیات و روایات اور ہماری ثقافت کے مطابق ہو۔ ورنہ اس کے بغیر ہم اچھا مسلمان تو کجا اچھا پاکستانی

بھی کسی بچے کو نہیں بنا سکیں گے۔ وہ ملک کے نظام تعلیم کو یکسر تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ وہ ایسے نظام تعلیم کے حق میں تھے جو ہماری نظریاتی اور ملی ضروریات کے مطابق ہوں۔ اور جس سے استفادہ کرنے والے بچے صحیح مسلمان اور وفادار پاکستانی بن سکیں۔ وہ فرماتے ہیں: "جب تک ہمارا نظام تعلیم ہمارے نظریہ حیات، ہماری روایات اور ہماری ثقافت کو مد نظر رکھ کر ترتیب نہیں دیا جاتا اس وقت تک ہم اچھا مسلمان تو بننا چاہتا پاکستانی بھی پیدا نہیں کر سکیں گے۔" (125)

انگریز کے دئے ہوئے نظام تعلیم نے وہ طبقات پیدا کر دیئے تھے۔ اور دونوں میں باوجود مسلمان اور پاکستانی ہونے کے بعد المشرعین تھا۔ مفتی صاحب کی شدید خواہش تھی کہ وہی تعلیم کے طلبہ اور کالج یونیورسٹی کے طلبہ کے درمیان انگریز کی پیدا کردہ یہ علیحدگی ختم ہو۔ اور ان میں مکمل آہنگی و یکاگمت پیدا ہو۔ جناب محمد فاروق قریشی صاحب مفتی کی ڈپلومیسی کے بارے میں رقمطراز ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب دینی تعلیم کے طلبہ اور کالج، سکول، یونیورسٹی کے طلبہ میں باہم یکاگمت کے حتمی تھے۔ وہ دونوں طبقات کو مکمل خیال کرتے تھے۔ ان کے خیال میں شیخ الہند کے مطابق دینی علوم حاصل کرنے والے طلبہ کو فنی علوم بھی حاصل کرنے چاہیں اور فنی علوم کے طلبہ پر دینی تعلیم بھی ضروری ہے۔ اس وقت تک دونوں طلباء علم کے لحاظ سے مکمل ہیں۔ ان کے خیال میں مسلمان طلباء میں علم کی یہ کٹی اور علوم کی تقسیم بھی انگریز کی یادگار ہے۔ جس کا خاتمہ جس قدر جلد ہو بہتر ہے۔ (126)

مفتی صاحب ہمیشہ عوامی اجتماعات ہوں یا خصم صی مجالس، اسمبلی کا ایوان ہو یا انتخابی نمائندوں سے خطاب۔ ہر جگہ آپ انگریزوں کے پیدا کردہ طبقاتی نظام تعلیم کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ اور اس کو ختم کرنے کی ڈپلومیسی بھی بتاتے تھے۔ ایک تقریر میں جہاں وہ برطانوی سامراج کے مسلط کردہ اور پاکستانی حکمرانوں کی طرف لگے جاری کردہ نظام تعلیم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

ہاں اس کے ساتھ اس کے خاتمہ اور اس سے بہتر صورت بتا کر اس کے حل کے بارے میں حکمت عملی بھی بتاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

برطانوی سامراج نے ہمیں شب و روز کی چالوں اور سازشوں سے دو مختلف نظام اپنے تعلیم میں تقسیم کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے یونیورسٹی اور مدرسہ دو اسلحہ ساز فیکٹریوں کی طرح اپنی اپنی پیداوار میں مسلسل ابھم اسٹاف کر رہے ہیں۔ اس کے لازمی نتیجے میں نظریاتی جنگ جاری ہے۔ اور پاکستانی کوئی مستقل آئین بنانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ دراصل مدارس کو یونیورسٹیوں سے علیحدہ رکھ کر دونوں نظاموں سے فارغ ہونے والے طلبہ کے اذان میں ایک تباہ کن خلا پیدا کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں میں نظریاتی جنگ کا انقطاع جاری ہے۔ یونیورسٹیوں میں یہ بات ذہن نشین کرانی جاتی ہے کہ علم دین پر دسترس چنداں نہ دے سکتا اور مدارس کے طلبہ مصرعہ دین کے علوم و فنون سے بے بہرہ رہتے ہیں اور وہ اسے دین نہیں سمجھتے۔ فی الحقیقت انگریز کا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمان ہمیشہ کے لئے خلافت کے راستے سے بے بہرہ رہیں۔ بعض حضرات کو اسکولوں اور کالجوں کی طرف بھجوا۔ جو دین سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ لیکن اس کے لئے صاحب تعلیم بھی ایسا تشکیل دیا کہ جسے پڑھ کر دین سے نفرت پیدا ہو اور کچھ لوگوں کو دنیا سے بالکل ناواقف رکھ کر اپنی مدرسوں میں مقید کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ تو حکومت کے محکموں میں آئیں سکتے کیونکہ ان لوگوں کو دینی علوم سے واقفیت نہیں ہے جس کی وجہ سے اختلاف و عداوت ہے۔

پھر مفتی صاحب نے اس افسوس ناک، المناک صورت حال سے نکلنے کی جو صورت نکالی ہے۔ وہ قابل غور بھی ہے اور قابل عمل بھی اور نتیجہ کے اعتبار سے سو فیصد درست بھی۔ وہ فرماتے ہیں۔

اس سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ جو فنی علوم پڑھتے ہیں انہیں ان طلباء عربیہ سے ملادیا جائے۔ قرآن و حدیث سے جوڑ دیا جائے۔ اور یہ لوگ جو فرشتوں کی مانند ہیں ان کو دنیا والوں سے ملادیا جائے تو اس طرح ادارے ماہرین قانون مستحقین میں قوم کی بے نظیر رہنمائی کر سکیں گے۔ (127)

مفتی صاحب کی اس تقریر کا نقل کرنے کے بعد محمد اکبر شاہ ہاشمی لکھتے ہیں۔
حضرت مفتی صاحب کی یہ تقریر آپ کے انکار عالیہ کی مظہر ہے۔ آپ کے بلند ارادوں اور اسلامی جذبات و انگیزہ کی آئینہ دار ہے۔ اور نظام تعلیم کے حوالہ سے اپنے خیالات کی پوری تشریح و توضیح ہے یہ الفاظ آپ کے بعض جذبات نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کے انتہائی احساسات کو بیدار کرنے کی کوشش ہے۔ (128)

مفتی صاحب کے بقول تعلیم کے مسئلہ میں بہت غریبیاں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ جدید تعلیم گاہوں میں حکومتی پالیسیوں کی خرابی کے باعث آج صرف ٹھکر تیار کئے جاتے ہیں۔ غریب طلبہ پر انجینئرنگ اور میڈیکل کالجز کے دروازے بند ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے جو وظائف دیئے جاتے ہیں وہ بھی سیاسی رشوت کے طور پر خاص لوگوں کو دیئے جاتے ہیں۔ تعلیم کے مسئلہ میں غریبوں کو دور کرنا ہو گا ورنہ اس وقت یہ قوم اعلیٰ روایات کی امین نہیں بن سکے گی۔ آپ فرماتے ہیں۔

جہاں تک تعلیم کا مسئلہ ہے تعلیم کے مسئلہ میں جو غریبیاں ہیں بہت زیادہ ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں آج ہمارے ہاں لڑکوں کو سکولوں اور کالجوں میں صرف ٹھکر تیار کرتے گئے اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ فنی تعلیم یہاں پر نہیں دی جاتی۔ اور کسی انجینئرنگ کالج میں یا میڈیکل کالج میں غریب لوگوں کا داخلہ ممکن نہیں ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے جو وظائف دیئے جاتے ہیں وہ بھی ترجیحی بنیادوں پر اپنے خاص لوگوں کو سیاسی رشوت کے طور پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ (129)

تعلیم کے مسئلہ کے بارے میں مفتی صاحب کے خیالات اور آپ کی قریبی مہمیں بالکل واضح ہے۔ اس لئے جب آپ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے تو محدود اختیارات کے باوجود آپ نے اس کی بھرپی کے لئے اقدامات کئے۔ بقول محمد فاروق قریشی کے۔

مفتی صاحب نے اپنے دور حکومت میں کالج میں داخلہ کے لئے میٹرک کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث اور لکڑی تعلیم بھی ضروری قرار دی۔ جس کا طریقہ توحید تہجد پر آم ہو۔ میٹرک کے امتحان کے فوراً بعد صوبہ سرحد کے دینی مدارس و مساجد میں طلبہ کی بھرمار ہو گئی۔ (130)

مفتی صاحب نے صوبہ سرحد میں تعلیم عام کرنے کے لئے دور رس اقدامات کئے۔
فنی سکولوں کے لئے ایک جامع منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا۔ خاص کر سکولوں میں قرآنی تعلیم کو عام کرنے کے خاص انتظامات کئے۔ جناب اشفاق ہاشمی لکھتے ہیں۔ "مفتی صاحب نے نئی اور کو قرآنی تعلیم سے آشنا کرنے کے لئے صوبہ کے ۱۹۱ سکولوں میں علوم دینیہ کے ماہر قراء اور داخلہ علماء کا اقرار کرنے کا اعلان کیا۔" (131)

تعلیم کے بعد روزگار کا حصول ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ بننا چاہیے۔ ہزاروں سے تعداد بھرا کر کے اب لاکھوں تک بے روزگار تعلیم یافتہ نوجوانوں کی پہنچ چکی ہے۔ اور سال بہ سال اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اب اس مسئلہ نے قومی المیہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ اکثر اخباری و دانشور سے یہ بات ثابت ہوئی ہے۔ کہ ملک میں جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد میں اضافہ کی وجہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بے روزگاری ہے۔ مفتی صاحب کی ڈیپلومیسی یہ ہے کہ نوجوانوں کو ایک منصوبہ بندی کے تحت تعلیم دی جائے۔ فنی تعلیم کے لحاظ سے ہر شعبہ میں جس قدر نوجوانوں کی ضرورت ہے اسے دانی ہے۔ اتنے ہی طلباء کو مطلوبہ شعبہ میں مطلوبہ تعداد کو فنی تعلیم فراہم کی جائے۔
بے روزگار نوجوانوں کے لئے گزاردہ ادارات متقرر کیا جائے۔ محمد فاروق قریشی تحریر کرتے ہیں۔

مفتی صاحب قراعت تعلیم کے بعد یہ روزگاری کو معاشرہ کے لئے وقت سمجھتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق منصفہ نظام تعلیم رائج ہونا چاہئے۔ باقاعدہ منصبی بنوری کے تحت ملک کی مجموعی ضروریات کا تخمینہ لگایا جائے۔ اور جس شعبہ میں جس قدر افرادی قوت کی ضرورت ہو اسی شعبہ میں اسی قدر طلبہ کو داخلہ دیے جائیں۔ اور حصول تعلیم کے بعد ہر فارغ التحصیل کو وہ کام مہیا کیا جائے تاکہ معاشرے میں سب روزگاری کی نعمت موجود رہے۔ اور جب تک حکومت وہ کام فراہم نہ کر سکے اس وقت ان تعلیم یافتہ افراد کو گزارہ الاؤنس دیا جائے۔

آگے جا کر محمد فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں کہ مفتی محمود صاحب نے اپنی ولادت کے دوران بے روزگاریوں کو تجرباتی بنیادوں پر الاؤنس دینے کا فیصلہ بھی کیا تھا۔ اور ابتدائی طور پر انجینئرنگ گریجویٹس کی رائے شماری کا حکم بھی دیا تھا۔ مگر مرکز کی بے جا مداخلت اور حکومت سے استغنیٰ کی وجہ سے اس منصوبہ پر عمل کی نوبت نہ آ سکی۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اس سلسلے میں وہ تجرباتی طور پر اپنے منصوبہ میں عمل کرنا چاہتے تھے۔ اور انہوں نے ابتدائی طور پر انجینئرنگ گریجویٹس کی رائے شماری کا حکم دیا تھا۔ مگر مرکز کی بے جا مداخلت اور حکومت سے استغنیٰ کے بعد ان کا یہ منصوبہ نہ عمل نہ آ سکا۔" (132)

مفتی صاحب نے دینی مدارس کی ترقی و استحکام کی طرف بھی بار بار حکومتوں کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ وہ ایک بجٹ تقریر میں قومی اسمبلی میں بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس ملک میں مشرقی و مغربی دونوں صوبوں میں کثرت سے مدارس عربیہ قائم تھے۔ جہاں خالص دینی ماحول میں درس نظامی کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ ان مدارس کی امداد کے لئے اسلامی ملک کے قومی بجٹ میں ایک حصہ مخصوص کر دینا ضروری ہے۔ کیا یہ مدارس ہمارے ملک کے تعلیمی ادارے نہیں بنائے؟ اس میں اس ملک کے بچے تعلیم نہیں پاتے؟ فرنگی دور ہندوستان میں ان دارالعلوم کو قلمی طور پر نظر انداز کرنا قرین قیاس تھا۔ لیکن ان آزادی کے بعد بھی ہمارے بجٹ میں ان مدارس کے لئے ایک پالی موجود نہیں۔ (133)

اس بجٹ تقریر میں آپ نے اسلامی قانون پر تحقیقی کام کے لئے ایک معتد بہ رقم مخصوص کرنے، جدید علوم کے تصانیف کے لئے علمی ادارے کے قیام اور نصاب تعلیم کو دینی معیاروں کے مطابق زیر غور لانے کے لئے کمیشن مقرر کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔ (134)

معاشرتی مسائل

پاکستان میں معاشرتی مسائل بھی انگریزی نظام کے پیدا کردہ ہیں۔ خاص کر عورتوں سے متعلق مسائل کی وجہ سے معاشرہ میں فساد و بگاڑ اور اکثر دفعہ قتل و مقابلہ تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ جہاں تک دین سے دوری کی وجہ سے ہیں۔ وہاں انگریز کی روایات کا بھی ان میں بڑا عمل دخل رہا ہے۔ مفتی محمود صاحب معاشرہ کے مسائل اور اخلاق کی پستی پر بڑے کڑے قلم اٹھاتے ہیں۔

معاشرتی مسائل کے سلسلے میں مولانا مفتی محمود کا تجزیہ بہت گہرا ہے۔ وہ معاشرہ کے اخلاق کی پستی پر دین و ملت کو مٹنے دیتے تھے۔ ان کے خیال میں معاشرے کی خرابی میں ہمارے انگریزی نظام کے پروردگار رو کریت کا بڑا دخل ہے۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں انگریزی روایات کو کن کن گھن کر ختم کیا۔ تمام سرکاری آفیسرز کو قومی لباس کی ہدایت کی تاکہ تیز بندہ آقا ختم ہو۔ رشوت کو معاشرے کا سرطان قرار دیا۔ ملی چاکریت کے لئے قومی لباس کے طور پر قمیص شلوار کو پسند کیا۔ (135)

عورتوں کے حقوق کے بارے میں آپ نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ عورتوں پر بہت ظلم ہو رہا ہے۔ علماء نے ان پر ظلم کے ازالہ کے لئے بہت قربانیاں دی ہیں اور دے رہے ہیں۔ آپ نے عورتوں کو قمیص دلایا۔ کہ علماء آپ کے دشمن نہیں نہ ہی آپ کے مخالف ہیں۔ بلکہ ان کی کوشش ہے کہ عورتوں کو وہ تمام حقوق ملیں جو اسلام انہیں دیتا ہے۔ اور جس میں ان کے جان و آبرو کی تحفظ کی مکمل ضمانت ہے۔ وہ بتاتے ہیں۔

مجھے خواتین سے انتہائی نفرت تھی کہ سوچو وہ دور میں خواتین کے اوپر بڑے بڑے ظلم ہو رہے ہیں میری بھانجیاں یہ بات دل سے نکال دینا کہ علماء خواتین کے خلاف ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء ہمیشہ خواتین کے حقوق کے لئے لڑتے رہے۔ فرشتہ میں خواتین کو دراخت میں جو حق ملتا ہے یہ وہ سخت مل انگریزوں کے زمانہ میں پاس ہوا تھا۔ وہاں کے علماء کرام نے عورتوں کی محرومی کے خلاف تحریک چلائی تھی اور کہا تھا کہ اگر عورتوں کو دراخت نہیں دے گے تو یہ اسلام کے خلاف ہے، مگر یہ عورتوں پر سراسر ظلم ہے۔ (136)

اسی بیان میں مفتی صاحب نے عورتوں کو یقین دہانی کرائی ہے کہ اسلام میں ہمیشہ عورتوں نے جس طرح ان کے حقوق کی حفاظت کی ہے آئندہ بھی کریں گے۔ اور ان کے حقوق کے لئے اسی طرح لڑیں گے۔ جس طرح اپنے حقوق کے لئے لڑتے ہیں۔ مفتی محمود نے یہ بھی بتایا کہ عورتوں کے حقوق کا جو دایا کیا جاتا ہے۔ یہ مغرب و یورپ کے عقیدہ کی وجہ سے ہے۔ جبکہ اسلام ان کے حقوق کا بھرپور حامی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم ان سے پھر کہیں گے کہ آپ علماء کی مائیں، بیٹیاں ہیں آپ اپنے حقوق اسلام کے دائرہ کے اندر رہ کر مانگیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن خدا کے لئے اسلام کے خلاف جو بھی (قدم) نکلے گا اٹھایا جائے اس کو قسم کیجئے۔ اور ان کو دلی کوہ کھینچئے۔ جو کچھ بھی اسلام نے حق دیا ہے اور اسلامی شریعت نے حقوق دلائے ہیں، ان کو ضرور دلائے جائیں اور ہماری مائیں، بیٹیاں ہیں ہم ان کے حقوق کے لئے اسی طرح لڑیں گے جیسے اپنے حقوق کے لئے لڑتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ میں عورتوں اور مردوں کے حقوق پر کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ آج جو عورتوں کے حقوق کی لڑائی کی گئی ہے وہ لڑائی ہے یا کی گئی ہے وہ سوچو وہ دور اور یورپ کی عقیدہ کی پیروی ہے۔ ہم اب بھی ان کے حقوق کے حامی ہیں جو اسلام نے ان کو دئے ہیں۔ (137)

مفتی محمود صاحب جہاں عورتوں کے معاشرتی حقوق کے لئے آواز بلند کرتے ہیں۔ جہاں آپ مردوں کے ساتھ عورتوں کے اختیاط اور آزادنہ گھومنے پھرنے کو بے حیائی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے آپ نے اپنی وزارت علیا کے زمانہ میں عورتوں کے لئے پردہ کو لازمی قرار دیا تھا اور اس کو قانونی حیثیت دی تھی۔ محمد فاروق قریشی لکھتے ہیں کہ "عورتوں کے اختیاط اور آزادنہ گھومنے پھرنے کو بے حیائی سے تعبیر کرتے تھے۔ اپنے دور حکومت میں عورتوں پر بلا وجہ بے پردہ مگر سے باہر نکلنے پر پابندی عائد کر دی تھی۔" (138)

مفتی محمود معاشرتی خرابیوں کے اسباب میں چار باتوں کو بھی شمار کرتے تھے۔ اور اس فرائض کا اظہار کرتے تھے۔ کہ میرا بس چلے تو ان چار باتوں پر پابندی عائد کر دوں۔ بقول محمد فاروق قریشی کے "تباہ کنوشی، ناش بازی، چائے اور پان کو معاشرتی خرابیوں میں شمار کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میرا بس چلے تو ملک میں چار باتوں کا استعمال ممنوع قرار دے دوں۔ تباہ کن کا پتہ، پان کا پتہ، چائے کا پتہ اور تاش کا پتہ۔" (139)

مفتی صاحب معاشرتی خرابیوں کے ایک علاج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ان چار باتوں کو معاشرتی خرابیوں میں سے شمار کرتے ہیں۔ اور اعتنا ایسا ہی ہے۔ یہ جہاں چھپوں گا ضیاع ہے وہاں وقت اور صحت کا بھی ضیاع ہے۔ اور ان پر بہت سارا ملک کا زر مبادلہ خرچ کیا جاتا ہے۔ ان پر پابندی یقیناً ہر لحاظ سے ملک کے لئے اور عوام کے لئے نفع بخش ہے۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاکستان قومی اتحاد نے ان کے ساتھ کابینہ میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر مفتی صاحب سے نئی کابینہ سے آپ کی کیا توقعات ہیں؟ سے سوال کیا گیا۔ تو آپ نے جو تفصیلی جواب دیا۔ اس میں آپ نے معاشرتی مسائل کی بھی نشاندہی کی۔ اور یہ توقع ظاہر کی کہ نئی کابینہ کے ارکان ان معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں کردار ادا کریں گے۔ آپ نے سوال کرنے والے کے جواب میں کہا۔

سادگی اختیار کی جائے۔ وزیر چھانٹو پیش کریں۔ اپنے گھروں کی تزئین و آرائش پر ہزاروں روپے خرچ نہ کریں۔ ذرا رنگ روٹ میں قیمتی صوفوں کے بجائے چٹائی کیوں نہیں بچھائی جاسکتی؟ اور بیڈروم میں ٹیکس چٹکوں کے بجائے عام چادر پائی کیوں نہیں کام دے سکتی؟ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ شہری ملاقاتوں میں بڑے مکانوں کی قسم پابندی لگائی جائے۔..... تین سو گز سے زیادہ مکان کسی صورت نہ بننے دیا جائے۔ ہمارے اکثر ملکی قوانین ایسے ہیں جو رشوت کا دروازہ کھولتے اور لوگوں کے مصائب میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان کا جائزہ لے کر ہر قانون میں چھوڑاؤ وغیرہ کر دیئے جائیں۔ رشوت و بد عنوانی اور ملاوت پر کڑی سزا عطا دی جائیں۔ اور ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔ شلو اور قمیص کی حوصلہ افزائی ہو۔ سرکاری ملازم دفتر میں قومی لباس پہن کر آئیں۔ اس طرح غیر ملکی لباس جو نفسیاتی رعب و دب عطا کرتا ہے۔ اس سے نجات مل سکے گی۔ ایسے ضوابط بنائے جائیں کہ جھوٹ چھاپا یا لکھنا یا سکے۔ جھوٹ ایک زہر ہے۔ جو معاشرہ کی اچھائیوں کو دس لیتا ہے۔ بے حیالی اور لٹاشی کی روک تھام بھی ہو۔ دینا، نیکلی وٹن اور فلوں کی قوری اصلاح کی ضرورت ہے۔ (۱۳۰)

پاکستان کے معاشی مسائل

کسی بھی ملک، قوم، معاشرے اور خاندان کے لئے معیشت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر معاشی نظام صحیح خطوط پر استوار ہے۔ اور وہاں کے رہنے والے معاشی لحاظ سے مستحکم ہیں۔ تو وہ قوم، ملک مضبوط ہے۔ اور دوسری اقوام کے لئے اس کی پالیسیاں قابلِ رشک قرار دی جاتی ہیں۔ اور معاشی لحاظ سے مستحکم قومیں، ملک زندگی کے دیگر شعبوں میں مضبوط بھی جاتی ہیں۔ اور جو ملک، قوم معاشی لحاظ سے لٹری کا شکار ہو تو وہ دیگر شعبوں میں اضمحلال اور کمزوری کا شکار ہوتا ہے۔ دیگر قوموں، ملکوں کی نگاہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے اپنے وجود کو برقرار رکھنا بھی مشکل بنا دیا جاتا ہے۔

مولانا مفتی محمود کی معاشی ڈیپلومیسی، پاکستان کے حالات کے تناظر میں یہ ہے۔ کہ ملک سے معاشی بھوساری کو ختم کرنا ہو گا۔ جو انگریزوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ ان کی معاشی ڈیپلومیسی کے بارے میں محمد اسماعیل شجاع آبادی لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب کے خیال کے مطابق ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ معاشی بھوساری ہے۔ اور اس کی وجہ انگریز کی عطا کردہ جاگیریں ہیں جو اس نے مجاہدین آزادی کی خبری کرنے والوں کی نذر کی تھیں۔ اس سے انگریزوں کے دو مقاصد ملت میں تفریق اور مسلمانوں میں معاشی ابتری۔ اس لئے آج ملک کے بیشتر علاقوں میں انگریز کی عطا کردہ جاگیروں کے قابض ملک و ملت کی اصل دولت پر ناجائز تصرف کرتے ہوئے قوم کی دولت کو ناجائز ذرائع پر خرچ کر رہے ہیں۔ بیکہ غریب محنت کش بن جویں ملک کے لئے ترس رہا ہے۔ (۱۳۱)

اسی مضمون میں مفتی صاحب انگریز کی عطا کردہ جائیدادوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے بتاتے ہیں۔ کہ اس کا علاج یہ ہے کہ یہ جاگیریں ان جاگیرداروں سے لیکر ضبط کی جائیں اور ان کو کاشت کرنے والوں کے حوالہ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں۔

ملک و ملت سے بھوساری اور انگریز کی عطا کی مرض حاصل کردہ زمینیں اور مالیہ مدت میں بڑے بڑے لوگوں میں تقسیم کردہ زمینیں "تیسرے اسلامی ملکیت" کی ضمن میں آتی ہیں جنہیں بلا معاوضہ ضبط کر لیا جائے گا اور ان پر کاشت کرنے والوں کو صحیح مالک قرار دیا جائے گا۔ (۱۴۲)

اور اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں۔ "اسلام کے نزدیک زمین پر صرف اس شخص کو ملکیت کا حق پہنچتا ہے جس نے اپنی محنت سے اسے آباد کیا ہو"۔ (۱۴۳)

مفتی صاحب نے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی برائیاں بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسی نظام معیشت سے امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر بننا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں تمام

برائیوں کی اصلی وجہ یہی نظام ہے جب تک اس کو مکمل ختم نہیں کیا جاتا ہے ایک فلاحی معاشرے کا تصور کرنا ناممکن ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

”جو ۱۱ سرمایہ دارانہ نظام معیشت جس میں غریب، غریب تر اور اسیروں پر تہمت جاری ہے وہاں کوئی دین سے الگ نہ ہو سکتا چاہیے۔ مغربی استعماری نظام، مغرب، اور مخالف نظام ہمارے تمام مسائل کی بنیاد ہے اور جب تک اس کا خاتمہ نہیں کیا جاتا اس وقت تک معاشرے میں فلاح کا کوئی تصور ہے۔“ (۱۴۴)

ملک میں جن دنوں ۱۹۷۱ء کے آئین کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جس کی تشکیل کے لئے بنائی گئی کمیٹی کے مفتی صاحب ایک اہم رکن تھے تو ان دنوں ۱۳ جون ۱۹۷۱ء میں ”مختار نبوت کا نظریہ“ لاہور میں منعقد ہوئی۔ جس میں مفتی صاحب نے آئین کے بعض اسلامی دفعات پر روشنی ڈالی اور اس کی ضرورت و اہمیت کو اپنی تقریر میں واضح کیا۔ اسی کا نظریہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ آئین ایسا ہو جو عظم کا خاتمہ کرے جس میں مزدور، کسان، محنت کش اور چھوٹے درجے کے ملازمین کے حقوق کا تحفظ ہو اور ان کو باعزت زندگی گزارنے کا موقع دے۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان کا ایسے بھی غریبوں، مزدوروں، محنت کشوں کی استحصال کی وجہ سے ہوا۔ اور اب مزید یہ ملک ایسے حادثات کا شکار نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ ہم چاہتے ہیں کہ آئین یا آئین ہو جس میں عظم کا عمل خاتمہ ہو اور جس میں کوئی شخص غریب پر عظم نہ کر سکے۔ جس میں مزدور، کسان کو چھوٹے درجے کے ملازمین کو محنت کشوں کو ان سب کو پاکستان میں باعزت زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے اور وہ بھی خوشحال زندگی بسر کریں۔

..... مشرقی پاکستان کے مسئلہ کا اقدار کیا تم ہے؟ مشرقی پاکستان کے مسئلہ کے راقہ کو میں دہرائی نہیں چاہتا کہ وہ کیوں ہو؟ اہمیت طویل اور درونماک داستان ہے۔ لیکن ہمیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر پھر بھی ہم نے

پاکستان میں استحصال جاری رکھا، غریبوں کے حق چھینے، مزدوروں کا خون چھڑا تو پاکستان میں کوئی نظام پاکستان کے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ (۱۴۵)

مفتی محمود صاحب کی معاشی و فلاحی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق رہی۔ اور اسی کا پورا پورا کرتے رہے اسی طرح وہ یہ بھی کہتے تھے کہ وہ دولت جو ناجائز طریقوں سے کمائی گئی ہو اگر ہم کامیاب ہو گئے تو وہ تمام دولت ہم چھین لیں گے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں۔ اسلام دولت آفرین نظام پر کنٹرول کرتا ہے اور کاروبار کے اسلامی اصولوں سے بہت کر حرام اور ناجائز طریقوں سے دولت کمانے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا ہم اگر کامیاب ہو گئے تو حرام طریقوں سے کمائی ہوئی تمام دولت چھین لی جائے گی۔ (۱۴۶)

وہ ملک میں سودی نظام کے سخت مخالف تھے۔ کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ وہ سوائے کہ سود کا فائدہ صرف چند افراد تک محدود ہوتا ہے اور اس کے نقصان کی لپیٹ میں سارا معاشرہ آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ”ملک میں منصوب بندی کے تحت ایسا غیر سودی معاشی نظام رائج کیا جائے جس کا فائدہ صرف چند خاندانوں کو نہیں بلکہ پوری قوم کو ہو۔“ (۱۴۷)

۱۹۷۱ء کی دہائی میں ملک میں ایسا طبقہ سامنے آیا جس نے سوشلزم اور کمیونزم کی پرچار شروع کی۔ اور غریب محنت کشوں، مزدوروں اور کسانوں کو سہارا دیا اور اسلام کے احکامات اور اصولوں کے معاشی نظام سے برکت کھانے کی کوشش کی۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اپنی پارٹی کے منشور میں ”سوشلزم ہماری معیشت“ کا نعرہ شامل کیا۔ اور اس نے ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں ”روٹی، کپڑا اور مکان“ کا نعرہ لگایا۔ اور اس نعرہ پر اس نے ۱۹۷۱ء کا انکیشن لڑا۔ اور مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کر لی۔ اس کے بعد مقابل ایک اور طبقہ سامنے آیا۔ جس نے مذہب کے نام کو استعمال کیا۔ اس نے سوشلزم اور کمیونزم کی مخالفت شروع کی۔ پرنسٹن میڈیا اور پریس کا پورا

تعاون اس کو حاصل رہا لیکن اس کی مخالفت کا انداز شعوری طور پر ایسا تھا کہ جس سے "سرمایہ دارانہ نظام" کے تحفظ اور "جاگیردارانہ نظام" کی حمایت معلوم ہوتی تھی۔ بلکہ واقعتاً ایسا تھا۔

ان حالات میں مفتی صاحب اور انکی جماعت کا کردار بڑا تاریخی رہا ہے۔ انہوں نے ایک طرف جناب ذوالفقار علی بھٹو سے ۱۹۷۹ء کے آئین کی تشکیل کے مرحلہ میں یہ مطالبہ کیا کہ وہ انتخابات میں توروٹی، کپڑ اور مکان کا نعرہ لگا تازہ۔ اس نعرے کو اب آئین میں شامل کر کے اس کو آئینی تحفظ فراہم کرو۔ مگر بھٹو صاحب نے انکار کیا۔ پھر مفتی صاحب نے کہا کہ پانچ سال کے ساتھ اس کو مشروط کر دو کہ پانچ سال تک ملک کے تمام لوگوں کو روٹی، کپڑ اور مکان فراہم کیا جائے گا مگر پھر بھی مکر گئے۔ آخر کار مفتی صاحب نے دس سال کی شرط عامہ کی مگر اس نے وسائل کی کمی کا بہانہ بنا کر گویا اس نعرے سے دستبرداری اختیار کر لی۔ وہ سری طرف سرمایہ دارانہ نظام کے حامیوں نے مفتی صاحب پر "سوشلسٹ مولوی" ہونے کا الزام لگایا۔ ایک بیان میں انہوں نے کہا۔

غریبوں سے بھر دے رکھنے کی بنا پر بعض لوگ ہم پر "سوشلسٹ مولوی" ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ اسلام غریبوں کا حامی اور مددگار بن کر آیا ہے۔ ہم اسلامی تعلیمات کے مطابق غریبوں کی مشکلات دور کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم پاکستان میں سرمایہ داری کی مخالفت کے لئے اسلام کا نام استعمال نہیں دیتے ہیں۔ سرمایہ داری کے علاوہ نظام کی مخالفت کے خواہاں اور امریکی سامراج کی مدد سے پاکستان کو ترقی دینے کے دعویدار پاکستان اور اس کے عوام کے دشمن ہیں۔ (۱۹۸۱)

انہی دنوں جب مفتی صاحب سے ایک اخبار نویس نے پوچھا کہ اسلام اور سوشلزم میں کیا فرق ہے؟ تو آپ نے اناس سے سوال کیا؟ فوراً اور عجلت میں کیا فرق ہے؟ اس نے پھر پوچھا کیا ایک مسلمان سوشلسٹ ہو سکتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں اس شخص کو مسلمان نہیں سمجھتا جو اسلام کے سوائے کسی اور نظریے سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اخبار نویس نے پھر پوچھا مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کے بارے

میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص مارکس اور لینن کے نظریے کو اسلامی سوشلزم سے تعبیر کرتا ہے تو وہ اسلامی تعلیمات کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اگر وہ اسلام کی مساوات اور اسلام کے معاشی نظام کو "اسلامی سوشلزم" کا نام دیتا ہے تو یہ شخص کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ وہ تعبیر کی گلطی کا شکار ہے۔ (۱۹۷۹)

سرمایہ داروں کی اس اشارہ پر اس وقت بعض علماء نے مفتی صاحب اور ان کے بھتیگوں پر فتویٰ لگایا۔ اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی ناکام کوشش کی۔ وہ فتویٰ ۱۱۳۱ علماء کے فتویٰ کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ مفتی صاحب کا جرم یہ تھا کہ وہ غریبوں، مزدوروں، کمزوروں اور محنت کشوں کا حامی تھا۔ اور ان کے لئے سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ نظام کو استحصالی نظام بتاتا تھا۔ اور اس کے مقابلے میں ان کے سامنے اسلام کا ماد لاند، مساویانہ معاشی نظام پیش کرتا تھا۔ اور وہ انکی فلاح، ترقی اور معاشی استحکام کا سامن بتاتا تھا۔ مفتی صاحب کے اس کردار کے بارے میں مولانا غلام ربانی صاحب لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب کی عظیم سیاسی شخصیت کا نقش میرے دل پہ اس وقت بیضاب روئی۔ کپڑ اور مکان کے نعرے لگانے والے عوام کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جا رہا تھا یعنی عوام کی مشکلات، تکالیف، مصوجوں اور مسائل سے نظر چروائی جا رہی تھی۔ اور ان کو کافر قرار دیا جا رہا تھا۔ گویا بے گناہ اور غریب مسلمانوں کی مسائل کا حل ان کے کافر ہونے میں مضمر تھا۔ تمام سرمایہ پرست مولوی اپنے اور دیگر سرمایہ داروں کے تحفظ کے لئے کافر سازی کے بجائے اور خود اس کی تلواریں سونت کر میہ ان میں لکل آئے تھے۔ ویسے میں ان کے مقابلے میں دین اسلام کی ایک ہی آواز اٹھی اور وہ مفتی خود کی آواز تھی۔ انہوں نے کہا کہ روٹی مانگنا کوئی جرم نہیں اور نہ ہی کپڑے اور مکان کا نعرہ لگانا شرعی حیثیت سے گناہ ہے۔ یوں غریب مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد، لیونزم کی گود میں جانے سے بچ گئی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مفتی صاحب کے افعال میں اگر ان

کی وہ سرق اسلامی عدست شامل نہ بھی کی جائے تو بھی اس کی بخشش کے لئے ان کا بیجا
عمل کافی ہے۔ (۱۵۰)

اس سلسلے میں جناب محمد قادر دق قریشی نے مفتی صاحب کے اس کردار کے بارے میں
لکھا ہے۔

اس موقع پر مولانا مفتی محمود نے ایک مذہبی رہنما اور سیاست دان کے ساتھ ساتھ معاشی
مصلحت کار اور اکیلے کیونکر اگر وہ وقت کی غلطی نہ ہاتھ رکھ کر صحیح انداز نہ لگاتے اور
عوام کے جذبات و احساسات کی تسکین کے لئے اسلام کا انقلابی معاشی پروگرام پیش نہ
کرتے تو یقیناً عوام کے جذبات کا حد درجہ اشتعال اختیار کر چکا تھا۔ (۱۵۱)

مفتی صاحب نے معاشی لحاظ سے کمزور طبقات کو یقین دلایا کہ سو شلزم تمہارا ہر گز
تعدددہ خیر خواہ نہیں اور نہ ہی تمہاری غربت کا۔ اور سو شلزم یا کمیہ نزم میں ہے۔ بلکہ تمہارا ہمدرد و خیر
خواہ اور تمہارے تمام مسائل کا حل اسلام میں ہے سو شلزم و کمیہ نزم نہیں۔ نیز ان پر واضح کیا کہ
اسلام جتنا سرمایہ دارانہ نظام کا مخالف ہے۔ اتنا سو شلزم نہیں۔ جناب محمد قادر دق قریشی تحریر فرماتے۔

و حاصل عوام اپنے بنیادی مسائل سے انگ آ کر اور دلاطینی کی روایت اسلام کو سرمایہ داری کا
مخالف سمجھتے ہوئے (کیونکہ ان وقت اکثر نام نہاد علماء کا رویہ سرمایہ دارانہ نظام کے
مخالفوں کا تھا کہ روٹی، کپڑا، مکان کی ضمانت پر وہ سو شلزم اور کمیہ نزم کی گود میں
جار ہے تھے۔ لیکن ناقصت اندیشان ملت کا ایک گروہ ہم کے اس طرز عمل اور سوچ کو
اسلام اور کفر کی میزان پر تولنے لگا۔ مفتی محمود نے وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے
غریب عوام پر واضح کیا کہ تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ سو شلزم نہیں اسلام ہے۔ اور سو شلزم
اتنا سرمایہ داری کا مخالف نہیں جتنا اسلام ہے۔۔۔۔۔ لیکن الحمد للہ اکثر نتیجہ کی
بر وقت سوچنے والے کروڑوں مسلمانوں کو کفر کی آغوش میں جانے سے بچایا۔ (۱۵۲)

مفتی صاحب نے ان حالات میں ایک اور مصلحت اور حکیمانہ قدم اٹھایا اور وہ ضرور
محنت کش جو اپنی علمی اور سرمایہ داروں اور ان کے ہمنوا علماء صحافی حضرات کے پروپیگنڈے کی

وجہ سے رد عمل کے طور پر سو شلزم اور کمیہ نزم کی گود میں اپنی سلامتی، نجات اور اپنے معاشی
مسائل کے حل سمجھ رہے تھے۔ اور جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی کے خوش نما روٹی کپڑا مکان
افروہ ان کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ مفتی صاحب اور انکی جماعت نے آگے بڑھ کر اس وقت
پاکستان کی مزدوروں، کسانوں، محنت کشوں کی سب سے بڑی تنظیم ”لیبر پارٹی“ جو کہ جناب بشیر
احمد بھٹی اور طاہس خان وغیرہ مشہور لیبر رہنماؤں کی سربراہی میں کام کر رہی تھی، کے ساتھ
ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کو اس وقت کا بہترین فیصلہ قرار دیا گیا۔ جبکہ سرمایہ داروں اور ان کے
دیکھنوں نے اس معاہدہ کو خوب اچھا لایا۔ مفتی صاحب اور ان کی جماعت کا یہ اقدام اس اعتبار سے
ایک نثر تھی ہے کہ اس وقت جب ملک میں معاشی مسائل کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دیا جا رہا
تھا۔ اور اپنے معاشی مسائل کے حل کے لئے آواز بلند کرنے والوں کو اسلامی تعلیمات سے برگشتہ
کر کے ان کو سو شلزم اور کمیہ نزم کے گھپ کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ حیدر پارٹی کا یہ معاہدہ
ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ بھی ان حالات میں کہ لیبر پارٹی نے یہ معاہدہ جدید علماء
اسلام کی شرافت کی بنیاد پر کیا تھا۔ اور جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ بھرپور اور مکمل تعاون کا اعلان کیا
تھا۔ مفتی صاحب نے ایک دفعہ اسی معاہدہ کے بارے ایک اخباری نمائندے کے سوال کے
جواب میں فرمایا۔ ”لیبر پارٹی سے ہمارا معاہدہ اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ہوا ہے۔ اور لیبر پارٹی نے
ہمارے منشور کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس سے مکمل تعاون کرنے کا اعلان بھی کیا ہے۔ گویا کہ
لیبر پارٹی سے ہمارا معاہدہ ہماری شرائط پر ہوا ہے۔“ (۱۵۳)

مفتی محمود صاحب سے جب ہفت روزہ ”اخبار جہاں“ کے نمائندہ جناب ”محمود
شام“ صاحب (جو اب بھی بقیہ حیات اور روزنامہ ”جنگ“ کے اچھے سے منسلک ہیں) نے یہ استفسار
کیا کہ عوام کی اقتصادی پریشانی کا فوری حل کیا ہو؟ جب کہ ملک کی دولت صرف چند خاندانوں میں

پاکستان کا ایک معاشی مسئلہ یہ بھی ہے کہ دیہات سے آبادی شہروں کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ ملازمتیں اکثر شہروں میں فراہم ہوتی ہیں۔ فیکٹریاں، صنعتیں اکثر شہروں میں نکلتی ہیں۔ تمام سہولتیں مثلاً تعلیم، روزگار، صحت وغیرہ کی سہولتیں شہروں میں حاصل ہوتی ہیں۔ اس لئے جو بھی ایک دفعہ شہر کا رخ کرتا ہے تو پھر دیہات کی طرف نہیں جاتا۔ جس سے جہاں شہروں کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ وہاں دیہات غیر آباد ہوتے جا رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی نگاہ دور بین اس طرف بھی تھی چنانچہ آپ نے فرمایا۔

بڑے شہروں میں کارخانوں کے قیام نے دیہات کی ترقی تو کیا ان کے وجود ہی کو نظر سے ڈال دیا ہے۔ غریب لوگ دیہات سے بھاگ رہے ہیں۔ شہروں میں کارخانوں (اور دیگر اداروں سرکاری غیر سرکاری) میں ملازمت کرتے ہیں شہروں کے مسائل بھی اس طرح بڑھ جاتے ہیں۔ اس مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ دیہی ترقیاتی کاموں پر زور دیا جائے۔ اس لئے کہ ملک کی غائب اکثریت دیہی آبادی پر مشتمل ہے۔ اس کے بغیر ملک ترقی نہیں کر سکا۔ اور اس روش سے ملک کی زرعی معیشت بھی بہت متاثر ہوتی ہے۔ (154)

حضرت مفتی صاحب نے ”اخبار جہاں“ کے اس انٹرویو میں دو اہم مسائل کی نشاندہی کی ہے جس سے اس وقت بھی اور آج بھی پاکستان اور اس کے عوام دوچار ہیں۔ ایک مسئلہ غیر آباد زمینوں کی آباد کاری کا ہے اور دوسرا مسئلہ حرارت کا ہے۔ کیونکہ جب تک اس کا صحیح اسلامی حل نہیں نکالا جائے گا اور اس کو زوال نہیں لایا جائے گا۔ ت غریب ختم ہوگی اور عوام خوشحال ہو سکیں گے۔

پاکستان میں جاگیردارانہ نظام جو انگریزوں کی غلامی کے نتیجے میں قائم ہوا ہے متعدد مشکلات کا باعث ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی حکیمانہ سوچ اور بے ترانہ فکر سے اس سلسلے میں تین اہم اقدامات ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے والے کو اس کو مالک ٹھہرایا

جائے۔ دوسرا یہ کہ حرارت کی اجازت ہر گزرتی جائے۔ بلکہ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق کاشتکاری کرے یا مزدوروں سے کاشت کا کام لے۔ تیسرا یہ کہ انگریزوں کی عطا کردہ جاگیروں کو ان سے چھین کر کاشتکاروں میں تقسیم کر دیا جائے۔

مسئلہ احیاء اموات

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے اس ضمن میں حضرت مفتی صاحب کی مدلل فقہی رائے کو مولانا مفتی ولی حسن نوگئی نے نقل کیا ہے۔ جو انہوں نے کراچی کے جید علماء کرام و مفتیان نظام کی اسلام کی مالیات کے نظام کے بارے میں قائم مجلس میں جس کا بار بار اظہار کیا ہے اور اس پر زور دیا ہے۔ لیکن پہلے اس مسئلے کی تعویذی سی وضاحت ہو جائے اور اس کے لئے مقالہ نگار کی نظر میں اختصار کے ساتھ مگر جامع انداز میں مولانا مجیب اللہ ندوی کی کتاب ”اسلامی قانون حیات و اجرت“ میں ہے۔ یہاں اس کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

”احیاء اموات“ یعنی روز میں جو بیکار پڑی ہیں ان کو جو شخص قبضہ میں لے آئے گا وہ اس کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(1)

ایک یہ کہ روز میں بالکل ہی بے کار اور بیکار اس پر کبھی قبضہ پڑی نہ کی گئی ہو نہ وہ کسی کی ملکیت ہو تو اس کو جو شخص بھی قبضہ میں لا کر کبھی بازی کرے گا وہ اس کی ملک ہوگی۔ بشرطیکہ وہ جگہ کسی مفاد عامہ کے استعمال میں نہ ہو مثلاً چراگاہ، قبرستان یا کسی اور ضرورت کے لئے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس میں حکومت سے اجازت کی بھی شرط لگا دی ہے۔ یعنی بغیر حکومت کی اجازت کے اس کو کسی زمین پر قبضہ کرنے کا حق نہیں ہے مگر صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ نے بغیر اجازت بھی اس کو قبضہ کرنے کا حق دیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کی توجیہ کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی یہ رائے اس صورت میں ہے جب اختلاف کا قیام نہ ہو اور امام

حالات میں حکومت کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ مصالح عامہ کے تحت بہتر یہ ہے کہ حکومت وقت کی اجازت اس میں شامل ہو۔

امام مالکؒ نے اس بارے میں یہ رائے دی ہے کہ اگر وہ مقام دشوار گزار جگہ پر ہو یا بالکل ویران تو اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور اگر آبادی کے قریب کی زمین ہو تو اجازت کی ضرورت ہے۔

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ وہ بغیر اجازت بھی زمین پر قبضہ کر سکتا ہے اس لئے اگر قانونی اجازت کی پابندی لگادی جائے تو غریب اور دور دراز جگہوں کے رہنے والوں کے لئے اس سے نئی مصیبت پیدا ہو جائے گی۔

مگر موجودہ دور میں اللہ نے ایک طرف آمدورفت اور نقل و حمل کی سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔ دوسری طرف معاشرہ کے افراد میں امن و امان کی کمی ہی نہیں بلکہ خدا ان کو کیا ہے ان کے پیش نظر اس زمانہ میں قانونی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق ہی عمل کرنا اسلامی حکومت کے لئے مناسب ہے ورنہ اس طرح ایک انار کی اور لا قانونیت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دو زمین جن کے مالک تو ہیں مگر انہوں نے اس کو بالکل بے کار چھوڑ رکھا ہے یا ان کے مالکوں کا پتہ نہیں ہے کسی زمین کے لئے حکومت خود قبضہ کرے گی۔ اور جن لوگوں کے پاس زمین نہ ہوگی ان میں تقسیم کرے گی اس کے لئے ایک شرط ہے کہ وہ مسلسل تین سال تک بے کار چھوڑی گئی ہو۔

دونوں صورتوں کی تفصیل حدیث و فقہ میں موجود ہے۔ [مولانا حبیب اللہ ندوی۔ اسلامی قانون صحت و اجرت۔ ص 24، 25]

مولانا مفتی ولی حسن نوکی نے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی اس ضمن میں جو رائے نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے ان مجالس مذکورہ میں "احیاء اسیات" کے باب پر بہت زور دیا تھا۔ فرماتے تھے کہ فقہ کے اس باب کو پڑھنے اور پڑھانے کے نفع میں زمین نے

اہمیت نہیں دینی تھی مگر اب غور و نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ نہایت ہی اہم باب ہے اور غریب ہادیوں کے بہت سے اس امر میں کامیاب ہے۔

احیاء اسیات کا مطلب یہ ہے کہ غیر آباد اراضی کو آباد کرنا اس سلسلے میں ایک مرقعہ حدیث بھی ۱۰ ہجری ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی غیر آباد زمین کو آباد کرے وہ آباد کرنے والے کی ہے اس میں اور بعد کے دور میں انصاف کا یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غیر آباد زمین حکومت وقت کی اجازت کے بعد آباد کی جاسکتی ہے اور آباد کرنے والے کی ملکیت میں اسی وقت آنے کی جب حکومت کی اجازت سے اس نے آباد کی ہو اس کے بغیر نہیں۔ دوسرے اثر کے نزدیک اجازت حکومت شرط نہیں۔

مفتی صاحب کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان کے غریب ہادیوں کے انکس اور فقر و فاقہ کا علاج یہ ہے کہ حکومت غیر آباد اراضی ان کو دے اور ان سے آباد کرانے، آباد کرنے کے بعد ان کی ملکیت قرار دے اسے۔ اس طرح بے زمین "ہادی" کو زمین کے مالک بن جائیں گے اور اراضی بھی آباد ہو جائے گی۔ جس سے ملک کو ملک کے باب میں خود قبضہ ہونے میں مدد ملے گی۔ احیاء اسیات کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

1. مولانا مفتی ولی حسن نوکی۔ میدان علم و سیاست کا شہسوار۔ بحوالہ فتاویٰ مفتی محمود ج 6۔ ص 37 (مقدمہ)

"احیاء ارض میت" کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کے موقف کے بارے میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے رئیس دارالافتاء مولانا مفتی مسعود قیسین صاحب نے ایک مقالہ کی صورت میں جو تحقیقی مضمون تحریر کیا ہے۔ جو "تذکار محمود" کا حصہ ہے۔ وہ بہت واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

رسول خدا ﷺ کے ایک واضح ارشاد "من احیا ارضا میتة فھو لدی" کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب فتویٰ دیا کرتے تھے کہ "غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا

ان تہذیبات کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا موقف جہاد کا صحیح ہو چکا ہے کہ جب ایک زمین، صحابی رسوئے پاس ہو، رسول اللہ ﷺ نے اس کو عطائی ہو اور فاروق اعظم عیسا کا حکم شریعت کا پاس بان و مخالفہ خلیفہ اس رسول اللہ ﷺ کی مطا کر وہ زمین کا شخص اس بنیاد پر وہی کا مطالبہ کرتا ہے کہ صحابی رسول کی ضرورت سے لاکھ ہے اور یہ صحابی اسی زمین کے آباد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو آج وہ امن و مزاج میں اس قانون کے چاہی کرے میں کون سی شرعی دلیل حاکم ہے؟ آج یہ کیوں ممکن نہیں کہ اللہ کی ساری زمین کو کاشت میں لا کر وہ امن و مزاج سے غربت و افلاس کے سامنے نہ آئے جائیں؟ رزق خداوندی کو عام کر دیا جائے تاکہ ہر کس و نا کس کی اس تک رسائی ہو۔ بے روزگاریوں کو روزگار بھر آجائے اور یہ بندہ گان خداوندی کی محنت سے محفوظ ہو جائیں۔ (تذکار محمود 213-216)

مسئلہ حزارعت

۱۱۔ سرالہم مسئلہ حزارعت کا ہے۔

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹوٹگی، کراچی کے علماء کی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے مسئلہ حزارعت میں مولانا مفتی محمود کے موقف کو بیان کرتے ہیں۔

حزارعت کا مسئلہ زیر بحث آیا تو اس مسئلے میں حضرت مفتی صاحب نے بڑی ماضیات تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس مذمت میں حزارعت کی وجہ سے جسے جسے فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ ہادیوں کو زمیندار غلام سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اگر کہاں ملتا ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ اس کے خلاف ہیں اس لئے ان کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے اگر حزارعت کی ممانعت کر دی جائے، اس مالکان زمین سے کہا جائے کہ وہ ملازم رکھ کر کاشت کریں یا خود کاشت کریں تو کوئی حرج نہیں۔ (مولانا مفتی ولی حسن ٹوٹگی۔ فتاویٰ مفتی محمود (مقدمہ) ج ۶۔ ص 38، 39)

لیکن اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو اور اس میں حضرت مفتی محمود صاحب کے موقف کو مولانا مسعود حسنین نے تحریر کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

حزارعت کا معاملہ فی نفسہ ایک جائز اور مفید معاملہ ہے۔ اس میں زمیندار کا شکار و فریقوں کی طرح ہوتے ہیں اور دونوں کی حیثیت مساوی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاہدہ اگر نیک نیتی سے کیا جائے تو زمیندار کا شکار کا آپس میں باہمی تعاون اور رومی غم خواری کی ایک بہترین شکل ہے۔ چنانچہ زمیندار رسول ﷺ میں بھی یہ معاملہ بیان ہوا ہے جاری رہا۔ مہاجر صحابہؓ مگر اپنے انصاری بھائیوں کی زمینوں پر بحیثیت کاشتکار جاہل سہل تک کام کرتے رہے۔ اور اس کی اجازت خود آنحضرت ﷺ نے مرحمت فرمائی تھی، اس میں بعد بھی معاملہ آپ نے اہل خیر کے ساتھ کیا اور آپ کے بعد سید ابو بکر صدیق و سید فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے اس معاملہ کو اسی طرح باقی رکھا، چنانچہ فی نفسہ یہ معاملہ بالکل جائز ہے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس معاملہ کو ناجائز خیال فرماتے تھے۔ سو جو حالات میں، حضرت قدس سرہ کا موقف یہ تھا کہ کہ اسلامی حکومت، ضرورت کے تحت حزارعت کے سسٹم کو ناجائز قرار دے، اپنے اس موقف کی حمایت میں حضرت فرماتے تھے۔

”امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام مالک، صہم اللہ تینوں امام اس بات پر متفق ہیں کہ حزارعت کا معاملہ جائز نہیں، بلکہ چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ اللہ میں اختلاف رہا ہے، اس لئے ضرورت کے تحت اس کو ممنوع قرار دینا، کسی بھی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔“

اس کے بعد مفتی مسعود حسنین صاحب نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو واضح کیا ہے اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں اس کے جواز و عدم جواز کی صورتیں بتائیں ہیں۔ آگے وہ پھر مفتی محمود صاحب کے موقف اور اس پر دلائل سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اب آتے ہیں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے موقف کی وجہ حضرت مفتی صاحب موجودہ حالات میں حرامت کے پورے سسٹم کو بچانے کا ممنوع قرار دینے کی بات فرماتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ حرامت کی وہ صورت بھی کہ جس میں نہ کوہہ بالائینوں شکیں موجود نہیں ہیں، موجود حالات میں ناجائز قرار دینی چاہیے۔
 بظاہر حضرت کا یہ موقف بلاشبہ احادیث و سول اللہ سے متصادم نظر آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس خاص صورت کو ممنوع نہیں فرمایا۔ لیکن واضح رہے کہ حرامت کے مسئلہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اپنی منفرد رائے تھی جس میں اجتہادی رنگ نمایاں تھا۔ حضرت علیہ الرحمۃ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ

”اللہ کے رسول ﷺ نے حرامت کی جن صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے اگر ان میں فوراً کیا جائے تو اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ ان تمام صورتوں میں کاشتکاری حق تعلق ہوتی تھی۔ پس کاشتکار کے اس استعمال کی وجہ سے اللہ کے نبی ﷺ نے حرامت کی انکی تمام صورتیں ناجائز فرمادیں۔“

گو یا ان صورتوں کے ہم جو ان کی ملت کاشتکاروں یا کسی بھی طریقہ کا استعمال، حق تعلق ہے۔ پس موجودہ حالات میں جبکہ سسٹم ہی کچھ ایسا ہے کہ زمینداروں کی یہ عزائم واپس کا پانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ کاشتکار کی نہ صرف حق تعلق ہوتی ہے بلکہ اس کی عزت بھی محفوظ نہیں۔ زمیندار اسے اپنا تمام سمجھتا ہے تو ان حالات میں حرامت کو ممنوع قرار دے دینا کسی شرعی ضابطہ کی خلاف ورزی نہیں، قرآن اودنی کے اس دور میں اور اب بھی یہ فعل ایسی تھی کہ کسی کاشتکار کے ساتھ علم و زیادتی کا اندیشہ کیا جاتا بلاشبہ لی نفس حرامت نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ زمیندار کاشتکار کا ایک

دوسرے کے ساتھ یہ باہمی تعاون و مدد دی و تم تواری کی ایک بہترین شکل ہے لیکن اگر کوئی زمیندار محض اپنی وقار اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے یہ معاملہ کرے (جس کا لازمی نتیجہ کاشتکار کا استعمال ہے) اور کاشتکار کی مجبوری اسے بھی اس کے لئے زیادتی دولت کا باعث ٹھہرے یا اس کی مظلومک دہلی اس کی خوشحالی کا ذریعہ ہو تو جبر کے ان

حالات میں اسلام قطعاً حرامت کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ ایسے حالات میں اقتد اسلام کا ضابطہ ہے۔

فلہذا ينبغي تحذير الناس من المزارعة التي يترتب عليها حرمان العادل من كده واستغلال المالك اياه لحاجة (عائذی بی)
 ترجمہ: حرامت کی ان شکلوں سے منع کرو جن میں مزارعہ کا سبب ہے کہ کاشتکاروں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کر دے۔

پس حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہ موقف موجودہ حالات کے مطابق تھا اور یہی بھی حرامت کو اسلام نے ناجائز تو کہا ہے لیکن اسے فرض یا واجب قرار نہیں دیا۔ یہی آنحضرت ﷺ نے اسے کوئی ایسا مثالی طریقہ تجویز کیا ہے کہ اسے جو صورت پائی نہ گناہ وری تصور کیا جائے بلکہ اسے مثالی طریقہ قرار بھی کیے دیا جائے گا ہے کہ جس میں بقول حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ:

”ایک عام سہولت تو امت کرنے کے باوجود اپنے بچوں کا وراثت بھی نہ پال سکے، بلکہ اور فاقے کی زد کی گزارنا ہے، جب کہ چند انسان یہاں غریبیاں کرتے پھریں۔ اسلام کی روح تو یہ ہے کہ جیسے سیدنا لادقی اعظم نے فرمایا تھا: لومعات کلب علی شاطئ العرات جوعاً۔ لیکن علم مسئولاً عنہ یوم القیامۃ کہ یعنی اگر فرائض کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو قیامت کے دن اس کے مخلق بھی مرے پورے پس ہو گی۔ (مولانا مفتی مسعود حسین صاحب رحمہ اللہ کا ترجمہ ص 231 تا 232)

انگریزوں کی عطا کردہ جاگیروں کو چھین کر بے زمینوں میں تقسیم کر دیا

جنوبی ایشیا میں انگریز غاصب نے اپنے ناجائز تسلط کو دوام دینے کے لئے بہت سے مقامی افراد کو خرید لیا تھا۔ ان کو قوم سے بے وفائی کے بدلہ میں اعزازات سے نوازا جاتا تھا۔ ان کو انگریز افسروں کے درباروں میں شرف پارٹیاں حاصل ہو جاتا تھا۔ ان کو "میر جعفر و میر صادق" کے کردار ادا کرنے کے عوض بڑی بڑی جاگیریں عطا کی جاتی تھیں۔ آج پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد میں بڑی بڑی جاگیریں ہیں۔ وہ اکثر انگریز حکمرانوں کی عطا کردہ ہیں۔ آزادی کے بعد سب سے پہلے یہ اقدام ضروری تھا کہ انگریز کی بوٹ پالش کے بدلہ میں ملنے والی جائیدادوں کو حکومتی تحویل میں لے کر بے زمینوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ جیسا کہ ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان نے آزادی کے فوراً بعد یہ کارنامہ انجام دیا۔ اور بڑی بڑی جاگیرداریاں ختم کر دی تھیں۔ جبکہ پاکستان کے حکمرانوں نے جو یہ کام نہ کر سکے تھے۔ آج اس ملک میں اکثر خرابیوں کی بنیاد اسی جاگیردارانہ نظام کو بتایا جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کا اس سلسلے میں واضح موقف تھا اور وہ اس پر باقاعدہ دلائل پیش تھے۔ مفتی صاحبؒ کے موقف کے بارے میں مولانا مفتی مسعود حسین صاحب لکھتے ہیں۔

زمین یا کسی بھی جائیداد کے ملک میں آنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ وراثت، صلہ اور خرید و غر و خنت جیسے جائز طریقوں سے حاصل ہو۔ ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ جائیداد کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ لہذا اگر کسی شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے قمار، جائیداد ناجائز طریقے سے حاصل کی ہے تو اسلامی حکومت تحقیق و تحقیق کے بعد یہ جائیداد اس سے لے کر اصل مالکوں کو لوٹا دے اور اگر مالک معلوم نہ ہوں تو بحسن سرکار ضبط کرے۔ پس اس اسلامی اصول کی رو میں مفتی صاحبؒ نے ارجمند فرماتے تھے کہ قدیم زمینوں کے متعلق یہ تحقیقات کی جائیں کہ آیا یہ اراضی کسی جائز طریقے سے حاصل کی گئی تھیں یا انگریز نے بطور جاگیر کے حق المذمت میں کسی کو عطا

کی ہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو یہ اراضی فوری طور پر انہیں لے کر بے زمین لوگوں میں تقسیم

کر دی جائیں۔ "ماہیت روزہ" اخبار جہاں "نکراہی" 24، ستمبر 1969ء

لے گورہ بالا بیان سے واضح ہے کہ اگر یہ اراضی کسی جائز طریقے سے حاصل کی گئی تو

حضرت موصوف علیہ الرحمۃ کو بھی اعتراض نہیں، حضرت نے ان زمینوں کے واپس لینے کی بات کی ہے کہ جو ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی تھیں۔ اور یہ موقف بلاشبہ حق بالصواب ہے۔

مولانا مفتی مسعود حسین صاحب نے اس موقف کے بارے میں حضرت مفتی صاحب

کے تین دلائل ذکر کئے ہیں۔

دلیل سہمہ

سیدنا قاری اعظم رحمہ اللہ کے دور خلافت کا ایک واقعہ کتب تاریخ میں محفوظ ہے کہ آپؒ

نے اپنے بعض گورنروں مثلاً عمرو بن العاص، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور

حضرت عمارؓ کی ذاتی املاک میں سے آدھا حصہ ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر لیا۔

وجہ یہ تھی کہ آپؐ کی رائے میں ان حضرات نے یہ جائیداد اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے

حاصل کی تھی۔ چنانچہ امیر المؤمنین کے دریافت کرنے پر جب ان حضرات نے بتلایا کہ ہم اپنی

بجائے ذاتی تجارت بھی کرتے تھے تو قاری اعظمؒ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور جواب

میں صرف یہ فرمایا کہ "تم لوگوں کو وہاں بھیجنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تجارت کرتے پھر"۔ یہ کہہ

کر جائیداد ضبط کر لی۔

سیدنا قاری اعظم رحمہ اللہ کے اس عمل کی کوئی بھی توجیہ کر لی جائے تو بھی یہ اصول

بہر حال ملتا ہے کہ سربراہ حکومت کی نظر میں، حصول جائیداد کے ذرائع اگر مشکوک ٹھہریں تو

اسکی جائیداد کا ضبط کر لینا اس کے لئے جائز ہے۔ خود اس اصول کی تردید میں آنے والے لوگ غلط حکومت ہی کیوں نہ ہوں۔

دلیل مسہر ۲

حضرت مفتی صاحب اپنے موقف میں دو سری دلیل بقول مفتی مسعود حسین صاحب علامہ ابن قریون مالکی کا قول پیش کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اسی رو میں اصول کی روشنی میں علامہ ابن قریون مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
ان للامام ان يأخذ من فضائله و غنائه ما وجد في ايديهم رائدا على ما اشرقوه من بيت المال و ان ما يخص ماعند القاضى حين ولايته و يأخذ منه ما اكتبه رائدا على رفاقه ۱ تخریج الحکم لابن قریون ص ۱۲
ترجمہ: امام کو حق ہے کہ اگر اپنے قاضیوں اور کارندوں کے پاس ایسا مال پائے کہ جو ان کی اس حکومت سے ناکد ہو جو انہیں بیت المال سے ملتی ہے۔ تو اس مال کو ضبط کرے نیز اسے پائے کہ جب قاضی کا قلم کرنے لگے تو اس کی جائیداد کا ضبط کرے اور آئندہ اس کے پاس اگر اس کی حکومت کے علاوہ اگلی کچھ مال نظر آئے تو اسے ضبط کرے۔

دلیل مسہر ۳

حضرت مفتی صاحب کی تیسری دلیل کے بارے میں مولانا مفتی مسعود حسین صاحب رقمطراز ہیں۔

نیز صاحب از محترم، سیدنا فاروق اعظمؓ کے اسی مذکورہ فعل سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ان مصادر السلطان لا ريب الا موالا لا تجوز الا لعمال بيت المال
مستند لا بان عمر رضى الله عنه صادر اماه يروى في الدر مختار ص ۱۰۸
[الكفالة]

ترجمہ: بلا معاوضہ صاحب مال لوگوں کی جائیداد میں ضبط کر لینا، سربراہ حکومت کے لئے جائز نہیں۔ لیکن بیت المال کے کارندوں کے پاس اگر ایسا مال ہو تو اس کا ضبط کر لینا جائز ہے۔ دلیل اس کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو ہریرہؓ کے مال کو ضبط کرنا ہے۔
حضرت مفتی صاحب کے اصولی موقف اور اس پر قیمن دلائل کے حوالہ دینے کے بعد مولانا مفتی مسعود حسین صاحب پاکستان کی بڑی بڑی جاگیریں اور جاگیرداروں کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس نہ کوہ و بالا یعنی اصول و ضوابط اور فعل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ مالی بے ضابطگی جس سے سرزد ہو اس کا سد باب وہ ضروری ہے۔ سربراہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ صاحب اموال لوگوں کی چھان بین کرے اور اگر کسی شخص کے بارے میں شک ہو جائے کہ اس نے غلام جائیداد کا جائزہ لیا اور بد عنوانیوں کے واسطے سے عامل کی ہے تو اسے ضبط کرے۔ کیا بات حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ اذ شاد فرماتے تھے اور اب بھی اگر اس بات کو عملی جامہ نہ دیا جائے تو تحقیق و تحقیق کے نتیجہ میں یہ خیر ہن کن حقیقت منکشف ہوگی کہ اس بارہ وطن پر سرافقہ اور جاگیردار طبقہ نے انہی نامہائے دروغ کو استعمال کیا، جاگیریں بنا لیں اور بالآخر آج یہ حقد اس سچ کو آہٹا کر کہ ظلم و ستم کے سیاہ و سفید کا مالک ہے لاکھوں غیری کافر جو اپنی فساد گاہ، غریب عوام کے ساتھ وحشیانہ سلوک کر رہے ہیں جو صدیوں پہلے اس کے روحانی باپ نے اپنی اس آئین کے ساتھ کیا تھا۔ اپنے وقت میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی آواز صدائے موعظی کی دہی باز گشت ہے جس نے اس خطہ کے باقی کو لگا لگا کر مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی اپنے وقت کے فراموشوں کو لگا لگاتے رہے۔ ان کی جائیداد میں ضبط کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ آپ چاہتے تھے کہ ملت خدو کی زندہ ہو اور حقائق ناہمواری ختم ہو جائے اور

اہالیان وطن اپنی آنکھوں سے اس کو شمالی امن کا مشاہدہ کریں جس کی نوبہ قرآن
عظیم نے ﴿وَلَوْ لَبِذُنْ لَكُم مِّنْ بَعْدِ حَتَّىٰ قَبِضَتْ أُنُفُكُم﴾ کے معنیوں کے الفاظ سے دی
ہے۔ آپ کے یہ الفاظ کتنے حقیقت پسند نہ ہیں۔

بہر حال یہ امر مسلم ہے کہ جو لوگ دس کروڑ بھوکے عوام کے مسائل کو حل کئے بغیر یہ
کہتے ہیں کہ چند سرمایہ داروں سے امن قائم ہو جائے گا وہ بہت الجھٹلاؤ میں مبتلا ہیں۔
غریبوں کے مسائل حل کئے بغیر نہ پاکستان ترقی کر سکتا ہے اور نہ کوئی مسئلہ حل ہو
سکتا ہے۔ (البت روزہ "انبارِ جہاں" طرابلس، 27، 28، 29، 30، 31، 32، 33، 34، 35، 36، 37، 38، 39، 40، 41، 42، 43، 44، 45، 46، 47، 48، 49، 50، 51، 52، 53، 54، 55، 56، 57، 58، 59، 60، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 73، 74، 75، 76، 77، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 88، 89، 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 98، 99، 100، 101، 102، 103، 104، 105، 106، 107، 108، 109، 110، 111، 112، 113، 114، 115، 116، 117، 118، 119، 120، 121، 122، 123، 124، 125، 126، 127، 128، 129، 130، 131، 132، 133، 134، 135، 136، 137، 138، 139، 140، 141، 142، 143، 144، 145، 146، 147، 148، 149، 150، 151، 152، 153، 154، 155، 156، 157، 158، 159، 160، 161، 162، 163، 164، 165، 166، 167، 168، 169، 170، 171، 172، 173، 174، 175، 176، 177، 178، 179، 180، 181، 182، 183، 184، 185، 186، 187، 188، 189، 190، 191، 192، 193، 194، 195، 196، 197، 198، 199، 200، 201، 202، 203، 204، 205، 206، 207، 208، 209، 210، 211، 212، 213، 214، 215، 216، 217، 218، 219، 220، 221، 222، 223، 224، 225، 226، 227، 228، 229، 230، 231، 232، 233، 234، 235، 236، 237، 238، 239، 240، 241، 242، 243، 244، 245، 246، 247، 248، 249، 250، 251، 252، 253، 254، 255، 256، 257، 258، 259، 260، 261، 262، 263، 264، 265، 266، 267، 268، 269، 270، 271، 272، 273، 274، 275، 276، 277، 278، 279، 280، 281، 282، 283، 284، 285، 286، 287، 288، 289، 290، 291، 292، 293، 294، 295، 296، 297، 298، 299، 300، 301، 302، 303، 304، 305، 306، 307، 308، 309، 310، 311، 312، 313، 314، 315، 316، 317، 318، 319، 320، 321، 322، 323، 324، 325، 326، 327، 328، 329، 330، 331، 332، 333، 334، 335، 336، 337، 338، 339، 340، 341، 342، 343، 344، 345، 346، 347، 348، 349، 350، 351، 352، 353، 354، 355، 356، 357، 358، 359، 360، 361، 362، 363، 364، 365، 366، 367، 368، 369، 370، 371، 372، 373، 374، 375، 376، 377، 378، 379، 380، 381، 382، 383، 384، 385، 386، 387، 388، 389، 390، 391، 392، 393، 394، 395، 396، 397، 398، 399، 400، 401، 402، 403، 404، 405، 406، 407، 408، 409، 410، 411، 412، 413، 414، 415، 416، 417، 418، 419، 420، 421، 422، 423، 424، 425، 426، 427، 428، 429، 430، 431، 432، 433، 434، 435، 436، 437، 438، 439، 440، 441، 442، 443، 444، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 451، 452، 453، 454، 455، 456، 457، 458، 459، 460، 461، 462، 463، 464، 465، 466، 467، 468، 469، 470، 471، 472، 473، 474، 475، 476، 477، 478، 479، 480، 481، 482، 483، 484، 485، 486، 487، 488، 489، 490، 491، 492، 493، 494، 495، 496، 497، 498، 499، 500، 501، 502، 503، 504، 505، 506، 507، 508، 509، 510، 511، 512، 513، 514، 515، 516، 517، 518، 519، 520، 521، 522، 523، 524، 525، 526، 527، 528، 529، 530، 531، 532، 533، 534، 535، 536، 537، 538، 539، 540، 541، 542، 543، 544، 545، 546، 547، 548، 549، 550، 551، 552، 553، 554، 555، 556، 557، 558، 559، 560، 561، 562، 563، 564، 565، 566، 567، 568، 569، 570، 571، 572، 573، 574، 575، 576، 577، 578، 579، 580، 581، 582، 583، 584، 585، 586، 587، 588، 589، 590، 591، 592، 593، 594، 595، 596، 597، 598، 599، 600، 601، 602، 603، 604، 605، 606، 607، 608، 609، 610، 611، 612، 613، 614، 615، 616، 617، 618، 619، 620، 621، 622، 623، 624، 625، 626، 627، 628، 629، 630، 631، 632، 633، 634، 635، 636، 637، 638، 639، 640، 641، 642، 643، 644، 645، 646، 647، 648، 649، 650، 651، 652، 653، 654، 655، 656، 657، 658، 659، 660، 661، 662، 663، 664، 665، 666، 667، 668، 669، 670، 671، 672، 673، 674، 675، 676، 677، 678، 679، 680، 681، 682، 683، 684، 685، 686، 687، 688، 689، 690، 691، 692، 693، 694، 695، 696، 697، 698، 699، 700، 701، 702، 703، 704، 705، 706، 707، 708، 709، 710، 711، 712، 713، 714، 715، 716، 717، 718، 719، 720، 721، 722، 723، 724، 725، 726، 727، 728، 729، 730، 731، 732، 733، 734، 735، 736، 737، 738، 739، 740، 741، 742، 743، 744، 745، 746، 747، 748، 749، 750، 751، 752، 753، 754، 755، 756، 757، 758، 759، 760، 761، 762، 763، 764، 765، 766، 767، 768، 769، 770، 771، 772، 773، 774، 775، 776، 777، 778، 779، 780، 781، 782، 783، 784، 785، 786، 787، 788، 789، 790، 791، 792، 793، 794، 795، 796، 797، 798، 799، 800، 801، 802، 803، 804، 805، 806، 807، 808، 809، 810، 811، 812، 813، 814، 815، 816، 817، 818، 819، 820، 821، 822، 823، 824، 825، 826، 827، 828، 829، 830، 831، 832، 833، 834، 835، 836، 837، 838، 839، 840، 841، 842، 843، 844، 845، 846، 847، 848، 849، 850، 851، 852، 853، 854، 855، 856، 857، 858، 859، 860، 861، 862، 863، 864، 865، 866، 867، 868، 869، 870، 871، 872، 873، 874، 875، 876، 877، 878، 879، 880، 881، 882، 883، 884، 885، 886، 887، 888، 889، 890، 891، 892، 893، 894، 895، 896، 897، 898، 899، 900، 901، 902، 903، 904، 905، 906، 907، 908، 909، 910، 911، 912، 913، 914، 915، 916، 917، 918، 919، 920، 921، 922، 923، 924، 925، 926، 927، 928، 929، 930، 931، 932، 933، 934، 935، 936، 937، 938، 939، 940، 941، 942، 943، 944، 945، 946، 947، 948، 949، 950، 951، 952، 953، 954، 955، 956، 957، 958، 959، 960، 961، 962، 963، 964، 965، 966، 967، 968، 969، 970، 971، 972، 973، 974، 975، 976، 977، 978، 979، 980، 981، 982، 983، 984، 985، 986، 987، 988، 989، 990، 991، 992، 993، 994، 995، 996، 997، 998، 999، 1000)

صاحبِ پالیسی

مولانا مفتی محمود کو سامراج و فحش اپنے انکار پرنا سے دور رکھنا چاہیے۔ اس لئے جہاں
دنیا بھر میں مذہب و مسلک کے تمیز کے بغیر وہ آزادی کے لئے تحریک چلانے والوں کی تحریک کو
اپنی تحریک تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح قوموں، ملکوں سے آزادی کے حق چھیننے والوں سے آپ
کو نفرت و عداوت ہے۔ آزادی کی تحریک ہو یا کسی ملک و قوم کے حقوق کی جنگ ہو مفتی صاحب
اور انکی جماعت نے ہمیشہ ان کی آواز میں اپنی آواز شامل کی ہے۔ اور ان کی کوشش رہی ہے کہ وہ
آزادی کے لئے چلنے والی تحریکوں کے ساتھ اپنا تعاون شامل کریں۔

مفتی صاحب اور انکی جماعت کی خارجہ پالیسی کے بارے میں محمد فاروق قریشی، قطر از
ہیں۔ "جمیہ نے ہمیشہ آزاد خارجہ پالیسی کی حمایت کی ہے جو سامراجی تسلط سے آزاد ہو۔ اور پڑوسی
ملکوں کے ساتھ امن و آشتی اور بھائی چارہ کے تعلقات پر مبنی ہو تاکہ ملک اقتصادی طور پر ترقی
کر سکے۔" (155)

مفتی صاحب کی نگاہ میں استعماری عزائم کے خاکہ ہونے سے بچنے کے یہی صورت ہے
کہ دائیں بائیں کی آلائشوں سے پاک غیر جانبدارانہ پالیسی پر عمل پیرا ہوں۔ وہ کہتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود یمن ویدار کی آلائشوں سے پاک غیر جانبدار پالیسی کے حامی تھے تاکہ پاکستان کو
اندرونی اور بیرونی طور پر عالمی استعماری عزائم کا شکار نہ ہونا پڑے۔ جیسا کہ 71ء میں ہم اپنی غلط
پالیسی کی وجہ سے ملک و ملت کا عظیم نقصان کر چکے ہیں۔ (156)

مفتی صاحب غیر جانبدارانہ پالیسی کے ساتھ اس بات کے حق میں تھے کہ آزادانہ
پالیسی کے ساتھ اسلامی اصولوں کی روشنی میں ہماری پالیسی ہونی چاہیے۔ تاکہ پاکستان اپنے اندر
اسلامی ملکوں کی قیادت کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ تمام مغربی ملکوں سے فوجی معاہدات ختم کر دینے
چاہئیں۔ جبکہ عرب ممالک سے تعلقات کو استوار و مستحکم کرنا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں۔

آزادانہ اور غیر جانبدارانہ پالیسی ہی پاکستان کے حق میں بہتر رہ سکتی ہے۔ پاکستان کو بچنے
مقاومہ کے پیش نظر اور اسلام کے اصولوں کی روشنی میں ایسی پالیسی اختیار کرنی چاہیے
جس سے پاکستان اسلامی ملکوں کی قیادت کی اہلیت بھی اپنے اندر پیدا کر لے اور بین
الاقوامی دنیا میں بھی اسے مستحکم پوزیشن حاصل ہو۔ (157)

خارجہ تعلقات کو کسی ملک کے استحکام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ خاص کر ہمسایہ
ممالک کے ساتھ تعلقات جس قدر مستحکم ہوں گے، اعتماد بحال ہو گا۔ اور پیش مسائل میں ان کا
موقف یکساں ہو گا۔ وہ ملک بیرونی خطرات سے محفوظ ہو گا۔ اور وہ ملک اقتصادی لحاظ سے مضبوط
ہو گا۔ اور داخلی لحاظ سے مستحکم۔ اسی لئے مفتی صاحب نے بار بار ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات
کو مستحکم کرنے پر زور دیا ہے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں۔ "اس طرح پاکستان کو اپنے ہمسایہ
ملکوں کے ساتھ بھی اچھے روابط قائم کرنے چاہیں۔ تاکہ خارجی اثرات سے محفوظ رہ کر پاکستان
قومی ترقی کے لئے آزادی کے ساتھ آگے بڑھ سکے۔" (158)

ہمسایہ ملکوں سے تعلقات کے ضمن میں آپ کی یہ بھی خواہش رہی کہ بھارت سے بھی
خارجہ تعلقات بہتر ہوں۔ تاکہ ملک مزید ترقی کر سکے۔ بھارت سے تعلقات کی یکساںی وجہ سے

ہمارے بحث کا کافی حصہ وفاق پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اور بھارت اور پاکستان کے تعلقات کے بگاڑ کی وجہ سے امریکی سامراج کو بھی موقع ملتا ہے اس سے وہ فائدہ اٹھا کر بھارت کو فوجی امداد دینے کی وجہ سے وہ جنوبی ایشیا میں طاقت کا توازن بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ بحث تقریر میں یہ فرماتے ہیں۔

ہماری آمدنی کی بود قہم ہے یا نہ ہوئی امداد کے ذریعہ جو قہم ملتی ہے وہ فوج کے دفاع پر لایا وہ خرچ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسے حالات میں گھرے ہوئے ہیں اور مجبور ہیں کہ یہ خرچ بروہت کر لیں۔ یہ فائدہ بھارت سے ہمارے اختلافات ہیں۔ اور وہ ہمارے ہمسایہ ملکوں سے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ اس کے باوجود اگر امریکہ بھارت کو ہماری فوجی امداد دیتا ہے تو وہ ایشیا میں طاقت کا توازن بگاڑ رہا ہے۔ اور بگاڑ چکا ہے۔ اور ہم اس وقت عظیم خطروں سے دوچار ہیں۔ ہمارے ملک کی اور قہم سے ہم نے اقتدار کی اور معاشی پروگرام میں صرف کرنا فائدہ فوجی صرف کر رہے ہیں۔ یہ امریکہ کی خطا پالیسی نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ (195)

اور جب ایک مرحلہ سیاسی اہم چڑھاؤ میں ایسا آیا کہ پاکستان کے اس وقت حکمرانوں نے ہندوستان کے ساتھ تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش کی۔ اور انہیں میں خود کا تبادلوں سفیروں کا تبادلہ ہو اتھارتی معاہدے کے بارے میں گفتگویں بڑھ چکی تھیں۔ اور تعلقات کو خوشگوار کی سمت لے جایا جائے گا۔ تو ملتی صاحب نے اس کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے کہا۔

ہندوستان سے بھی ہمارے تعلقات اچھے ہو گئے ہیں اور میں اسی حق میں ہوں کہ ہمسایہ ملکوں سے ہمارے تعلقات بہتر ہونے چاہئیں اور حقیقت ہے کہ ایک ملک اس وقت ترقی کر سکتا ہے جب کہ ہمسایہ ملکوں کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے ہوں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہندوستان نے بھی ہمارے تعلقات اچھے ہو رہے ہیں۔ سفارت خانے بحال کئے جا رہے ہیں۔ سفیروں کے تبادلے مغرب ہونے لگے۔ اس نے اتھارتی معاہدے کو بہتر کیا ہے۔ (196)

ہمسایہ ملکوں سے تعلقات کے مسئلے میں یہ بھی آپ کی پالیسی کا حصہ تھا کہ افغانستان جو ہمارا متحرب میں بڑی دبی ملک ہے اس سے بھی تعلقات کو مستحکم کیا جائے۔ اور نئے اقتصادی مسائل ہیں اس کو کفایت و تنوید کے ذریعہ کم کرنے کی کوشش کی جائے اور فضا کو خوشگوار بنایا جائے۔ افغانستان سے جھڑپیں مسائل ایسے ہیں۔ جو عدم رابطہ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

۱۹۷۱ء میں ان کی ملک ہے اور پاکستانی مصنوعات کے لئے بھارت میں دھڑکی جوت نہ سکتا ہے۔ ملک کی معیشت پر افغانستان سے تعلقات کی استوار کی بہت مثبت اثرات ڈالے گا۔ یہاں تک کہ جب افغانستان میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں افغانستان نے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے لگے۔ تو ملتی صاحب نے اس کا خیر مقدم کیا اور وہ بارے کے بحث میں اجلاس میں بحث پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے اس کو اچھی خوشگوار جواب دی کہ۔ (۱۹۱)

مسلمان ممالک کے ساتھ بر اور ان تعلقات ہمیشہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا محور رہے ہیں۔ ملتی صاحب نے بھی اس بات پر ہمیشہ زور دیا ہے۔ ایک تقریر میں وہ کہتے ہیں کہ "عرب ممالک کو چین ۱۱۱ چاہیے کہ پاکستان ایک بھائی کی حیثیت سے ہر وقت ان کے ساتھ ہے۔" (162) ملتی صاحب کی اس سطرے میں یہ تجویز بھی تھی کہ اسلامی ممالک کا ایک بلاک بنانا چاہیے تاکہ اس کے ذریعے عالمی مسائل کے حل کرنے میں دوہرہ اثر اور مؤثر طریقے سے اپنا کردار ادا کر سکیں۔ وہ 1964ء میں بحث تقریر میں قومی اسمبلی میں قومی مسائل کو زیر بحث لائے ہوئے مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کے بارے میں کہتے ہیں۔

اسلامی ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات انتہائی اچھے ہوئے چاہئیں۔ افغانستان دارالان و عراق و ترکی و سعودی عرب، مصر و عرب دارالان اور شام میں تمام مسلمان آباد ہیں۔ میں نے ابھی پتہ دے مسلم ممالک کا دورہ کیا ہے اگر ان تمام مسلمان ممالک میں اتحاد و یکجہت ہو جائے تو آسانی کے ساتھ ایک اسلامی بلاک بن جائے گا اور پھر اس کے ذریعہ عالمی اسلامی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ (163)

اس سے بڑھ کر سختی صاحب نے یہ تجویز بھی ایک دفعہ دینے شروع کی۔ اور وہ اپنی پالیسیوں میں
میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے عرض کی کہ تمام اسلامی ممالک کے لئے مشیخ اور
مفتیوں کا ایک گروپ منتخب کیا جائے جو تمام دنیا کے اسلام کے لئے ایک متحد
قانون مرتب کریں۔ (164)

اسی تقریر میں آپ نے کہا کہ "اسلامی ممالک کو معاشیات، اقتصادیات اور اسلامی بینک
کے قیام کا مشترکہ حل نکالنا ہے جس میں سودی نظام کو ختم کیا جاسکے۔ جب بھی اسلامی، اقتصادی،
معاشی اور دیگر باہمی رشتہ قوی ہو گا ایک دوسرے سے قریب ہوتے جائیں گے۔" (165)
مفتی صاحب اور ان کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام کا موقف یہ تھا کہ مسلمان ممالک کو
آج کل میں متحدہ تنظیم کی صورت میں متحد کیا جائے لیکن یہ اتحاد مثلاً اس وقت تک بروئے کار نہیں
آسکتا جب تک مسلمان ممالک سے غیر ملکوں کی سیاسی اور اقتصادی اثرات کا ختم نہ کر دیا جائے اور
اس پر انگلیاں خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان میں مکمل اسلامی نظام نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی
خواہاں ہے کہ پورا عالم اسلام اتحاد کی لڑی میں منسلک ہو جائے لیکن یہ اتحاد مثلاً اس
وقت تک بروئے کار نہیں آسکتا جب تک کہ مسلمانوں کی سر زمین سے غیر ملکوں کے
سیاسی اور اقتصادی اثرات کا کلیہ خاتمہ نہ ہو جائے۔ عربوں کے چلنے سے اسرائیل کا خیر
نہ اٹھایا جائے اور کشمیر کے مسلمان آزادی کے حق سے بہرہ ور نہ ہو جائیں۔ چنانچہ میری
جماعت اسرائیل اور فیملی مسلم لیج کے اثرات کے خلاف عربوں کی غیر مشروط
بلا تھپی حمایت کرتی ہے۔ (166)

اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اقتصادی و معاشی لحاظ سے کمزور ممالک اپنے بچت کی
ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دوسری بڑی ملکوں کی طرف امداد کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اور
جب وہ قرض کی صورت میں ان کو امداد فراہم کرتی ہیں۔ تو وہ مقررہ ملکوں کی پالیسیوں پر

بڑھ کر ہوتی ہیں۔ جس سے آزاد ممالک کی آزادی ٹھیکن لی جاتی ہے۔ اور وہ اپنی پالیسیوں میں
بھی ان کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ یہی بات مفتی صاحب نے بیان کی ہے وہ کہتے ہیں۔ "یہاں تک
خارجہ پالیسی کا تعلق ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ خارجہ پالیسی ہماری آزادی ہوتی چاہئے اس وقت تک
ہم جن ملکوں کے مقرض ہو چکے ہیں ہم ان کی پالیسی کے خلاف عمل نہیں کر سکتے۔" (167)
مفتی صاحب اس وقت کے سینو سنو معاہدوں کے بھی مخالف تھے۔ انہوں نے کہا کہ
ان دفاعی معاہدوں سے ہمارے مسئلہ رہتا ہے سو ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ "ان حالات میں ہمارا سینو
سٹو سے مسئلہ رہتا ہے سو ہے دفاعی معاہدوں میں اگر ذمہ داری پوری نہ کی جائے تو اس سے کیا
فائدہ؟"

کشمیر کے مسئلہ کو بھی پاکستان کی خارجی پالیسی میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہی
مسئلہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بیحد سے وجہ نزاع رہا ہے۔ اور اس مسئلہ پر تقریباً دو
جنگیں لڑی جا چکی ہیں۔ ملک کی بچت کا بہت زیادہ حصہ دونوں ملکوں کا دفاع پر خرچ ہو جاتا ہے۔
اور اس میں سر فہرست مسئلہ، مسئلہ کشمیر ہے۔ کشمیر کے مسئلہ میں بھی مفتی محمود اور ان کی
جماعت کا موقف بیحد واضح رہا ہے۔ جو کہ قومی مفکروں کے عین مطابق ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کی
خارجہ پالیسی میں اس کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرنے پر زور دیا جاتا رہا ہے۔

اس مسئلے میں مفتی صاحب کی وہ تقریر جو آپ نے جامعہ ازہر مصر کے "مجمع البحوث
الاسلامیہ" میں کی ہے۔ جس میں انہوں نے مسئلہ کشمیر کی حقیقی کی طرف ان کی توجہ مبذول
کرائے کی کوشش کی ہے اور عربوں اور دیگر مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی
ہے کہ وہ کشمیر کے حل میں تعاون کریں۔ آپ نے بتایا ہے کہ فلسطین کے مسئلہ کی طرح یہ مسئلہ
بھی پاکستان اور کشمیر کے مسلمانوں کے لئے نہایت اہم ہے اور اس کا حل کشمیریوں کے مسئلوں
کے مطابق لازمی ہے۔ انہوں نے کہا۔

میں کے باشندوں میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی ہے۔ بعد میں حکومت نے اس خطے کو غصب کر کے اس کے باشندوں کی آزادی سلب کر لی ہے۔ مسلمانوں کی حالت گنتیوں و مصیبتوں اور خونریزی کا شکار ہے۔ یہ طرح کی مصیبتوں کو برداشت کر رہے ہیں اور ان شرک مندوں کے تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں۔ (۱۶۶)

جناب ذوالفقار علی بھٹو نے آزاد کشمیر میں چیلنج پارٹی کی تشکیل کی اور اس کا اگلا پروگرام یہ تھا کہ آزاد کشمیر کے لوگوں کو پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ کے ایوان میں نمائندگی دی جائے۔ اس صورتحال کے بارے میں جب مفتی محمود سے سوال کیا گیا۔ تو آپ نے جہاں حکومت کے اس پروگرام کی سخت مخالفت کی اور اس کو کشمیر کے مسئلہ کے بارے میں پاکستان کے بین الاقوامی فورم پر موقف سے انحراف قرار دیا وہاں آپ نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں اپنے موقف کی بھی وضاحت کی۔ انہوں نے جواب میں فرمایا۔

۲۵ سال سے کشمیر کے متعلق پاکستان کا یہ موقف چلا آ رہا ہے کہ کشمیریوں کی حق پرکار فیصلہ ختم فوراً درپیش ہے۔ یہ کہ غرض ان کشمیریوں کا متعلق آزاد کشمیر سے ہو یا مقبوضہ کشمیر سے۔ وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کر لیں گے۔ پاکستان نے کشمیر کی تقسیم کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔ اگر آزاد کشمیر کے لوگوں کو پاکستان قومی اسمبلی اور سینٹ کے ایوان میں نمائندگی دی گئی تو اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ آزاد کشمیر کو پاکستان کا حصہ تسلیم کر لیا گیا ہے اور موجودہ کنٹرول لائن کو مستقل لائن کی حیثیت دے کر کشمیر کے مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ ایسا ہو گا کہ مقبوضہ کشمیر بھارت کو پیشتر میں رکھ کر پیش کر دیا جائے۔ (۱۶۷)

مفتی صاحب امریکی اور روسی سامراج دونوں کے سخت خلاف تھے۔ جناب محمد یحیٰ قریشی صاحب لکھتے ہیں۔

امریکی سامراجیوں کی طرف سے مفتی صاحب کی لائق تحسین صاف صاف قومی مفاد میں دونوں کی دلالتیں محترم اہم رہے۔ ۱۹۷۱ میں امریکہ پاکستان میں سیاسی طور پر خاصا سرگرم تھا۔ مفتی صاحب نے اس کی طرف سے سامراجیوں کے قریبی پلندے ۱۹۶۴ء میں سامراجیوں کے خلاف پاکستان کی خود مختار جمہوریہ میں کامیابی اور آزادی کی صورت میں کیا ہے پاکستان میں سب سے پہلے مفتی محمود نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور افغانستان کے مجاہدین کی عمل اور غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا۔ (۱۶۸)

پاکستان کے پڑوسی ملک میں ۱۹۷۱ء میں جب روس نے وہاں فوجیں اتار دیں۔ اور اپنا تسلط بھانے کی کوشش کی روسی افواج نے وہاں علماء اور دیندار لوگوں کو گرفتار کر لیا اور بار بار شروع کیا۔ تو اکثریت پس لوگ مہاجرین بن کر پاکستان کی طرف کوچ پر مجبور کر دیئے گئے۔ اور بعض لوگوں نے پرانی ہندو قیں اٹھا کر ان کے خلاف جہاد شروع کیا۔ تو مفتی صاحب نے جہاں مہاجرین کی آغا دہاری میں اور ان کے ساتھ تعاون میں پورا ساتھ دیا وہاں مجاہدین کی جلی بھر پور سرپرستی کی۔ غازی سعید الرحمن صاحب لکھتے ہیں۔

افغانستان کے مسئلہ میں مفتی محمود صاحب کا نہایت واضح اور سخت موقف تھا اور روسی تسلط کو انتہائی حد تک اور نکالنا اقدام قرار دیتے تھے۔ افغانی مجاہدین کی حمایت کے لئے انہوں نے اندرون اور بیرون ملک دوسرے گئے۔ انتہائی بھاری اور ضخمت کے پادروں اور علماء کو ان تک گئے۔ افغانی مجاہدین کے لئے روپے سے ایک رابطہ رکھتے اور ان کے درمیان اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔ افغان لیڈر بھی ان کے پاس مشورے کے لئے آتے رہے۔ افغان لیڈروں میں اتحاد کے لئے کئی بار پٹاوار میں ان کے مراکز میں گئے۔ اور انہیں اتحاد کے لئے قائل کیا۔ بالآخر ان کی یہ کوششیں نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔ چاہے ظاہری طور اس اتحاد کا ریڈٹ کوئی اثر نہ تھا۔ لیکن اس اتحاد میں مفتی صاحب کی کوششوں کو بڑا دخل تھا۔ (۱۷۲)

اس کے بتانے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بھوک پیاس برداشت کر لیتے مگر انہم ہم ضرور بنا کیے۔ وہ اس تقریر میں ملکی دفاع پر انہماک خیال رکھ رہے ہیں۔

ملک کے دفاع پر ہمتا ہے فریج کیا جاتے ہم اس پر خوش ہیں۔ تاہم یہ چاہئے تھا کہ ملکی قوت مضبوط ہو۔ اور ہم اسلامی نقطہ نظر سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان ملکوں کے مقابلے میں جن کے پاس انہم ہم ہے۔ ہائیز رو جن ہم ہے۔ ہمارے پاس بھی یہ تمام چیزیں ہوتی چاہئے۔ اور یہ ہمارا اعلان اور دینی فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُوا﴾ کہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اپنی قوت کو پتھر رکھو۔ یہ عجیب بات ہے کہ انہم ہم کہتے ہیں تو غیر ملکوں میں۔ پاکستان بھی ایک بڑا ملک ہے اس میں بھی انہم ہم بن سکتے ہیں اس کے بھی ذرا دل ہے۔ ہم بھوک برداشت کر سکتے ہیں پیاس برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس بھی جدید جسم کے آلات ہوں۔ اور ہم بھی ہمدردی اور مسرت ہوں۔ جیسے ”سری قومی سٹاٹس“ (175)

مئی 1979ء میں مفتی صاحب ”ادارۃ الافاق کویت کی دعوت پر کویت تشریف لے گئے تھے۔ وہاں آپ اپنے اسی دور میں ”جمعية الاصلاح الاجتماعي“ کے دفتر بھی تشریف لے گئے۔ وہاں اسی جہیز کے ہفتہ روزہ ”المجتمع“ کے ایڈیٹر نے آپ سے انٹرویو کیا۔ جس میں اکثر اس وقت کے پاکستان کے حالات سے متعلق سوالات تھے جن کے مفتی صاحب نے تفصیل کے ساتھ جوابات دئے۔ ان میں ایک سوال ”انہم ہم“ بتانے سے متعلق تھا۔ جس کا مفتی صاحب نے تفصیل سے جواب دیا۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

انہم ہم ضرور بنائے جاتے ہیں صرف اس لئے نہیں ہو گا کہ ہم اس سے تباہی لیں یا ترقی و ترقی دہی کے لئے اس کو استعمال کریں۔ بلکہ ہمارے اس سے اور مقاصد ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہم ہم بنانا تمام مسلمانوں کے لئے جس کا مقصد دنیا میں کسی بھی ملک سے ہے۔ باعث فخر ہے۔ کیونکہ جیسے کافر ”ملت واحدہ“ ہیں۔ ویسی ہی

مسلمان بھی ”ملت واحدہ“ ہیں۔ کفار مخالف ہیں امریکہ فرانس اور طائیہ۔ روس اور چین کے پاس انہم ہم ہیں یہاں تک کہ ہندوستان بھی اس کے ہاتھ میں لگا ہوا ہے۔ لیکن ساری دنیا میں کوئی مسلم حکومت نہیں ہے جس کے پاس یہ قوت ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو واضح حکم دیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں اپنی استطاعت کے مطابق ضرور اپنی قوت کو مضبوط بنائیں اور تیار کی کریں۔ اور یہ اللہ عزوجل کا حکم دیا ہے جیسے کہ اس نے ہمیں تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ ”کام پروردگار اور پروردگار“ اس لئے ہم تمام حکمتوں کو اس طرح متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس واجب چھ کے پورے کرنے اور حقیقت تک پہنچانے میں ہماری مدد کریں۔ (176)

مفتی صاحب اپنے ملک پاکستان کے دفاع کی مضبوطی کے بارے میں کس قدر فکر مند تھے اس بیان سے اس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ مضبوط دفاع کو ایک دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری سے اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ اور یہ بتاتے ہیں کہ اس سے نہ صرف پاکستان مضبوط، مستحکم ہو گا۔ بلکہ دنیا کے تمام مسلم ملکوں کی مضبوطی اور استحکام کا باعث ہو گا۔ اور تمام اسلامی حکومتیں اس پر تباہی طر پر فخر کر سکیں گی۔

ذمی اور عوامی مسائل و مشکلات کے حل کرنے کے لئے آپ کی جدوجہد

مولا مفتی محمود نے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے جو قانون اور تعلیم سے حلقہ معاملات نافذ کیں۔ ان کے بارے میں ”ان کی دینی خدمات“ کے عنوان کے تحت تفصیل کے ساتھ اس پر ہموال روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ یہاں آپ کی حکومت کی ترقیاتی منصوبوں کے بارے میں جو تجاویز و سفارشات تھیں۔ اس سے بحث کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چونکہ مفتی صاحب کا طرز سیاست اور انداز حکمرانی عوامی تھا۔ اس کے دور میں وزیر اعلیٰ ہاؤس کے اندر سے ہر وقت مذاکراتوں کے لئے کھلے رہتے تھے۔ خاص کر عصر کے وقت سے لیکر رات ویر

تک ہر وقت عام لوگوں کے ہجوم میں گھرے رہتے تھے۔ اور ان کے مسائل دریافت کرتے اور ان کے حل کے لئے مشکلات صادر کرتے رہتے تھے۔ آپ بیٹھ جاتے تو مسائل کے حل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ امام علی میں رہتے تھے۔ انہیں کے ساتھ بیٹھتے اس لئے بہت سے عوامی مسائل و مشکلات سے خواہی آگاہ تھے۔ اور ان کی مشکلات کو دیکھ کر بہت دکھ غموں کرتے تھے اور اس پر رگڑتے رہتے تھے۔ اس لئے جب ایک محدث (۹۷۰ھ) کے لئے محدث (۱۱۰۰ھ) اختیارات ہی سکی اس کے ہاتھ آئے تو انہوں نے اس کو ہر وقت عوامی مسائل کے حل کرنے میں استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی۔ انہوں نے اپنی حکومت کے ابتدائے میں جن عوامی مسائل کے حل کو پیش نظر رکھا اگرچہ نوادہ کی وزارت میں ان کو رد و جعل لایا لیکن نہ تھا۔ اور ان حکیموں اور منصوبوں پر عمل درآمد اتنا آسان تھا لیکن پھر بھی آپ نے ان کے ذریعہ ان فروعی رپورٹس وغیرہ کو منظور کرنا کر گویا ان کی بنیادیں رکھ دیں۔ مفتی صاحب نے وزارت کا مطلق اٹھانے کے چند روز بعد ایک خود مختار ترقیاتی ادارے کے بنانے کا فیصلہ کیا جس کا مقصد صوبہ سرحد میں ترقیاتی منصوبوں اور حکیموں کے بارے میں رپورٹس تیار کرنے اور ان کو پایہ تکمیل تک پہنچانے اور دستیاب و مسائل کے اندر رہتے ہوئے ان کو رد و جعل لایا تھا۔ انہوں نے اپنی کتاب "مبادی قیادت" میں لکھا ہے۔ "صوبہ سرحد کے اپنے خود مختار ترقیاتی ادارے سے جو معاملے میں قائم کیا گیا ہے۔ اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ یہ ادارہ عوام کی بنیادی ضروریات کے منصوبوں کو جلی پلانہ پہنچانے کے ساتھ ساتھ صنعتی اور زرعی ترقیات کی سکیمیں بھی شروع کرے گا۔" (۱۷۷)

اس ترقیاتی ادارے نے طرز شکر طرز کے لئے زمین حاصل کر لی۔ یہ کارخانہ جیسیم کی معدنیات کا قائم کیا جا رہا ہے۔ اس منصوبہ پر سات کروڑ روپے خرچ کرنے کا فیصلہ تھا۔ سسٹم کارخانہ کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ یہ کوہاٹ میں قائم ہو گا۔ اس منصوبہ پر آٹھ کروڑ روپے سے زائد لاگت کا اہل تھا۔ سوئی کپڑے کے کارخانے کے بارے میں

فیصلہ ہوا کہ ایک سو مت میں ۱۰ ایک سو مت میں قائم ہو گا۔ اور ہر کارخانہ پر لاگت کا تخمینہ ۱۰ کروڑ روپے کا تھا۔ ۱۰ سال میں مکمل ہونے والے تھے۔ گریڈ کی کھاد کے کارخانہ کے قیام کے لئے چار چار سال کی مدت رکھی گئی۔ جس پر آٹھ کروڑ روپے لاگت آئے گی۔ اس کو سو سو مقام پر قائم کرنے کا منصوبہ تھا۔ جس کا پلانٹ کے نام سے نوادہ کے کارخانہ کا منصوبہ پر گوجر تھا۔ اس پر سو کروڑ روپے کا تخمینہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی بھاپ سے پیدا ہونے والی بجلی کے شیشوں کے قیام کا منصوبہ ضرور تھا۔ ایسے ہی سو سو سال کے کارخانہ قائم کرنے کی ایک تجویز تھی۔ جس پر نوادہ کے اہل بہت تھے۔ اور ان تمام منصوبوں پر اخراجات میں ۱۰ سو روپے جلی مثال تھا۔ کافین رسوائی، جڑاں ۱۰۰۰۔ کوہستان کے علاقے چن بجلی پیدا کرنے کے لئے سو سو مشکلات تھے۔ اور وہیں اس کے پیدائش کے مسائل بھی تھے۔ صوبہ سرحد کے ترقیاتی ادارے کا وہیں کھانے پینے کے مسائل قائم کرنے کا پروگرام تھا۔ جس سے ایک سو روپے کا روپہات تک بجلی پہنچانے کا حکام ہو سکا تھا۔ ایسے کان کنی کے شعبے کو فعال بنانے کے لئے ضروری اقدامات کا فیصلہ ہوا۔ ایسے آؤٹ گئی اور آبپاشی کے منصوبے بھی اس ترقیاتی ادارے کے زیرِ قیام تھے۔ آؤٹ گئی کے ٹکسوں کے لئے حکومت نے اوسان کا ممبر مقرر کیا۔ ایک چشمہ دانت ونگ کینال کے منصوبہ بھی زیرِ قیام تھا۔ جس کی تفصیل ضلع اور وائٹل علاقوں کے ترقیاتی منصوبوں کے تحت آگے دی ہے۔ شہر میں ترقیاتی منصوبہ سرحد کے لئے آبپاشی کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ مفتی صاحب کی حکومت نے وہیں سے قیام کینال حکمران کر لیا۔ جس کے لئے ۱۰ روپے کیل کا انتظام کر لیا گیا۔ اور پھر اس میں کھم سسٹمی ٹیکل "رکھا گیا۔ جواب بھی ہو رہا ہے۔ کوہاٹ اور اس کے آس پاس اسٹیشن مین کو بجلی پہنچانے کا منصوبہ بھی جاری تھا۔ اور اس کے ترقی کے منصوبے بنائے گئے۔ (۱۷۸)

صوبہ سرحد نہایت پسماندہ صوبہ ہے۔ اپنے وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود حکومتوں کی بھی یہی دلچسپی نہیں رہی ہے کہ اس صوبہ کو ترقی سے ہمکنار کیا جائے۔ اور عوام

پانی لایا جائے اور زمینوں کو سیراب کیا جائے دوسرا ممکنہ ذریعہ یہ ہے کہ پہاڑی ندی نالوں میں آنے والے پانی کو کنٹرول کیا جائے اور اس کو حسب ضرورت استعمال میں لایا جائے۔

مفتی صاحب اپنے سیاسی دور میں دونوں ذرائع کو قابل استعمال بنانے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ 1967ء میں بجٹ تقریر میں آپ نے دونوں ذرائع سے ذریعہ واسطہ مل خان کی زمینوں کو پانی کی فراہمی کا مطالبہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

غلاہ اڑی ہمارے ضلع کی صاف اور خوشنما زمین اور وہاں کے میدان جو سو اچھے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن آبپاشی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اڑی وہ مٹل ہیں۔ پورے ضلع میں ایک چھوٹی سیر چشمہ کی طرف سے بہتی ہے جو ششماں ہے اور بالکل ناگانی ہے۔ چشمہ جو انچ پر جو عالمی بینک کی رقم سے کام شروع ہونے والا ہے۔ اور وہاں سے پانی چناب، جھلم کی طرف پہنچانے کی سکیم شروع ہونے والی ہے۔ اگر ہمیں بھی دریائے سندھ کے پانی سے بھر کر سندھ کی پانی لایا جائے۔ اور اس نہر کو سچا کر لیا جائے تو ہمارا ضلع آباد ہو سکتا ہے۔ نیز گل بکھ سکیم ہے اب ملتی کر دیا گیا ہے۔ ہمارے ضلع کی زمینوں کو شاداب بنانے کے لئے لازمی سکیم ہے لیکن انہوں نے فٹ ملتی کرنے کا علم سارا کر دیا گیا ہے۔ میری درخواست ہے کہ اس سکیم کو بہت جلد عملی جامہ پہنانے کا علم جاری کر دیا جائے۔ (۱۸۱)

۱۹۷۱ء کی بجٹ تقریر میں آپ نے تفصیل کے ساتھ اس مطالبہ کو پیش کیا۔ انہوں نے کہا۔

چناب ۱۱۱۱ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ذریعہ واسطہ مل خان کے ضلع میں سترہ لاکھ ایکڑ زمین ہے جو بالکل صاف سہری کوئی اس میں اونچ نیچ نہیں اگر پانی مل جاتا تو سترہ لاکھ ایکڑ زمین وہ ایک ضلع میں سیراب ہو جائے گی اور یہی تو خیر تھی کہ صوبہ بہ باہر کا نہیں چند لاکھ ایکڑ زمین چشمہ و انت و تک کہل سے یہ سیراب ہو سکتی ہے۔ لیکن اس میں خود بخود ٹائل منول کی پالیسی اختیار کی گئی ہے۔ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں تھا ہمارا صرف مطالبہ تھا وزیراعظم سے جو اس وقت صدر بھی تھے ان سے عرض کیا تھا کہ

آپ اس کی منظوری دیجئے۔ اس لئے کہ اس وقت ۱۱۱ لاکھ سے زائد کے منصوبہ میں مرکزی حکومت کی منظوری لازمی ہوتی تھی لیکن منظوری نہیں دی گئی۔ اور آج تک نہیں دی گئی۔ اور مسئلہ اسے نالا بد ہوا ہے۔ اور کہتے ہیں جب تھیں پانی کی کوئی تھیں تو سندھ اور چناب کے درمیان قہار احمد بھی تھیں کر دیا جائے گا۔

اسی تقریر میں آگے جا کر دریائے سندھ کے پانی پر اپنے حق کے بارے بڑا ذرا ذلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

چناب ۱۱۱۱ اگر آپ کہیں کہ دریائے سندھ سندھ کی ملکیت ہے اس میں ہمارا حصہ نہیں ہے تو میں یہ عرض کر دوں گا کہ یہ دریائے کابل جو اکوڑا تو شہر سے ہوتے ہوئے انگ کے پل کے قریب اس اور پانیل گر جا ہے۔ یہ تو خالص فرشتہ کا پانی ہے اس پانی کو ہمیں وہاں لایا واسطہ مل خان میں دینا چاہیے کہ وہ اس میں آپ کا نام شکر یہ بھی اگر کریں گے۔ اور کام ہو جائے گا۔ آخر وہ زمین بھی پاکستان ہی کی زمین ہے اگر وہ کاشت کاری کے قابل ہو جائے تو آپ کا کیا نقصان ہو گا۔ (۱۸۲)

اس کے بعد مفتی صاحب نے آبپاشی کے دوسرے سکیم پہاڑی پانی کو کنٹرول کرنے کی سکیم کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا۔

جہاں تک کچھ دیہات کا تعلق ہے اس پر یقیناً کروڑوں روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ کروڑوں روپے خرچ ہو جانے کے باوجود اس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اس کا نام منصوبہ کہہ دیتی تو امت کے لئے بڑا ضروری منصوبہ ہے اس کو ترک کر دیا گیا اور کروڑوں روپے اس ملک کے ضائع ہو گئے ہیں اور اگر اس پر کار خرچ کر لیا جاتا تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا۔

چناب ۱۱۱۱ مسئلہ صرف پانی کا ہے ہمیں پانی چاہیے صرف پانی صرف پانی۔ اور اگر پانی مل جاتا اور ہماری ۱۱۱ لاکھ ایکڑ زمین پھر سیراب ہو جاتی ہے وہاں پھر تھیں ۱۱۱ لاکھ کیا کہ پیدا ہوگی ہر چیز ہوگی وہاں پر کارخانے بھی لگیں گے اور وہاں پر شوگر مل لگ سکتی ہے اور وہاں ٹیکسٹائل مل بھی لگ سکتی ہے۔ (۱۸۳)

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کا دوسرا بڑا مطالبہ صوبہ پنجاب اور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے درمیان رابطہ پل کا تعمیر و قیام تھا۔ کچھ تک وریائے سندھ پر پل نہ ہونے کی وجہ سے بالکل صوبہ پنجاب سے کٹا رہتا تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور اس وقت ضلع میانوالی کے مشہور قصبے دریاخان میں جو کہ پندرہ میل کا فاصلہ تھا۔ یہ راستہ چودہ گھنٹوں میں طے ہو جاتا تھا۔ لوگ بڑی مشکلات میں مبتلا ہوتے تھے۔ تجارت پر بھی اس کے برے اثرات پڑتے تھے۔ مفتی صاحب نے ۱۹۶۲ء کے بجٹ تقریر میں اس کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

دریاخان سے ڈیرہ اسماعیل خان تک دریا کو پار کرنے کے لئے چودہ کل کا سڑک چودہ گھنٹے میں طے کیا جاتا ہے۔ وہاں نہ انچوں کا انتظام ہے۔ نہ جہاز اور اسٹیرنگ ایک جہت ہو۔ دکانوں کے ڈھانے کا ہے۔ وہاں چلتا ہے جو اکثر بیشتر خراب ہی رہتا ہے۔
 _____ اس کا بہت جلد انتظام ضروری ہے۔ (۱۹۶۱ء)

پھر یہی مطالبہ آپ ۱۹۶۱ء کی بجٹ تقریر میں بھی کرتے ہیں۔ ۱۹۶۲ء کے بجٹ میں آپ یہ مسئلہ پھر شد و بد کے ساتھ اٹھاتے ہیں۔ اور اس کے لئے حکومت سے فنڈز کی منظوری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

چچاں تک وہ سراسر مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ ڈیرہ اسماعیل خان کا ضلع گری کے زمانے میں ایک جزیرہ بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ راستہ پنجاب کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ اس سے دریا کا پل نہ جاتا ہے۔ (گریوں میں) اور دریاخان اور میانوالی کے ضلع سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اس طریقے سے یہ پسماندہ ضلع تقریباً آٹھ سو بیسے مسائل جیسے کی نقل اختیار کر جاتا ہے۔ وہاں پر دریاخان اور ڈیرہ اسماعیل خان کے درمیان پل کا منصوبہ بن چکا ہے۔ اس پل کی منظوری مل چکی تھی۔ لیکن اس کے بعد وہ پیر والوں نے لیا کیا اور اس کو سسٹل مل کر ایڈائی طرف منتقل کر دیا۔ جب والا اگر یہ بن جائے یعنی پل تو اس سے ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اور اس بارے میں پاکستان کے ساتھ رابطہ قائم ہو

سکتا ہے۔ اس لئے یہ پل خیانت نہیں دیتی ہے۔ اگر ڈیرہ خزانہ ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف توجہ دے تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ (۱۹۵۵ء)

مفتی صاحب نے ۱۹۵۵ء میں بھٹو حکومت کے خلاف جو تحریک چلائی جس میں وہ تمام اپوزیشن پارٹیوں کے مشترک سے قائم تھا۔ "پاکستان قومی اتحاد" (P.N.A) کے صدر تھے۔ جس تحریک نے بعد میں "تحریک پاکستان" کے نام سے شہرت پائی۔ بھٹو حکومت کا خاتمہ کرنے جناب جرنل محمد ضیاء الحق صاحب نے چیف مارشل لا کی پیشیت سے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اسی قومی اتحاد کی بعض پارٹیاں جناب ضیاء الحق کی دعوت اور اس پر مرکزی کابینہ میں شامل ہو گئیں۔ تو اس میں مفتی صاحب کی جماعت بھی شامل تھی۔ جس کو مرکزی کابینہ میں قیام و زاریں ملی گئیں تھیں۔ مفتی صاحب نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے جرنل ضیاء الحق صاحب سے ڈیرہ اسماعیل خان کی آبپاشی کا عظیم منصوبہ C.R.B.C (چشمہ رائٹ بک کینال) منظور کرالیا۔ اور آپ ہی کی دعوت پر جرنل ضیاء الحق صاحب ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لائے۔ اور C.R.B.C کی کھدائی اور ڈیرہ دریاخان پل کا قیام بنیاد رکھا۔ اور یہ دونوں منصوبے جس کا آپ ہمیشہ ڈیرہ اسماعیل خان کے لئے حکومتوں سے مطالبہ کرتے رہے۔ آپ ہی کے اثر و رسوخ کی وجہ سے زور پھیل آئے۔ اس لئے کچھ فنڈز منظور کر لئے۔ اور اب وہ توں منصوبوں کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اور یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ جو آپ نے ڈیرہ اسماعیل خان کی ترقی کے لئے انجام دیا ہے۔ آپ نے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے دیگر مطالبات کو بھی ہمیشہ اہمیت دی اور حق نمائندگی اور کرتے ہوئے ہمیشہ بجٹ تقاریر میں اور دیگر مواقع پر ان کو اجاگر کیا ہے۔ اور ان کے حل پر زور دیا ہے۔ جن میں سے اکثر تو آپ نے اپنی وزارت علیا کے دوران حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح صوبہ سرحد کے جنوبی اضلاع میں

واحد تعلیم اور سگاہ گول پوچھو سنی ذریعہ اسماعیل خان کا بھی مفتی صاحب سنی کی کوششوں اور مسابقتی سے قیام عمل میں آیا ہے۔

ذریعہ اسماعیل خان آپ کا رہائشی اور انتخابی حلقہ ہے۔ اس کو ترقی یافتہ اضلاع کی صف میں لانے کے لئے آپ کی مسابقتی انٹرنیشنل میں۔ اس علاقے کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لئے آپ سنی کی کوششوں سے گورنمنٹ اگر نی کالج ذریعہ اسماعیل خان میں ایم۔ اے کے متعدد پروفیسروں کے کلاسز کا اجرا ہوا۔ جو بعد میں یونیورسٹی کے قیام کی بنیاد بنانے کا نام "شہباز پشاور مورخہ 26 ستمبر 1971ء کے شمارے میں ہے۔ کہ

25 ستمبر 1971ء کو قائد جمیہ مولانا مفتی محمود کی قیادت میں ایک وفد نے اس چائسلر پشاور میں جی، بیگر ٹی تعلیم اور سیکرٹری صحت صوبہ سرحد سے ملاقات کی۔ اور ضلع ذریعہ کے تعلیمی اور صحت عامہ کے مسائل پر تبادلہ کیا۔ اور ان سے مطالبہ کیا کہ ضلع ذریعہ میں ایم ایس سی کیسٹری رجسٹر ائیو ریاضی، ایم اے اسلامیات، سائنس، نگارہیات وغیرہ اور ایڈمینیسٹریٹو کی کلاسیں شروع کر کے درافتادہ اور غریب طبقہ کی ترقی کے لئے مناسب قدم اٹھایا جائے۔ نیز یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ درافتی کانی میں بی ایس سی آنرز کی کلاسیں بھی دی جائیں اور اس مسئلے میں مذاکرہ بغیر تعلیمات صوبہ سرحد سے بھی ملاقات کی ان کے علاوہ ضلع ذریعہ کی تعلیمی ناقص کارروائی کے متعلق بھی چیف انچارج ایڈمینیسٹریٹو سے ملاقات کی۔

اسی ضمن میں مفتی صاحب نے ذریعہ اسماعیل خان میں یونیورسٹی کے قیام کا مطالبہ بھی کیا۔ آپ کے اس مطالبہ پر مشتمل بیان روزنامہ "مشرق پشاور" پاکستان ٹائمز "اور "نفت روزہ" سپیام نو" ذریعہ اسماعیل خان کے 19 مارچ 1972ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ کہ درج ذیل ہے۔

ذریعہ اسماعیل خان کے منتخب قومی نمائندہ اور ناظم اعلیٰ پاکستان جمیہ علماء اسلام جناب مفتی محمود نے اپنے ایک بیان میں حکم ممت پاکستان سے پروردہ مطالبہ کیا کہ چونکہ ذریعہ اپنے صوبے کا استانی پسماندہ علاقہ ہے اور یہاں کے غریب طلباء بیرون ضلع جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس لئے ذریعہ اسماعیل خان میں ایک یونیورسٹی قائم کی جائے۔

اور پھر ایک دن وہ بھی ذریعہ کی تاریخ کا یادگار دن بناجب ذوالفقار علی بھٹو صدر پاکستان نے ذریعہ اسماعیل خان کے سب سیمام میں ذریعہ ڈویژن میں یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ بجائے ضلع کے ڈویژن میں یونیورسٹی کے قیام کا اعلان اگرچہ ایک سیاسی چال تھی اور ضلع ذریعہ اور ضلع بٹوں جو کہ دونوں ضلعوں کی نمائندگی جمیہ علماء اسلام کے پاس تھی۔ دونوں کے مام کو یونیورسٹی کے قیام پر لڑنا مقصد تھا۔ اور وہ دونوں آپس میں لڑ بھی پڑے۔ مگر مفتی صاحب کی فرسٹ و سیرت اور تہذیب و اسارت دانے سے ان کا یا ہی تنازعہ گفت و شنید کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔ اور پھر مفتی صاحب نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ اب ہر حال میں یونیورسٹی کے قیام کو یقینی بنایا جائے گا۔ انہوں نے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ہر فورم پر اسی مسئلہ کو اٹھانے رکھا یہاں تک کہ اس کی منظوری ملے کر ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا اس وقت آپ صوبائی وزارت سے استعفیٰ دے چکے تھے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سگول یونیورسٹی کا قیام آپ ہی کا کارنامہ ہے۔

باب ہذا کے آخر میں ملک کو درپیش مسائل اور چیلنجز کے بارے میں آپ کی جو حکمت عملی دی تھی اس کو کئی مناسبات کے تحت موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

خلاصہ بحث

باب ہذا میں آپ کی سیاسی خدمات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ نیز یہ کہ آپ کو ان خدمات کی بدولت نہ صرف ملک بھر بلکہ بیرون ملک جو سیاسی مقام حاصل ہوا۔ ان کی وجہ سے معاصر سیاست دانوں نے کن الفاظ میں آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے؟ آپ نے کن حالات میں کن مقاصد کے تحت سیاست کی ولاری میں قدم رکھا؟ اپنے اکابرین کے نقش قدم کی پیروی میں آپ کا طرز سیاست کیا ہوا؟ ان مباحث کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ آپ کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ حکومت مخالف موقف کے لئے سیاسی جماعتوں میں کم از کم نکات پر اتفاق و اتحاد کی صورت پیدا کی جائے۔ اس کوشش میں وہ مقام و کس حد تک کامیاب رہے ہیں؟ آخر آپ کے مقبول طرز عمل، وسعت نظری اور رد اداری کی سیاست نے ملہ کے وقار میں اضافہ کیا۔ آپ نے ملہ میں مساجد، مدارس اور خانقاہوں میں اپنے دینی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ سیاسی لحاظ سے بھی بیداری پیدا کی اور دین و مہیب کے ساتھ سیاست کے میدان میں ان کو قاعدہ کردار ادا کرنے کی راہ دکھائی۔ آپ نے پارلیمنٹ میں پارٹی کے قائد اور قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے جو فعال کردار ادا کیا۔ اس کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

حزب الوطنی کا تقاضا تھا کہ پاکستان کے خلاف جو اندرونی اور بیرونی سازشیں ہو رہی ہیں ان کو بے نقاب کر کے قوم کو ان خطرات سے آگاہ کرے جو پاکستان کو گزند کرنے کے لئے کی جا رہی تھیں۔ اور جس کی صورت میں ملک کا بڑا آبادی کا حصہ ملک سے جدا کر دیا گیا۔ آپ نے لہذا ملہ سے بڑھ کر ملک کے خلاف اس سازش کا مقابلہ کیا۔ بھانگ دوڑ کی اگرچہ وہ اس سازش کو ناکام بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حوالہ جات

- (11) خورشید احمد، پروفیسر۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 584
- (12) نصر اللہ خان، نواب زادہ۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 584
- (13) عبدالغنی خان۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 587
- (14) قصوری، محمود علی۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 588
- (15) راشدی، زاہد، مولانا۔ تذکار محمود۔ ص 171
- (16) قریشی، نورالحق، قاری۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 130-131
- (17) سعید الرحمن، قاری، مولانا، ہفت روزہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 174
- (18) فتح محمد، مولانا، ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 105
- (19) محمد اکبر، مولانا، تذکار محمود۔ ص 182
- (20) شمس شریع خان۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 387
- (21) مظاہری، بکھارا محمد، مولانا، ہفت روزہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 160
- (22) خان محمد اشرف خان۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 151
- (23) حمزہ امجد، اے۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 196، 197
- (24) راشدی، زاہد، مولانا، تذکار محمود۔ ص 167
- (25) بلاوی، محمد ریاض۔ ایڈیٹران کراچی۔ ص 36۔ ناشر خالد سیف اللہ مطبع پنجاب آرٹ پریس لاہور۔ 1979ء
- (26) فقیر محمد، حاجی۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 163
- (27) تاج محمد، مولانا، ہفت روزہ "قوی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 154

- (1) انور، عبید اللہ، مولانا، ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 379-380
- (2) محمد طیب، قاری، مولانا، ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 579
- (3) محمودی، ابو الحسن علی، مولانا، ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 579
- (4) خالد بن عبد الصغیر، مولانا، ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 579
- (5) امینی، سفوت السقاء، محمد، الشیخ۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 18
- (6) الحرم کان، محمد علی۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 18
- (7) جتوئی، غلام مصطفیٰ۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 588
- (8) فقیر الہی، چوہدری۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 585
- (9) اصغر خان، انیس، شمل دریا نرڈ۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 584
- (10) حزاری، بشیر بٹ، خان، سردار۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 584

(28) جاناں، مرتضیٰ علیہ السلام "تیسرا" لاہور (مفتی محمود نمبر) 16-17 ش 1329 (جنوری 1948ء)

(سید)

(29) ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 239

(30) عمران شاہ، سید، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور، ج 22، ش 48 (28)

نومبر 1980ء

(31) قریشی، فاروق، محمد، حکار محمود، 273-274

(32) عبداللطیف بن عبدالعزیز، مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 215-214

(33) عمران شاہ، سید، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور، ج 22، ش 48 (28)

نومبر 1980ء

(34) قریشی، فاروق، محمد، حکار محمود، 273-274

(35) ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 239

(36) محمد اکبر، مولانا حکار محمود، 181-182

(37) استفادہ، مولانا ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 152

(38) مفت روزہ "کولاک" فیصل آباد (5 نومبر 1975ء)

(39) مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 194

(40) ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 180

(41) مفت روزہ "کولاک" فیصل آباد (15 جون 1975ء)

(42) شیر افضل، قاری، مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 331

(43) شمس الدین، محمد طیب، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 252

252

(44) محمد یعقوب، شیخ، مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 284

(45) سلیمانی، غلام اکبر، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 291

291

(46) سلیمانی، غلام اکبر، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 291

291

(47) مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور، ج 22، ش 48 (28) نومبر 1980ء

(سید)

(48) راشدی، نذیر، مولانا حکار محمود، 167

(49) ضیاء القامی، مولانا حکار محمود، 178

(50) محمد یعقوب، شیخ، مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 233

(51) ظہیر، احسان الہی، مولانا ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 140

(52) مظاہری، گلزار احمد، مولانا ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 160

(53) ظہیر، احسان الہی، مولانا ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 140

(54) استفادہ، مولانا ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 153

(55) مظاہری، گلزار احمد، مولانا ماہنامہ "قویٰ ذابجست" لاہور (مفتی محمود نمبر) 181

(56) عثمانی، محمد تقی، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 178

(57) راشدی، نذیر، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) 167

- (58) مظاہری، گلزار احمد، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 160
- 191
- (59) سعید الرحمن، قاری، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 174
- (60) نصر اللہ خان، نوابزادہ، مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 82
- (61) سعید الرحمن، قاری، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 174
- (62) نور الحق، قاری، ایڈوکیٹ۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 135، 134
- (63) نور الحق، قاری، ایڈوکیٹ۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 135
- (64) سعید الرحمن، قاری، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 175، 176
- (65) قریشی، نور الحق، قاری، ایڈوکیٹ۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 130، 129
- (66) قریشی، نور الحق، قاری، ایڈوکیٹ۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 129
- (67) عبد اللطیف، قاضی، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 29
- (68) شمس تبریز خان، ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 390

- (69) ارشد، عبد الرشید، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 324
- (70) محمد اکبر، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 181
- (71) قریشی، نور الحق، قاری، ایڈوکیٹ۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 133
- (72) محمد اکبر، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 182
- (73) راشد، داؤد، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 168
- (74) راشد، داؤد، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 167
- (75) قریشی، نور الحق، قاری، ایڈوکیٹ۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 131
- (76) عزہ ایم۔ اے۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 197
- (77) قریشی، نور الحق، قاری، ایڈوکیٹ۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 131
- (78) سلیمانی، غلام اکبر، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 292، 291
- (79) صلاح الدین، روزنامہ "جسارت" کراچی۔ (16 اکتوبر 1980ء)
- (80) شمس تبریز خان، ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 388
- (81) اسد یار، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 457
- (82) محمد اکبر، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 183، 182
- (83) محمد اکبر، مولانا مہنامہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 182

- (84) نصر اللہ خان، نوابزادہ، روزنامہ "وفاق" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۸
- (85) قریشی، نور الحق، قاری، ایڈیٹر۔ مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 133
- (86) تاج محمود، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 154
- (87) مظاہری، گلزار احمد، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 159
- 160
- (88) نور الہدیٰ، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 151
- (89) سعید الرحمن، قاری، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 176
- (90) ضیاء القاسمی، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 118
- (91) قریشی، قاری، محمد، مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 60
- (92) عابد، عبدالحکیم، مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 192
- (93) قاسم الدین، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 264
- (94) ہاشمی، اشفاق، محمد۔ مولانا مفت محمود۔ ص ۸
- (95) سلیمانی، غلام اکبر، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ ص ۴۹۲
- (96) شمس تبریز خان۔ مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ ص 389
- (97) ربانی، محمد یعقوب، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ ص 284
- (98) محمد اکبر، مولانا تذکرہ محمود۔ ص 182، 183
- (99) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص ۸۰
- (100) ہاشمی، اشفاق، محمد۔ مولانا مفت محمود۔ ص 10، 9

- (101) قاسم، ظفر احمد، مولانا مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 205
- (102) ہاشمی، اشفاق، محمد۔ مولانا مفت محمود (حیات و خدمات)۔ ص 10
- (103) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص 81
- (104) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص 92
- (105) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص 93
- (106) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص 94، 93
- (107) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ عہد ساز قیادت۔ ص 95
- (108) عیدہ نعیم، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 157
- (109) مفتی محمود، مولانا خطبات محمود۔ ص 204
- (110) آسی، نعیم۔ مولانا مفت محمود (حیات و خدمات)۔ ص 83
- (111) نصر اللہ خان، نوابزادہ، روزنامہ "وفاق" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص ۸
- (112) ہاشمی، اشفاق، محمد۔ مولانا مفت محمود۔ ص 36، 37
- (113) مفتی محمود، مولانا خطبات محمود۔ ص 261
- (114) ہاشمی، اشفاق، محمد۔ مولانا مفت محمود۔ ص 41
- (115) تاج محمود، مولانا مہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 154
- (116) محمود شام۔ مفت روزہ "انجمن جہاں کراچی"۔ ص 39 (24 ستمبر 1969ء)
- (117) مفت روزہ "آفریشیا" لاہور۔ بحوالہ مفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 451، 452
- (118) راشدی، زاہد، مولانا روزنامہ "وفاق" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 29
- (119) قریشی، قاری، محمد۔ تذکرہ محمود۔ ص 276، 277

- (120) آسی، نعیم۔ مولانا مفتی محمود (حیات و خدمات)۔ ص 141، 142
- (121) ہاشمی، اکبر شاہ، محمد، مولانا۔ "مولانا مفتی محمود۔ ایک قومی رہنما"۔ ص 151
- (122) ہاشمی، اکبر شاہ، محمد، مولانا۔ "مولانا مفتی محمود۔ ایک قومی رہنما"۔ ص 152
- (123) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 171
- (124) عابد، قطب الدین۔ مفتی محمود سے ملنے۔ ص 303
- (125) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 65
- (126) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 65
- (127) ہاشمی، اکبر شاہ، محمد، مولانا۔ "مولانا مفتی محمود۔ ایک قومی رہنما"۔ ص 154، 155
- (128) ہاشمی، اکبر شاہ، محمد، مولانا۔ "مولانا مفتی محمود۔ ایک قومی رہنما"۔ ص 155
- (129) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 146
- (130) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 65
- (131) ہاشمی، اشفاق۔ مفتی محمود کا دور حکومت۔ ص 31
- (132) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 65
- (133) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 106
- (134) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 107
- (135) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 64
- (136) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 132
- (137) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 132، 133
- (138) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 64
- (139) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 65

- (140) عابد، قطب الدین۔ مفتی محمود سے ملنے۔ ص 302، 303
- (141) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 57
- (142) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 58
- (143) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 58
- (144) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 57
- (145) مفتی محمود، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 553
- (146) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 57
- (147) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 57
- (148) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 58
- (149) مفتی محمود، مولانا۔ روزنامہ "مشرق" لاہور (15 مارچ 1961ء)
- (150) غلام ربانی، مولانا۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 165
- (151) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 62
- (152) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 61، 62
- (153) مفتی محمود، مولانا۔ روزنامہ "مشرق" لاہور (15 مارچ 1961ء)
- (154) محمود شہام۔ ہفت روزہ "اخبار جہاں" کراچی (24 دسمبر 1969ء)
- (155) قریشی، فاروق، محمد۔ روزنامہ "وزیر المظاہر" لاہور۔ ص 21
- (156) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 60
- (157) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 63
- (158) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر)۔ ص 63
- (159) شبلیخ آبادی، محمد اسماعیل، مولانا۔ خطبات محمود۔ ص 114

- (176) مفتی محمود مولانا، المجتمع (اسلامیہ أسبوعیہ) تصدر من
جمعية الاصلاح الاجتماعي الكويت، 19 جمادی الآخر 1399ھ
15 مایو 1979م
- (177) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ جہ ساز قیادت۔ ص 187
- (178) کمال، احمد حسین، ڈاکٹر۔ جہ ساز قیادت۔ ص 178-192
- (179) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 108
- (180) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 119
- (181) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 108
- (182) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 154
- (183) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 154-155
- (184) مفتی محمود مولانا، ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 378
- (185) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 155

- (160) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 130
- (161) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 130
- (162) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 63
- (163) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 115
- (164) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 253
- (165) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 254
- (166) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 164
- (167) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 136
- (168) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 114-115
- (169) محمد اسماعیل خان، قاری، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 128
- (170) ناہید، قلب الدین۔ مفتی محمود سے ملنے۔ ص 205، 206
- (171) قریشی، فاروق، محمد۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 63
- (172) سعید الرحمن، قاری، مولانا ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور (مفتی محمود نمبر) ص 176

- (173) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 117
- (174) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 165
- (175) شجاع آبادی، محمد اسماعیل، مولانا خطبات محمود۔ ص 139

سیاست ایک پر خار وادی ہے۔ یہ کانٹوں کی تباہی ہے۔ یہاں قدم قدم پر اپنے اعمال کے محاسب کے لئے تیار رہنا پڑتا ہے۔ حکومتی کارندوں کے علاوہ جماعتی کارکن، دیگر سیاسی جماعتوں کے رہائے اور خصوصاً میڈیا کی سیاسی رہنماؤں پر گزری نظر ہوتی ہے۔ اور ان کو ہر لحاظ سے جانچا کر لیا جاتا ہے۔ اس کے ذاتی افعال سے لیکر اس کے دوست احباب، اہل و عیال کی سرگرمیوں کو بھی اچھا لایا جاتا ہے۔ اور ان سب کی کارگزاریوں کو سیاسی رہنما کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے۔

مذہب و عقائد سے کوئی بھی پاک نہیں۔ کمی، کمزوری، بھول چوک، خطا و تپان کا تو ہر انسان شکار رہتا ہے۔ لیکن ایک سیاسی رہنما کو اس لحاظ سے اچھا معاف نہیں رکھا جاتا۔ اور خاص کر وہ رہنما جو مذہبی و دینی بھی ہو پھر اس کے چال وصال، نشست و برخاست تک کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ اور اس کے ایک انسان سے بڑھ کر کوئی بالائی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ جو انسانی طبیعت سے ماوراء خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی معمولی لغزش کو بھی ایک بڑا جرم گردانا جاتا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ ایک اچھی روایت بھی ہے۔ اس کے اگر کچھ نقصان وہ پہلو ہیں تو اکثر مفید پہلو بھی رکھتا ہے۔

جہاں تک ہم پاکستانی سیاست پر نظر ڈالتے ہیں اور سیاست دانوں کے طرز عمل، ان کے خیالات و نظریات اور طور طریقوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) ایک وہ سیاسی رہنما جو محض سیاست، انتخابات اور اقتدار کے کھیل تھاں تک محدود ہیں۔ مذہب سے ان کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ (۲) دوسرے وہ سیاسی رہنما ہیں جو دین و مذہب کو اعلیٰ مقاصد کے طور پر اپنا کر سیاست کو اس کا رینگہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کی تمام سرگرمیاں اسی اعلیٰ مقصد کے لئے وقف ہوتی ہیں۔

مولانا مفتی محمود کا تعلق اسی دوسرے گروہ کے سیاسی رہنماؤں سے تھا۔ آپ نے دین و مذہب سے تعلق کے ساتھ ساتھ سیاست کی پر خار وادی میں بھی قدم رکھا اور اس وقت سے یہ

باب پنجم

مولانا مفتی محمود کے سیاسی موقف پر

اعتراضات اور ان کے جوابات

تعلق قائم رکھا جب آپ اس وقت طالب علم تھے۔ یہ دراصل ان اساتذہ کا فیضانِ فکر تھا جن کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کئے تھے۔

اس اعتبار سے آپ کو بھی سرورِ الزام خیمہ ایجا تار ہوا اور آپ کے سیاسی موقف پر اعتراضات کئے جاتے رہے۔ مقالہ نگار کی حیثیت سے میری یہ کوشش ہوگی کہ آپ کے سیاسی موقف پر جو اعتراضات اٹھائے جاتے رہے ہیں آیا اس کی کچھ حقیقت بھی تھی یا وہ غلط تھے اس کی حقیقت قطعی نقطہ نظر سے سمجھنے لاسکوں۔ یادو محض الزامات تھے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

تحریک پاکستان کی مخالفت کا اعتراض

مولانا مفتی محمود صاحب مہینے پاکستان کی سیاست میں ایک فعال کردار ادا کرنے والی علامہ کی جماعت "جمیۃ علماء اسلام" ابتدائی ایام سے "پاکستان مخالف" جماعت کے الزام کی زد میں ہے۔ اور اس الزام کو بڑے شد و دھ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ پاکستانی سینڈیا بھی اس الزام کو بہت زیادہ اچھا لاتا ہے۔ اور بار بار مقبول وضاحتوں اور مفتی صاحب اور ان کی جماعت کے ساتھ سال سے زائد عرصہ پر پھیلے ہوئے پاکستان کی بھلاہوا، استحکام اور ترقی و خوشحالی کے لئے اگر اقتدار و خدمات سے صرف نظر کرتا ہے۔

حقیقت میں جن اکابرین اور اساتذہ کرام سے آپ کو نظریاتی تعلق تھا وہ آزادی کے مجاہدین اور ملک و ملت کے صحیح بھی خواہ تھے۔ یہ وہ پاکیزہ جماعت تھی جو نہ صرف دیکھ بھال اور سکھانے سے برسرِ پیکار تھی۔ وہ تحریک آزادی ہند کا ہر اول دستہ تھی۔ ان کی تمام تر جدوجہد اور سعی و عمل کا مقصد انگریزی راج سے نہایت دور ملک و قوم کی آزادی تھا۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر وہ ہر اس شخص، جماعت اور گروہ کو سب سے لگاتے جو آزادی کی تڑپ رکھتے تھے وہ وہ وہ

سمجھ ہو پارسی۔ ان کے بقول یہ ملک سب کا ہے۔ اور اس کی آزادی ہی سب سے اولین نصب العین ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مذہبی اختلافات اور مسلکی نزاعات ہمیں اس مقصد سے دور کر دیتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا۔ اس لحاظ سے وہ ہر ایسی تحریک کو جو آزادی کے حصول کے مقصد سے ان کو دور کر دے ملال کی بجائے ایک دات کو مزید طول دینے کے مترادف سمجھتے تھے۔ اور وہ اس کے قطعا رد و اذیت تھے۔ اسی بنا پر وہ 1940ء کے قراردادوں کو مسلم لیگ کی طرف سے آزادی کی تحریک سے لوگوں کے ذہن میں نہ لگنے کی کوشش سمجھتے رہے۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ اس طرح آزادی کی منزل سے ہندوئی ایشیا کا یہ خط دور چلا جائے گا۔ اور مجاہدین

آزادی کی وہ قربانیاں دینا چاہیں گی۔ جو وہ گزشتہ دو صدیوں سے دیتے چلے آ رہے ہیں۔ اور یہ ان کی شخصیات رائے تھی۔ اس میں کسی قسم کا متنازعہ ان کے پیش نظر نہ تھا۔ اور یہ ایک شخص یا فرد کی رائے بھی نہ تھی۔ بلکہ ہندوئی ایشیا کے کونے کونے میں موجود ایک منظم جماعت اس کے رہنماؤں اور اس کے نظریات کارکنوں کی رائے تھی۔ لیکن جب حالات تقسیم ملک کے لئے سازگار بن گئے اور بین الاقوامی لحاظ سے انگریز حکمرانوں کے لئے ہندو ایشیا سے نکلنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اور مسلم لیگ کی قیادت میں یہ تحریک کامیابی سے اہلکار ہوئے گی۔ تو انگریزوں نے آخر کار ہندوستان کو تقسیم کرنے کا فارمولہ تسلیم کر لیا اور یوں 14 اگست 1947ء کو یہ ملک معرض وجود میں آیا۔ علامہ اقبالؒ کے خواب کو تعبیر مل گئی۔ اور وہ جو ایک رائے تھی تجویز تھی۔ اب

ایک حقیقت بن کر منظرِ شہور پر ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لئے اکابرین تحریک آزادی کو جب کہ وہ ایک تجویز تھی۔ اس سے اختلاف کا حق تھا۔ اب جب وہ ایک حقیقت بن گئی ہے۔ اب اس کی محبت اس کی خدمت کو وہ جزو ایمانی سمجھتے ہیں۔ اس کی ترقی و خوشحالی اور بقاء و استحکام نہ صرف ان کی خواہش ہے بلکہ ان کی دلی آرزو بھی ہے۔ اور اب ان کی تمام سرگرمیاں اس پیادے ملک کی حفاظت کے لئے وقف ہیں۔ اور اب جب کہ اس ملک کے بانی اس ملک کے معرض وجود میں آئے

کے اتحاد کو پس پشت ڈال چکے ہیں۔ بلکہ بھلا چکے ہیں۔ اور انہوں نے صرف ذاتی مفادات ہی کی تکمیل کو مطلع نظر سمجھ لیا ہے۔ ان اکابرین نے آگے بڑھ کر دین و مذہب اور سیاست دونوں کو ساتھ ساتھ رکھ کر ملک و قوم کی خدمت کا اہم فریضہ انجام دینا شروع کیا۔ خاص کر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نے ملک و ملت کی خدمت کا عظیم کام اس غلو میں نیت اور انتھک جذبہ سے انجام دیا کہ وہ اس وقت تمام قوم ان کی قیادت پر متفق تھی اور وہ ملت اسلامیہ کی آنکھ کا تار تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی وفات صرت آیات پر روزنامہ ”جنگل“ نکل رہی تھی ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۰ء کے ادارہ میں لکھا ہے کہ

مولانا مفتی محمود صاحب ایک بلند پایہ عالم، محقق اور متعدد اہم دینی کتابوں کے مصنف و معلم قرآنی اور حدیث و فقہ کے استاد تھے۔ ان کے علاوہ ایک کامیاب سیاستدان اور عظیم قومی رہنما بھی تھے۔ بلاشبہ تقسیم ہندوستان سے پہلے ان کے سیاسی مسلک اور قیام پاکستان کے بعد ان کی بعض سیاسی و استثنائی کی بنا پر بعض لوگوں نے ان سے سیاسی اختلاف کیا لیکن ان کے مخالفین بھی ان بارے میں ذور اثر شک کا اظہار نہیں کر سکتے۔ کہ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان کے ساتھ اتنی ہی یا اس سے زیادہ محبت کرتے والے تھے جتنی کہ تحریک پاکستان میں حصہ لینی اور ان کو ملی وحدتیت پاکستان سے محبت کر سکتے تھے۔ اور سب سے بڑے گریہ کہ جب مولانا مرحوم نے تحریک نظام مصطفیٰ میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ اس کی کامیاب قیادت کی خود پوری ملت پاکستان کے ایک مضبوط لیڈر اور غیر متاثرہ شخصیت بن گئے۔ اور ان کا نظام و سرکار جو ہم کی نظروں میں بہت سے ہمعصر قائدین سے زیادہ بلند ہو گیا۔

اور کتنا عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی پاکستان سے محبت اور اس کی بقا و استحکام اور ترقی و خوشحالی کے لئے آپ کی شب و روز کی محنت و خدمت کو سابق صدر و وزیراعظم آزاد کشمیر جناب سرار عبدالقیوم خان صاحب تقریباً اسی مفہوم کو یوں ادا کرتے ہیں۔

بعض لوگ قیام پاکستان سے قبل مفتی صاحب کے کارگروہ کے ساتھ تعلق کی بنا پر طرح طرح کی باتیں بھی بڑھتے رہے ہیں اور گجرات تو یہ ہے کہ جن بزرگوں کی پاکستان کے متعلق سوچ پر ہمیں ذرا شک بھی ہو جائے تو ہم ان کے ساتھ دشمنی اپناتے نہیں کرتے خود وہ کس طرح کے لوگ ہوں ان کے لئے تو ایک کثیر کھینچ جاتی ہے جس سے آگے ہم جا ہی نہیں سکتے۔ مفتی صاحب کے ساتھ جتنا کثیر تعلق رہا مجھے ان کے دل میں پاکستان کی محبت و اسلام کی محبت ہم میں ہو اس کے دعوے اور جی ہمارے مقابلہ میں زیادہ ہی تھرا آئی۔ ساری عمر سیاست میں گزری ہے۔ اور اپنی باتیں بولی ہیں جنہیں کوئی چپا نہیں سکتا۔ مفتی صاحب کے کسی طور پر چپے بات سے اس کا شاید بھی محسوس نہیں ہو کہ پاکستان سے ان کی محبت کسی بھی پاکستانی سے کم ہے۔ یا وہ پاکستان کی آزادی و سالمیت و استحکام اور دفاع کے لئے اپنی قربانیاں دینے کے لئے تیار نہیں ہیں جتنی کوئی اور شخص دینے کے لئے تیار ہو گا۔ (روزنامہ ”واقع“ ۱۱ نومبر ۱۹۸۰ء مفتی محمود صاحب)

سرور عبدالقیوم خان ایک محب وطن سیاسی رہنما ہیں۔ ان سے سیاسی اختلاف کیا ہوا ہے۔ مگر انہوں نے حضرت مفتی صاحب کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے۔ یہ بلا مبالغہ انہوں نے حین حقیقت بیان کی ہے۔ اور یہ صرف سرور صاحب ہی نے نہیں دیگر حقیقت پسند رہنماؤں نے بھی اس کا برعلاض اعتراف کیا ہے۔ جناب عبدالرشید ارشد صاحب نے پروفیسر مرزا محمد منور صاحب کے ایک مضمون سے اقتباس نقل کیا ہے۔ جس میں انہوں نے پاکستان کے بارے میں تحریک آزادی کے دواہم رہنماؤں جو کہ تقسیم ملک کے خلاف تھے۔ تقسیم ملک کے بعد کے پاکستان کے بارے میں ان کے کیا خیالات ہیں کا حوالہ دیا ہے۔ دو لکھتے ہیں۔

اب بچے مولانا مفتی محمود اور ان کے اکابرین کے متعلق کہ جب تک پاکستان کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا اس وقت تک دینندہ اور اس کی مخالفت کی لیکن وہ نہ بن گیا تو اس کی مخالفت کو خدا ہی کے مترادف قرار دیا۔ یہ کبھی نہیں کہا کہ ہمارے پاکستان کی مخالفت نہیں کی تھی۔ مولانا اور نظام آزاد اور حضرت مولانا حسین احمد

ملاؤں پاکستان کے بعد پاکستان کے استحکام کے حقائق جو کچھ کہا اور جیسی دعائیں کیں اور اپنے حقائق کو جس طرح اس فرض کی یاد دلائی کہ پاکستان کے لئے کام کرنا جس دینی فریضہ ہے اس کا ذکر اگر نہیں دیا تو مضمون بہت طویل ہو جاتا۔ صرف اتنا کہا کافی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے تو فرمایا کہ "پاکستان کے قیام کے بعد اب اس کا حکم مسجد کا سلسلہ ہے" اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے فرمایا "پاکستان وجود میں آگیا ہے تو اب اسے باقی رکھنا چاہیے اس کا میں کہ بجز جانا سارے عالم اسلام کے لئے فکرت کے برابر ہو گا۔" یہ مختصر اقتباس پر وقیر مزارکہ منور کے ایک طویل مضمون "بحث فکر" کو اسے وقت "23 مارچ 1947ء سے نام 1 ہے"۔

اسے واضح موقف کے باوجود حضرت مفتی صاحب اور ان کے اکابرین پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ پاکستان کے مخالف ہیں یا ان کی سرگرمیاں ملک دشمنی پر مبنی ہیں کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اسے واضح موقف کے برعکس بعض نام نہاد مسلم لیگی اور مفادات کے شکار کالم نویسوں کا یہ طرز عمل کہ وہ اب تک مفتی صاحب اور ان کے بزرگوں کو اس معاملے میں مخالف کرنے کو تیار نہیں۔ مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور جو خود بھی اور ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب پاکستان مسلم لیگ سے وابستہ رہے ہیں۔ جو تحریک پاکستان کے اہم رہنماؤں میں جن کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اہلہ خلفاء میں ہیں۔ مولانا عبید اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب علماء کے اس گروہ سے زیادہ متاثر تھے جو تحریک پاکستان کا مخالف تھا لیکن پاکستان کی محبت ان کا جزو ایمان تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی کام کے کرنے سے قبل مشورہ کرنا اور اس کام کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں رائے رکھنا کوئی جرم نہیں اسی طرح پاکستان کے قیام کے بارے میں بڑے صغیر میں ایک مشاورت اور ہی تھی اس میں بعض کی رائے یہ تھی کہ پاکستان کا بننا مسلمانوں کے لئے مفید ہو گا اور بعض یہ سمجھتے تھے کہ اس کا بننا مسلمانوں کے لئے بھروسہ نہیں ہے لیکن جب ملک بن گیا تو وہ اسے ختم ہو گئی۔

کیونکہ دور رائے بننے کے بارے میں تھی نہ کہ بنے ہوئے پاکستان کے بارے میں۔ اب جو لوگ ہم پر بہتان طے لگاتی کرتے ہیں اور ہم خود یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں کہ ہم نے بڑے گولہ کی دور رائے بنے ہوئے پاکستان کے بارے میں تھی۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ قیام پاکستان کے بعد 70 سالے بزرگ پاکستان میں کہ مسلمانوں کا آخری قلعہ سمجھتے تھے اور یہ قلعہ بھی محمد اللہ حضرت تھانوی کے فتویٰ کے مطابق بننا ہے اس لئے اس ملک کی مخالفت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ دیانت و ادنیٰ کی بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب اسلام اور پاکستان سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ [قوی ماہ مجلہ لاہور (مفتی محمود نسیم) ص 13]

اب تک کے سوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جمعیت علماء ہند اور ان کے ہمنوا علماء اور دیگر بعض جماعتوں کا موقف انکس پر مبنی تھا اور ان کی یہ مخالفت رائے اس وقت تک کے لئے تھی جب تک پاکستان معرض وجود میں نہیں آیا تھا لیکن جب یہ ملک معرض وجود میں آگیا تو وہ اس ملک کی خدمت و محبت میں اس کے حامیوں سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ اور اگر ان کی رائے مخالفانہ تھی جو اس کے وجوہات بھی تھے۔ اور ملک کی آزادی کی صورت میں ان کے پاس متبادل فارمولے بھی تھے۔ جن کا ذکر حضرت مفتی صاحب خود ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں جو روزنامہ "محترمت" نے اپنی کے نمائندے نے حضرت مفتی صاحب سے کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے۔

مفتی صاحب اب اس مقام پر آ گئے تھے جو ان کی جماعت کا کمزور پہلا شمار ہوتا ہے۔ وہ حق اور ہے جس اور میں جمعیت پر پاکستان کی مخالفت کا الزام نہ کیا جاتا ہے مجھے یقین تھا کہ اس مرحلہ پر جب میں مولانا سے اس کا ذکر کروں گا تو وہ مفتی کے ساتھ اس کی تردید کریں گے لیکن خلاف توقع مفتی صاحب کا جواب میرے سوالوں کے قطعی برعکس تھا انہوں نے فرمایا

ہم تقسیم ملک کے حامی نہیں تھے تاہم جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقسیم ہند کی مخالفت کرنے والوں کا پاکستان بنانے میں کوئی حصہ نہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل درست

جو بات یہ لوگ کہتے ہوئے نہیں مانتے میں سنتے ہوئے بھی نہیں ہوں۔ اس بات کی حقیقت اس قدر ہے کہ عداوت کی بیشک میں عداوت کے بعض دوست آپس میں باتیں کرتے ہوئے مسلم لیگ کو کسی وجہ سے چھوڑ دینا بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہ بات خالدناقدان میں ہر دہائی تھی۔ خود مسلم لیگ کے دوست کہہ رہے تھے کہ مسلم لیگ ہماری ماں تھی لیکن یہ ماں بھی بدکار ہو گئی۔ اور اس کے کتابوں کی کوئی مدد نہ تھی۔ اس پر میں نے چپے ہوئے کہا کہ اگر شکر ہے ہم اس کتاب میں شریک نہیں تھے۔ یہ صرف مذاق کی بات تھی اس پر ملک غلام علی اٹکڑوی نے کہا کہ ہم تو اس کتاب میں شریک تھے میں نے کہا ہر حال میں غلام علی ہوں۔ آپ ہی تبصرہ فرما رہے ہیں اور حیدر تبصرہ فرما رہے ہیں۔ میں اب بھی غلام علی ہوں گا۔ اس پر سب حضرات ہنس پڑے کسی نے اس بات کو محسوس نہ کیا۔

چونکہ بھٹو کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس لئے میرا احمد صاحب نے یہ الزام لگا دیا کہ مفتی صاحب نے یہ بات ایچ آریشن جماعتوں کے اجلاس میں کی ہے۔ جبکہ ان دونوں میٹنگ پارٹی کے صوبائی حکومت پنجاب کے وزیر اوقاف رانا اقبال نے الزام لگایا تھا کہ مفتی صاحب نے یہ بات گوجرانوالہ میں جلسہ عام میں کہی ہے۔ مفتی صاحب اسی "افریشیا" کے انٹرویو میں اس سلسلے میں فرمایا کہ "اس کے بعد صوبائی وزیر اوقاف دور کی یہ کوئی لائے کہ میں نے یہ بات گوجرانوالہ کے جلسہ عام میں کہی ہے"۔ میں نے انہیں چیلنج کیا کہ اگر وہ یہ بات ثابت کر دیں تو مسجد نور میں خود ان کے حوالہ کروں گا۔ اگر وہ ثابت نہیں کر سکتے تو مسجد نور کو واکرڈ کر دیں۔ وہ آج تک جواب نہیں دے سکے اور میں اب تک اس بات پر قائم ہوں۔ [بحوالہ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر 1)]

پاکستان کی تحریک کی مخالفت کے پہلے اعتراض کا تسلی بخش جواب ہے۔ اور سب اصحاب علم و دانش نے اس کو اطمینان بخش تسلیم کیا ہے۔ جبکہ آخری دونوں الزام ہیں اور بے جا اور بے بنیاد ہیں۔ اور ان سے حضرت مفتی صاحب کا دامن پاک ہے۔

جمہوریت کی حمایت کا اعتراض اور اس کا جواب

مولانا مفتی محمود کی سیاسی موقوفہ پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے۔ کہ وہ جمہوریت کے قائل تھے۔ جمہوری نظام کے لئے جدوجہد کرتے رہتے تھے۔ اور اسی طرح وہ انتخابی سیاست اور جمہوری اداروں کے قیام کے لئے آواز بلند کرتے رہتے تھے۔ اور یہ اعتراض اکثر مواقع پر بعض علماء کی طرف سے اٹھایا جاتا تھا۔

اس اعتراض کے جواب میں امتناع عرض ہے کہ آپ مغربی جمہوریت کے مروجہ نظریہ کو خالص مغربی اور غیر اسلامی نظریہ قرار دیتے تھے مگر اس کے کچھ مفید پہلو مثلاً حکومت کے پارلیمانی نظام اور بالغ رائے دہی کے حق کی وجہ سے اس کے قائل بھی تھے۔ اقتدار کی تبدیلی کے اعتبار سے اور اس لحاظ سے کہ عوام کی حکومت کے قیام و استحکام میں اس کا بڑا اور متاثر کردار ہے اور اس لئے کہ اس نظام میں عوام کے بنیادی حقوق کو کافی حد تک تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ اس نظام میں عوام کے حقوق پر پابندی کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ آپ ان مفید پہلوؤں کی وجہ سے اس کو پسند کرتے تھے۔ اور آپ کے اس موقف پر جب بھی اعتراض کیا جاتا تو آپ فرماتے کہ کوئی ایسا نظام آپ تکمیل دیں جو بالغ رائے دہی سے بہتر ہو تو اس نظام کو قبول کر لیں گے۔ آپ اس کی مزید وضاحت یوں فرماتے۔

ہم خود جمہوریت کے قائل ہیں جو ملی الاطلاق جمہوریت ہے۔ جبکہ مالیت عوام اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مالیت کا حق صرف اللہ

دستِ اعلیٰ کو حاصل ہے البتہ عوام کے نمائندوں کا وہ فیصلہ صحیح اور جائز ہو گا جہاں پر
 اللہ کے ان کو ان معاملات میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو گا۔ لیکن جہاں عوامی
 نمائندوں کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں سے متصادم ہو وہاں عوامی
 نمائندوں کا فیصلہ حقیقت نہیں رکھے گا۔ [نعتِ روزہ "اختیارِ جہاں" کراچی۔ ج ۱ ص ۱۷۸]
 ۱۲۴-۱۲۵، ستمبر ۱۹۶۹ء

اسی اعتراض کے بارے میں آپ نے "تحفظِ ختمِ نبوت کا غفر نس" لاہور منعقدہ ۱۹۷۲ء
 جون ۱۹۷۲ء سے خطاب کے دوران تبادلہ کیا کرتے ہوئے فرمایا۔ یاد رہے کہ آپ اس وقت
 شمال مغربی سرحدی صوبہ کے وزیر اعلیٰ تھے۔

میں خود بھی جمہوریت کا قائل ہوں۔ اور اس ملک میں جمہوریت قائم کرنے کے لئے
 ہم نے خود جدوجہد بھی کی ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں لیکن ایک جمہوریت یورپ کی
 جمہوریت ہے اور ایک مسلمان کی جمہوریت۔ دونوں میں فرق ہے۔ ہم یورپ کی
 جمہوریت کو تسلیم نہیں کرتے ہم اسلام کی جمہوریت کو تسلیم کرتے ہیں۔ آئین کی بنیاد
 اسلامی جمہوریت اور پیچھے یورپ کی جمہوریت نہیں۔ یورپ کی جمہوریت کیا ہوتی
 ہے؟ یورپ کے لوگ کہتے ہیں کہ جمہوریت کی تحریک جو دنیا میں مشہور اور معروف
 ہے کہ

Democracy is the government of people by
 the people, for the people

کہ عوام کی حکومت، عوام کے ذریعہ عوام کے لئے ہو۔۔۔

یہ جمہوریت ہے وہاں پر حکومت عوام کی ہے۔ یورپ کی جمہوریت میں حاکم اعلیٰ عوام
 اور اسلام کی جمہوریت میں حاکم اعلیٰ خدا ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ اسلام کی جمہوریت
 یورپ والی نہیں ہے۔ ہاں یہ تو ہے عوام کی حکومت، اگر عوام کے نمائندے ہمارے
 اکٹھے ہو جائیں پارلیمنٹ میں جہاں کوئی بھی فیصلہ کر لیں وہ قانون بن جاتا ہے جیسے
 آپ نے دیکھا کہ پارلیمنٹ نے خود راہنمائی اور تعلیم یافتہ اور قابل ترین لوگوں کی

پارلیمنٹ ہے مگر لیا کر اگر مردہ مرد کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے تو یہ
 جائز ہے۔ اور یہ بھی طے کیا کہ مرد، مرد سے شادی کر سکتا ہے۔

میرے محترم دوستو! یہ وہاں کا قانون بن چکا ہے۔ آئی وہاں یہ قانون رائج ہے۔ یہ وہاں
 عوام کی حکومت ہے عوام کے نمائندوں کا قانون وہاں نافذ ہو جاتا ہے لیکن ہمارے
 ہاں حاکم عوام نہیں حاکم خدا سبحان العزت "إِلَّا لِلّٰہِ" حکومت صرف اللہ کی ہے۔

ہاں یہ ہے کہ Govt. of God اللہ کی حکومت میں کتابوں میں صرف
 پاکستان کے نہیں تمام دنیا کے عوام اور صرف 70،60 کروڑ مسلمان نہیں دفعتی ادب
 انسان جو زمین پر رہتے ہیں سب اللہ کے ہاں اور سب ہی کے یہ فیصلہ کر لیں کہ شراب
 حلال ہے تو ان کا فیصلہ غلط ہے اسی لئے کہ ہمارے خدا نے فرمایا کہ شراب حرام ہے
 قولہ تعالیٰ ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَآخِذُوا بِمَوَازِينِ الْحَقِّ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَآخِذُوا بِمَوَازِينِ الْحَقِّ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ عوام کا فیصلہ خدا کے علم کے
 سامنے کچھ نہیں۔ خدا نے فرمایا کہ اگر عوام قرار دے دیا ہے خدا کا فیصلہ عوام کے فیصلے سے
 مقدم ہے۔ ہمارے ہاں حاکم خدا ہے۔ اور یورپ کی جمہوریت میں حاکم اعلیٰ عوام ہیں
 اور میں سمجھتا ہوں کہ حاکم صرف اللہ ہے اگر کوئی یہ کہے کہ حاکم اللہ ہے ہاں
 عوام ہیں تو اس نے اللہ کی امانت میں شرک کیا اور اللہ کا شریک غیر اللہ کو تسلیم کر لیا۔
 اسلام میں اس جمہوریت کا کوئی جزو نہیں۔

ملحق صاحب نے یورپ کی جمہوریت اور مسلمانوں کے ہاں جمہوریت کی وضاحت
 نہایت تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ اور کوئی ایہام نہیں چھوڑا۔ اس کے باوجود دونوں کے درمیان
 فرق کو مزید واضح کرتے ہیں۔ وہ اسی تقریر میں فرماتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حکومت صرف اللہ کی ہے یہاں خدا کے احکام موجود ہیں جو بالکل واضح
 اور بین ہیں قرآن کریم کی آیات موجود ہیں خصوصاً قطعیہ موجود ہیں اور یہاں شکیبہ کی
 حدیث موجود ہے۔ ہم عوام کی حکومت کو خدا کی حکومت کے سامنے کچھ وقعت نہیں

دستے کیے اور اسے ہمارے دستور کا مطلب اور سہولت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اسی کے رسول نے زندگی کے بہت سے مسائل کے لئے احکام خود صادر فرمائے ہیں۔ اور بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں اللہ نے ہمیں اختیار دیا ہے کہ جن مسائل کو ہم خود کتاب و سنت کی روشنی میں حل کر لوں یہاں اللہ نے ہم پر مجبورا اور ہمیں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ان مسائل کو ہم اللہ کے دینے والے اختیار کے ساتھ حل کریں گے تو یہ ہم کا فیصلہ ہو گا ان کو ہم مجبوریت کہتے ہیں اور اسے اسلام میں حد اور رسول کے حکم کے بعد نہ اور رسول کے دینے والے اختیار کے مطابق ہم کا فیصلہ مجبوریت ہے۔ ہم اس کے قائل ہیں لیکن حد اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں ہم خود اس کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ مجبوریت جو آپ کو مہارک ہو۔ ہم اسے قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔

مفتی صاحب نے اپنی اس تقریر میں اس اعتراض کا بہترین جواب دیا ہے جو لوگ آپ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ مفتی صاحب اور ان کی جماعت مجبوریت کی قائل ہے۔ جو ایک لادینی نظام ہے اور جو جو آپ سے در آمد شدہ نظام ہے اور ایسا نظام ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہے مفتی صاحب نے یہاں اس کی بہترین تشریح کر کے ان کے اعتراض کی حیثیت ہی ختم کر دی ہے۔ یہی وہ مجبوری نظام ہے جس کے تحت مفتی صاحب اور ان کی جماعت جیتے علماء اسلام ملک میں انتخابی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ اور اسی نظام ہی کے تحت آپ اسمبلی کے رکن رہے اور چیئر مین لینڈ منتخب ہوئے۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے وزیر اعلیٰ کا منصب سنبالا ملک کی اسمبلیوں میں ایک منتخب ہوا شخص کی حیثیت سے فعال کردار ادا کرتے رہے۔ آئینی و قانونی مسائل کو حل کرنے کی جو پابندی دیتے رہے۔ اور عوامی فلاح و بہبود سے متعلق مسائل و مشکلات کے حل کے لئے آواز بلند کرتے رہے۔ اب بھی آپ کی جماعت آپ کے فرزند مولانا فضل الرحمن صاحب کی امداد میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں بھرپور کردار ادا کر رہی

ہے۔ اس سے قبل شمال مغربی سرحدی صوبہ کی وزارت علیا آپ کی جماعت کے پاس تھی۔ جبکہ صوبہ بلوچستان کی وزارت میں آپ شریک اقتدار تھے۔ موجودہ حکومت کی وفاقی کابینہ اور بلوچستان کی صوبائی کابینہ میں آپ کی جماعت کی نمائندگی ہو رہی ہے۔ اور یہ سب مجبوریت کے احکام کے تحت ہی ہو رہا ہے۔

ایوب خان کے دور میں آئینی ترمیم کی حمایت کا اعتراض اور اس کا جواب

سکندر مرزا پاکستان کے گورنر جنرل تھے۔ جنرل ایوب خان بڑی افواج کے سربراہ تھے۔ جب ملک میں 1958ء کا آئین نافذ کیا گیا تو سکندر مرزا نے اس آئین کے فیصلے کے تحت گورنر جنرل سے صدر مملکت کا منصب سنبالا۔ توقع یہ تھی کہ یہ نیا آئین ملک کو متحد و مضبوط کر سکے گا لیکن یہ آئین بھی ملک کو سنبالانہ دے سکا۔ سکندر مرزا جیسے طالع آزمائی ویر سے ملک کا ہر شعبہ اثر و اتاری کا شکار تھا۔ قدم قدم پر آئین کی اچھالیں تلخیری جاری تھیں۔ اور آئین بنانے والوں کے ہاتھوں آئین کا مذاق اڑایا جا رہا تھا کہ اس اور ان جنرل ایوب خان نے اقتدار پر شب خون مارا۔ اور بار شعل لادنا شروع کر کے ملک میں ماد شعل لادنا لگا کر دیا۔ کہ عرصہ بعد ملک کو 1962ء کا آئین دے کر احتجاجات گرائے۔ جس سے قومی اسمبلی وجود میں آئی۔ حکومت نے اس سے آئین کی منکوری لی۔ اس آئین کی آڑ میں ان نے جوتوں کے حقوق کے نام پر 1959ء کے آئین میں درج اسی غرض کے لئے قائم کمیشن کی رپورٹ کو عوامی قوانین (پبلیک لا) کے نام سے نافذ کیا۔ جس میں بہت سی دفعات خلاف اسلام تھیں۔ اور جس کو حضرت مفتی صاحب نے اسمبلی کے ایوان میں ایک تفصیلی تقریر میں اعلیٰ سنت و الجماعت کے چاروں فقہی مسائل (حنفی مالکی، شافعی اور حنبلی) اور اہل تشیع کی کتابوں کے حوالہ جات کے (اریو فیملی لا) سے تمام دفعات کو خلاف اسلام ثابت کیا تھا۔ ایوب خان نے پاکستان میں پہلی دفعہ خانہ الہی منصوبہ

بدلتی اور اس کے بھاری بیٹے کی منظوری دی۔ اور اس کی تشییر کے بڑے بیٹے پر منصوبہ بندی کی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ادارہ تحقیقات اسلامی کے نام سے ایک ادارہ قائم کر کے اس کا سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن کو یورپ سے بلا کر بنایا۔ جس کے خیالات و نظریات واضح طور پر اسلام مخالف تھے۔ یہ واقعات تھے جس کی وجہ سے علماء اور خاص کر جمعیۃ علماء اسلام نے ایوب خان کی مخالفت شروع کی۔ قومی اسمبلی کے ایوان میں مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ حکومت کو رنج کرتے تو صوبائی اسمبلی میں مولانا غلام غوث ہزاروئی حکومتی اقدامات کو خلاف اسلام ثابت کرتے تھے۔ تمام ملک میں دیندار طبقہ نے عام جلسوں، مظاہروں، جلوسوں اور خطوط کی صورت میں ان اقدامات پر احتجاج کیا۔ لیکن حکومت کے کان پر جوں تک نہیں دینگے۔ اس لئے صدر ایوب خان کے لئے دن بدن مخالفانہ فضا بنتی رہی۔ یہاں تک کہ حکومت نے صدارت کے الیکشن کا اعلان کر دیا۔ جو ۱۹۶۵ء کے شروع میں ہونے والے تھے۔ حزب اختلاف کی جماعتوں نے حکومت کے امیدوار صدر ایوب خان کے خلاف قائد اعظم محمد علی جناح کی مجسمہ محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی امیدوار کے طور پر سامنے لانے کا فیصلہ کیا۔ جمعیۃ علماء اسلام نے اس سلسلے میں جو اجلاس طلب کیا۔ اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ صدر ایوب کے اقدامات خلاف اسلام ہیں۔ اس لئے اس کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ حزب اختلاف کی جماعتوں کی امیدوار عورت ہے۔ اور اسلامی نقطہ نظر سے وہ سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔ اس لئے جمعیۃ علماء اسلام نے یہ فیصلہ کیا کہ جمعیۃ تیسرا امیدوار میدان میں لائے گی۔ اگرچہ فیصلے کرنے میں تاخیر کی وجہ سے وہ تیسرا امیدوار کا فیصلہ نہ کر سکی۔ مگر یہ فیصلہ ضرور کیا کہ ان دونوں امیدواروں میں سے کسی کی حمایت نہیں کی جائے گی۔ لیکن ان تھے کہ حکومت کو قومی اسمبلی کے ایوان میں ایک آئینی ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جمعیۃ علماء اسلام کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ راولپنڈی میں آئینی ترمیم کے حق میں ووٹ دینے کا فیصلہ ہوا۔ اور حضرت مفتی صاحب کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ اس ترمیم کے حق میں اپنا ووٹ استعمال

نکریں۔ مفتی صاحب نے اپنی جماعت کے فیصلے اور ہدایات کے مطابق حکومت کی طرف سے پیش کردہ آئینی ترمیم کے حق میں ووٹ استعمال کیا۔ چونکہ اس وقت ملک کی سیاسی فضا صدر ایوب خان کے خلاف تھی اس لئے اپوزیشن کی محاذ نے مفتی صاحب کے آئینی ترمیم کے حق میں ووٹ کے استعمال کو خوب اچھالا۔ اور اس کی وجہ سے مفتی صاحب پر اعتراضات کی بوچھاڑ کروئی۔ اور طرح طرح کے الزامات لگائے۔ اور خاص کر جب سے قیام کے انکسٹن ہو رہے تھے۔ اس وقت جماعت اسلامی اور اس کے خریطے ہوئے صحافیوں نے اس آئینی ترمیم کے ووٹ کے واقعہ کو خوب اچھالا اور اس ضمن میں مفتی صاحب کے دامن کو داغدار کرنے کی شعوری کوشش کی۔ اس سلسلے میں جمعیۃ علماء اسلام کے ہفت روزہ آرگن "ترجمان اسلام" نے جو تفصیل لکھی ہے وہ یہ ہے۔

قومی اسمبلی کا اجلاس جون ۱۹۶۵ء میں راولپنڈی میں ہوا جس میں سرکاری پارٹی نے ۱۰۰ ہزار سے زائد ووٹیں لیاں۔ جمعیۃ علماء اسلام کے قیام دار ارکان نے حضرت مفتی صاحب کو ہدایت کی کہ وہ اس عمل کی حمایت کریں۔ بہر حال حضرت مفتی صاحب نے غلطی سے عوامی مشورہ کے مطابق عمل کی حمایت میں ووٹ دیا۔ دوسری ترمیم کا خلاصہ نکلنا چاہیے۔

(۱) صدر کا انتخاب اسمبلی کے انتخابات سے پہلے ہو۔

(۲) صدر کی یہ صلا صدارت ختم ہونے کے بعد سے لے کر ۱۰ برس بعد کے منتخب ہونے تک

قومی اسمبلی کے جیکر کو صدارت کے کی جگہ پرانے صدر ہی کو ملک کام سنبھالے رکھیں۔

(۳) صدارت کا ایک امیدوار مر جائے تو دوسرا ایسا مقابلہ صدر نہ بنے بلکہ وہاں صدارت کے

امیدواروں کے کاغذات داخل کئے جائیں۔

ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور کے مدیر نے ہر ایک دفعہ کی وضاحت کچھ یوں کی

ہے وہ لکھتے ہیں۔

پہلی ترمیم کی مخالفت بالکل بے معنی ہے اس لئے کہ اگر یہ ترمیم نہ تھی تو پھر بھی صدر
مملکت اپنا انتخاب اسمبلی سے پہلے کر سکتے ہیں۔ دستور میں اسمبلی کا انتخاب ۸ فروری
سے ۹ جون تک اور صدر کا انتخاب ۸ اپریل سے ۸ اگست تک ہو سکتا ہے۔ یہ سب ترمیم
کا مقصد آپ انجی طرح سمجھ لیں کہ

(الف) پہلے دستور میں تھا کہ صدر کی معیار ۸ اپریل کو ختم ہونے کے بعد دوسرے صدر
قومی اسمبلی کا اسپیکر ہے گا اس کے بعد اس کے منتخب صدر کو چار دن اسے گا۔ آپ خود
خود فرمادیں یہ بحث اب خان کی نہیں بلکہ ملک کے لئے ایک واقعی دستور بنانے کی
ہے۔ اگر ایک صدر ۸ سال ملک کو ایک صاحب پر چلائے پھر دوسرا اگر چار ماہ کے لئے
اپنے صاحب پر چلائے گا اس کے بعد منتخب صدر چار دن کے لئے ملک اپنے صاحب پر چلائے گا
یہ ملک کی خیر خواہی ہے یا تباہی۔ اگر یہ صدر ۸ سال تک ہو سکتا ہے تو مزید رہے
کون سا آسمان سر پر آکرے گا۔ صدر کی غیر عاجزی میں ہیکر قائم مقام صدر آئے
بیچھے بھی ہو سکتا ہے مگر اس کو وزارتوں یا حکومت میں رد و بدل کا اختیار نہیں ہوتا۔
صداقت کی معیار چاہی ہوئے کے بعد جب اسپیکر صدر بنے گا اس کو وزارتوں اور
وزیران کو بہ لئے کا بھی پورا اختیار ہو گا۔

(ب) آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ صدر کے لئے مسلمان اور حاضر و ہادی ہے مگر ہیکر
کے لئے مسلمان اور حاضر و ہادی نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر عیسائی بھی ہو سکتا ہے جس اگر
تہذیب و تمدن کے لئے کوئی ایسا آدمی صدر رہا تو ملک کا مفاد ان جانے تو اس صورت میں
ملک کو بے خطرات بنی ہو سکتے ہیں اور تباہ کن ہوں گے۔

(ج) تیسری ترمیم کہ صداقت کا ایک امیدوار مر جائے تو دوسرا مقابلہ صدر نہ ہو۔ بلکہ
نئے سرے سے امیدوار کاغذات داخل کر سکتے۔ یہ ترمیم تو انتہائی ضروری ہے اس لئے
کہ ایک امیدوار کے مرنے سے بلا فکری امیدوار کو کیوں ناجائز فائدہ پہنچے۔ اور قوم کی
وائے شادی اور استحباب رائے کے بغیر ہی وہ صدر بن جائے۔

ان حالات کے پیش نظر حضرت مفتی صاحب مدظلہ اپنے ووٹ کا استعمال اقتدار کی
فرسخی جگہ سے علیحدہ کر اپنے ضمیر کے مطابق کیا۔ (بخت، واہ "ترجمان اسلام"
لاہور (۳۰ جولائی ۱۹۶۹ء) [

آئینی ترمیم کے حق میں ووٹ استعمال کر کے مفتی صاحب نے جہاں اپنی جماعت جمعیت
علماء اسلام کے فیصلے پر عمل کیا۔ وہاں ان کا یہ اقدام ملک و قوم کے وسیع مفادات کے تناظر میں
قابلِ ستائش اور خیر خدائی ہے۔

مرحوم نے پہلی دفعہ اسمبلی کا ممبر بننے کے بعد اپنی آئین کی ایک ترمیم میں جب حکومت
کے حق میں ووٹ استعمال کیا تو یہ قسمتی سے بعض حضرات نے اسے بڑے غلط معنی
پہنائے لیکن مرحوم اختلاف رائے اختلاف کے قابل تھے ان کی رائے سے اختلاف
لاحق آئی بھی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام، ملک اور قوم کے وسیع مفاد
میں دو قدم اٹھایا۔ انہوں نے پوری طرح شرع صدر تھا انہوں نے جماعتی آرگن میں
اس عنوان پر تفصیل سے گفتگو ملک بارہ و حرم میں الی و انش کے سامنے اپنا موقف واضح
کیا اور بعض بارہ و حرم کی تھارے کام میں مٹی شاہ ہوں۔ کہہ گا۔ حضرات نے اعتراض کیا کہ
یہ بات درست ہے۔ (روزنامہ "حق" ۱۱-۱۱-۱۹۶۹ء مفتی محمد رفیع) [

۱۹۶۹ء میں جناب ریاض بناوٹی نے روزنامہ "مشرق" لاہور کے لئے مفتی صاحب کا
انٹرویو کیا اس میں انہوں نے مفتی صاحب سے اس آئینی ترمیم کے حق میں ووٹ کے استعمال سے
متعلق سوال کیا جس کا مفتی صاحب نے تفصیل کے ساتھ نہ صرف جواب دیا ہے بلکہ اس ترمیم
کے بارے میں دلائل بھی دیئے اور اپوزیشن کے خدشات کا ذکر کر کے اس کے مقابلے میں اپنا
موقف بھی واضح کیا ہے۔

سوال و جواب مندرجہ ذیل ہیں۔

سوال: کیا یہ درست ہے آپ نے اسی ملک میں آمریت کو مستحکم کرنے کے لئے سابق صدر
ایوب کے ہاتھ مضبوط کئے اور ایوب خان کے دوسرے صدیقی انتخابات میں ان کا

کامیابی کے لئے راہ ہموار کی ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۲ء کے دستور میں اس ترمیم کے کی طرف ہے جو ایوب خان کے ایما پر کی گئی اور آپ نے اس ترمیم کے حق میں ۱۱ مئی ۱۹۶۲ء کے دستور میں یہ دفعہ شامل تھی کہ پانچ سال کے بعد صدارتی انتخاب ہو گا اور اگر موجودہ صدر انتخابات میں حصہ لے گا تو اسے تو انہیں انتخابات سے چار ماہ قبل صدارت سے مستعفی کر دیا گیا اس سبلی کے اہلکار کو صدر کا عہدہ سونپا ہو گا اور انتخابات کے بعد وہی اور میں سیکرٹری ملک کے اس اعلیٰ منصب پر فائز رہے گا۔ اب آئین میں ترمیم کرنی تھی کہ ایوب خان ملک کے دستور، صدر، وزیر اور چار ماہ کے لئے سیکرٹری کو قائم مقام صدر مقرر نہ کریں۔ ایڈیشن پارٹیوں کا موقف یہ تھا کہ ایوب خان کی عہدگی اور میں صدر رہے تو وہ سرکاری مشینری کو استعمال کر کے دونوں پر اثر انداز ہوں گے۔ اور انکیشن غیر جانبدار نہ نہیں ہو سکتی گے۔ مجھے تو یہی اس سبلی کے، کن کی حیثیت سے اس ترمیمی بل کے حق یا مخالفت میں ۱۱ مئی ۱۹۶۲ء میں نے اپنی حمایت کا اعلان طلب کیا۔ اور اسے اور عہدہ اوروں کو بل کے صدر بات چیت خود کرنے کے لئے کہا جماعت نے مختلف طور پر فیصلہ کیا کہ بل کے حق میں ۱۱ مئی ۱۹۶۲ء کو فیصلہ کے دو بنیادی وجوہات تھیں۔ ایک مذہبی اور دوسری سیاسی۔ دستور میں صدارتی طریقہ سیکر کے لئے مسلمان ہونے کی کوئی شرط نہیں تھی اس طرح دستور کی دفعہ ۵۲ کو یہاں کے تحت غیر مسلم سیکرٹری طور پر پاکستان کا صدر بن سکتا تھا جو ۵۱ سے نزدیک مذہبی اعتبار سے کسی صورت مناسب نہیں تھا۔ اس فیصلہ کا سیاسی پہلو یہ تھا کہ جب ہم اسی (۸۰) بھارتی ڈی ممبروں کے منتخب نمائندے کو ملک کا چارہ صدر تسلیم نہیں کرتے تو قومی اسمبلی کے فیروزہ ممبروں کے منتخب سیکرٹری کو یہ حق کیسے دے سکتے ہیں کہ وہ (ممبروں اور کے آئین کے لئے کسی) اگر کسی صدارت پر حتمی ہو جائے اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دستور میں نہیں شرط نہیں تھی کہ سیکرٹری قائم مقام صدر ہونے کے بعد صدارتی انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتا۔ ظاہر ہے کوئی سیکرٹری جسے چار ماہ کے لئے صدر مقرر کیا گیا ہو اگر وہ صدارتی انتخاب لڑنا چاہے تو قائم مقام صدارتی حیثیت سے سرکاری

جواب

مشینری کو اپنے حق میں استعمال کر سکتا تھا۔ ان حالات میں موجودہ صدر کے لئے صدارتی انکیشن کے پیش نظر چار ماہ قبل مشینری ہو جانا محض لطف تھا۔ لہذا میں نے ترمیم کے حق میں ووٹ دے دیے۔ مگر میں نے ایسا کیا تو یقیناً کوئی گناہ نہیں کیا۔ ۱۱ مئی سے اس اقدام سے نہیں ملے یہ ثابت نہیں ہو گا کہ میں نے ایوب خان کی آمریت کو مستحلاً دیا تھا۔ (روزنامہ مشرقی لاہور، ۱۳ مارچ ۱۹۶۹ء)

اور جب ایک دفعہ مفتی صاحب سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے صدر ایوب کے حق میں ووٹ استعمال کیا تھا۔ تو آپ کا جواب تھا کہ میں نے اپنا ووٹ صدر ایوب کے حق میں نہیں بلکہ آئین میں ترمیم کے حق میں دیا تھا۔ اس بات کو مفتی صاحب کے خلاف اتنا استعمال کیا گیا کہ آئین میں ترمیم کے حق میں ووٹ کو صدر ایوب خان کی حمایت میں ووٹ استعمال کا نام دیا گیا۔ عام مکی فضا ایسے بھی ایوب خان کے خلاف تھی۔ اس لئے اس واقعہ کو مفتی صاحب کی کردار بخشی کے لئے خوب اچھا لایا۔ جبکہ انہی دنوں کا ایک واقعہ ہے کہ جب مفتی صاحب سے صدر ایوب اور محترمہ فاطمہ جناح کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ "صدر ایوب میں اور کوئی خوبی نہیں سوائے اس کے کہ وہ مر رہے اور فاطمہ جناح میں اور کوئی برائی نہیں سوائے اس کے کہ وہ عورت ہے۔"

سوشلزم کی حمایت کا الزام اور اس کا جواب

۱۹۶۹ء صدر ایوب کے دور کا عروج تھا۔ جس میں انہوں نے حزب اختلاف کی جماعتوں کی مشترکہ صدارتی امیدوار محترمہ فاطمہ جناح کو قتل دے کر صدارتی انکیشن جیتا تھا۔ اور پھر بی۔ ڈی ممبروں کے ذریعہ قومی و صوبائی اسمبلیوں کے انکیشن کے ذریعہ اپنے حامیوں کو کامیاب کر کے بظاہر ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھی تھی مگر دوسری طرف اس کی زوال کے اسباب بھی یکے بعد دیگرے سامنے آنے شروع ہو گئے تھے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی

وجہ سے سارے ملک میں حب الوطنی کے جذبہ کے تحت ایک اتحاد کی صورت نظر آئی تھی اور قوم ایک سیر پائی ہوئی دیوار کی طرح یقیناً شترِ خصوص کا سحرِ پیش کرنے لگی تھی۔ ۷ مارچ کے بعد جنگ بندی ہوئی تھی مگر اس کے بعد کے حالات ایوب خان کے زوال کی نشاندہی کرنے لگے تھے۔ معاہدہ ہاشمت نے وہی سبھی کسر پوری کر دی تھی۔ صدر ایوب خان کی حکومت کے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے قوم کے مزاج کو دیکھ کر وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا اور قوم کو یہ امر دے کر اپنی طرف خوب متوجہ کیا تھا کہ میں معاہدہ ہاشمت کا رازِ غاش کروں گا۔ قوم ایک طرف صدر ایوب کی مخالف ہو گئی تھی۔ دوسری طرف اس کے وزیر خارجہ کا استعفیٰ اور قوم کو یہ تاثر دینا کہ معاہدہ ہاشمت کی صورت میں قوم کو کوئی دھوکہ دیا گیا ہے۔ امدادِ حکومت پاکستان نے بھارت کے شرط پر معاہدہ کر کے وطن کی عزت کو خاک میں ملایا تھا۔ اس بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اور ذوالفقار علی بھٹو شہرت کی بلندی پر پہنچ گئے تھے۔ اور اس نے ان حالات سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ حکومت نے حالات سے بچھڑا کر حزب اختلاف کی جماعتوں کو مذاکرات کی دعوت دی۔ مذاکرات میں ایک مختلف موقف اختیار کرنے کے لئے حزب اختلاف کی جماعتوں کے مشورے اور اجلاس شروع ہو گئے مگر سوائے صرف دو مطالبات کے باقی پر اتفاق نہ ہو سکا اور وہ دو مطالبے ایک پارلیمانی نظام کا تھا اور دوسرا بالغ رائے دہی کا تھا اور مزید مطالبات کے بارے میں فیصلہ یہ ہوا کہ گول میز کانفرنس کی صورت میں مذاکرات میں ہر پارٹی اپنے طور پر مطالبات کرے گی۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو اور مولانا عبدالحمید خان بھاشانی نے مذاکرات کا بائیکاٹ کیا جبکہ دیگر تمام پارٹیوں نے مذاکرات میں شرکت کی۔ مولانا مفتی محمود صاحب نے مشترکہ دو مطالبات کے علاوہ دو مطالبات اور بھی سامنے رکھے ایک یہ کہ آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کی جائے۔ تاکہ اس طرح قادیانیوں اور دیگر غیر مسلموں کا کلیدیہ حیدروں پر تعیناتی کا راستہ روکا جاسکے۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ 31 علماء کے ۴۴ نکات کو آئین کا حصہ بنایا جائے۔ سوائے جشن (ر)

ایس ایم مرشد کے اور کسی رہنمائے مفتی صاحب کے مطالبات کی تائید نہیں کی۔ یہاں تک کہ اس میں مذہبی رہنما بھی شریک تھے۔ اور خاص کر ابوالاعلیٰ مودودی صاحب جو ۲۲ نکات مرتب کرنے والے 31 علماء میں وہ بھی شامل ہیں۔ مگر وہ بھی چھپے کار و زور کئے رہے۔ صدر ایوب خان کے سیاسی رہنماؤں سے یہ مذاکرات ناکام ہوئے۔ جس کی بنا پر ملک کے حالات نے ابتری کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ صدر ایوب خان نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور ملک کی بانگِ ذور کو جزل بختی خان بری اقوانج کے سربراہ کے حوالہ کر دیا۔ جنہوں نے ملک میں مارشل لا نافذ کر کے سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی اور 90 دن کے اندر اندر بالغ رائے دہی اور پارلیمانی نظام کا اعلان کر کے عام انتخابات کا وعدہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد سیاست سے پابندی ہٹا کر اس نے عام الیکشن کا اعلان کیا۔ تمام سیاسی جماعتوں نے الیکشن کی تیاری شروع کر دی۔ مفتی صاحب اور ان کی جماعت جمعیت علماء اسلام نے ملک کے دونوں مغربی اور مشرقی حصہ میں امیدوار کھڑے کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور ایک بہترین منشور تیار کر کے ہر سر اقتدار آنے کی صورت میں اپنے دستور العمل کا خاکہ عوام کے سامنے پیش کیا۔ جس میں قرآن و سنت کی روشنی میں عوام کے مسائل کا بہترین حل پیش کیا گیا تھا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی جماعت کا چار نکاتی پروگرام پیش کیا جس میں ایک نکتہ یہ تھا کہ ہماری صحیحیت اسلامی سوشلزم ہو گی۔ بھٹو صاحب نے عوام کی تعداد کی حاصل کرنے کے لئے ”روٹی، کپڑے، مکان“ کا نعرہ لگایا۔ جس کی وجہ سے زندگی کے پستے ہوئے طبقات کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور ملک میں بڑے بڑے سرمایہ داروں، جاگیر داروں، صنعتکاروں نے بھٹو صاحب کی مخالفت میں وڑی چوٹی کا زور لگایا۔ سرمایہ داروں کے اذیت علماء نے بھی بھٹو کی مخالفت شروع کر دی۔ ان میں جماعت اسلامی سب سے آگے تھی۔ اس نے ایک طرف حکومت وقت کی تعداد کی حاصل کی۔ مشرقی پاکستان کے ضمنی الیکشن میں حصہ لے کر وہاں عبوری حکومت میں شمولیت اختیار کر لی۔ دوسری طرف بڑے بڑے سرمایہ داروں کے لیجنٹ کا کردار ادا کر کے بھٹو کی

مخالفت شروع کر دی۔ اختیارات کو خرید و سالیوں کی بولیاں لگا دیں۔ یہاں تک کہ بعض علماء کو خرید ل اور ملک میں ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ مفتی صاحب اور ان کی جماعت شروع دن سے ایک معتدل پروگرام کی حامی و داعی تھی۔ اور وہ ان حالات میں بھی اعتدال کی پالیسی پر چکڑن رہے۔ انہوں نے اگر ایک طرف سوشلزم کی مخالفت کی تو دوسری طرف سرمایہ داری کو اس ملک کے اکثر مسائل و مشکلات کی بنیادی وجہ قرار دیا۔ غربت کی بڑھتی ہوئی شرح، مہنگائی اور اشتیاء ضرورت کی قلت کی اصل وجہ وہ سرمایہ داروں کو قرار دے رہے تھے۔ ۲۲ خاندانوں کو پاکستان کی غربت و افلاس کی ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔ ان دنوں حضرت مفتی صاحب کی عام جلسوں سے خطاب بڑے جذباتی ہوا کرتے تھے۔ دو غریبوں، مزدوروں کی حمایت میں آگے بڑھ کر ان کی دعائیں لیتے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کے پے ہوئے طبقات یعنی مزدوروں اور کسانوں کی لگھو میں آپ کا بڑا احترام پیدا ہوا جبکہ علماء کا ایک طبقہ وہ تھا جو سرمایہ داری، نظام اور سرمایہ داروں کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل تھا۔ جس نے مفتی صاحب اور ان کی جماعت کو مزدوروں اور کسانوں کی حمایت کی وجہ سے سوشلسٹ علماء کے نام سے مشہور کر دیا۔ اور ان دنوں ایک فتویٰ ترتیب دیا گیا جس پر ۱۱۳ علماء کے دستخط تھے جس میں دیگر طبقات کے ساتھ ساتھ بالواسطہ مفتی صاحب اور ان کے دیگر ہموا علماء کو گمراہ قرار دیا گیا تھا۔ لیکن مفتی صاحب نے ان کو اور ان کے اس فتویٰ کو کچھ اس انداز سے پہنچایا کہ اس فتویٰ کے پرچے اڑا دیئے گئے۔ اور اس کی فتویٰ کی حیثیت ہی مشکوک ہو گئی۔ دوسری طرف مفتی صاحب اور ان کی جماعت نے آگے بڑھ کر اس وقت پاکستان کی سطح پر مزدوروں کی ملک گیر لیبر پارٹی سے معاہدہ کیا اور لاکھوں مزدوروں اور کسانوں کو سوشلزم کی گود میں جانے سے بچا لیا۔ اور یہ سب حضرت مفتی صاحب کی تدبیر، اصابت رائے اور عوامی مقبولیت کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔

مفتی صاحب نے اس دور کا ذکر کرتے ہوئے بتایا۔

”میں نے ”لیگل فریم ورک“ کے تحت بخودی و عہدہ تاد سیمینار کے اختیارات کا سال قرار دیا۔ خود علماء اسلام نے بھی اس سہولتوں کی طرح اپنی اختیاری مہم شروع کی۔ ہم نے اپنا ایک مشورہ قوم کے سامنے پیش کیا۔ ہم صحیح معنی میں اسلامی نظام لا چاہتے تھے۔ ایسا نظام جو خلافت راشدہ کے مہم میں رہا تھا۔ ہم اسلام کو سرمایہ داری کا آلہ کار نہیں بلکہ اسے غریبوں اور مظلوموں کے تحفظ کا ذریعہ بتا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سرمایہ داری کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ غریبوں اور مظلوموں کی دشمنی کرتا ہے۔ پچھننا ہی سے ہمارے ذہن کی تربیت مغربی سامراجیہ فہمی پر ہوتی تھی۔ اس لئے ہم عوام کو دیکھ رہے تھے اور دوسری مغربی طاقتوں کے خلاف سرگرم عمل تھے اس طرح اختیارات میں سرمایہ دارانہ طاقت رہے۔ انہوں نے بدترین استعمار کے ذریعہ غریبوں کا خون چھ ساقا۔ ان لوگوں نے ہمارے خلاف ایک مضبوط طاقت قائم کیا۔ ان کے علاوہ ان لوگوں نے جو سرمایہ داروں کے دوست تھے یا امریکی سامراج کے آلہ کار بنے ہوئے تھے انہوں نے بھی ہمارے تحت طاقت لی۔ اسلام اور سوشلزم کا مقابل اسلام اور کفر کی شکل میں کیا۔ انہوں نے نہ صرف ہمیں بلکہ ہر ان جماعت کو کافر ٹھہرایا جو اس ملک میں معاشی انصاف کا پرچم لے کر اٹھی تھی۔ بہر حال ہم نے اس فتویٰ کفر کا بھی مقابلہ کیا۔ اور تار۔ ”حریت“

کراچی۔ ۱۵ مئی ۱۹۷۹ء

ان حالات میں مفتی صاحب کے عقیم کردار کے بارے میں مولانا غلام ربانی صاحب یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

”مفتی صاحب کی عقیم شخصیت کا نقش میرے دل پر اس وقت بیضاب روئی، کچڑے اور مکان کے خمرے لگنے والے عوام کو اور اسلام سے خارج قرار دیا جا رہا تھا یعنی عوام کی مشکلات، خلاف، معویہوں اور مسائل سے نظر چھائی جا رہی تھی۔ اور ان کو کافر قرار دیا جا رہا تھا۔ گویا بے گناہ اور غریب مسلمانوں کے مسائل کا حل ان کے کافر بنانے میں مضمر

اس کے تصور سے روکتے ہوئے جاتے ہیں۔ مگر میں اللہ کا شکر اٹھاتا ہوں
 کے کتوں کو جو روئے اور نقصان کھاتے ہیں تو اس سے محروم ہیں۔ اس معاشرے میں
 زمیندار کے لئے کوہیٹل بل جاتا ہے لیکن کاشتکار اس کے لئے ترستا ہے اور زمیندار
 حجاز میں کے خون پینے کی کمانی جس طرح پیش کرتے ہیں اس سے اقلیت کا سرگرم
 جگہ جاتا ہے۔ [ملت روزہ، ۲۷ جولائی ۱۹۷۹ء (مفتی محمود نمبر ۱)]

ایک مرتبہ سلیٹ (بنگلہ دیش) عید گاہ میدان میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا
 تھا "اگر ہماری کوششیں بار آور ہوئیں اور پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ ہو تو دنیا دیکھ لے گی کہ
 سوشلزم اور کمیونزم جین اور زردی کے دروازے پر اپنی موت آپ مر جائیں گے"۔ [ملت روزہ
 "ترجمان اسلام" لاہور (مفتی محمود نمبر ۱)]

مفتی صاحب پر سوشلزم کی حمایت بھی محض الزام تھا جس کا حقیقت سے دور کا بھی
 تعلق نہ تھا۔ یہ محض سرمایہ دارانہ نظام کو تحفظ دینے کے لئے گھڑا لیا گیا تھا اور اس میں بھی پیش
 پیش کچھ علماء حضرات تھے جن کا بعد میں کوئی سیاسی کردار ملک میں نہ رہا جبکہ حضرت مفتی
 صاحب کی قیادت کو تمام سیاسی پارٹیوں نے تسلیم کیا ہے اور ان کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ضیاء الحق کے کابینہ میں شمولیت کا اعتراض اور اس کا جواب

جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے مارچ ۱۹۷۷ء میں عام انتخابات کا اعلان کیا۔ اپوزیشن
 جماعتوں کا اتحاد موجود تھا۔ مگر وہ زیادہ فعال نہیں تھا۔ اسی طرح بعض سیاسی جماعتیں جو اس اتحاد
 سے لب تک باہر تھیں ان کی بھی خواہش تھی کہ اس اتحاد کو وسیع کر دیا جائے اور ان نئے اتحاد کو
 "پاکستان قومی اتحاد" (P.N.A) کا نام دے کر تشکیل دیا گیا۔ جس کے صدر مولانا مفتی محمود
 صاحب، جناب سید یحیٰ یحیٰ و لاہور اور ذوالفقار علی بھٹو صاحب نائب صدر جبکہ جمیعہ علماء پاکستان کے
 مرکزی سیکرٹری جناب رفیق احمد باجوہ کو اس اتحاد کا جنرل سیکرٹری چنا گیا۔ جس کو ایک سیاسی قلمی

کی وجہ سے اپنے عہد سے ہٹا دیا گیا۔ اور ان کی جگہ جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور احمد صاحب کو
 جنرل سیکرٹری دیا گیا۔ اس اتحاد نے چاروں صوبوں میں الیکٹریز پارٹی کے امیدواروں کے مقابلہ میں
 ایک مشترکہ منشور اور مشترکہ انتخابی نشان "مل" کے ساتھ الیکشن لڑے پہلے قومی اسمبلی کے الیکشن
 ہوئے۔ اس الیکشن میں حکومت نے دھونس، دھاندلی سے بہت سی نشستیں جیت لیں۔ وہ نشستیں
 بھی جس کے بارے میں عام اندازے یہ تھے کہ یہ سیٹ قومی اتحاد کی ہے۔ اس کا نتیجہ بھی اعلان دلی
 کے قریب تبدیل کر دیا گیا۔ جس کے رد عمل میں چند روز بعد ہونے والے صوبائی الیکشن کا قومی اتحاد
 نے بائیکاٹ کر دیا۔ اور ملک میں ایک زبردست تحریک چلی۔ حکومت نے مزاحمت کی، جلوسوں،
 جلسوں، مظاہروں کو روکنے کی حکمت عملی تیار کی۔ جہاں بھر پور تحریک شروع ہوئی۔ لوگوں نے
 رضا کارانہ گرفتاریاں دیں۔ قومی اتحاد کی قیادت کو جیلوں میں قونسا لیا۔ کئی شہروں میں کئی
 فوجیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ملک کی معیشت کا پیہ جام کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ حکومت قومی
 اتحاد کے رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات پر آمادہ ہوئی۔ مذاکرات کے شروع کرنے کے لئے قومی
 اتحاد نے جو شرائط لکھے تھے ان میں سیاسی کارکنوں کی رہائی کی بھی شرط تھی جس کی وجہ سے سیاسی
 کارکنوں کو رہا کر دیا گیا۔ مذاکرات کی ایک لمبی کہانی ہے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے رویے
 اور غیر چمکدار اور غیر سنجیدہ رویے سے مذاکرات کا سلسلہ کبھی تو قیام بھی دوبارہ جوں جوں ہوتا مذاکرات
 میں شریک سیاسی رہنماؤں کے بقول مذاکرات کامیابی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور صرف ایک
 نکتہ حل طلب تھا کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی رات کو بری افواج کے سربراہ جناب محمد ضیاء الحق نے
 بھٹو کو اقتدار سے محروم کر کے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ ۱۹۷۷ء کے آئین کو معطل کر دیا اور
 تمام سیاسی قیادت کو نظر بند کر دیا۔ جنرل ضیاء الحق نے 90 دن کے اندر عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔
 جس کی وجہ سے سیاسی قیادت نے اطمینان کا سانس لیا۔ مگر الیکشن کے قریب آتے ہی اس نے الیکشن
 کے التواء کا اعلان کر دیا۔ اور "انتخاب سے قبل احتساب" کا نعرہ لگا کر اپنے اقتدار کو طول دینے کا

منصوب بنایا۔ مفتی صاحب ایک جمہوری سوچ کے سیاستدان تھے۔ وہ قلعہ مارشل لاہ کے حامی نہ تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ لوئی ننگوئی جمہوریت مارشل لاہ سے بہتر ہے۔ ایک دفعہ دوران گفتگو جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر بھٹو کے ساتھ مذاکرات مکالم ہو گئے تو کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا مارشل لاہ لگ جائے گا۔ جواب ملا یہ تو بہت ہی اچھا ہو گا چہ نگہ لی این لے کا مطالب تھا کہ ان سر کو انتخابات فوج کی نگرانی میں ہوں۔ مفتی صاحب نے پورے اعتماد اور قوت کے ساتھ فرمایا مارشل لاہ اب ملک کے لئے نقصان دہ ہو گا۔ میں نرم شر الہام بھی بھٹو صاحب سے معاملہ طے کر لوں گا لیکن مارشل لاہ نہیں آئے اوں گا۔ ملک کا دستور بڑی مشکل سے تیار ہوا ہے جس پر چاروں صوبوں کے لوگوں نے دستخط کئے ہیں اگر مارشل لاہ لگ گیا تو ملک کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ [ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ مئی 1978]

آپ کے اس بیان سے واضح ہو تا ہے کہ آپ مارشل لاہ کے حق میں نہیں تھے۔ اور ان کو ملک کے لئے بہت بڑا نقصان سمجھتے رہے۔ مگر ان کے نہ چاہے ہوئے بھی ملک میں مارشل لاہ نافذ کر دیا گیا۔ مارشل لاہ نے الیکشن کا اعلان کر کے عین موقع پر اس کو الٹا دے ڈالا۔ اور جہل ضیاء الحق نے قومی اتحاد کو جمہوری حکومت میں شمولیت کی دعوت دی۔ بعض جماعتوں کی خواہش بلکہ اسرار تھا کہ حکومت میں شمولیت اختیار کی جائے۔ جبکہ مفتی صاحب کی ذاتی رائے اس کے خلاف تھی۔ قومی اتحاد میں شامل خاکسار تحریک کے سربراہ خان محمد اشرف خان ایذا کیٹ کا بیان ہے۔ "حکومت میں شامل ہونے سے پہلے جب اتحاد کی میزنگ میں اس مسئلے پر غور ہوا تھا تو مولانا مفتی صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مارشل لاہ کی حکومت میں شامل ہونا جہنم میں داخل ہونے کے برابر ہے۔"

مفتی صاحب کی قطعی رائے یہ تھی کہ مارشل لاہ کی حکومت میں شمولیت اختیار نہ کی جائے مگر اس میں دو جماعتیں اندرون فائدہ شمولیت کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ اب ان حالات میں مفتی

صاحب کے لئے دو راستے تھے کہ یا تو اتحاد کو بچاتے ہوئے بادل ناخواست حکومت میں شامل ہو جائیں اور یا اتحاد کے شیرازہ کو بکھر جائے اس کو طعن کر کے اس کا فاتحہ پڑھے۔ مفتی صاحب نے اتحاد کو بچانے کو ترجیح دی۔ اور فرمایا کہ میں اتحاد کو بچانے کی خاطر یہ کڑی گولی لگی رہا ہوں۔

خان محمد اشرف خان اس کی تفصیل کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مئی 1978ء میں قومی اتحاد نے فیصلہ کیا کہ مارشل لاہ کی وزارت میں قبول نہیں کریں گے۔ اس پر صدر ضیاء الحق کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ ختم ہو گیا جون میں صدر ضیاء الحق نے ایک بیان میں اتحاد کے رہنماؤں پر بڑی شدید تنقید بھی کی یہاں تک کہا گیا کہ یہ لوگ عوام کے نمائندے نہیں ہیں یہ قیام پاکستان کے مخالفین ہیں۔ غیر دو غیر۔ مگر اس کے بعد مسلم لیگ نے اپنے طور پر حکومت میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس پر غور کرنے کے لئے غالباً قومی اتحاد کا اجلاس 19 جولائی 1978ء کو کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں میں نے مفتی صاحب سے کہا کہ اگر مسلم لیگ والے آپ کا کہا نہیں مانتے تو آپ مسلم لیگ کو قومی اتحاد سے نکال دیں اس پر مفتی صاحب نے فرمایا بھائی ایک جماعت نہیں دو جماعتوں کو نکالنا پڑے گا۔ جماعت اسلامی والے بھی حکومت میں جا رہے ہیں۔ بہر حال اس اجلاس میں فیصلہ یہی ہوا کہ ہمیں حکومت میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ [خان محمد اشرف خان۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور۔ 12 جولائی 1978ء۔ 19 جولائی 1978ء]

ان بیانات سے واضح ہو تا ہے کہ حضرت مفتی صاحب مارشل لاہ کی حکومت میں شمولیت کے حق میں نہیں تھے مگر اتحاد کو بچانا بھی ضروری تھا۔ کہ قوم کی تمام تر توقعات کا مرکز قومی اتحاد تھا۔ اور بعض جماعتوں کی حکومت میں شمولیت کے فیصلے نے حالات کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا تھا۔ اس لئے مفتی صاحب کو بادل ناخواست اگرچہ شمولیت کا فیصلہ بقول اس کے کڑی گولی لگانا پڑی مگر اس کے لئے آپ نے حکومت میں شمولیت کے مقاصد بھی متعین کئے تھے اور شرائط بھی رکھ دیئے تھے۔ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور میں ہے۔

پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی جس کے بل بوتے پر وہاں حکومتیں بنانا ان کا آئینی و قانونی حق تھا۔ جو کہ اس نے بنادیں۔ صوبہ سرحد و بلوچستان میں حکومت بنانے کے لئے پارٹیوں کے اندر گفت و شنید اور مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو بالآخر پیپلز پارٹی، جمعیت علماء اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی کے درمیان معاہدہ پر منتج ہوا۔ اس کو سر فریٹی معاہدہ کہا جانے لگا۔ مگر بعد میں معاہدہ کی ایک شق پر اختلاف کی وجہ سے پیپلز پارٹی اس سے علیحدہ ہوئی۔ جبکہ جمعیت نیپ کا معاہدہ برقرار رہا۔ معاہدہ جمعیت علماء اسلام کی شرائط کی بنیاد پر ہوا تھا۔ جو کہ مندرجہ ذیل تھے۔

- (۱) اشتراک کرنے والی پارٹی، مرکزی اسمبلی (قومی اسمبلی) میں آئین کے مسئلہ پر جمعیت علماء اسلام کا ساتھ دے گی۔
- (ب) صوبائی قوانین، اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے علماء اور ماہرین قانون کے ایک بورڈ کی حمایت کی جائے گی۔
- (ج) اسلامی تعلیمات رائج کرنے کے لئے ایک بورڈ قائم کیا جائے گا (طلبہ اور عوامی تربیت کا پروگرام اس میں داخل ہے)۔
- (د) اسلامی قوانین کے مطابق جاگیر داروں اور سرمایہ داری کے ذریعہ ہونے والے استحصال کے خاتمہ کے لئے تجویز پیش کرنے کے لئے ایک بورڈ قائم کرنے کی حمایت کی جائے گی۔
- (ه) صوبہ میں پانی، بجلی اور جنگلات کے وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر عوامی حالت بہتر بنائی جائے گی۔
- (و) ایک چھٹی شرط بھی تھی کہ کابینہ میں پالیسی جمعیت علماء اسلام کے ہاتھوں میں ہوگی اور اسمبلی میں پارلیمانی لیڈر اور وزیر اعلیٰ جمعیت علماء اسلام کا ہوگا۔

شروع کے پانچ نکات پر نیپ اور مسلم لیگ (قیوم) کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ چلتا رہا۔ لیکن جب دونوں پارٹیوں نے جمعیت کے شرائط پر آمادگی ظاہر کر دی۔ تو جمعیت نے پچھلے شرط کا

مضاف کر دیا۔ جس کے ماننے سے مسلم لیگ (قیوم) نے معذرت کر دی۔ جبکہ نیپ نے اس شرط کو بھی تسلیم کر لیا۔ اور یوں جمعیت نیپ کے اشتراک سے صوبہ سرحد میں وزارت برائے کار و بار ہوا۔ اور پھر اسی قسم کے تعاون کا معاہدہ بلوچستان میں بھی جمعیت نیپ کے درمیان ہوا۔ اور وہاں بھی ان دونوں جماعتوں کے اشتراک سے حکومت بنانے کے لئے حالات سازگار بنے۔ اسی طرح مرکز، پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ جبکہ سرحد و بلوچستان میں جمعیت نیپ کی مشترکہ حکومتیں بنیں۔ دونوں صوبوں کے گورنر نیپ سے تھے جبکہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمود صاحب، صوبہ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نیپ کے رہنما عطاء اللہ خان سیٹلگل منتخب ہوئے۔ صوبہ سرحد اسمبلی میں جمعیت علماء اسلام کے پارلیمانی لیڈر کے انتخاب کے لئے ۵ اپریل ۱۹۷۲ء کو پشاور میں جمعیت کی مجلس شوریٰ کا ایک اجلاس منعقد ہوا تھا۔ جس میں مولانا مفتی محمود کا صوبائی اسمبلی میں پارلیمانی لیڈر منتخب کیا گیا تھا۔ یہ ایک نہایت اہم اجلاس تھا۔ لیکن اس میں ہزاروںی صاحب نے شرکت نہیں کی تھی۔

مجھے کہ اوپر مذکور ہوا۔ شروع میں یہ ایک سر فریٹی معاہدہ تھا۔ پیپلز پارٹی بھی ایک فریق تھی۔ مگر معاہدہ کی ایک شق پر اختلاف رائے ہوا۔ اور ایوان کے پیپلز پارٹی کی حکومت قومی اسمبلی سے مارشل لاء کے مزید جاری رہنے کا فیصلہ لیتا چاہتی تھی۔ جبکہ جمعیت نیپ اس کے خلاف تھی۔ ان کا موقف تھا کہ اس قسم کی قرارداد کو اسمبلی کے فلور پر پیش کرنے کے ہم معاہدہ کی رو سے پابند ہیں۔ مگر ہم اس امر کے پابند نہیں ہیں کہ ہم اس کے حق میں اپنا ووٹ بھی استعمال کریں۔ جبکہ پیپلز پارٹی کی رائے یہ تھی کہ معاہدہ میں شریک ہونے کی وجہ سے تمہارا ووٹ بھی حکم حق موقف کی تائید میں استعمال ہونا چاہیے۔ آخر کار یہ معاہدہ عمل درآمد سے پہلے ہی ٹوٹ گیا۔ ابھی چند ہی دن گزرے تھے۔ کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے حالات کے دباؤ سے مجبور ہو کر جمعیت نیپ کے رہنماؤں کو ایک دفعہ پھر مذاکرات کی دعوت دی۔ جو کہ ایک معاہدے پر منتج ہوئے۔ اس

معاہدے کی رو سے جمعیت انبیا مرکزی حکومت میں شامل ہونے کے پابند تھے اور نہ ہی پیپلز پارٹی کا صوبائی حکومتوں میں شمولیت کا کوئی حق ہو گا البتہ جمعیت انبیا کو صوبوں میں حکومت سازی کا موقع ضرور دیا جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ پاکستان کے یہ صوبائی حکومتیں اپنا اپنا کام کرتی رہیں۔ اگرچہ مرکزی طرف سے بار بار مداخلت کے واقعات رونما ہوئے۔ ان کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں (جس کا ذکر وزارت سے استعفیٰ کے حتمی میں کیا جائے گا) مگر یہ حکومتیں عوامی خواہشات کے عین مطابق عوامی مسائل کے لئے کوشاں رہیں۔ خان عبدالغفور خان کی شروعاتی سے یہ کوشش تھی کہ ان حکومتوں کو ناکام کر دیا جائے اور خاص کر جب وہ مرکزی وزیر داخلہ بنے۔ پھر تو ان کی تمام سرگرمیاں ان صوبائی حکومتوں کے خلاف وقف ہو گئیں۔ ان کے ساتھ ساتھ اسی معاہدے میں جمعیت علماء اسلام کے شریک، جنس مولانا غلام غوث ہزاروی ایم این اے نے بھی معاہدے کی مخالفت شروع کر دی۔ اور پیپلز پارٹی کی ہمتواری میں حکومتی موقف کو صحیح قرار دیتے رہے۔ اور جماعتی موقف کو مسترد کرتے رہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ مرکزی حکومت کی طرف سے جمعیت انبیا کو بار بار مرکزی اور محکمہ دارتوں کی پیشکش بھی کی جاتی رہی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی کہ خواہش تھی کہ انبیا جمعیت کو یہ پیشکش قبول کر لینی چاہیے۔ اور پیپلز پارٹی کے ساتھ اقتدار میں شریک ہو نا چاہیے مگر مرکزی شوریٰ نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا تھا۔ اور وہ اس سلسلے میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ اس نے گورنر بالا فیصلوں کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی جماعتی موقف سے ہٹ کر اپنی ذاتی رائے کو صحیح اور برحق سمجھتے رہے۔

اس دوران ایک اور جماعتی فیصلہ ہوا۔ جو مولانا ہزاروی کی ذاتی رائے کے خلاف تھا۔ جس سے موجودہ اختلاف سے پیدا شدہ طغیانی کو اور سخت ملی۔ اور وہ جو کہلات ہے کہ "میلٹی ہوئی آگ" پر تیل ڈالنے کا کام کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمود جمعیت علماء اسلام کے مرکزی جنرل میجر ٹری تھے جب ان کا بحیثیت وزیر اعلیٰ انتخاب عمل میں آیا۔ تو دونوں عہدوں پر کام کرنا ان کی ذمہ

داریوں کو نبھانا ارحض مشکل تھا۔ بلکہ جماعتی ذمہ داریوں کے لئے وقت نکالنا ہی ان کے لئے مشکل تھا۔ جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلے کی رو سے مفتی صاحب کو جماعتی عہدے سے استعفیٰ دینا چاہیے اور عبوری طور پر بحیثیت مرکزی ناظم کے مولانا غلام غوث ہزاروی نے جمعیت علماء اسلام کے جنرل میجر ٹری کی ذمہ داری سنبھالی۔ 4 ستمبر 1972ء مطابق 25 ربیع الثانی 1393ھ جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس عمومی کا اجلاس ملتان میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالکلیم (راولپنڈی والے) نے شرکت نہیں کی تھی۔ اس اجلاس نے مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس کے اس فیصلے کو منسوخ کر دیا جس کی رو سے حضرت ہزاروی صاحب جنرل میجر ٹری بنادیتے گئے تھے۔ اور مفتی محمود کو سیکرٹری کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مرکزی دفتر ملتان سے لاہور منتقل کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا تھا۔ جبکہ مولانا غلام غوث ہزاروی کو مرکزی ناظم کے عہدہ پر برقرار رکھا گیا۔

29 ستمبر 1972ء کو ترمیم اسلام میں مولانا غلام غوث ہزاروی نے درج ذیل وضاحت شائع کرائی۔

میں کمزور اور بیمار بھی رہا ہوں۔ جمعیت علماء اسلام نے مجھ پر بعض اوقات ایسا کیا جن کی تکمیل میرے لئے مشکل ہوتی چلائی ہے۔ مگر وہ ستوں کے مظلوم بعض معمولی بعض غیر معمولی طویل ہوتے ہیں جن کے پڑھنے سے میں معذور ہوں۔ اس لئے سب کی خدمت میں عرض ہے کہ قلم برداشتی ذاک اور چشم سے محرم القلم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے نام بھیجا کریں چاہے پتہ پڑ جائے دفتر جمعیت علماء اسلام پر کہ دیکھ کر اگلے سال کے پتہ پر۔ اگر مؤخر الذکر پتہ پر ذاک آئے گی تو دفتر والے وہ ذاک حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں فوراً روانہ کر دیں گے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جمعیت علماء اسلام کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے جنرل میجر ٹری (ناظم عمومی) ہیں اور ان کی ذاتی عہدے کے علاوہ عزت کی نگاہی ہے مجرورہ جو کام میرے

مید و کریں گے یا حضرت مولانا امجد علی صاحب (گوٹہ) قوالہ بولے، مگر کڑی فاحشہ
 ۱۰۰ کے سپرد کر دیں گے اس کی حتی الامکان تعمیل ہوگی۔ ہم دونوں جمعیۃ علماء اسلام کل
 پاکستان کے ناظم ہیں۔ ملک کے سوا بھی جمعیۃ کے مختلف کام ہیں جن میں تقسیم کریں
 گے۔ [قوالہ امجد علی قیادت۔ ص 177، 178]

بظاہر حضرت ہزاروی نے ترجمان اسلام کے ذریعہ یہ اعلان شائع کر دیا جس میں آپ
 نے جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی مجلس عمومی کے فیصلے کو تسلیم کیا ہے۔ مگر ان کے ساتھی، اور ان
 کی جماعت کے صوبہ پنجاب کے جنرل سیکرٹری مولانا فیضیہ القاسمی صاحب نے اس کو مولانا ہزاروی
 اور مولانا مفتی محمود کے باہمی اختلافات کی ایک بنیادی وجہ قرار دیا ہے۔ اور شاید ایسا ہو۔

حضرت مفتی صاحب کا وزارت سے استعفیٰ کو مولانا نظام غوث ہزاروی نے خوب خوب
 اچھالا۔ ان کو اس بات پر اعتراض تھا کہ مفتی صاحب کے وزارت غلیا سے استعفیٰ کا فیصلہ ذاتی
 تھا۔ ان پر لازم تھا کہ کم از کم مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جائے اور اس میں استعفیٰ کے
 وجوہات پر بحث کی جاتی۔ اور اس کی روشنی میں استعفیٰ یا عدم استعفیٰ کا فیصلہ اس سے لیا جاتا اور اس
 پر عمل کیا جاتا۔ جبکہ مفتی صاحب نے سب کی خاطر وزارت سے استعفیٰ دیا ہے۔

جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ جماعتی زندگی میں بعض صورتیں ایسی پیش آ جاتی ہیں جو
 فوری عمل در آمد اور فوری رد عمل کی مستحاضی ہوتی ہیں۔ اس میں اتنا وقت نہیں ہو سکتا کہ ملک
 سے شوریٰ کے ارکان کو بلا کر ان سے فیصلہ لیا جائے کیونکہ اس وقت تک پلوں کے نیچے کافی پانی
 گزر چکا ہوتا ہے۔ اس وقت بھی ایسی ہی صورت حال اور پیش تھی۔ لیکن مفتی صاحب کے اس
 فوری اقدام (وزارت غلیا سے استعفیٰ) کی توثیق کے لئے اس کے چند دن بعد لاہور میں 21

فروری 1973ء کو جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی اور چاروں صوبائی مجالس شوریٰ کا ہنگامی اجلاس بلا دیا
 گیا۔ جس نے بالاتفاق مرکزی حکومت کے اقدام کو غلط اور مفتی صاحب کا حکومت صوبہ سرحد

سے استعفیٰ کو جبراً اتار دیا اور صحیح قدم قرار دیا۔ اس اجلاس میں مولانا نظام غوث ہزاروی اور
 مولانا عبید العظیم نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمود اور مولانا نظام غوث
 ہزاروی نے جو تقریریں کیں وہ بیکارڈ کے طور پر محفوظ ہیں۔ ذیل میں مولانا نظام غوث ہزاروی
 کی تقریر کا اقتباس دیا جاتا ہے وہ یہ ہے۔

آپ نے مولانا مفتی محمود کی کابینہ سے استعفیٰ کا خیر مقدم لیا اور کہا کہ اس وقت سب
 سے معاہدہ توڑنے کا سوال علیحدہ الگ ہے۔ آپ نے کہا میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ
 سر کرنے سرحد و بلوچستان کی حکومتوں کو کام ہٹانے کی پوری کوشش کی ہے اور
 مشکلات پیدا کی ہیں۔ آپ نے کہا کہ ہمارا اتحاد وزارت کی خاطر نہیں اصولوں کی خاطر
 ہے جب تک وہ سرکاری ان اصولوں میں ہمارے ساتھ ہے ہم اتحاد کو کس طرح ختم
 کر سکتے ہیں۔ [مختصر روزنامہ ترجمان اسلام لاہور، یکم مارچ 1973ء۔ ص 1] مولانا نظام
 غوث ہزاروی

ان حالات میں اس وقت بھی جمعیۃ علماء اسلام کے مختص کارکن پریشانی سے دوچار
 تھے۔ ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہزاروی صاحب کا موقف کبھی کبھی دیکھ
 ہوا کہ ساتھ بہت سے جماعتی فیصلے ایسے ہیں جس کی ادنیٰ قدر پر تائید و توثیق کرتے اور پھر
 دوسرے وقت اس کی تردید و مخالفت کرتے۔ اکثر الزامات، اعتراضات انہوں نے اس وقت
 اٹھائے جب جماعت سے انہوں نے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور پھر بعد میں جماعت نے بھی ان کی
 علیحدگی کا فیصلہ کیا۔ ان کا اختلاف جماعتی فیصلوں سے تھا۔ جبکہ وہ اور ان کے ساتھی اس کو
 ہزاروی، مفتی اختلاف قرار دیتے رہے۔

قارئین کرام! راقم الحروف یہاں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہے کہ یہ باتیں اور
 واقعات بیان کرتے وقت گویا دل پر پتھر رکھے ہوئے ہے۔ بزرگوں کا ادب اور ان کا احترام ہی
 اپنے لئے بہت بڑا سرمایہ اور ذخیرہ آخرت سمجھتا ہے۔ راقم الحروف کبھی یہ جسارت نہ کرتا۔ اگر

اس سلسلے میں بعض مخلص ساتھیوں کا اصرار نہ ہوتا اور ان کا یہ تقاضا نہ ہوتا کہ چونکہ حضرت مفتی صاحب اپنی انبیات میں کبھی بھی بڑا روپی صاحب کے الزامات اور اعتراضات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور نہ ہی ان کا جواب دیتے تھے۔ بلکہ آپ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے منع فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ملت روزہ "پستان" لاہور کے نمائندہ کو ازہ خانے ہزاروی کے اختیارات اور ان کی طرف سے سنگین الزامات کے بارے میں پوچھا تو مفتی صاحب نے جواب فرمایا۔

میں "م" کی باتوں کا کبھی جواب نہیں دیا کرتا۔ میں اس وقت ضائع کرنے کے برابر سمجھتا ہوں۔ میں اپنی طاقت صرف ایک محاذ پر صرف کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے محاذ پر اپنی طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ (حوالہ ملت روزہ "پستان" اسلام آباد، مفتی محمود نمبر 144)

اس لئے جب آپ (راقم الحروف) نے حضرت مفتی صاحب کی خدمات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اور آپ نے ان کے سیاسی موقف پر اعتراضات اور آپ پر الزامات اور ان کے جوابات کو اپنی تالیف میں شامل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ تو ان باتوں اور واقعات کو ضرور زیر بحث لایا جائے۔ تاکہ ان تاریخی واقعات سے جماعتی کارکن کو واقفیت حاصل ہو۔ اور آئندہ کے لئے ایسے صورت حال میں فیصلہ کرنے میں ان کو رہنمائی ملے۔

جمیعت سے علیحدگی کے بعد مولانا ہزاروی نے مفتی صاحب پر یہ بھی الزام لگایا کہ وہ ملک دشمن ہے اور غیب کی حمایت میں وہ ملک پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے اور وہ پختہ نشان کا حامی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ عجیب بات ہے کہ دیرینہ رفاقت میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی وہ مفتی صاحب کی طرف ایسی کسی الزام کی نسبت کرتے ہیں۔ لیکن جو نئی جماعتی فیصلوں پر ذاتی فیصلوں کو ترجیح دینے کی وجہ سے پہلے وہ جماعت سے علیحدگی کا فیصلہ کرتے ہیں۔

مجبوراً جماعت بھی ان سے التعلقی کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کے بعد ان پر یہ "مکتشف" ہو جاتا ہے کہ مفتی محمود، ظمن، دشمن، ملک دشمن اور پختہ نشان کا حامی ہے۔ مفتی صاحب نے جیسے کہ اس سے قبل مذکور ہو چکا ہے۔ ان کے الزامات کے جواب دینے کی کبھی کوشش نہیں کی مگر جب ہزاروی صاحب کے اس الزام کے پیچھے بیٹو حکومت کے اشارے معلوم ہوئے۔ اور یہ کہ یہ سب الزامات حکومت کی پشت پناہی کی وجہ سے لگائے جا رہے ہیں۔ تو مفتی صاحب نے اس الزام کا مدلل جواب دیا۔ آپ نے وزارت خلیا کے دوران کرپٹ اور بلوچستان کا دورہ کیا اور بے شمار عام جلسوں سے خطاب فرمایا۔ 28، 29، 30 ستمبر 1972ء کو آپ نے لاہور (فیصل آباد) سرگودھا اور مہنگ کا دورہ کیا۔ اس دورہ میں آپ نے جو تقاریر کیں۔ ان کے اقتباسات "عہد ساز قیادت" کے حوالے سے مندرجہ ذیل ہیں۔ علیحدگی کے الزامات کے جواب میں وہ فرماتے ہیں۔

صوبہ سرحد اور بلوچستان کے تمام کے خلاف سازشیں کی جا رہی ہیں اور ان پر بھی ایسی الزام لگایا جا رہا ہے جو مشرقی پاکستان کے تمام کے خلاف لگایا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان کے تمام پاکستان کی سالمیت، استحکام اور وحدت کے قائل ہیں۔ لیکن بعض افراد کے جرم کے چاروں صوبوں کے اور یہاں اختراق و انتشار پھیلانے کی کوششیں میں مصروف ہیں۔ لیکن میں واضح الفاظ میں بتا رہا چاہتا ہوں۔ کہ ہم کسی ایسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور ہم ان کا ذاتی مقابلہ کریں گے۔ مفتی صاحب نے فرمایا

کہ صوبہ پنجاب آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے پاکستان کا بڑا صوبہ ہے۔ جس کو میں جسم کہا کرتا ہوں۔ اور باقی صوبوں کو ہاتھ اور پاؤں کہا کرتا ہوں۔ اگر جسم سے ہاتھ پاؤں علیحدہ ہو جائیں گے تو جسم اگر چہ بچا رہے گا مگر بے ہوش رہے گا۔ لیکن ہاتھ جو کٹ گئے وہ کبھی زخم نہیں دے سکتے۔ اسی طرح ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم علیحدہ ہو جائیں یا علیحدہ کئے گئے تو پنجاب جو جسم ہے وہ کالا رہی کسی زخم دے گا لیکن ہم زخم نہیں دے سکتے۔ ہم پاکستان سے علیحدہ ہو کر اپنی موت پر دستخط نہیں کرنا چاہتے۔

مفتی صاحب نے فرمایا۔

کہ سرحد کے محامد پنجاب کے محامد کا احترام کرتے ہیں پنجاب کے محامد کو بھی چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ جو لوگ شرعی پاکستان کی طرح صوبہ سرحد اور بلوچستان کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں پنجاب کے محامد کو چاہیے کہ وہ ان کی کوششوں کو ناکام بنادیں۔ سب مل کر نعرہ لگائیں۔ پنجابی پٹھان بھائی بھائی۔

مفتی صاحب نے خود بھی یہ نعرہ لگوا دیا اور لوگوں نے بھائی بھائی کہہ کر جواب دیا۔ محامد بار بار تقریر میں یہ نعرہ لگاتے رہے۔ (مجدد قیادت ص 178، 179)

14 اگست 1972ء کو "یوم آزادی پاکستان" کے سلسلے میں ریڈیو پاکستان پشاور سے

مفتی صاحب کی انٹرویو تقریر سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ جس سے ان کی حب الوطنی "اعظم من الشمس" کا پتہ دیتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

عدو کے لفظی وار کم سے پاکستان ایک بار پھر ایک مضبوط طاقت بن کر عالمی سیاست میں اٹھ کر اور ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ پاکستان ہمارا ملک ہے اور ہمیں ان رات محنت کر کے اسے مضبوط بنانا ہے۔ ملک کے حصے کی زمین ہمارے لئے حق ہے۔ اور کسی کو بھی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ وہ ملک کے کسی بھی حصے کو نکلے۔ نکلے کرنے کی کوشش آئے۔ قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت انکار نہیں ہے اور ہم ان کا ہر قیمت پر تحفظ کریں گے۔ (ترجمان اسلام "ادوار مفتی محمود نمبر 1 ص 528)

حضرت مفتی صاحب کی حب الوطنی کے جذبہ سے بھرپور ان بیانات اور اس سلسلے میں آپ کی جماعت جمعیت علماء اسلام کا موقف اور اس کی ملک و وطن کی یکجہتی، اتحاد اور وحدت و استحکام کے لئے قربانیوں کے باوجود یہ الزام لگانا کہ وہ ملک دشمن ہے۔ اور وہ ملک کو نکلے نکلے کرنا چاہتا ہے کتنا سنگین الزام ہے۔ لیکن جس کو مفادات کی محبت اور یا کسی کی عداوت اندھا کر دے وہ

حقائق سے بھی چشم پوشی کرتا ہے۔ لیکن اس میں جن پر الزام لگایا جاتا ہے ان کا کیا قصور ہے؟ قصور تو الزام لگانے والوں کا ہے۔ اگر کوئی اس کو قصور وار ٹھہراوے۔

گرسٹ میسج روز مشہور چشم
چشم آفتاب راجہ گستاخ

چنگاؤ کو دن کو کچھ نظرت آنے کا الزام سورج کو تو نہیں دیا جاسکتا۔ قصور اس کا اپنا ہے سورج کا تو نہیں۔

مولانا ہزاروی کی ایک وجہ جماعت سے علیحدگی کی ایک وجہ مارچ 1973ء میں جمہوریت پسند جماعتوں کا اتحاد بھی بنا۔ جو بھٹو حکومت کے خلاف اپوزیشن جماعتوں کا اتحاد تھا۔ جس میں دیگر جماعتوں کے علاوہ ذہیب اور جماعت اسلامی بھی تھی۔ جس پر مولانا تمام غوث ہزاروی صاحب کو اعتراض تھا۔ اور یہ سب کچھ بھٹو صاحب اور ان کی حکومت کی حمایت میں ان کا عدسے تباہی کی وجہ سے تھا۔ بالآخر وہ جماعت سے کیا علیحدہ ہوئے۔ 1977ء میں انہوں نے سیاست سے بھی دست کشی اختیار کر لی۔ اور دست کشی کی ایسی کہ پھر اس کی جماعت بھی ہمیشہ کے لئے "سیامیا" ہو چکی۔

اس سلسلے میں راقم الحروف کا ایک آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا واقعہ ہے۔ راقم الحروف دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ تنک میں زیر تعلیم تھا۔ یہ غالباً 1973ء کا واقعہ ہے۔ راقم الحروف مولانا فضل الرحمن، مولانا عبدالمالک شاہ اور مولانا محمود صاحب ایک ہی کمرہ کے رہا کرتی تھے۔ مولانا فضل الرحمن جب بھی پشاور یا اسلام آباد جاتے تھے تو اکثر راقم الحروف آپ کا شریک سفر ہوتا تھا اور یہ بھی حضرت مفتی صاحب کی ہدایت کے عین مطابق۔ ایک دفعہ جب ہم نے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنایا تو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ تنک کے صدر المدرسین، استاذ الاساتذہ و عالم بے بدل حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب درویشی رحمہ اللہ فاضل دیوبند نے بھی اسلام آباد جانے کی

خواہش کا اظہار فرمایا۔ ان کی خواہش تھی کہ قومی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی دیکھے۔ تو وہ بھی اس سطر میں ہمارے شریک رہے اور ہم نے یہ سعادت سمجھی کہ اس سطر میں اپنے استاد صاحب کی خدمت کا موقع ملے گا۔ راقم الحروف نے ان واقعہ کے ابتدائی حصے کو اپنے ایک مضمون میں جو کہ حضرت مولانا امجد العظیم صاحب کے نام کی شہرت سے "صدرالمدینین" نامی کتاب میں بھی لکھی ہے۔ اس کتاب کو ان کے لائق و فائق صاحبزادے مولانا محمد امجد العظیم قاضی مدظلہ دار العظمیٰ حجازیہ اکوڑونک نے 1990ء میں شائع کرایا ہے۔ اس مضمون میں راقم الحروف نے لکھا ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا امجد العظیم صاحب مرحوم نے قومی اسمبلی کی کارروائی دیکھنے کی خواہش کا ذکر فرمایا۔ جمعرات کے دن اسلام آباد جانے کا پروگرام طے ہوا۔ مولانا فضل الرحمن اور راقم کو شرکت سطر کا موزون حاصل ہوا۔ راستہ کا قیام حضرت مفتی صاحب کی اقامت گاہ میں تھا۔ راستہ پر تک مفتی صاحب مدظلہ سے علمی بحث و مباحثہ اور ان کا ادب و استقامت کی محفل رہی۔ ایک عجیب سی تھا۔ زمانے کے اور بڑے علم کے بزرگ۔ ان علمی بحث و مباحثہ کے آریہ ایک دوسرے کے ساتھ دن تک محو محکم رہے۔ اور ہم ان کی قلاب علم بحث کے پھل پھولوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ کافی علمی بات ہماری ذہنی رسائی سے باہر تھی۔ لیکن ایک روحانی محفل کی کیفیت کا سراں ہرچہ ہرچہ سے ہو رہا تھا۔ جس کا سراں اب بھی اس محفل کو یاد کر کے جہنم جہنم ہے۔ اور ایک لڑکتی بخش ماحول سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

صبح کو ناشتہ کے بعد حضرت مولانا امجد الحق صاحب کی اقامت گاہ پر تشریف لے گئے۔ انکی انجمن مولانا امجد الحق صاحب مدظلہ کی ایک قرار داد جو سو کی حرمت اور ملک میں سوشل کارروائی کی ممانعت کے سلسلے میں تھی۔ قومی اسمبلی میں زیر بحث تھی اور ان کا وہ (اس پر بحث کا) آخری دن تھا۔ مولانا امجد الحق صاحب مدظلہ ان بحث کی تیاری میں مصروف تھے۔ مولانا امجد العظیم صاحب مرحوم کو کچھ کثرت غم ہوئے اور ان کو اس کی حرمت، معاشرہ میں اس کی دیر سے پیدا شدہ غریبیاں، تفریق اور آخری تفریق

پہنچ گئے۔ تا کہ وہ آج کے دیر مولانا امجد العظیم صاحب مدظلہ نے اس بحث کا آغاز فرمایا۔ اور اسمبلی محکمہ فرماتے۔ ہے کہ وہ علمی باتیں کرتے۔ قرآن و احادیث کے کلام دیتے اور اقصائی نکالات سود کی حرمت و مخالفت اور معاشرہ کے لئے ان کی عبادت و سیر حاصل بحث فرمائی۔ (صدرالمدینین) میں 1994-1995

یہ وہ دن تھا جس دن "مری مذاکرات" کے نام سے مشہور پارٹی اور اپوزیشن کے رہنماؤں کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ چل گیا۔ ہاتھ مفتی صاحب، نور علی صاحب، خان عبدالحی خان، غوث بخش بزنجو، قیصر بخش مری، ارباب سکندر خان، فطیل اور علماء اللہ خان، میگل اور دیگر رہنما ہمارے سامنے ہی گاڑیوں میں بیٹھ کر مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اور انی دن "سود پر پابندی" کی قرارداد اسمبلی میں زیر بحث تھی اور آج اس پر بحث کا اور یا پھر ونگ کا آخری دن تھا۔ حضرت مولانا امجد العظیم صاحب، مولانا فضل الرحمن اور راقم الحروف بھی وہیئر میگل میں بیٹھے تھے۔ جب مولانا امجد الحق صاحب کی "سود پر پابندی" کی قرارداد کی باری آئی۔ اور مولانا امجد الحق سے جب پتھر لگے یہ پوچھا کہ آپ اس پر آخری تقریر کرنا چاہتے ہیں یا ونگ چاہتے ہیں۔ تو مولانا امجد الحق صاحب نے ونگ کے بارے میں اسے دی۔ (یہاں بڑے واقعات بھی اسمبلی میں ہوئے۔ مشہور پارٹی کی اسمبلی، مشہور، صحت کا جناب علی حسن مگھی نے یہ سوال کیا کہ سود اور تفریق میں کیا فرق ہے؟ اور بعض بڑے بڑے دستار دار نے بے جہل سوال نامہ تھا۔ علماء اس کو سمجھ جواب نہ دے سکے۔ بلکہ مولانا امجد الحق صاحب کو تنبیہ ایازت نہیں دے رہے تھے۔ آخر کار مولوی نعمت اللہ صاحب ایم این اے کوہاٹ کو جب اسمبلی نے ایازت دی تو انہوں نے روز مرہ کی ایک لہارت سادہ و سادہ سے سود اور تفریق کا فرق سمجھایا جس سے علی حسن مگھی کی تسلی ہوئی۔ ان نام نہاد علماء دین کی اس کارکردگی پر جہاں ہمیں افسوس ہو رہا تھا وہاں حضرت مولانا امجد العظیم صاحب کی حالت قابل دید تھی۔ وہ بہت بچ و تاب کی کیفیت سے گزار

رہے تھے مگر اسمبلی کا ڈیکورم رکاوٹ تھا اور نہ ان کے بس میں ہوتا۔ وہ اسمبلی کے علویہ کھڑے ہو جاتے اور جہاں وہ ان نام نہاد مولویوں کا حشر کرتے وہاں مولود فحش کافری بھی سمجھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تقسیم کی صفت بہت وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی)

جو نبی جھٹکرتے وہ ٹنگ کے فیصلے کا اعلان کیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبدالحکیم راولپنڈی اور مولانا عبدالحق کوئٹہ والے اسمبلی ہال سے باہر تشریف لے گئے۔ اور مولانا عبدالحق کی قرارداد کے حق میں اپنا ووٹ استعمال نہیں کیا۔ جس پر ہم سب کو بہت ہی افسوس ہوا۔ مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ جماعت اسلامی کے ممبر جمیہ علماء پاکستان کے ممبر یہاں تک کہ سیکرٹری جماعت نیپ کے اراکین اسمبلی تو مولانا عبدالحق صاحب کی قرارداد کی حمایت میں ووٹ استعمال کریں۔ اور بعض اپنے علماء مفکرانوں کی خوشنودی کی خاطر حق بات اور حق بات کی حمایت سے پہلو تھکی کریں۔ اب حریہ توجہ مطلوب ہے۔ اس واقعہ کے چند دن بعد دارالعلوم حقانیہ کے ایک طالب علم حافظ عبد الوارث وزیر ستانی کی دعوت پر مولانا ہزاروی صاحب دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ قصایات تو زیادہ ہیں مگر صرف ایک بات جس کا تعلق مذکورہ بالا واقعہ سے ہے تحریر کرتا ہوں۔ صبح جب ہزاروی صاحب راولپنڈی جاتے کے لئے بس اڈہ کی طرف تشریف لے جاتے گئے۔ تو چند طلباء کے ساتھ ساتھ راقم الحروف بھی آپ کو اوداع کہنے کے لئے ساتھ تھا۔ اڈہ پہنچ کر بس کا انتظار ہو رہا تھا کہ راقم الحروف نے اسمبلی کی کارروائی اور اس میں مولانا عبدالحق صاحب کی سود پر پابندی کے حق میں ووٹ استعمال نہ کرنے کے بارے میں ان سے پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ عبدالحق کو میں نے بار بار سمجھایا ہے کہ وہ ایسی قراردادیں اسمبلی میں نہ لائیں۔ جن کے بارے میں ان کو معلوم ہے کہ پیپلز پارٹی اور اس کے ارکان اس کی مخالفت کریں گے۔ پھر وہ کیوں ایسی قراردادیں پیش کرتا ہے کبھی سود پر پابندی کے بارے میں کبھی جواز پر پابندی، کبھی جمعہ کی تعطیل، کبھی رقص و سرود پر پابندی۔ جب اس کو معلوم ہے کہ حکمران اس

کی مخالفت کریں گے تو وہ یہ قراردادیں لا کر ان کو وہ دین کی مخالفت پر اور پختہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں اور میرے ساتھی دو ٹنگ کے وقت اسمبلی ہال سے نکل گئے تھے۔

بین تفساوتہ روز انکب است تاب کجا

جمیہ علماء اسلام کے اصولی موقف سے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کے انحراف نے جماعتی کارکنوں میں بہت سی بے چینی پیدا کر دی تھی۔ اس کے ساتھ جمیہ کی مخالف قوتوں کی بھی خوب موقع ہاتھ آیا تھا۔ اور انہوں نے اپنے مضامین میں اس کو خوب ہواوی تھی۔ جماعتی ساتھیوں کی انکاپریشانیوں اور بے چینیوں نے کئی حساس دل بزرگوں کو اس طرف مائل کیا کہ وہ درمیان میں آکر ان مخالفتوں کو ختم کرنے کی سعی کریں۔ اور مصالحت کی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ اکابرین کی یہ جماعت وہ لخت ہونے سے بچ سکے۔ دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرت خواجہ خان محمد صاحب سجاد نقین خانقاہ سراہید گدیال نے اس سلسلے میں جو کردار ادا کیا۔ اس کے جزوی حصے کا راقم الحروف چشم دید گواہ ہے۔

حضرت خواجہ خان محمد صاحب امیر مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ ساتھ اس وقت جمیہ علماء اسلام کے مرکزی نائب امیر بھی تھے۔ اور اگر ایک طرف مفتی صاحب کے دل میں ان کا بہت احترام تھا۔ تو دوسری طرف حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالحکیم ان کے ساتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ اگرچہ ہزاروی صاحب، خواجہ صاحب کے جیر بھائی تھے۔ دونوں حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کے مریدین تھے۔ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کی انتقال کے بعد حضرت ہزاروی، حضرت خواجہ صاحب سے بیعت ہوئے تھے اور ان کی طرف سے ہزار بھی تھے۔ ان کے خلفاء میں ہزاروی صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب سے جو ملاقات کی تھی۔ اس موقع پر راقم الحروف اور مولانا فضل الرحمن صاحب موجود تھے۔ اگرچہ ملاقات میں ہم شریک نہیں تھے۔ وہ ملاقات دوبارہ تھی۔ مگر جب

حضرت خواجہ صاحب اس موقع پر حضرت ہزاروی صاحب سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ تو راقم الحروف ہمراہ تھا۔ اور وہاں ملاقات میں بھی شریک تھا۔ جب دیگر سال احوال کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے اپنے آنے کا مقصد حضرت ہزاروی صاحب کے سامنے رکھا۔ اور ان کے سامنے مصالحت کے لئے دو صورتیں رکھیں۔ ایک تو یہ کہ جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں آپ دونوں اپنا اپنا موقف رکھ دیں پھر مجلس شوریٰ جو بھی فیصلہ کرے دونوں کو منظور ہو گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ارکان کی کمیٹی بنائی جائے اور اس کے سامنے آپ اور مفتی صاحب اپنا اپنا موقف رکھ دیں پھر کمیٹی جو فیصلہ کرے گی وہ دونوں فریقین منظور کریں گے۔ حضرت خواجہ صاحب کی طرف سے ان دو تجاویز کو سامنے رکھنے میں ابھی اختلاف نہ ہی ہوا تھا کہ کوئی سوچے اور پھر جواب دے۔ حضرت ہزاروی صاحب نے وہ دونوں تجاویز کو مسترد کر دیا۔ اور انہوں نے فرمایا کہ میں مفتی محمود کے ساتھ بیٹھ کر اپنا موقف پیش کروں۔ یہ قطعاً نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت ہزاروی صاحب کی یہی بات مولانا مفتی یار صاحب (گراہی) نے بھی لکھی ہے۔ وہاں نامہ ”قوی ذات جست“ ۱۱۰ اور (مفتی محمود نمبر) ج ۳، شمارہ نمبر ۱۲، تاریخ الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق فروری ۱۹۸۱ء میں رقمطراز ہیں۔

مفتی صاحب جو بات بھی فرماتے مدلل۔ ”اگر کسی بات کو تسلیم کرتے تو وہ بھی دلائل کی بنیاد پر۔ اور اپنا حکم کسی پر نہیں دیتے تھے اور نہ کسی کا حکم یا بات بغیر دلائل کے تسلیم کرتے۔ ان کے دلائل اس قدر مضبوط اور محکم ہوتے کہ بڑے سے بڑا آدمی ان دلائل کو تسلیم کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ایک واقعہ بتا رہا ہوں۔ حضرت مولانا نظام خاں ہزاروی اور حضرت مفتی محمود ہمارے قارئین میں سے تھے۔ ان دونوں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ میں نے ایک بار مولانا ہزاروی سے عرض کیا کہ آپ ان اختلافات کو شوریٰ میں کیوں حل نہیں کرتے۔ مفتی صاحب تو کہہ پکے ہیں کہ شوریٰ میں بیٹھ جاؤ۔ جو فیصلہ وہ دونوں منظور کر لیں۔ ہزاروی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ جہاں تم نہیں

جہاں مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دلائل کی اتنی قوت دی ہے وہاں اگر چاہیں کہ کٹری کو سہولیت کریں تو اس پر بھی تیار ہیں کہ اپنے دلائل سے کٹری کو سہولیت کروں۔ اور کوئی ان کے دلائل کو رد نہیں کر سکے گا۔ شوریٰ میں تو سراسر ان کی جیت ہے۔ مولانا مفتی یار صاحب ایک اور واقعہ بھی نقل کرتے ہیں۔ جس سے ہزاروی صاحب کی نگاہ میں مفتی محمود صاحب کا کیا مقام تھا۔ اور ان کے دل میں ان کی کتنی محنت و احترام تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس قدر مخالفت کہ جمعیۃ کو وہ سخت کرنے پر آمادہ ہوئے۔ نہ تو شوریٰ میں بیٹھنا گوارا کیا۔ نہ کسی کمیٹی کی تشکیل اور اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ نہ ان کے دلائل کے سامنے اپنے دلائل دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو مفتی صاحب کے دلائل کو رد کرنے کے قابل سمجھا۔ پھر کیا بات تھی؟ یہی بات آج تک مجھ سے بالاتر ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کے کارکن اور خاص کر نئی پود کے نوجوان کارکن جمعیۃ علماء اسلام کے پرانے کارکنوں سے اس بارے میں جواب سوال کرتے ہیں۔ تو وہی کہتے ہیں کہ

ایک جمعہ ہے سچھنے کا نہ سمجھانے کا

یہی وجہ ہے کہ پھر بعض ساتھی اور ہزارہر کے الزامات لگا کر اس میں اس کا جواب دھونڈتے ہیں۔ کوئی ساتھی مفادات کا الزام لگاتے ہیں۔ کوئی ان کے رفقاء کرام اور اصحاب کے بارے میں یہ باتیں کرتے لگ جاتے ہیں۔ کہ مولانا ہزاروی صاحب ان کے ہاتھوں مجبور و بے بس تھے۔ شاید ہوں۔ مگر راقم الحروف کوئی ایسی جرات نہیں کر سکتا۔ بس یہی کہہ سکتا ہے کہ ایک سازش تھی جس سے اکابرین اور علماء حق کی اس جماعت کو اس کا ہدف بنایا گیا۔

حضرت مفتی صاحب ان بنامتی اختلافات کو کبھی بھی عام مجالس میں یا اخباری کارکنوں کے سامنے موضوع بحث نہ بناتے۔ اور نہ ہی کبھی اپنی جماعت اور گنہگار ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور کے صفحات کو اس کے لئے استعمال کیا بلکہ جب بھی اخباری نمائندے آپ سے اس بارے

میں کوئی سوال کرتے تو آپ ٹالتے رہتے تھے۔ لیکن دوسری طرف حضرت بزازوی صاحب اور ان کے رفقاء نے تحریر و تقریر کا ہر ذریعہ استعمال کیا جو ان کی دسترس میں تھا۔ جیسے کہ وہ اسی کے لئے وقف ہو چکے ہیں۔ صرف ایک دفعہ مفتی صاحب نے اتنے سارے الزامات و اعتراضات و اتہامات کے جواب میں اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک "مضمون بعنوان" ملکی سالمیت کی خاطر میری جان بھی حاضر ہے "بمخت روزہ ترجمان اسلام" لاہور کے ج 16، شمارہ 43، یکم شعبان 1393ھ مطابق 31 اگست 1973ء) میں شائع کر لیا تھا۔ اور یہ اس وقت کہ جب مولانا بزازوی صاحب نے مفتی صاحب پر ملک دشمنی کے الزامات لگائے تھے اور اس کی حب الوطنی کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا۔ مفتی صاحب نے اسی مضمون میں مولانا بزازوی کے ایک ایک الزام کا جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(1) پھیل مادی پانی کے ساتھ معاہدہ خود مولانا بزازوی نے کیا تھا جس میں مولانا بزازوی نے معاہدہ کی تفصیلات طے کیں۔ اور ان پر مجھ سے مشورہ طلب کیا۔ بلوچستان میں مولانا بزازوی اور میں نے مل کر بات چیت کی مگر معاہدہ مولانا بزازوی نے خود اپنے قلم سے لکھا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ 21 فروری 1973ء کو جبکہ مولانا میں قلمدان تھے ختم ہو چکی تھیں مرکزی اور صوبائی مجلس شوریٰ کے مشترکہ اجلاس لاہور میں اس معاہدہ کو قرار دیکھنے کا فیصلہ ہوا اور خود مولانا بزازوی نے اسے بحال رکھنے کا پُر زور حمایت کی۔

(2) ختمہ جمہوری محاذ میں شمولیت کا فیصلہ جمیہ کی مرکزی مجلس شوریٰ نے 18 مارچ کے اجلاس راولپنڈی میں کیا۔ اس اجلاس میں مولانا بزازوی موجود تھے اور یہ بات بالکل واضح تھی کہ محاذ میں نیپ اور جماعت اسلامی بھی شامل ہو رہی ہے۔ اور یہ اتحاد کوئی عقیدہ یا مسلک کا اتحاد نہیں بلکہ ملک میں آمریت و فطارت کا مقابلہ کرنے کے لئے چند اہم لوگوں پر مشتمل اکمل کا سمجھوتہ ہے اور اس سے قبل بھی اس نوعیت کے معاہدے ہوتے رہے ہیں۔ 52ء میں 22 دستور کی لکات کی ترتیب میں جمیہ علماء اسلام کے عقیم

بزرگ حضرت مولانا احمد علی صاحب ٹٹیکے تھے اور ان میں مولانا صاحب بھی تھے۔ 53ء میں تحریک ختم نبوت کی مجلس عمل میں مولانا بزازوی وادی کی حیثیت سے شریک تھے اور اس میں جماعت اسلامی بھی شامل تھی۔

1968ء میں جمہوری مجلس عمل میں جماعت اسلامی شریک تھی اور مولانا بزازوی بھی شامل تھے حتیٰ کہ جمیہ کے بعض ارکان (مکرم مولانا کاظمی مظہر حسین صاحب پٹووالہ مولانا کاظمی عبداللطیف صاحب جہلم و لکھنؤ) نے اس پر اعتراض کیا تو خود مولانا بزازوی نے ان کے اعتراض کا جواب دیا اور انہیں مطمئن کیا۔

(3) مولانا بزازوی صاحب نے مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی بار بار خلاف ورزی کی۔ امیر مرکزیہ کی طرف سے بار بار سرزنش کے باوجود انہوں نے روٹ نہ دی۔

(1) 14 مارچ 1972ء کو شہر پارٹی جمیہ اور نیپ کے درمیان سرناماتی معاہدہ طے پایا مگر بارشیل لاہور کو 14 اگست تک جاری رکھنے کے سوا کہ معاہدہ کی تعبیر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہم نے صدر جموں کو تجویز پیش کی کہ بائیکاٹ کے دو تہوں سے اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔ مگر مولانا بزازوی نے مجلس شوریٰ کے ابھاس سے قبل ہی اس بات میں یکطرفہ موقف اختیار کر کے یہ بیان دیا کہ نئی لاقامی عدالت کے بیچ بھی اگر اس معاہدہ کی تعبیر میرے موقف کے خلاف کر دیں تو بھی 14 اگست تک بارشیل لاہور قائم رکھنے کے حق میں دوں گا۔

(ب) 21 فروری 1973ء کو صوبائی اور مرکزی مجلس شوریٰ کے مشترکہ اجلاس لاہور میں بزازوی نے رکن صوبائی اسمبلی حق کو ارخان کے بارے میں مولانا بزازوی نے کہا کہ اس کا مسئلہ دار ہوں۔ یہ آپ کے ساتھ رہے گا اور آپ کو چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ اگر حق کو اور اس کے باوجود جمیہ سے فہماری کر کے گئے پوری وزارت میں شامل ہو چکا ہے اور اسے مولانا بزازوی کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ اور مولانا بزازوی نے جمیہ کے خلاف جو بیان دیا ہے اس پر اس کے گہرے شکوک ہیں۔

(ج) 17 مئی 1973ء مجلس شوریٰ کے اجلاس لاہور کے بعد چار افراد کا ایک وفد مجلس شوریٰ کی طرف سے مولانا بزازوی سے ملا۔ اور ان پر مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی کے لئے زور دیا۔ مولانا نے وعدہ کیا کہ دو ماہ تک میں مجازی مخالفت نہیں کروں

مگر امیر مہر گز یہ مولانا نور محمد اسٹی نے مولانا بڑاوردی سے تحریک کی اور وہاں ٹکڑے لگائے اور
 ان کی ایک دوسری دفعہ دو چاروں سے ملک انہوں نے تحریک کی طور پر چھین دی اور ان کی کہ
 وہ ملک میں لگاؤ کے خلاف کچھ نہیں کہوں گا مگر مولانا بڑاوردی 24 جون
 کو گئے تھے۔ اس دن مولانا اسٹی مولانا صاحب سے بندہ جس میں ملاقات کر
 کے ان کو جمعیت کے موقف سے واقف بنانے کے لیے آگاہ کیا اور اپنے ساتھ لے جانے لگے
 صاحب سے ملاقات کر لی اور اس کے بعد مولانا صاحب نے وزارت کا ملک انہوں نے
 اسی طرح پنجاب کے محکمہ ان اسٹی کو بھی مولانا بڑاوردی سے اور مولانا بڑاوردی 10-11 جون کو
 ان صاحب سے ان کی ملاقات کا احترام کر لیا۔

(و) ایک موقع پر مجلس شوریٰ کی پابندی سے ذکر پر مولانا بڑاوردی نے یہاں جمعہ کو ایک
 شوریٰ جانے کا اہم مسئلہ میں اس پر بحث بھی ہوئی۔

(و) مولانا بڑاوردی نے ان کا اسٹی اور ان کے انجمت سے ملنے کی پوری کوشش
 کی۔ جماعتی دستور کو مستقل کر کے جماعت کا انتظام سنبھالنے کا ارادہ کیا اور اسی طرح
 دستور کا حکم لکھواتا تھا۔ انہوں نے انجمت پر عمل درآمد کرنے کے لیے کوشش کی۔

انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ مولانا بڑاوردی اور مولانا صاحب کی طرف سے مولانا بڑاوردی
 کے نتیجے کے اثرات کے اعلان کے بعد انجمت کے نام سے مولانا بڑاوردی کا شعلہ جاری رکھا
 اور مہر گز کی قیادت پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے۔

(4) مجلس شوریٰ کے فیصلوں سے ان کے ساتھ ساتھ مولانا بڑاوردی نے ان سے ساتھ
 ہم خیالوں کا طرہ دیکھنا شروع کیا۔

(1) یہ جمعیت معاہدہ کے بعد اسٹی میں نور محمد کی نشستوں کے انتخاب کے موقع پر مولانا
 گورنوں کے تحت میں آخری فیصلہ پارٹی کی امیدوار کی حمایت کی۔ اور معاہدہ کی جگہ
 اور دی کی۔

(ب) یکم جون 1973ء کو اسٹی صاحب نے مولانا صاحب کے وزیر اعلیٰ کے عہدے کا حلف اٹھایا
 مگر اس تقریب میں مولانا بڑاوردی نے شرکت نہیں کی۔ وہ مکی و مسجد پتہ اور ملک میں
 لشکر کے سلسلے میں ملک کے کونے کونے سے جماعتی کارکنوں کو بلواتے تھے۔ جماعتی شریک
 سے مگر مولانا بڑاوردی نے اس میں بھی شرکت نہیں کی۔

(ج) دستور کی تہذیب میں قومی اسٹی میں انہوں نے بھارتی تائید کی اور اسلامی اقلیت کے
 حق میں بدانتظامی کی کہ ہندوئی حرمت کے بارے میں مولانا صاحب کی قیادت کی قیادت کے
 حق میں بھی بدانتظامی کی اور ان کی ایک ایک آواز میں ہمارا ساتھ دے۔

بوقت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور کے اسی شمارے میں جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس
 شوریٰ کے اجلاس منعقدہ 23 اگست 1973ء پر دو جمعرات 11 بجے دن مرکزی دفتر چوک رنگ
 محل لاہور جو کہ زیر صدارت نائب امیر حضرت مولانا عبید اللہ انور منعقد ہوا۔ (امیر مہر گز یہ
 حضرت نور محمد اسٹی صاحبہ و جمہور خان میں سیلاب کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے تھے) کی کارروائی
 شائع ہوئی ہے۔ جس میں امیر مہر گز یہ کی طرف سے مولانا کاظم ثروت بڑاوردی مولانا عبید اللہ انور
 مولانا عبید اللہ انور کو جمعیت سے خارج کرنے کے فیصلے کی توثیق کی گئی ہے۔ توثیق کی قرارداد میں
 کہا گیا ہے کہ جمعیت کے فیصلوں سے مسلسل اخراجات کے باعث اخراج کا فیصلہ ناگزیر تھا۔ مجلس
 شوریٰ نے اعلان کیا کہ جماعتی پارٹیس سے اخراجات کی صورت میں آئندہ بھی کسی بڑے سے بڑے
 رکن کو بھی جمعیت سے الگ کرنے میں تامل نہیں کیا جائے گا۔

ان بیانات اور جماعتی فیصلوں پر جماعتی آراء کی بجائے جمعیت علماء اسلام کے ترجمان بوقت

روزہ "ترجمان اسلام" لاہور جلد 11 میں 32 و 33 (17-24) 393 اجلاس 17-24
 اگست 1973ء کے مدیر کی طرف سے تحریر شدہ "ادارہ" "کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

اسد علی بی کے مطابق حضرت مولانا کاظم ثروت بڑاوردی نے ایسا بیان کیا ہے کہ
 کہ انہوں نے انجمت جمعیت علماء اسلام کا علم و نقل سنبھال لیا ہے۔ انہوں نے 23 اگست
 کے شوریٰ کے اجلاس میں ان کے اخراجات کے فیصلے سے قبل وہ جمعیت سے ٹکڑے کر دیے کی
 صورت میں ٹکڑے کی اختیار کر چکے تھے۔ ان کے اخراجات کا فیصلہ بعد میں ہوا ہے اور
 ساتھ ہی آپ نے حضرت مفتی محمود پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ مفتی صاحب نے جمعیت
 کے دستور اور مجلس شوریٰ کے فیصلوں سے اخراجات کیا ہے اور جمعیت کے کارکن اور کارکن
 کے مسئلہ کو نقصان پہنچایا ہے۔ مولانا بڑاوردی ان کے بارے میں اور ہمیں ان کی
 بڑاوردی اور جرات مائل کا لفظ ہے مگر چونکہ انہوں نے خود اپنے مقام اور حیثیت کا خیال نہ
 کرتے تھے جمعیت کی سرکاری قیادت پر جماعتی کے خلاف الزامات لگائے گئے ہیں اور

یہ بنیاد الزامات کا نہ کئے ہیں۔ اس لئے ہمیں حقیقت حال کی وضاحت کی خاطر مجھ پر
 کچھ باتیں فیصلے تھیں۔ میں ان کا پرہیز نہیں کرتا۔ اس بات سے مولانا پر اردو کی بھی افکار نہیں
 فرمائیں گے۔ کہ جمعیۃ علماء اسلام کسی فرد واحد یا بے ضابطہ گروہ کا نام نہیں جہاں ایک
 شخص کی مرضی چلتی یا باقی اکثریت کا عمل کا کوئی ضابطہ دستور نہ ہو جمعیۃ علماء اسلام
 ایک باضابطہ سیاسی و اجتماعی تنظیم ہے۔ جس کی شاخیں ملک کے کونے کونے میں موجود
 ہیں۔ اور ہر جگہ ایک دستور، نکتی ہے جس کے تحت ہیر، مجلس عاملہ، مجلس شورائی اور
 مجلس عمومی اپنے اپنے دائرہ کار پالیسی، مشورہ اور طریق کار پر عمل درآمد کی مگرانی کرتی
 ہیں۔ یہ نظم و نسق سالہا سال سے چل رہا ہے۔ اور خود مولانا پر اردو کی بھی اس کے دہر
 اور پیکر کن رہے ہیں۔ جب سوال یہ ہے کہ آخر وہ کس اصولی ضابطہ اور دستور کے تحت
 جماعتی دستور اور اصولی مجلس عاملہ اور مجلس عمومی کو نظر انداز کر کے درخواستیں کرتے
 ہیں ان کی طرف جمعیۃ کی سربراہی کے منصب پر رہنما ہونا چاہیے تھا۔

مولانا کی جماعتی خدمات اپنے مقام پر ناقابل انکار ہیں۔ ان کی قربانیاں اور شہداء اور ماضی
 بھی مسلم ہے لیکن ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان خدمات اور قربانیوں کے صلہ میں
 انہیں یہ حق حاصل اور ملتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی رائے کو پوری جماعت پر غور کرنے کی کوشش
 کریں اور جمعیۃ کے دستور اور آچار کو بھی پھیل کر سنے سے گریز نہ کریں۔ جمعیۃ کے علم
 نسق اور پالیسی کی ذمہ دار مجلس عمومی ہے جس کا ذکر دستور کی دفعہ 11 میں ہے ان الفاظ
 میں کیا گیا ہے۔

(الف) ہر جمعیۃ کی مجلس عمومی اس جمعیۃ کی سب سے بڑی طاقت ہو گی۔ (ب) مجلس
 عمومی کے سامنے جملہ جدید امور، مجلس شورائی اور مجلس عاملہ جواب دہ ہوں گے۔ اور
 اس کے فیصلے سب پر حاوی ہوں گے۔

دستور کی اس واضح شق کے پیش نظر اصولی طور پر چاہیے تو یہ تھا کہ مولانا پر اردو کی کو اگر
 جمعیۃ کی مرکزی قیادت کے کسی فیصلے سے اتفاق نہیں تھا تو اسے مجلس عمومی میں لے جاتے۔
 وہاں اپنی بات پیش کرتے اور ارکان کو قائل کر کے اپنی رائے منواتے۔ اور اگر اس کے
 وجود ان کی رائے تسلیم نہ کی جاتی تو وہ جماعتی فیصلہ کی پابندی یا جمعیۃ سے بیحدگی کے وہ
 واضح اور منطقی استوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتے۔ لیکن مولانا کا ہر سو فیصلے
 مجلس عمومی کو لپکا مجلس شورائی تک کی پرواہ نہ کی۔ ہیر ہرگز یہ کے فیصلوں کو کوئی وقعت

نہ دیکھ کر قوی اسمبلی کے اندر لا کر ہر سچ پر جماعتی فیصلوں کا نہ صرف علم تھا
 مذاق اڑایا بلکہ دوسرے ارکان کو بھی جماعتی پالیسی سے انحراف کی ترغیب دی۔

جماعتوں میں اختلاف رائے اس کے فیصلوں اور پالیسیوں کا ایک حسن ہے۔ اختلاف
 رائے سے کسی بھی فیصلے طلب امر کے تمام اچھے برے پہلو اور اس کا حسن اور نہائی واضح ہو جاتی
 ہے۔ اور پھر کسی سخت فیصلے تک پہنچنے میں نہایت سہولت رہتی ہے۔ لیکن اختلاف رائے کو ذاتی
 عزت نفس کا مسئلہ بنانا اور جماعتی فیصلوں پر اپنی ذاتی رائے کو فوقیت دینا یہ جہاں جماعت کے لئے
 نقصان دہ ہوتا ہے وہاں اس جماعت کا وقار و رعب و دہدہ بھی خاک میں مل جاتا ہے۔ اور پھر
 اس کا قیام اور بکھر جاتا ہے۔ اس وقت کے حالات میں ان حضرات نے یہی کوشش کی۔ مگر یہی
 کہ کہا جاتا ہے کہ وقت بہترین بیج ہے۔ حالات نے ایسا پلانا کھایا۔ کہ اوپر بھٹو صاحب کی حکمت
 مٹی اور مردہ لوگ جو جمعیۃ کو نقصان پہنچانے کے وہ پہلے تھے۔ ماضی کا قتلہ بن گئے۔ پھر کسی نے ان
 کا نام تک نہیں لیا۔ اس وقت وہ قتلہ ہکر انوں سے اپنے خدمات کے صلہ میں جو منکارات حاصل
 کئے۔ وہ یقیناً انہوں نے حاصل کئے ہوں گے۔ مگر اب جماعتی کارکنوں کو ان کے نام تک یاد
 نہیں۔ چہ جائیکہ ان کی قربانیاں اور خدمات کو زندہ رکھتے۔

جمعیۃ کی اس "بکرائی دور" کے تذکرے کا اختتام ایک مضمون پر کیا جاتا ہے۔ جس کا

عنوان ہے۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود عظیمی۔ اور ان کے مخالفین

یہ مضمون ماہنامہ "تبصروں" لاہور (مہر جانا ہار مرزا) کے "مفتی محمود نمبر" 11 اے
 شمارے (جنوری 1978ء) میں شائع ہوا ہے۔ اور مضمون نگار ہیں حضرت مولانا غلام غوث
 بر اردو صاحب۔ وہ لکھتے ہیں۔

ملک میں ایسے حضرات کم پیدا ہو کر رہے ہیں جو جامع حیثیت کے مالک ہوں یہ ملک کی
 دین ہے جس کو حفظ فرمائیں۔

ان وقت ملک میں مفتی محمود صاحب مدظلہ ان کے پہنے اکابر وین میں سے تھے جو تحریر و کلام اور لائسنس و سامراج کے کچھ نوپ و حیران میں رہتے تھے۔ ان کی حیثیت دیکھتے ہیں۔
حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سے کون ہم آفتاب ہیں صرف ہندو پاکستان میں ہی وہ معروف و کامل احترام نہیں ہیں بلکہ تمام عرب ممالک کے علماء وین سے صرف ان کو پہچانتے ہیں بلکہ ان کی قابلیت کا اعتراف کرتے ہیں۔

(1) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ (اعظم مفتی) اور ایسے حق کو مفتی کہ اگر ان کا جو مسودہ ہو تا تو آج پاکستان کے مسلمان مفتیوں کا جھنڈا طالع کچھ کرکھاتے رہتے۔

مولانا مفتی محمد شلیق صاحب (کراچی) نے تو اس کے کھانے کا کر دیا کہ "ایشیائے سنیں لکھ دی دیا تھا۔ دینے تھائی تھا کرے حضرت مفتی اعظم مفتی محمود کا کر انہوں نے اس کا جواب لکھ کر فضل الرحمن (ڈاکٹر فضل الرحمن) اور دیگر اسلامی حقیقتی کو اسل پاکستان اور مولانا مفتی محمد شلیق کا رشتہ رک رک لیا۔ وہ نہ علم سے نہ تو مشینیں دیکھائی تھیں۔

(2) حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے کے علاوہ کچھ تھے آپ مدظلہ کا اسم وعلوم ممالک کے فتح و کھربت ہیں۔ روزانہ اس بلکہ دی شریف دیتے ہیں۔

(3) ان مفتی مشاغل کے سوا آپ کو پابندی سے بچتے وقت لہذا اور بعد وکھلی بھی دیکھا ہے۔

(4) پھر آپ ملک کا تعلق اور سیاسی اور دینی کرتے رہتے ہیں۔ اور نہ صرف قریب و دور ملک کے اور نہ ممالک کو اپنے لیے حق سے سیر آپ کرتے رہتے ہیں۔

(5) آپ کے کچھ محوں پر کل پاکستان بھیرے علماء اسلام کی شکایت کا پلہ کر رہے ہیں یہ وہ آپ اور آپ سے نہایت خوش و سلمی سے علماء دین کی اس مفتی کو علم و کلام سے کر رہے۔
پہلوں سے کر رہے ہوں آگے جہاں بلکہ حامل مقصود کے قریب پہنچا ہے۔

(6) آپ کو ممالک شہر اور خطی کی سیاست پر بھی نظر رکھی پڑتی ہے۔ اور شیرازہ انجمن ملکی کی اسلامی سیاست کو بھی کامیاب رکھا ہے۔

(7) آپ شیرازہ اور دیگر خدائی سپاہی ہیں۔ یہ ان سیاست کے تبار و جہد آپ نے کئی گزشتہ قوی اسٹیبل کی ممبری کے زمانہ میں ڈیڑھ سو ممبران کے سامنے ڈیڑھ گھنٹہ و واج مانع و کل کا مصلحت قرار دیا۔ انہوں نے تمام حاضرین میں میں میں کرنے لگے۔ اور اپنی انکسار

کو آپ کی تحریک میں مطلب انہوں نے دیکھا اس طرح آپ نے اسلام کے قانون کا جواب دیا کر ایسی عالمی قوانین کے بارے میں دیتے۔

(8) آپ نے قوی اسٹیبل میں تمام ملکی مسائل پر سیر حاصل تھیں۔ فرما کر مسئلوں کو سمجھنا دیا کہ علماء حق اہل کے ہر میدان میں سب سے آگے ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(9) آپ نے شہرہ کی خانہ دین میں اور طریقوں سے علیحدہ تھے جس کا بہت کم لوگوں کو علم ہے۔

(10) آپ مسجد قرأت کے سامنے قاری ہیں۔ اور قرآن پاک سے خاص مشاجرت رکھتے ہیں۔

(11) ان تمام امور کے ساتھ ساتھ آپ تمام پاکستان کے دفاتر المدین العربیہ کے علم و اعلیٰ ہیں۔ ان کے سامنے احکامات اور دیگر انکسارات آپ کے ممبران ملت ہیں ان خطبے میں حضرت مولانا مفتی محمد شلیق صاحب مدظلہ کا خطاب دیا گیا اور حضرت مولانا محمد اور شلیق صاحب مدظلہ بھی ان کے ساتھ برسر کے شریک تھے۔

(12) آپ اجمالی علم تمام طوائف و مذاہب اور صبر و استقامت کے جسم نمونہ تمام دین و رسول ہیں۔

(13) نصرانی دنیا کو سیر و سوسال تک اسلام سے تیر و انساہی آپ کے ہاں سب سے نزدیک

مبتغی ہے اس نصرانی دنیا میں پوپ کی نمائندگی آج کل امریکہ کے سامراج کر رہا ہے جس کے خلاف حضرت مفتی صاحب مدظلہ تیر و انساہی اور امریکی پاپوں کی شکایتیں اور یہ وہی لوگوں کی ہر کوئی میں معروف ہیں۔

(14) ہاں وہ ایک آپ کو پوپ کے خطرناک چاریاں لا حق ہیں مگر آپ کے ان دینی مشاغل میں کی نہیں آ رہی۔

(15) آپ نے مگر تمام عالم اسلامی منعقدہ کام میں مسلسل تین سال ہا کر اسلام اور پاکستان کی بہترین نمائندگی کرتے ہوئے علم و فضل کی دھاک بٹھا دی ہے کیا اس طرح کی جانچ ہتھیں دینا یہ دعویٰ ہے؟ کتنا خوش قسمت ہے وہ ملک جس میں یہ حضرات سوار ہیں اور انہی خوش قسمت ہے بھیرے علماء اسلام جس کو ایسے رہنما ممبر ہیں۔

مولانا ہزاروی صاحب اپنے مضمون کی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے مفتی صاحب کے مخالفین کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں مگر تماشاً دیکھیے کہ آپ کی مخالفت کرنے پر بعض لوگ اوجھار کھانے بیٹھے ہیں۔ آپ کی مخالفت کون کون کرتا ہے۔

(1) ہزاروی کے لکھنے یا سامراہی چوبہ ہیں۔ یہ لوگ اکثر اپنا حق تنگ ادا کرنے کے لئے حضرت مفتی صاحب کی مخالفت کرتے ہیں۔

(2) جن کو جموت بولنے اور اتر آکر نہ ملتا ہے۔ جیسے ایک ملت اور نہ ملنے لکھدار حضرت مفتی صاحب نے 1939ء میں۔ درمیان قاسم العلوم ملتان میں یہ لکھنی دیا کہ مسلم لیگ لڑائی سے نکاح حرام ہے۔ اور اس سے حج والاہ ہو گی وہ حرامی ہو گی۔ حالانکہ اس وقت نہ تو درمیان قاسم العلوم بنا تھا اور نہ ہی حضرت مفتی صاحب ملتان تشریف لائے تھے۔ اس قسم کا فتویٰ تو کوئی اور فتویٰ عالم دین بھی نہیں دے سکتا ہے۔ چہ جائکہ حضرت مفتی صاحب موصوف جیسے مفتی اور حفاظ عالم دین۔ یہوں پر اس بیان کی تردید کی گئی مگر امر کی وجہ سے اس کو بار بار شائع کرتے اور تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ کسے کی ام ہیں بارہا سال اوتھ کی انکی میں بند کر رکھو۔ جب لکھو پھر نینر می ہو گی۔

(3) آپ کی مخالفت ایسے لوگ بھی کرتے ہیں۔ جن کا نسب مجہول ہے۔ اور جن کے پایوں کے عام چمپے ہوتے بلکہ اشتہار تک چھپتے ہیں کہ ان کے باپ نے بھی یا نہیں۔

(4) آپ کی مخالفت ان عناصر کی طرف سے ہوتی ہے جو صرف دوسروں کے گواہوں پر چلتے اور دوسروں کی بات چلتے ہیں۔

(5) آپ کی مخالفت ایسے لوگ بھی کرتے ہیں۔ جو اپنی اہل و کولہ کو بلاتواہ میں بھرتے اور اپنے پیوں کے۔

(6) آپ کی مخالفت وہ کہتے کرتے ہیں جو پانچ سو مفتی علماء کو کر گئے اور بھیڑیے لکھتے یا کہنے سے نہیں شرماتے۔

(7) آپ کی مخالفت وہ لوگ کرتے ہیں جو سنجیدہ پر اپنی لڑکیوں کے لئے چیز کی پیشکشوں کا ذکر کر کے دوسروں کو اشارہ اخوت دیتے ہیں کہ میری لڑکیوں کے بیاہ کے لئے جیسے میا کر۔

(8)

آپ کی مخالفت وہ ہیں جو اپنے کے لئے کرتے ہیں جو ایک دن ایک پارٹی کی تقریب اور دوسرے دن اس کو گالیاں دیتے ہیں۔

(9)

آپ کی مخالفت وہ محسوس کرتے ہیں جو ان کو جموت بولنے میں حرج آتا ہے مثلاً یہ کہ مفتی صاحب موصوف نے یوسف دہلوی لکھے حضرت مفتی صاحب نے اسے ہزاروی کے لئے اس کا جواب دیا ہے اس کے کیا ہے کہ مخلصت اللہ علیہ السلام ہوتی ہے ان کے غیر تو یہ پریشاں رہتی ہے۔ اس

(10)

آپ کی مخالفت وہ ایسے مفت لوگ کرتے ہیں جو کبھی آپ کو حضرت ابو حنیفہ اور حضرت ابو بن عقیل کا جی جانیں کہتے ہیں۔

(11)

آپ کی مخالفت وہ بے شرم کرتے ہیں جو دین سے جاہل ہونے کے باوجود صحابہ کرام کے خلاف لکھی ہوئی مریدانہ اور دنیوی کی کتاب "خلافت و علمائیت کی قرینوں میں زمین و آسمان کے علاقے ملتے ہیں۔

(12)

آپ کی مخالفت کرنے والے وہ لوگ لکھنا سکتی شہرت چاہتے یا آسمان طریقے سے بیت کا جنم پھر پاپا ہے۔

ہم ان امر کی وجہ سے ان کو بتا دیتا ہے کہ آسمان کا قہر کا منہ آتا ہے حضرت مفتی صاحب موصوف کے خلاف کہ اس کرنے سے۔

بجایہ علماء اسلام کی موثر بظلمت تعالیٰ آگے نکل اٹکی ہے۔ اب اس کے گرد و خیر کو بھونکنا صرف دشمن ہے۔

بجایہ علماء اسلام کے سامنے نہ اتر رہے نہ جاہل ہیں۔ وہ دین اور صرف دین کی سر بلندی کے لئے سرگرم عمل ہے نہ ان کا تعالیٰ کے ہوا کرتے ہوئے وہ اپنے فرائض کی

ادائیگی میں بڑے بڑے اولیاء کرام اور اولیاء عظام کی سرپرستی میں معروف عمل ہے۔ ان تعالیٰ حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمود صاحب کی عمر و صحت و اعلا میں اور علمی و عملی جہاد میں مزید رکات عزت فرماویں۔ آمین۔

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے حضرت مولانا مفتی محمود کے بارے میں جن خیالات و تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ وہ سب حق و سچ ہیں۔ اور وہ بلا مبالغہ جی برحق ہیں ایسے ہی

انہوں نے حضرت مفتی صاحب کے مخالفین کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ لوگ جو حضرت بڑا روٹی کے مزاج سے واقف تھے۔ وہ بھی کہیں گے کہ انہوں نے صحیح اور درست تشاہد ہی کیا ہے۔ لیکن پھر ایک غیر جانبدار آدمی جب یہ سوچتا ہے کہ 1970ء میں مفتی صاحب کے بارے میں آپ کے خیالات و تاثرات یہ ہیں۔ اور پھر 1973ء میں وہ اس کے بالکل برعکس دکھائی دیتے ہیں۔ تو یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

یا الٰہی یہ صاحب کیسی ہے

مفتی صاحب تو اپوزیشن میں رہے۔ حکومت مخالفت میں پیش پیش رہے۔ جبکہ مولانا بڑا روٹی صاحب حکومت وقت کے مکمل حامی رہے۔ مقدمات کسی نے حاصل کئے۔ موقوف کسی نے تبدیل کیا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ اپنے زمانہ کہہ کہ انہوں نے حکومت کی گود میں جانے کی ترغیب دی؟ اور اب وہ لوگ کہاں ہیں؟ کوئی ہے ان کا نام لے؟

مولانا مفتی محمود کا وزارت غلیا سے استعفیٰ کی وجوہات

یکم مئی 1972ء کو مولانا مفتی محمود نے صوبہ سرحد کی وزارت غلیا کا حلف گوارہ فرمایا۔ پشاور میں اٹھایا تھا۔ ان سے حلف اس وقت کے صوبہ سرحد کے ہائیکورٹ کے چیف جسٹس جناب شایب خان نے لیا تھا۔ یہ وزارت جمعیت اور نیپ کے درمیان ایک معاہدہ کی صورت میں عمل میں آئی تھی۔ مفتی صاحب نے لاہور تک صوبہ کے حکمران رہے تھے۔ 15 فروری 1972ء کو مسٹر بھٹو نے بلوچستان میں نیپ جمعیت کی تمام وزارت توڑ دی تھی اور صوبہ سرحد و بلوچستان کے گورنروں کو برطرف کر دیا تھا۔ یہ اقدام اس معاہدے کے سراسر خلاف تھا جس پر 27 اپریل 1972ء کو نیپ جمعیت اور بھٹو مرحوم نے دستخط کئے تھے۔ مولانا مفتی محمود نے اس غیر جمہوری اقدام پر احتجاج کیا تھا اور اس کے فوراً بعد وزارت غلیا سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ مسٹر بھٹو نے ان کی بہت مشقت سبابت کی تھی۔ طرح طرح کے لالچ دیئے تھے۔ کہ آپ تو ہمارے امام ہیں آپ سے کوئی لڑائی نہیں۔ سیاسی چاہے حکومت نیچے۔ کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ استعفیٰ کے بعد ایک

ملاقات میں مسٹر بھٹو نے آپ پر استعفیٰ واپس لینے پر زور دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ حکومت کا مزدور اب آپ کو آئے گا۔ آپ استعفیٰ واپس لے لیں۔ اور جو جی چاہے کریں اب تک ہم نے آپ کو حکومت کب کرنے دی ہے؟ مفتی صاحب نے جواب میں کہا تھا کہ بھٹو صاحب! آپ لڑنا سمجھتے ہیں حکومت میں مزے لینے یا جو چاہے کرنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ میں استعفیٰ واپس لینے کو تیار ہوں۔ لیکن اس سے قبل آپ کو اپنے اقدامات واپس لینے ہوں گے۔ (حوالہ از اہد الراشدی۔ ص 177-176)

جس دن مفتی صاحب نے وزارت سے استعفیٰ دیا تھا۔ اسی دن مسٹر بھٹو کی ہدایت پر اس وقت کے وزیر تعلیم جناب عبد الحفیظ بچ زادہ پشاور آئے تھے اور ان سے استعفیٰ واپس لینے کے لئے امرار کرتے رہے تھے۔ مگر مفتی صاحب نہیں مانے تھے۔ اور دو غالی ہاتھ واپس لوٹ گئے تھے۔

مسٹر بھٹو نے حریت کانفرنس کے صدر اور آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار عبد القدیم خان کو بھی درمیان میں لانے کی کوشش کی تھی۔ مسٹر بھٹو نے سردار صاحب سے کہا کہ آپ مفتی صاحب کو سمجھائیں ہم نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا تو وہ ہم سے کیوں قرض کرتے ہیں اور آرام سے حکومت کیوں نہیں کرتے؟ اسی مقصد کی خاطر مسٹر بھٹو نے حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کا پروگرام بنایا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب حضرت خواجہ صاحب کا دل سے عزت کرتے ہیں۔ اور جب خواجہ صاحب سے پوچھا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ میں مفتی صاحب سے کہوں گا کہ استعفیٰ کسی صورت میں واپس نہ لیا جائے۔ اور فرمایا میرا مسٹر بھٹو کو بھی یہی جواب ہو گا۔

ان سب کے جواب میں مفتی صاحب کا ایک ہی جواب ہوا کہ تھا۔ کہ نیپ سے ہمارا اتحاد اصولی ہے اور ہم وزارت کی خاطر اصولوں سے انحراف نہیں کر سکتے۔ بعض لوگ ہمارے اتحاد پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نے ایک سکالر جماعت سے اتحاد کر رکھا ہے۔ لیکن ادارہ موقوف یہ ہے کہ ہمارے اتحاد کی بناء پانچ نکاتی منصوبہ ہے۔ اور ایک سال دور حکومت میں نیپ نے اس اتحادی منصوبہ کی پوری پابندی کی ہے ویسے بھی مرکزی حکومت نے بلوچستان کی عوامی حکومت

اور سرحد و پنجاب کے گورنروں کو ہر طرف سے لے کر ہوا تو اس کا یہ اور اثر آئی اور جمہوریت کے مفاتیح ہے اس لئے ہم کی طور بھی آپ سے اتحاد نہیں کر سکتے۔ اسٹیجی محو سے لینے میں (184-183)

مظنی صاحب کی باقاعدہ کی حکومت کسی تھی۔ اس کا ایک عمومی ہائیڈرو صفر سے شیخ الحدیث مولانا مہدی الحق سابق ایم اے اے ہائی مہتمم اور علوم فقاریہ اکادمی کے اپنے القاد میں فوٹو لیا ہے۔ وہ اپنے ایک مضمون میں جو "مولانا مظنی محمود" نامہ ملت کی نظر میں شائع ہوا ہے۔ لکھتے ہیں۔

ان کا دور حکومت ایک اور تھی وہ وہ ٹیکنی و مہر و فکدہ اور انگریزوں میں ان کا مقامی اور حکومت ہے اس کے بعد اور حکومت میں صوبہ میں امن و امان کا ٹھہر ہے۔ شریک و کباب کی خطیں و دین میں "کنیں" سے کہوں کی وہ نہیں آتی تھیں۔ میں اختلاف سے اور اس سے وہ تھے صوبہ کے دارالامنی کی سرکاری رہائش گاہ سہرہ گارہ اختیار کر گئی اور سرحدی حکومت کے دفتر کے حاکم اس کے ساتھ کھاتے پیتے والے تھے۔ قتل و چور سے اور یہ نظارہ طور پر بائیں کرتے دیکھے گئے۔ سیاسی طور پر ان کے اور حکومت کو برتری حاصل رہی کہ صوبہ میں وہ فوٹو لیا کہ انہوں نے صوبہ کو چھ لکھ لکھتے تھے وہاں کوئی سیاسی قتل ہو نہ کسی پر لا علمی ہمارے اور کوئی ملکہ ملکہ تھے اور یہ صاحب وہ بھی نہ کہوں کہ حیات کی طرح قتل سے لئے ہوئے ان پر لا لیا کہ کھو ہوئے پر مجبور کیا گیا۔ مظنی کو لکھا کہ حکومت میں قتل کے ساتھ یہ کہنے والے تھے کیا ہے کہ کوئی حکومت چاہ سکتا ہے اور ان کی حکومت کا نام نہ بھی پیش کر سکتا ہے۔ مظنی محمود نے حکومت کے منصب کو ایک لمحہ سے بھی کوئی شخصت کر کے پھر ہی اقرارہ لاری اور شخص پر دیکھا کہ لئے استقبال نہیں کیا۔ انہوں نے اسے جسے منصب پر فائز ہونے کے بعد انہوں نے بھی کھڑی نہ کی تھی وہاں تو ایسا کہ اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کیا کہ علماء حکومت کی اس راہ میں سنبھالنے کے بعد علماء و شعرا کے قتل و چور پر چل سکتے تھے۔ مولانا مظنی محمود کی ملت کی نظر میں 1840-1841

پاکستان کی تاریخ میں ایک عالم دین کی سربراہی میں ایک قائم ہے مثال حکومت اور ایک شاندار طرز فکر کی کو افتادہ کی ہوس میں گرفتار قوتوں سے منجم نہیں اور ہاتھ اور انہوں نے ان کے راستے میں طرز طرح کی رکاوٹیں اور شہید سے شہید شہادت سے یہ کہنے کی لہر سوم کو ششیں گئیں۔ حضرت مظنی صاحب نے 21 فروری 1973ء کو تیسرے علماء اسلام کی مرکزی اور صوبائی مجالس شرعی کے ہنگامی منعقدہ اور میں ان مشکلات کا ذکر کیا جو مرکزی حکومت نے یہ بیعت کی صوبائی حکومت کے خلاف کی تھیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

مرکزی حکومت نے ان علماء میں صوبائی حکومت کے لئے مشکلات پیدا کرنے اور اسے ناکام بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ نہ کی (1) ہمارے لئے خوراک کا مسئلہ پیدا کیا گیا۔ (2) گناہ اور زمینداروں کو لڑنے کی سازش کی گئی۔ (3) بیعت کی گئی کے سوال پر ان اور آریہ اٹھائیں خان کے حرم کو لڑنے کی مجب چھائی گئی۔ (4) پانی کا مسئلہ پیدا کیا گیا۔

انہوں نے فرمایا کہ صوبائی حکومت کی راہ میں جو مشکل بھی وہ پیدا کر سکتے تھے انہوں نے نہیں۔ مگر اسلامی حکومت نے صبر و تحمل کے ساتھ ان کا سامنا کیا۔ اور آج میں فخر کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ صوبہ سرحد کی حکومت کا صیاب ترین حکومت ملے۔ انہوں نے وقت روزہ و ترنگان اسلام لایا اور یہ ہم ہمارے 1973ء

یہاں صوبہ ہما تیسرے یعنی گناہ اور زمینداروں کے لڑنے کی سازش کے بارے میں عرض ہے۔

کہ پشت نگر کے وسیع علاقے۔ تحت بھائی وغیرہ میں مظنی صاحب کی حکومت سے قبل وہاں لسانوں اور زمینداروں کے ٹکڑے چل رہے تھے جس کی وجہ سے ایک اور سرے اظراف سے نئی قتل بھی ہوئے تھے ان پر حد اکثر میں مقدمات بھی چل رہے تھے جس کی وجہ سے وہاں وسیع و عریض رقبے قتل و خمر تھے۔ گویا مظنی صاحب کو یہ مسئلہ اور شہ میں علاحدہ اس مسئلہ کو مرکزی حکومت نے مظنی صاحب کی صوبائی حکومت کے خلاف خوب اچھا لایا۔ ہر ایک ایڈیٹر چھوڑ پاری کے دور نہما جناب صبر و تحمل محمد خان وفاق اور یہ ٹھکر اور جناب طارق

عزیز (طارق عزیز شہوانی) ان فساد زدہ مذاقوں میں آتے۔ پیپلز پارٹی کے مقامی رہنما ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ اور وہ جگہ جگہ اس مسئلے کو مزید بڑھانے کی کوششیں کرتے۔ اور اس جنگ و جدل کی آگ کو مزید بھڑکاتے۔ صوبائی حکومت نے جب فساد کو کنٹرول کرنے کے لئے وہاں کچھ گرفتاریاں کیں۔ تو فریقین کی گرفتاری کو صوبائی حکومت کے خلاف پروپیگنڈے کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اس سلسلے میں جب مفتی صاحب سے پوچھا گیا تو آپ نے کہا۔

ہمارے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ ہم نے کسانوں کی گرفتاریاں کی ہیں۔

ہزاروں کسان جیلوں میں بند ہیں۔ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ہم نے تیرہ افراد

کو جو وہاں طبعی جگہ کر رہے تھے گرفتار کیا تھا۔ جسے ان پروپیگنڈے والوں نے تیرہ

بتایا ان میں چار افراد نے قریبی طور پر یقین دہانی کر دی کہ ہم آئندہ کسی قسم کی

غیر قانونی حرکت نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہیں اسی وقت رہا کر دیا گیا۔

آپ نے مزید کہا کہ جب میں گزشتہ دنوں ملتان کے دورہ پر آیا تو میں نے ملتان کے

بہت بڑے جلسے عام میں کہا تھا کہ میں ان تیرہ سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے کے لئے تیار

ہوں بشرطیکہ سندھ اور پنجاب کی حکومتیں بھی یہاں کے تمام سیاسی قیدیوں کو

چھوڑ دیں۔ لیکن میں نے کافی دن انتظار کیا کہ شاید یہ حکومتیں اس طرف توجہ دیں گی۔

لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ تا آنکہ میں نے کراچی میں (اپنے دورہ کے دوران)

پاکی ماہر قیدیوں کی رہائی کا حکم اسے دیا۔ اب وہاں بچے ہیں۔ آپ نے کہا کہ ہم نے

صوبہ سرحد میں جن تیرہ افراد کو گرفتار کیا تھا وہ سب غیر معروف تھے۔ اور ہم نے

ان تمام قیدیوں کو کوئی کال نہیں رکھا۔ لیکن صوبہ سندھ اور پنجاب میں جن افراد کو

گرفتار کیا گیا ہے وہ سب معروف ہیں ان میں کچھ سیاسی لیڈر ہیں اور کچھ اخبار نویس۔

[عہد ساز قیادت۔ ص 182، 183]

جہاں تک اوپر مذکورہ 4 کا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ

مفتی صاحب کی صوبائی حکومت کے دور میں پیپلز پارٹی کے زیر اہتمام ڈیرہ اسماعیل خان

میں جلسے عام کا فیصلہ ہوا جس سے پنجاب ڈویلفنڈ علی بھٹو صدر پاکستان نے خطاب کیا۔ مفتی

صاحب جناب بھٹو کے استقبال و ملاقات کے لئے ڈیرہ اسماعیل خان نہیں آئے تھے۔ جبکہ گورنر

صوبہ سرحد جناب ارباب سکندر خان ظلیل تشریف لائے تھے۔ جناب بھٹو صاحب نے یہاں اپنے حراج اور مخصوص مسائل کے ساتھ جلسے عام سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن میں یونیورسٹی کے قیام کی منظوری کا اعلان کیا۔ اس وقت ڈیرہ اسماعیل خان میں دو اضلاع، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان اور ضلع بٹوں شامل تھے۔ اور یہ دونوں اضلاع توحید علماء اسلام کے خاص گڑھ تصور کئے جاتے تھے بلکہ کوہاٹ سمیت ان اضلاع کی قومی اسمبلی میں نمائندگی توحید علماء اسلام کے پاس تھی۔

راقم الحروف، مولانا فضل الرحمن سمیت مصر کی نماز کے بعد حضرت مفتی صاحب کے

ساتھ وزیر اعلیٰ ہاؤس پشاور میں بیٹھا تھا کہ ارباب سکندر خان ظلیل کا ڈیرہ اسماعیل خان سے فون

آیا۔ اور انہوں نے جناب بھٹو صاحب کی تقریر کے اہم گوشے اور اہم اطلاعات کے بارے میں

مفتی صاحب کو آگاہ کیا۔ فون سننے کے بعد مفتی صاحب نے فوراً تاثر یہ قائم کیا۔ کہ یونیورسٹی کا

اعلان کر کے بھٹو صاحب نے ڈیرہ اسماعیل خان اور بٹوں کے عوام کو لڑانے کی کوشش کی ہے۔

ڈیرہ کے لئے یونیورسٹی اگرچہ مفتی صاحب اور جمعیۃ علماء اسلام کا دیرینہ مطالبہ تھا۔ اور انہوں نے

اس سے قبل سیاسی جلسوں میں قراردادیں نکالیں۔ ہنگامہ ایک وفد ایک ہاؤس پارلیمنٹ کے امرا

پشاور جا کر چیف سیکرٹری، سیکرٹری ایجوکیشن، پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر تک سے ملاقاتیں

کی تھیں۔ اور ان کے سامنے ڈیرہ اسماعیل خان میں یونیورسٹی کا مطالبہ رکھا تھا۔ لیکن جناب بھٹو

صاحب کا یہ اعلان جمعیۃ علماء اسلام کے ان اضلاع کے عوام کو لڑا کر جمعیۃ علماء اسلام میں دراڑیں

ڈالنے کی سازش کی وہاں انہوں نے مفتی صاحب کی صوبائی حکومت کو بھی سخت امتحان میں ڈالنے

کی نڈ موم کوشش کی۔ ارباب صاحب کی بات کو سن کر مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں اب اس کو

نہیں چھوڑوں گا یہ یونیورسٹی اس سے لے کر رہوں گا۔ اور پھر وہی ہوا کہ ہر میٹنگ میں وہ وقت

کاہینہ کی میٹنگ ہو۔ صدر پاکستان کے ساتھ ملاقات ہو یا کسی اور متعلقہ فورم پر ہو آپ نے اس مسئلہ

کو اٹھایا۔ حتیٰ کہ مجبوراً مرکزی حکومت کو ڈیرہ اسماعیل خان میں یونیورسٹی کی منظوری کا فیصلہ کرنا

پڑا۔ لیکن بھٹو صاحب کا ڈیرہ اسماعیل خان میں ڈویژن کے لئے یونیورسٹی کے اعلان سے جو ارادہ

حکومت نے اپنے اخبارات کو مفتی صاحب کی حکومت کے خلاف خوب استعمال کیا۔ ایک
 "کامیاب اخبار" شہسباز تھا جو اپنی بساط پر صوبائی حکومت کی خبریں نشر کرتا تھا۔ لیکن
 اس کے قارئین کا دائرہ بہت محدود تھا۔ اس سلسلے میں صوبائی حکومت اور جیشمل پریس
 ٹرسٹ کے اخبارات کے درمیان کئی "جنگیں" لڑی گئیں۔

(8) سرحد میں مرکزی حکومت نے قومی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کو صوبائی حکومت کو اجازت
 میں لئے بغیر ملتوی کر دیا۔ اس طرح جمعیت نیپ حکومتوں کے ساتھ مرکزی حکومت کا
 ٹھٹھا منظر ہر سامنے آ گیا۔

(9) وزیر میں خان عبدالولی خان صدر رینٹل عوامی پارٹی کے جلسوں پر غارتگ کرانی گئی۔ مولانا
 مفتی محمود نے صوبائی کابینہ کے مشورہ کے بعد پورے آف ریونیو کے میر عجم خان کو تحقیقاتی
 بافر مقرر کیا۔ صوبائی حکومت نے تحقیقات کے لئے 45 افراد مقرر کر لئے۔ مگر مرکزی
 حکومت نے خالص صوبائی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے شروع کر دی۔ اور مرکزی سطح پر ایک
 تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی تاکہ اپنے حامیوں کو بچایا جاسکے۔

(10) صوبوں میں حکومتوں کا قیام ہمارے لئے ایک عبوری آمین کے تحت عمل میں
 لایا گیا تھا جس کے تحت اقتدار کی ساری باگ ذمہ داری مرکز اور خاص کر صرف صدر پاکستان
 جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ہاتھوں میں تھی۔ اس لئے بھی صوبوں کی حکومتیں بہت
 محدود دائروں میں کچھ کام انجام دے سکتی تھیں۔

(11) سوپہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کی حکومتوں کو ناکام بنانے کے لئے سب سے زیادہ کام خان
 عبدالقیوم خان نے کیا ہے بلکہ وہ بر ملا کہا کرتا تھا کہ میں وزیر داخلہ بنائی اس لئے ہوں کہ
 دونوں صوبوں کی حکومتوں کو ناکام بنائیں اور ان کا خیال تھا کہ وہ ان حکومتوں کو ایک ہفت
 کے لئے نکلے نہیں دے گا۔ مگر ان کا خیال تو خیالی ہی رہا البتہ دس گیارہ ماہ بعد وہ ضرور

اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا۔

(12) ایک جگہ مولانا ذوالفقار علی بھٹو لکھتے ہیں کہ

آپ حیران ہوں گے کہ ایک طرف تو مسٹر جیٹو دھڑے طیف تھے اور دوسری طرف
 ہمارے دربار سے ہر ٹیپ تھی۔ چنانچہ وہ مدت ان اسی بات پر محنت کرتے رہے کہ کسی
 طرح مفتی محمود کو وزارت اعلیٰ سے الگ کر دیا جائے۔ یونہی غلطی ہو رہی تھی کہ وہ ہر حد تک کامیاب
 گواہیات دے۔ کئی قہقہے بھرنے بھرنے کاموں کے علاوہ مفتی محمود کے اہم
 منصوبے ناکام بنائے جائیں۔ اور ان کے امکانات کی تفصیل کی بجائے ان میں قانونی
 موافکیاں پیدا کر کے اٹھادیئے جائیں۔ سچا وہ تھی کہ مفتی محمود نے مسٹر جیٹو اور ان
 کی حکومت کے خلاف صوبوں کا دورہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ (تذکار محمود، ص 175)

(13) حضرت مفتی محمود صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں جو "مفتی محمود سے ملنے" کتاب میں
 شائع ہو رہا ہے جس میں وہ صوبہ سرحد بلوچستان کی صوبائی حکومتوں کے خلاف مرکز کے
 اقدامات پر روشنی ڈالتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

ہو سکتا ہے اس کھیل کے پیچھے الیاء کا بھی ہاتھ ہو۔ کیونکہ الیاء کی طاقت سازشی
 طاقت ہے اس کے پیچھے امریکا اور یورپی سامراج کا ہاتھ ہے۔ قائدیان کے عظیم
 سے ملک و قوم کو ہر وقت خیر دار رہنا چاہیئے اور ہم قوم کو اس قدر سے محفوظ رکھنے کی
 ہر پرکھ چشمت کر رہے ہیں۔ اور مجتہد آجین میں ہم تمام کر دینے کی کوشش کریں گے
 کہ پاکستان کی اہم اور کلیدی اساسی مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوں۔ اور اس
 کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدت اور سرور کائنات علیہ السلام کی قسم اٹھاتی ہوں
 اور ان کا دل رکھنا ضروری ہو۔ ہم نے تسلیم کر لیا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام
 ہو گا۔ اس لئے کہ جیسے کسی کیونٹ ملک میں غیر کیونٹ کو کلیدی اساسی پر مقرر

نہیں کیا جاسکتا۔ اور کیونٹ (Capitalist) ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کے
 خلاف عقائد اور موقف رکھنے والے کو کلیدی اساسی پر تعین نہیں کیا جاسکتا تو پاکستان
 میں بھی کسی غیر مسلم یا اسلام کے باغی کو کلیدی اساسی پر قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر
 اللہ کی اس تربیت کو منظور کیا گیا تو پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار دینے کی شق
 بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ یہ حال جہاں تک الیاء کا تعلق ہے ان سے کوئی بھی
 بات عید نہیں لیکن ہم یہ کہہ کر اپنی امدادوں سے عید و بر آئیں ہو سکتے ہیں بلکہ ہمیں
 متحد و منظم ہو کر کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے منصوبے خاک میں مل جائیں۔

(14) جو پاکستان اور سرحد کے گورنروں کو یہ طرف کر سنے کے لئے الزام لگایا گیا ہے کہ وہ صدر کے نمائندہ کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام رہے ہیں۔ مفتی صاحب نے اس بارے میں بتایا کہ

یہ ایک مجموعہ الزام ہے اس کا کوئی ٹکڑا نہیں۔ انہی طور پر صدر کو گورنر کے فرائض سنبھالنے کا حق حاصل ہے اس لئے کہ ان گورنروں کا فرائض سنبھالنے کے ایک سے فرقی سمجھنے کے تحت عمل میں آیا تھا جس کے تحت صدر اپنے اس اختیار سے استعفاء دے سکتے تھے۔ اب صدر جس نے یہ اقدام کر کے ایک طرف حور سمجھتے کہ کالعدم کر دیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ صدر اس اقدام سے قبل فرقی کا فرائض سنبھالتے اس میں ثابت کہ صدر کے کوئے انتظامات ہیں جن کی تعمیل نہیں ہوئی اور گورنروں کی غیر آئینی حرکات کو ان ہی میں گورنر طرف کر کے لازم کر دیا کرتی ہیں۔ لیکن صدر نے یہ نہیں کیا بلکہ گورنروں کو ملنے دے کے ہائے انتظامات بدلتے ہوئے ان میں بھی تبدیلیاں نہیں دیکھیں۔ صرف اس پر اتفاق کیا کہ اس وقت تبدیلیاں میں جالنے کا وہ نہیں ہو گا۔ مفتی محمد اسد نے 178-179

(15) طاقت ور ذہن "افریسیا" کو انگریزوں میں آپ نے دیکھا ہے۔

پانچ سو سالہ پاکستان میں یہ رعیت کی اکثریت تسلیم کرنے اور ان کے حقوق سے مسلسل گریز کیا گیا لیکن یہ مابقی دنیا کا کیا حال ہے اور سرحد و بلوچستان میں یہ رعیت کو وزارت طلبہ کی اہلیات دی گئی۔ ان دونوں صوبوں میں جب عدالتی حکام نہیں تھے تو کسی جج پر پانی کا تان کر رکھ دیتے تھے۔ بعد کیا لیکن ہم نے صوبہ طرہ کہہ دیا کہ یہ حکومت کسی جج میں نہیں لی۔ بلکہ یہ ادارہ حق ہے اور ہم ان کو طرہ کا حق استعمال کریں گے۔ اس کے بعد میں حکمرانوں کو کام کرنے کے لئے طرح طرح کے دھوکے، جھوٹے استعفا کے گئے تاکہ جب کوئی مرے گا کہ وہ تو بلوچستان کی وزارت کو توڑا اور میں نے احتجاجاً سرحد کی وزارت طلبہ استعفیائے واپس دیا اور یہ وہی کوئی کھڑی اور کوئی کہہ دیتا ہے جس میں ادارے ساتھ ظہر پاتی اور جیہٹہ گورنر نہیں تھا۔ ایذا اظہار کر دیا اور اس مقام لاہور میں 1852

(16) روزنامہ "سحریت" شکر ایچی میں حضرت مفتی صاحب کا انگریز شائع ہوا ہے جس میں اس کے لکھنے والے مفتی صاحب سے یہ سوال کیا کہ

سوال: کیا آپ کے خیال میں وہ صوبہ سرحد میں امن و امان علیٰ حق ہے یا نہیں ہے؟

جواب: جی نہیں ایسی وجہ کہ عدالتی حکومت اپنے فرائض چھوڑنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔

اور نمائندہ طاقت ہے کہ ایک مفتی صاحب کا خیال یہ نہیں اور ان کی بڑبازلی کی "مکتبی" طرف چلا گیا۔ کہنے لگے یہ بات بہت افسوس ناک ہے کہ یہ نہیں دیکھنے والے یہ قانون کے رکھنے والے ہیں خود ہی قانون کو اپنے ہاتھ میں لپٹنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ عدالتی حکومت نے ان کی ایسی کو تسلیم کر لیا ہے۔ جس کے لئے آئین بھی بنایا گیا ہے اور ان کی آئین کے مطابق کام کرنے کی تلقین ہے لیکن آئین کی مدد سے دہرا کر کوئی مطالبہ پیش کیا گیا تو حکومت اسے بر کر تسلیم نہیں کرتی۔ ہم نے وہی آئین کو اس کے حکم کیا کہ مرکزی وزراء اسے ان سے اصرار کیا تھا جسے بر حال میں چارٹرڈ کالج دہلی تھا۔ "قانونی" 11 اگست 1946ء

یہ نہیں کی بڑبازلی کا واقعہ بھی مرکزی حکومت اور اس کے وزراء کی صوبائی حکومت کے خلاف ایک سازش تھی۔ پاکستان کی ساری سکرٹری فورسز میں بڑبازلی کا اس سے قبل کوئی ایسا واقعہ نہ لکھا نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ہی ان کو یہ نہیں ساری یا ایسی ہی آئین قائم کرنے کی اہلیات ملی ہے۔ یہ واقعہ مثال ہے جو جو حکومت اور اس کے وزراء کی سازش اور ملی طاقت سے ایک ایسی حکومت کے خلاف اس قسم کی بڑبازلی کرانی گئی۔ یہ نہیں نے ذہنی پھول دینی۔ ایسوں نے اپنے مطالبات کے حق میں دھوکے کئے۔ جس کی وجہ سے صوبے میں بد امنی اور انتشار کی کیفیت پیدا ہوئی اگر مفتی صاحب کی حکومت یہ وقت ایسے اقدامات کرتی ہے اس وقت کے اعتبار سے جنگی طور پر ضروری ہوتے ہیں۔ ایک تو مفتی صاحب نے ایف سی، ملیٹیڈ وغیرہ کو امن و امان، انریٹک کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا حکم دیا۔ اور دوسرا یہ کہ بڑبازلی یہ نہیں ملازمین سے نہ اگر ان کا سلسلہ شروع کر دیا جو بڑبازلی کا میاں یہ بڑبازلی اور صرف وہ دونوں میں حکومت نے سارے حالات کو

کنٹرول میں لے لیا۔ مفتی صاحب نے اپنی فراست، معاملہ جھکی اور وقت کاروائی سے اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ یہ مرکزی حکومت کی صوبائی حکومت کے خلاف ایک بہت بڑی سازش تھی۔ جس کو مفتی صاحب نے بروقت اقدام سے اس کو ناکام بنا دیا۔

(17) صوبہ سرحد میں صوبائی حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تسمیا کو پے لگس ہے اور وہ مراٹھا کی پیداوار کے ذرائع۔ یہ دونوں ذرائع مرکزی حکومت نے اپنے کنٹرول میں رکھے ہیں۔ اور صوبے کو اپنے وسائل سے لاشعور کر دیا گیا ہے۔

(18) مفتی صاحب کی حکومت ایک عوامی حکومت تھی۔ آپ نے اپنے دفتر اور وزیر اعلیٰ ہاؤس کے دروازے عوام کے لئے کھلے رکھے تھے۔ ان سے بروقت ملاقات ہر شخص پاسانی کر سکتا تھا۔ آپ نے صوبائی حکومت کے افسروں اور ملازمین کے لئے قومی لباس کو لازمی قرار دیا تھا۔ جسکی لباس پہن کر کسی اور عوام میں بعد کی علیحدگی کو وسیع کرتا ہے۔ قومی لباس میں افسر راقبت اور عوام ملاقاتی ملے اس نظر آتے تھے۔ اس لئے ایک قریب اور اعتماد کی فضا ہوتی تھی۔ آپ نے دفتری زبان کو فارسی قرار دیا تھا۔ عام تحریری خط و کتابت اردو میں ہوتی تھی۔ یہ بھی بڑی قریب کا ایک ذریعہ تھا۔ جبکہ بھٹو صاحب کو یہ بات کھلکتی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے ایک بار اس بات کی شکایت گورنر صوبہ سرحد اور باب سکندر خان غلیل سے کی۔ اور قہر اڑا دیا۔

وزیر اعلیٰ ہاؤس میں ملاقاتیں اور دہلیات جہات کے لوگوں کو رکھ کر ایک بار جھٹلے کاہیت بھی کی کہ آپ لوگوں نے گورنر ہاؤس اور پرانے مشن ہاؤس کا بیڑا فرق کر دیا۔ لیکن مفتی صاحب کے ملاقاتیوں میں کوئی کی آئی اور ان کے اپنے معمولات میں کوئی فرق آیا۔ مولانا مفتی محمود (مدظلہ کی بھرتی میں) 21

(19) یہ میرا قلم الحروف کا لہنا تھا ہے۔

ایک دن (جمہور الہیاد) مولانا فضل الرحمن کی رفاقت میں وزیر اعلیٰ ہاؤس میں راقم الحروف موجود تھا۔ جمہور الہیاد کے دن مفتی صاحب کا معمول پشاور کی کسی مسجد میں تقریر اور خطبہ کا ہوتا تھا۔ اس جمہور الہیاد کو انہوں نے مولانا محمد امیر بھٹی گھر صاحب

کی مسجد میں جمعہ پچھلے راقم الحروف نے بھی ساتھ چھٹے کی اجازت طلب کی۔ جو انہوں نے دے دی۔ جب راقم الحروف نے گاڑی میں بیٹھ کر کوہاٹ روڈ کی طرف ہلال پڑے تو راقم الحروف نے فٹ پاتھ پر چند مرد و خواتین پیسی دیکھے۔ راقم الحروف نے مفتی صاحب کی توجہ ان کی طرف مبذول کر لی چاہی۔ یاد رہے کہ اس سال بے شمار مرد و خواتین پیسی نے صوبہ سرحد کا رخ کیا تھا۔ وہ ہر جگہ ہو گلیوں میں، بس اڈوں پر، بازاروں میں، فٹ پاتھوں پر منگشت کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ شہر کے علاوہ ریہاتوں تک جاتے تھے۔ جو کہ اس کے بعد نہیں دیکھے گئے۔ معلوم یہ کون تھے؟ کہاں سے آتے تھے؟ اور کہاں ٹائپ ہو گئے؟ راقم الحروف نے مفتی صاحب سے ان سیسوں کے بارے میں پوچھا کہ یہ کس غرض سے یہاں آتے ہیں۔ اسلام آباد سے سیدھے وہ یہاں کا رخ کرتے ہیں۔ لاہور، ملتان، فیصل آباد اور کراچی میں اس تعداد میں نظر نہیں آتے جتنے وہ یہاں صوبہ سرحد میں آتے ہیں۔

بتائے گئے کہ ان کی بڑی خطرناک سرگرمیاں ہیں۔ بہت سے خراب اخلاق کاروائیوں میں ملوث پائے گئے ہیں ان کی حرکات کے بارے میں ہماری اپنی اسپیشیوں کی جو رپورٹیں لکھا وہ بہت رعب فرما اور ہوش رہا ہیں۔ راقم الحروف نے فوراً صوبائی وزیر اعلیٰ سے یہ سوال کیا۔ کہ پھر آپ کی حکومت، آپ کی قورس آپ کی دیکھنیاں ان کو روکتی کیوں نہیں؟ فرمانے لگے یہ کام اس سے بھی زیادہ حساس اور خطرناک ہے۔ مرکزی حکومت اور وزارت داخلہ، صوبائی وزارت داخلہ اور پولیس سربراہ کو باقاعدہ ان کی حفاظت کے بارے میں تاکید کی اور حکامات جاری کرتی ہے۔ اور یہ کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ اور یہ حد مر جانا چاہتے ہیں ان کو کھلی آزادی ہے۔ اور پھر روڈوں کی بنیاد پر رپورٹس مانگی جاتی ہیں۔ راقم الحروف نے اس سلسلے میں ایک پنگاٹ تجویز پیش کی۔ مگر مفتی صاحب نے جتنے ہوئے فرمایا کہ اس کا الزام پھر بھی صوبائی حکومت پر ہی آئے گا۔ اس لئے باوجود ان کے خراب اخلاق کرتوتوں کے ہم ان کے راستے میں رکاوٹ نہیں

ہن سکتے۔ راقم الحروف نے ان کے کہ تو ان کے بارے میں استفسار کیا تو فرماتے گئے۔
یہ شہروں میں، دیہاتوں میں نو جوانوں کو برے فعل کی ترغیب دیتے ہیں۔ خود بھی
منشیات استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کو بھی منشیات کے استعمال میں مبتلا کرنے
کی کوشش کرتے ہیں۔ راستے میں آتے جاتے مرد و خواتین ایسی حرکات، ایسے اشارات
کرتے ہیں جس سے نوجوانوں کو برائی کی ترغیب ملتی ہے۔

راقم الحروف یہ سمجھتا ہے کہ یہ بھی منشیات کی حکومت کے خلاف سرگرمی
حکومت کی ایک سازش تھی۔ تاکہ کوئی غیر مسلمان ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔ یا
فورس کے بارے میں ایسی کوئی شکایت نہ ملے۔ کہ ان کے مقاصد پورے کرتے جس رکاوٹ بنے ہیں
جو سرگرمی کو اسوہائی حکومت کے خلاف کارروائی کا کوئی ہوا ہاتھ آئے۔

یہ وہ متعدد وجوہات، واقعات اور شکایات تھیں۔ جو بینہ حکومت نے منشیات کی
حکومت کو ناکام بنانے کے لئے استعمال کئے۔ اور بالآخر منشیات کی حکومت نے اپنی وزارت کی آئی کو
لاست مار دی۔ اور علماء اور ویدہ اور ملحد کی لالچ رکھ لی اور ان پر اس حقیقت کو واضح کر دیا۔ کہ علماء
بے یار و مدد میں بھی پرامن اور کامیاب سرگرمی کے ساتھ دنیا کے لئے مثال قائم کر سکتے ہیں۔

آپ کا مختصر دور حکومت نہ صرف دینی و شرعی اور قانونی اعتبار سے ایک مثالی حکومت
تھی۔ بلکہ عوامی، سماجی اور معاشرتی امن و ترقی کے اعتبار سے بھی بے نظیر تھی۔ آپ نے جو عوام
سے تھے اس لئے عوامی مسائل و مشکلات سے بخوبی واقف تھے۔ اس مختصر عرصہ میں آپ نے
عوامی مسائل و مشکلات کے ازالہ میں کھدائی کر دیا کیا تھا۔ اس لئے آپ کی حکومت سے اس قدر
عوام نے رائے عامہ کا بہت بڑا انحصار سمجھا اور اس کو صوبہ سرحد کی ترقی و استحکام کے خلاف

سازش سے تعبیر کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس سال 4 اپریل 2010ء کو جناب، اہل اقتدار علیٰ جنوری
برسی کے موقع پر پروگرام "جنگ" راولپنڈی میں جناب، جنو صاحب کے ایک تقریر نے جو
نیویارک (امریکہ) میں رہائش پذیر ہے۔ اور جس کا نام ٹی وی کا قلمبر ہے۔ جنو صاحب کے
اوصاف، صفات اور عوام میں ان کی مقبولیت کے واقعات سمجھنے کے بعد انہوں نے ان کی بات

غلطیاں بھی تحریر کی ہیں۔ جنو صاحب سے سزا ہوئی تھیں جس سے جنو کے مخالفین اور دشمنوں
کے ہاتھ مضبوط ہوئے تھے۔ جبکہ جنو صاحب کو بھائے بدنامی، سیاسی زوال اور جمہوریت و قلمی
کے تحفظ کے اور کچھ حاصل نہ ہو۔ وہ ان غلطیوں میں سب سے بڑی غلطی منشیات کی حکومت
کے لئے کہ قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

اللہ قلام خالق اور روح کے باوجود جنو سے بہ حیثیت انسان اور سیاست دان چند غلطیاں
سرزد ہو سکتی ہیں۔ جن کی وجہ سے جنو کے مخالفین اور دشمنوں کے ہاتھ مضبوط ہوئے۔
بھری تاریخ و الہام کے مطابق اقتدار میں آنے کے بعد جنو کی سب سے بڑی سیاسی غلطی
صوبہ سرحد کی حکومت کو گرفتار کیا انسان کے لئے اور ناکام جمہوریت کا نام ہے۔ یہ
ایک ضرب کاری تھی اور جنو کو اس وقت کامیاب و یوں میں جھکنا پڑا۔ ایک طرف جنو کی
جمہوریت کا کچھ متاثر ہوئی۔ تو دوسری طرف بی بی پی اور بی بی سی کے منشیات جنو کی
باہر بارہ کی برائتوں کے، یہاں شکوک، شبہات اور اتفاقات نے جنم لیا۔
اور نام "جنگ" راولپنڈی (4 اپریل 2010ء)